سفیرِ نور

تسلیم رضا خان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

"وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ
اَمْوَاتًا ؕ بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ ۙ"

(سورۃ آل عمران - آیت ۱۶۹)

اور تم گمان بھی نہ کرو کہ کشتگانِ راہِ خدا مُردہ ہیں۔ نہیں، وہ
زندہ ہیں اور اپنے رب کی طرف سے رزق پاتے ہیں۔"

سفیرِ نور

تسلیم رضا خان

العارف اکیڈمی پاکستان

5 — مسلم ٹاؤن، لاہور

جملہ حقوق محفوظ ہیں

ناشر : العارف اکیڈمی پاکستان

اشاعت اول:۔ جولائی 1994ء

اشاعت دوم:۔ 6 نومبر 1998ء

اہتمام پرنٹنگ:۔ الوفا پرنٹرز اینڈ پبلیکیشنز

تعداد اشاعت : ۱۰۰۰

قیمت :

ملنے کا پتہ

مکتبۃ الرضا

۸۔ بیسمنٹ میاں مارکیٹ اردو بازار، لاہور

فون نمبر: ۷۲۳۵۱۶۶

انتساب

مقتل میں بہنے والے

شہید کے خون کے پہلے قطرے کے نام
جو 61ھ کی کربلا میں بہنے والے پاک خون
سے متصل ہوا۔۔۔۔۔۔۔۔اور "ارجعی الیٰ ربک"
کی منزل پر فائز ہو کر
ہر دور کے حسینیوں کو
کربلائیں سجانے کا عزم
دے گیا۔۔۔۔۔۔!

باسمہ تعالیٰ

اظہار تشکر

کتاب کی تکمیل پر سب سے پہلے میں اپنے رب کے حضور شکر گزار ہوں جس نے مجھے صحت اور صلاحیت دی جس کے باعث میں نے مظلوم کی جدوجہد اور اس کے خلاف ظالموں کی سازشوں کو بے نقاب کر کے اپنی نجات کا سامان پیدا کر لیا۔ اسی دوران میں نے رب ذوالجلال سے زندگی کی اتنی مہلت مانگی تھی کہ کتاب مکمل کر سکوں۔ لاکھ لاکھ شکر ہے اس ذات باری کا جس نے مجھے اس عظیم سعادت کی بجا آوری میں مہلت بخشی۔

دل کی اتھاہ گہرائیوں سے ممنون ہوں ان پیارے بھائیوں کا جنہوں نے معلومات سے مستفید کیا' مواد کو یکجا کرنے اور اسے ترتیب دینے میں میری مدد کی' ملک بھر کے دورہ جات میں میرے ہمسفر رہے' گرمی کی حدت اور سردی کی شدت میں وہ کسی مقام پر گھبرائے نہیں بلکہ مجھے حوصلے عطا کرتے رہے۔

میں شہید کے رفقاء اور اہل خانہ کا تہہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں جنہوں نے شہید کے بارے میں منفرد اور قیمتی معلومات سے نواز کر ملت اسلامیہ پر احسان کیا۔

مجھے اعتراف اور تشکر ادا کرتے ہوئے مسرت نصیب ہو رہی ہے کہ برادر سید راشد عباس نقوی نے نہ صرف اس کار نمایاں کی بنیاد فراہم کی بلکہ قدم قدم پر مجھے حوصلے دیتے رہے۔ اگر ان کی محبت شامل حال نہ ہوتی تو شاید میں ساحل سے ہی آغاز سفر نہ کر پاتا۔ اگر ان سے دیرینہ عقیدت کی اساس مستحکم نہ ہوتی تو میں پر خطر وادیوں کی مسافت طے کر کے منزل سے ہمکنار نہ ہوتا۔ مجھے تسکین حاصل ہو رہی ہے اور ہوتی رہے گی کہ میں نے اپنے ایک عظیم بھائی کی خواہش کی تکمیل کے لئے یہ فاصلے طے کئے جن کا سوچ کر حواس پگھل جاتے تھے اور وہ کچھ کر بیٹھا جس کا اب بھی یقین نہیں آتا۔

ممنون احسان ہوں محترم بھائی ڈاکٹر محمد علی نقوی کا جنہوں نے ہر قدم پر حوصلہ افزائی اور شفقت فرمائی۔ بالخصوص انہوں نے میرے مسائل دریافت کرنے میں یہاں تک دلچسپی لی کہ میرا احساس تنہائی جاتا رہا۔

مجھے فخر ہے اپنے عظیم والدین پر جنہوں نے نہ صرف میری پذیرائی فرمائی بلکہ میرے کام کو نہایت افتخار سے سراہنے کے ساتھ ساتھ مجھے بے پناہ مالی تعاون سے نوازا جس کے باعث میں نے مطمئن ذہن اور ضمیر کے ساتھ اس کام کو انجام تک پہنچایا۔ خدا انہیں مزید نعمتوں سے مالا مال فرمائے۔

اس کار عظیم میں مختلف دوستوں نے جس خلوص اور محنت سے کتاب کے آخری مراحل کو پایہ تکمیل تک پہنچایا میں ان کے تعاون کا بے حد ممنون ہوں۔ آخر میں صمیم قلب سے متشکر ہوں ان بہن بھائیوں اور بزرگوں کا جنہوں نے سینکڑوں خطوط کے ذریعے میری حوصلہ افزائی فرمائی اور مجھے دعاؤں سے نوازا۔ خدا ہم سب کا حامی و ناصر ہو۔

محتاج دعا

تسلیم رضا خان

تکمیل احساسات کا سفر

آنے والی نسلیں گھروں میں آویزاں تصاویر دیکھ کر یا محفلوں میں تذکرے سن کر اپنے بزرگوں سے استفسار کر سکتی ہیں کہ وہ کون تھے .... زمانہ انہیں کیوں یاد کرتا ہے .... محافل میں ان کے حوالے کیوں دیئے جاتے ہیں .... آخر انہوں نے کیا کیا کیا....؟ یہ جملے ڈاکٹر محمد علی نقوی کے تھے جو انہوں نے ۱۰ مئی ۱۹۹۲ء کو ایک شام دوران سفر سید راشد عباس نقوی اور مجھے مخاطب کرتے ہوئے کہے۔ چونکہ سفر میں گفتگو شہید مظلوم علامہ سید عارف حسین الحسینی کے ملت اسلامیہ پر احسانات کی ہو رہی تھی لہٰذا ڈاکٹر صاحب کی مراد بھی وہی تھے....

ان تجسس بھرے جملوں نے ذہن کی دہلیز پر دستک دی اور سوچوں میں ارتعاش پیدا کر دیا۔ میں انہی لمحات میں کچھ سوچ ہی رہا تھا کہ راشد بھائی کہنے لگے اپنے محسن کے احسانات کا کم سے کم بدلہ یہی ہو سکتا ہے کہ ان کی یادوں کو زندہ رکھا جائے تاکہ ان کے احسانات کا احساس تاریخ کے دوش پر سفر کر کے آئندہ نسلوں تک منتقل ہوتا رہے۔ یہ بات سنتے ہی ایک درد سینے میں اٹھا اور ۵ اگست ۱۹۸۸ء کے اس ارمان کو زندہ کر گیا جو مظلوم قائد کے لاشہ کے غسل کے بعد دل میں نشتر بن کر اترا تھا۔

میں ابھی سوچوں کے بھنور میں تھا کہ راشد بھائی نے کہا "تسلیم بھائی ہمت کرو" قریب بیٹھے ہوئے اپنے ہمسفر کی یہ آواز یوں محسوس ہوئی جیسے ساحل پہ کھڑا ہوا کوئی ہمدرد مجھے حوصلہ عطا کر رہا ہے۔ بس اسی دوران تجسس احساس بن کر تڑپا اور عزم کی حدود میں داخل ہو گیا۔

طے پایا کہ وہ سفیر نور جو ظلم کے خلاف طوفان بن کر اٹھا' مظلوموں اور محروموں کے سروں پر تحفظ کی فضا بن کر چھایا' سامراجیت اور نجدیت پر بادل بن کر گرجا اور آمریت پر ٹوٹ کے برسا' استبداد و استحصال کے اندھیروں میں بجلی بن کر چمکا' عالم اسلام میں خوشبو بن کر پھیلا' ملت اسلامیہ کے دلوں میں اترا اور آنکھوں سے غائب ہو گیا' کی دنیا بھر میں بکھری ہوئی یادوں کو تاریخ کے دامن میں سمو لیا

جائے تاکہ زمانہ ان کے نقش پا کا رخ دیکھ کر منزلیں متعین کر سکے۔ جس طرح تجسس کو احساس کی دہلیز پر پہنچنے میں دیر نہ لگی اسی طرح احساس کو عشق میں کروٹ بدلتے وقت بھی عرصہ نہ لگا۔ چونکہ مجھے شہید مظلوم علامہ سید عارف حسین الحسینی کا آغوش مادر سے صحن مقتل تک کا سفر بیان کرنا تھا لہٰذا ۲ جولائی ۱۹۹۲ء کی ایک شام میں شہید کے آبائی گاؤں "پیواڑ" پارا چنار کی طرف عازم سفر ہوا۔ آغاز میں میرے ذہن میں اس تاریخ ساز شخصیت کے متعلق محدود سوالات تھے مگر آپ کے رفقاء' ملازمین اور اہل خاندان سے معلومات حاصل کرنے کے بعد میں آپ کی شخصیت کی گہرائیوں سے آگاہ ہوا اور حیرت و غم کی وادیوں میں ڈوب گیا۔

اس سے قبل میں ان خوش نصیب لوگوں میں شامل تھا جنہیں کسی نہ کسی حوالے سے آپ کی قربت کا شرف حاصل تھا مگر میں دیگر احباب کی طرح آپ کی زندگی کی ان حقیقتوں سے ناآشنا تھا جو وقت کی دبیز تہوں میں لپٹی ہوئی تھیں۔ ماضی کی یادوں کے رخ سے نقاب ہٹا تو ایسے ایسے باب کھلے جنہوں نے عظمت انسان' حقیقت زندگی اور لطف الٰہی کے مفہوم سے آشنا کر دیا۔ آپ کے رموز زندگی سے آشنائی کی جستجو نے مجھے مسافت کے ہر قدم پر لذت بخشی اور میں تلاش عارف میں اتنا دور نکل گیا کہ مجھے نہ صرف نقطہ آغاز سفر یاد نہ رہا بلکہ مجھے احساس ہونے لگا کہ۔

غم شہید زیادہ ہے زندگی کم ہے

یہ ایک ایسا موڑ تھا جہاں میں بھول چکا تھا کہ میری جستجو کسی محدود مقصد کے لئے ہے بلکہ میں کتاب کے اوراق پر آپ کی یادوں کو رقم کرنے کی بجائے قرطاس زندگی پر آپ کی عظمتوں کے نقوش مرتب کرنے لگا۔

آغاز میں میرا خیال تھا کہ ملت جعفریہ کی ساڑھے چار سال تک قیادت کرنے والے قائد کی فعالیت اور کردار کو کتاب کے چند ابواب میں سمیٹ کر آپ کی قیادت کا عکس واضح کر لوں گا مگر آپ کی منفرد زندگی کے سفر کے مراحل سے آگاہی کے بعد مجھے محسوس ہوا کہ ان کی سیرت کے تمام پہلو اجاگر ہو جانے کے باوجود اس

بارے میں تسکین اور اطمینان قلب ممکن نہیں ہے۔

یہ بات میری سمجھ سے بالاتر تھی کہ بحربیکراں کے ایک کنارے پر کھڑا ہو کر دور تک نظر نہ آنے والے ساحل کے لئے آغاز سفر کرتا۔ میں آپ کی شخصیت کا ایک پہلو چھیڑتا تو احساس ہوتا کہ ہر پہلو ایک ضخیم کتاب بن سکتا ہے۔ بسا اوقات جب میں خود کو آپ کی شخصیت کے ایک زاویہ کا احاطہ کرنے سے قاصر محسوس کرتا تو میرے حوصلے جواب دے جاتے' مجھے اپنے لکھے ہوئے الفاظ شکستہ اور تحریر بے ربط محسوس ہوتی تو میں بے اعتمادی کے عالم میں تحریر کردہ اوراق کو پھاڑ دیتا اور پھر کئی دنوں تک آپ کی یادوں کو ترتیب دے کر موضوع تحریر تلاش کرتا رہتا۔

میں نے ہرچند کوشش کی کہ کتاب کا ہر لفظ باوضو ہو کر لکھوں کیونکہ اس کے ہر لفظ سے میری نجات وابستہ تھی۔ میں نہ صرف یقین کے مفہوم سے آگاہ ہو چکا تھا بلکہ مجھے یقین کی گہرائیوں اور مدارج سے شناسائی ہو چکی تھی یہاں تک کہ میری نظر میں علامہ سید عارف حسین الحسینی کی ذات خدا سے مربوط ہونے کا مستحکم واسطہ بن گئی۔ اگرچہ میں نے بیسیوں افراد سے آپ کی کشف و کرامات کے تذکرے سنے اور ان پر یقین کیا مگر میری خواہش تھی کہ اپنی ذات کے ساتھ کسی واقعہ کی رونمائی دیکھوں۔

کتاب کے ابتدائی ابواب لکھ رہا تھا۔ مجھے زندگی کی بے وفائی اور اس کام کی اہمیت کا شدت سے احساس تھا میں ایک لمحہ ضائع کئے بغیر آپ کی یادوں کو پرونے میں مصروف تھا کہ میری جیب نے میرا ساتھ چھوڑ دیا۔ صبح کے وقت میرے پاس صرف پانچ روپے تھے جو ناشتہ کے لئے بھی ناکافی تھے۔ ناشتہ کرنے کے بعد میرے دل میں کسی سے قرض لینے کا خیال آیا مگر عین اسی لمحہ میرے یقین نے میری سوچوں کو جھاڑتے ہوئے کہا "ایسی ذات کا کام کرتے ہوئے بھی لوگوں کو اپنے خالی ہاتھ دکھانا چاہتے ہو..... کام کرو وسائل کا مت سوچو....." میں ایک نئی تسکین کے ساتھ اپنے کمرے میں لوٹا اور کام میں مصروف ہو گیا۔ دوپہر کا وقت گزر گیا' مغرب تک چائے کے ایک کپ سے تھکاوٹ اور بھوک دور کرنے کے پیسے تک نہ تھے مگر

ہر لمحہ مجھے عجیب لذتیں عطا کر رہا تھا۔ مغرب کی اذان ہوئی تو میں وضو کے لئے اٹھا ابھی وضو کا آخری رکن انجام دینے کو تھا کہ دروازے پر دستک ہوئی۔ دروازہ کھولا تو قریبی دوست جناب ضیغم بلوچ سے سامنا ہوا۔ غربت کے تیور سنبھالنے کے لئے میں بے اختیار مسکرایا۔ ابھی مسکراہٹوں کا تبادلہ جاری ہی تھا کہ انہوں نے کہا "تسلیم بھائی جلدی کرو مجھے شدید بھوک لگی ہوئی ہے۔ آج وزیر آباد سے لاہور سوچ کے آیا ہوں کہ کسی اچھے ہوٹل میں آپ کو کھانا کھلاؤں"۔

صبح ناشتہ بھی ان کے ساتھ کیا وہ چلے گئے اور میں حقیقی سرور سے سیراب ہو کر وجد کی کیفیت میں پھر مصروف کار ہو گیا۔ دوپہر کا وقت تھا کہ کسی نے اطلاع دی کہ دوبئی سے آئی ہوئی ایک پاکستانی برگزیدہ شخصیت آپ سے ملنے کی خواہاں ہے۔ نماز ظہرین کے بعد میں انہیں ملا۔ انہوں نے فرمایا کہ "ہمارا سید عارف حسین سے رابطہ رہتا ہے معلوم ہوا ہے کہ آپ ان کی ذات پر کتاب رقم کر رہے ہیں یہ چند تصاویر اور نذرانہ قبول فرمائیں"۔ وقت گزرتا گیا اور میں یقین کی منازل طے کرتا رہا یہاں تک کہ میرے ساتھ رونما ہونے والے حالات مجھے ہر مرحلہ پر حیران کرنے لگے۔

میں شکست و ریخت کے مختلف مراحل سے گزرتا ہوا اپنا سفر طے کرتا رہا اور مجھے احباب کی پذیرائی اور عرفان عارف نے کہیں بھی تھکاوٹ کا احساس نہ ہونے دیا۔ میں کہیں ٹوٹا نہ بکھرا بلکہ وقت کے ساتھ ساتھ میرے نظریہ میں بھی تبدیلی آتی گئی۔ آغاز میں میرا نقطہ نظر تھا کہ آپ کے ملت اسلامیہ پر احسانات' ملک و اسلام سے وابستگی' آمریت' سامراجیت اور ملوکیت کے خلاف جدوجہد' اتحاد بین المسلمین کے انمٹ نقوش حسن قیادت اور اپنے خون سے ملک و قوم کو طویل آمریت سے عطا کردہ نجات سے قوم کو متعارف کرسکوں مگر آپ کی روحانیت سے شناسائی کے بعد یہ احساس ضرورت بن کر تڑپا کہ قوم کو آپ کی تصویر کے دوسرے رخ سے بھی متعارف کرایا جائے جس میں گوشت پوست کا انسان اپنی طویل ریاضت' تقویٰ اور زحمت سے قربت الٰہی کے اس رتبے پر فائز ہو جاتا ہے جہاں وہ

لطف الٰہی کا مظہر بن جاتا ہے اور جس کا حوالہ دے کر مسلمان سورہ فاتحہ میں اپنے رب سے التجا کرتے ہیں۔ "اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ○ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ○" (قائم رکھ ہم کو سیدھے راستہ پر۔ راستہ ان لوگوں کا جن پر تو نے اپنی نعمتیں نازل فرمائی ہیں)

یہی بندگان خدا ہوتے ہیں جن پر ہر نماز میں سلام بھیجا جاتا ہے۔ " اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَ عَلٰى عِبَادِاللّٰهِ الصّٰلِحِيْنَ"۔

اہل بیتؑ عظام کے پیروکاروں پر واضح ہو کہ سیرت آئمہؑ کی تفسیر کون لوگ بنتے ہیں اور انہیں کن مراحل سے گزرنا پڑتا ہے؟ خدا کی ہدایت کن لوگوں کے لئے ہوتی ہے اور صاحب تقویٰ کون لوگ ہوتے ہیں جو خدا کے نزدیک سب سے زیادہ عزت و مرتبت والے گردانے جاتے ہیں۔ حدیث نبویؐ میں کون سے علماء انبیاء کے وارث ہوتے ہیں اور کن علماء کو بنی اسرائیل کے انبیاء سے افضل قرار دیا گیا ہے۔ کون سی ہستیاں زندگی میں بلند مقام اور محراب مسجد میں شہادت کی عظیم سعادت سے ہمکنار ہوتی ہیں۔

ایسے ہی ہوتے ہیں وہ لوگ جو دلوں کے رازوں پر قدرت رکھتے ہیں' خدا کی ذات میں ضم ہو جاتے ہیں' جو ظلم کے خلاف قیام کرتے ہیں' جو مظلوم کی آہ پر خاموش نہیں رہتے' جو نفس امارہ کے خلاف جہاد کرتے ہیں' جو قتل گاہوں کو سرخرو کرتے ہیں' جن کی موت قوم کی حیات بنتی ہے' جن کی محبت صدیوں تک دلوں پر راج کرتی ہے۔

عاشقان پاک طینت جو خدا کی اطاعت کرتے ہوئے ظلم کے خلاف قیام کرتے ہیں ان کی لہو کی سرخی کبھی طائف... کبھی کوفہ... کبھی کربلا... اور کبھی پشاور کی زمین سے مل سکتی ہے بشرطیکہ کوئی مورخ تاریخ کی پیشانی پر دیانتداری سے لہو کی داستان رقم کر دے۔ تاریخ کبھی خیانت نہیں کرتی بلکہ وہ نسلوں کو ان سوالوں کا جواب دیتی رہتی ہے وہ کون تھے... زمانہ انہیں کیوں یاد کرتا ہے... محافل میں ان کے حوالے کیوں دیئے جاتے ہیں... آخر انہوں نے کیا کیا کیا؟

ان ہستیوں کے مقدس خون سے چراغ جلتے ہیں جنہیں ظلم کی آندھی گل کر سکتی ہے نہ سازشوں کی سیاہ چادر ان کی روشنی کے درمیان حائل ہوتی ہے۔ نور ظلمتوں کا

سینہ چیر کر مسلسل بکھرتا رہتا ہے اور وقفہ وقفہ سے شہادتوں کے چراغ جلتے رہتے ہیں۔ یہی لوگ "سفیر نور" ہوتے ہیں جن کی عطا کردہ روشنی میں زندہ یا باضمیر قومیں اپنے نشان منزل تلاش کرتی ہیں۔

میرا عقیدہ ہے کہ ضمیر فروش اور محسن فراموش قومیں کبھی ترقی نہیں کر سکتیں ہمیشہ وہی قومیں زمانے کو اپنی زندگی کا احساس دلاتی رہتی ہیں جو اپنے محسن' قائدین کی یادوں کو زندہ رکھتی ہیں۔ اپنے محسن قائد کی یادوں کو سمیٹتے سمیٹتے جب شہید مظلوم کے بہنوئی سید ذاکر حسین الحسینی سے کرم ایجنسی ملنے گیا تو انہوں نے جہاں مجھے بیش بہا قیمتی معلومات سے نوازا وہاں سابق حکمرانوں کے ایک نمک خوار کے ایک دعویٰ سے بھی آگاہ فرمایا جو اس نے شہید کے دفن ہو جانے کے چند روز بعد کیا تھا۔ "ہم نے عارف الحسینی کو ایسے پہاڑوں کے نیچے دفنا دیا ہے جہاں سے اس کی یاد بھی سر نہیں اٹھائے گی"۔

استعمار کے حامی اس شخص کے یہ الفاظ مجھے تڑپا گئے اور میں نے اس کے آقاؤں کو بے نقاب کرنے کا عزم کر لیا۔ میری کوشش تھی کہ علامہ سید عارف حسین الحسینی کے جسم کو پتھروں کے نیچے سلانے والوں پر ثابت کر سکوں کہ۔

تم نے تو اس صفائی سے پونچھی تھی آستیں
تجھ کو خبر نہ تھی کہ لہو بولتا بھی ہے

مجھے یقین ہے کہ "سفیر نور" کے حوالے سے جہاں کردار عارف اہل نظر کو نئی راہیں عطا کرے گا وہاں خون عارف اہل انصاف کو سامراج اور سابق حکمرانوں کی اداؤں پر غور کرنے کا موقع ضرور فراہم کرے گا۔

مجھے انتہائی فخر ہے کہ میں نے اپنے محسن قائد کے احسانات کا حق ادا کرنے کی معمولی سی کوشش کی اور اس عظیم سعادت سے ہمکنار ہوا اور مجھے یہ اعتراف کرتے ہوئے بھی کوئی عار محسوس نہیں ہو رہا کہ اس کتاب کے دامن میں وہ کچھ نہیں سمیٹ سکا جو اس کا حق تھا۔ میری تحریر میں بے ربطگی اور مواد میں تشنگی کا احساس موجود ہے۔

چاہیے تو یہ تھا کہ ایسی کتاب شہادت کے فوراً بعد منظر عام پر آ جاتی مگر مقدمہ قتل کی تکمیل' اور بے پناہ مسائل نے ہماری رفتار کو شدید متاثر کیا۔ مجھے یقین ہے کہ چودہ سو سال سے شہداء کا غم زندہ رکھنے والی قوم کے زخم وقت کی مرہم سے مندمل نہیں ہوتے بلکہ غم کے احساس سے زخموں کا لہو رستا رہتا ہے۔

جس قوم کے لئے ہر روز یوم عاشورہ اور ہر زمین ارض کربلا ہو اس کے لئے واقعات پرانے ہو سکتے ہیں مگر غم تازہ رہتا ہے۔ یقیناً آج بھی شہید مظلوم علامہ سید عارف حسین الحسینی کے ہجر میں عقیدت مندوں کی عیدیں سوگوار گزرتی ہیں اور ان کے جانثاروں کے چہروں پر چھائی ہوئی اداسیاں ختم نہیں ہوتیں۔

اگرچہ اس کتاب کی تکمیل پر حق کی ادائیگی مکمل نہیں ہو جاتی مگر قارئین پر یہ ذمہ داری عائد ہو جاتی ہے کہ وہ وطن عزیز اور ملت اسلامیہ کے اس محسن رہنما اور سامراج کے مخالف قائد کی جدوجہد کے مقاصد کا ادراک کریں اور ان کے نقش پا کا رخ دیکھ کر اپنی منزل کی راہ متعین فرمائیں۔ "وما علینا الی البلاغ

تسلیم رضا خان

وہ میرا یوسف ثانی، وہ شمع محفل عشق
ہوئی ہے جس کی اخوت قرار جاں مجھ کو

چمک تیری عیاں بجلی میں، آتش میں، شرارے میں
جھلک تیری ہویدا چاند میں، سورج میں، تارے میں

لطف کلام کیا جو نہ ہو دل میں درد عشق
بسمل نہیں ہے تو تو تڑپنا بھی چھوڑ دے

چمن سے روتا ہوا موسمِ بہار گیا
شباب سیر کو آیا تھا، سوگوار گیا

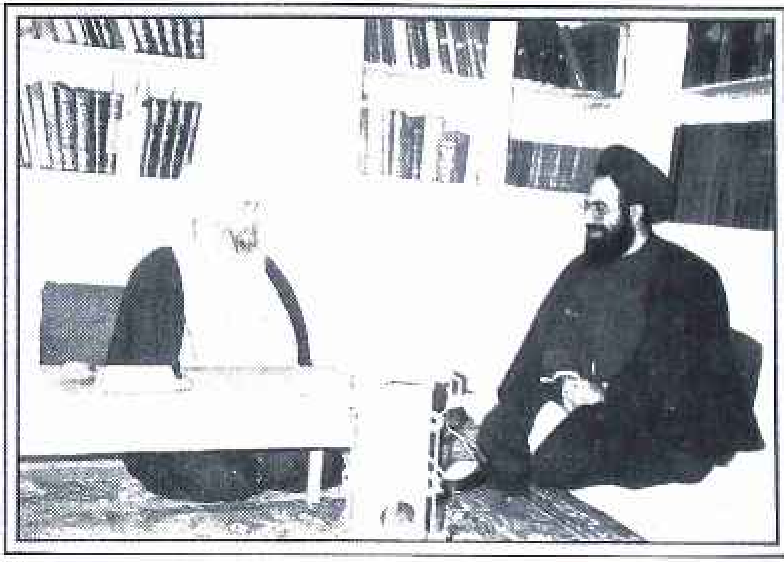

شہید قائد کے استاد .... آیت اللہ حرم پناہی (۱۹۸۷ء)

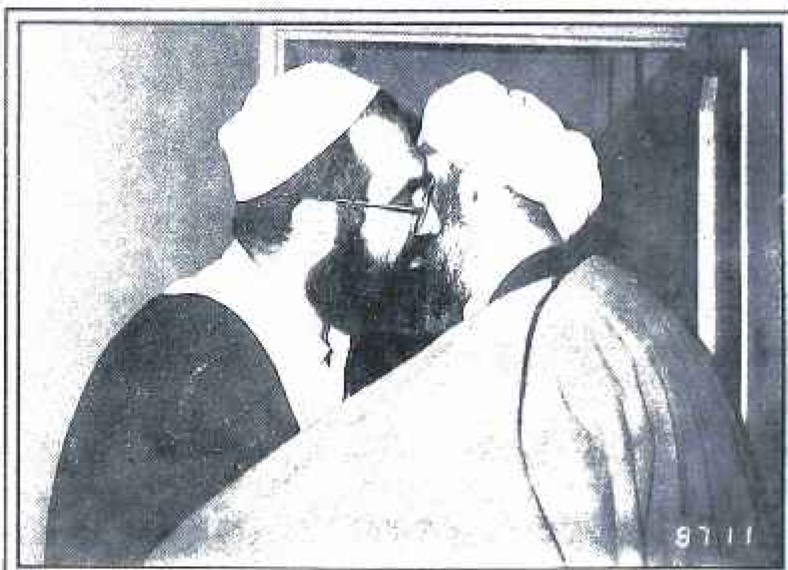

آقای محسن قرائتی سے معانقہ کرتے ہوئے۔ (۱۹۸۷ء)

راز ہستی راز ہے جب تک کوئی محرم نہ ہو
کھل گیا جس دم تو محرم کے سوا کچھ بھی نہیں

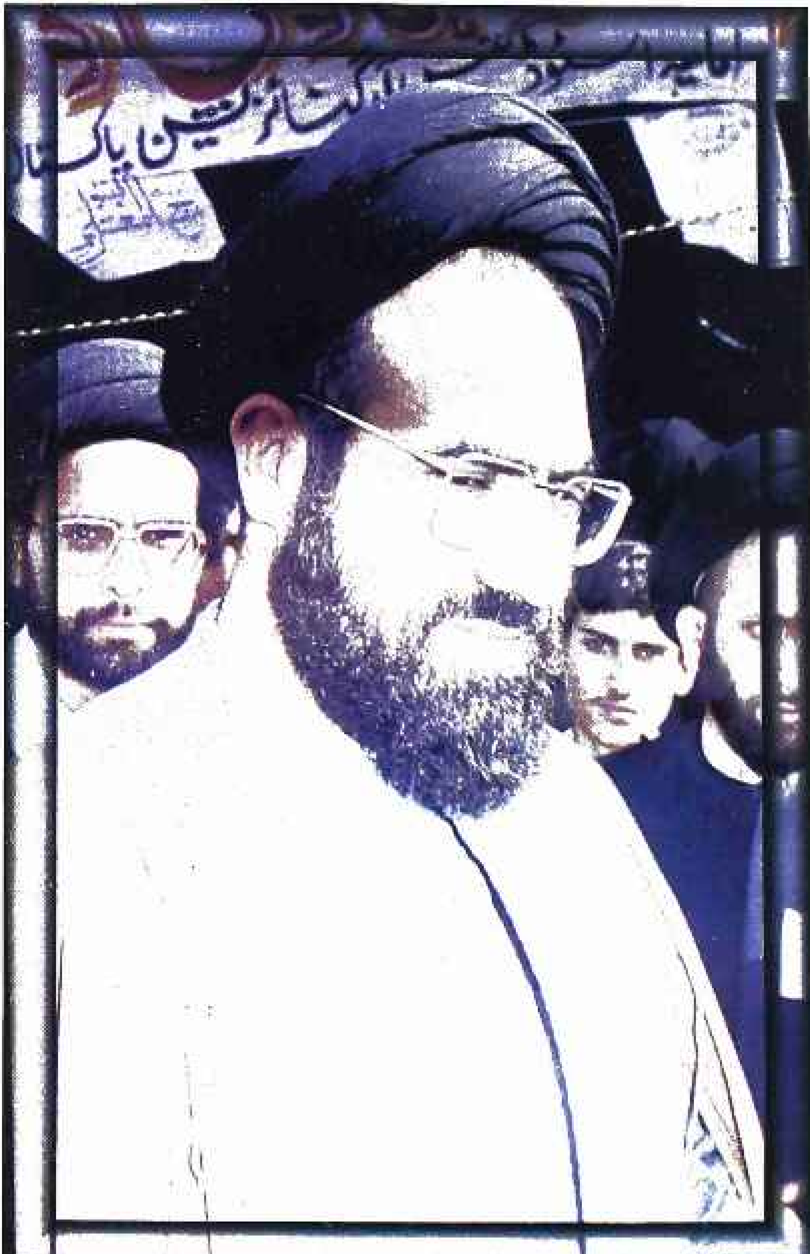

یہ شہادت گہ الفت میں قدم رکھنا ہے
لوگ آساں سمجھتے ہیں مسلماں ہونا

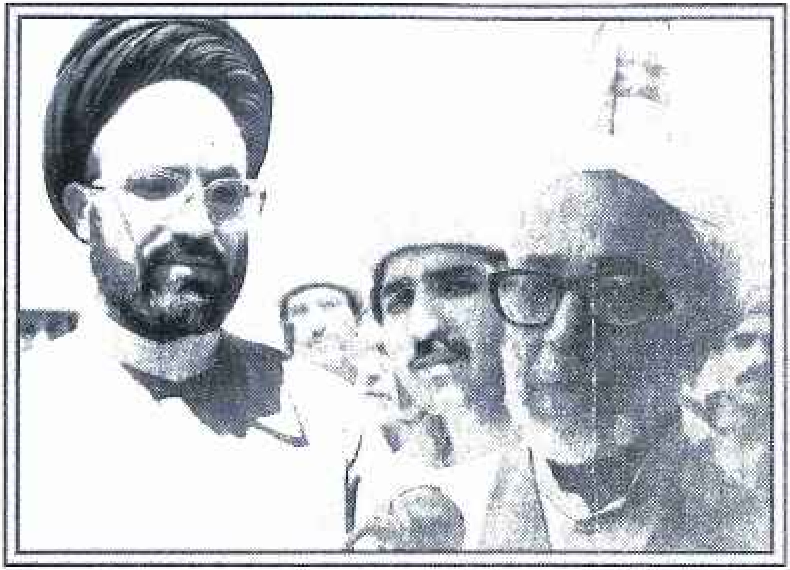

قائد شہیدؒ، قائد مرحوم مفتی جعفر حسین قبلہ کے ہمراہ

آسماں کیا، عدم آباد وطن ہے میرا
صبح کا دامن صد چاک کفن ہے میرا

مہینے وصل کے گھڑیوں کی صورت اڑتے جاتے ،   مگر گھڑیاں جدائی کی گزرتی ہیں مہینوں میں

جہاں جہاں بھی ملیں تیری قربتوں کے نشاں
وہاں وہاں سے ابھرتی ہے تیرے ہجر کی شام

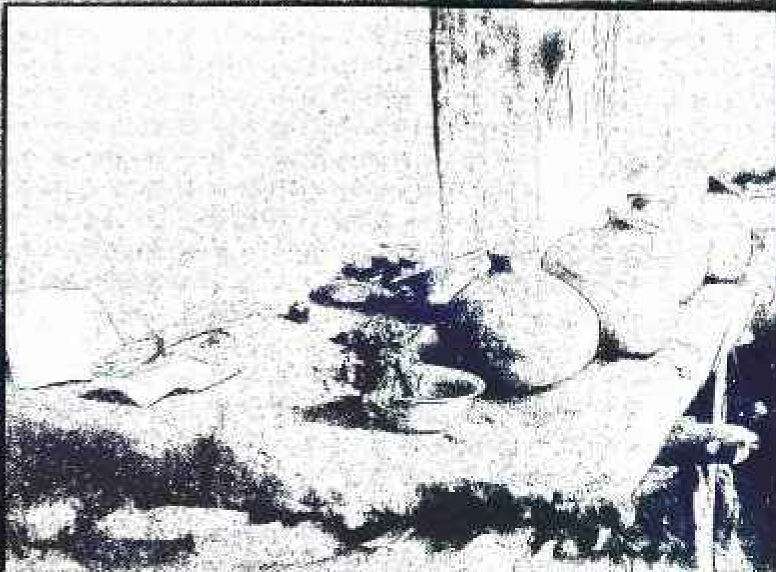

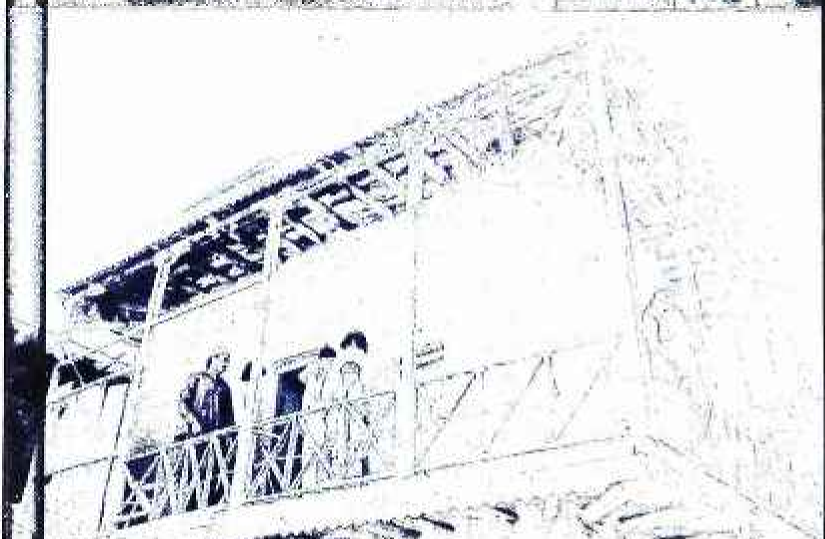

قائد شہید علامہ عارف حسین الحسینی کے آبائی گھر
پیواڑ پارا چنار کا ایک اندرونی منظر

پُر عزم چہرہ متفکر دماغ، حق آشنا لہجہ
وہ کربلائے عصر کا امام، عارف حسینؒ

قائد شہید ولی فقیہ آیت اللہ سید علی خامنہ ای کے ہمراہ خوشگوار موڈ میں۔

فرزندان شہید حسینی، سید حسین حسینی،
سید سجاد حسینی، سید حسن حسینی، سید محمد حسینی

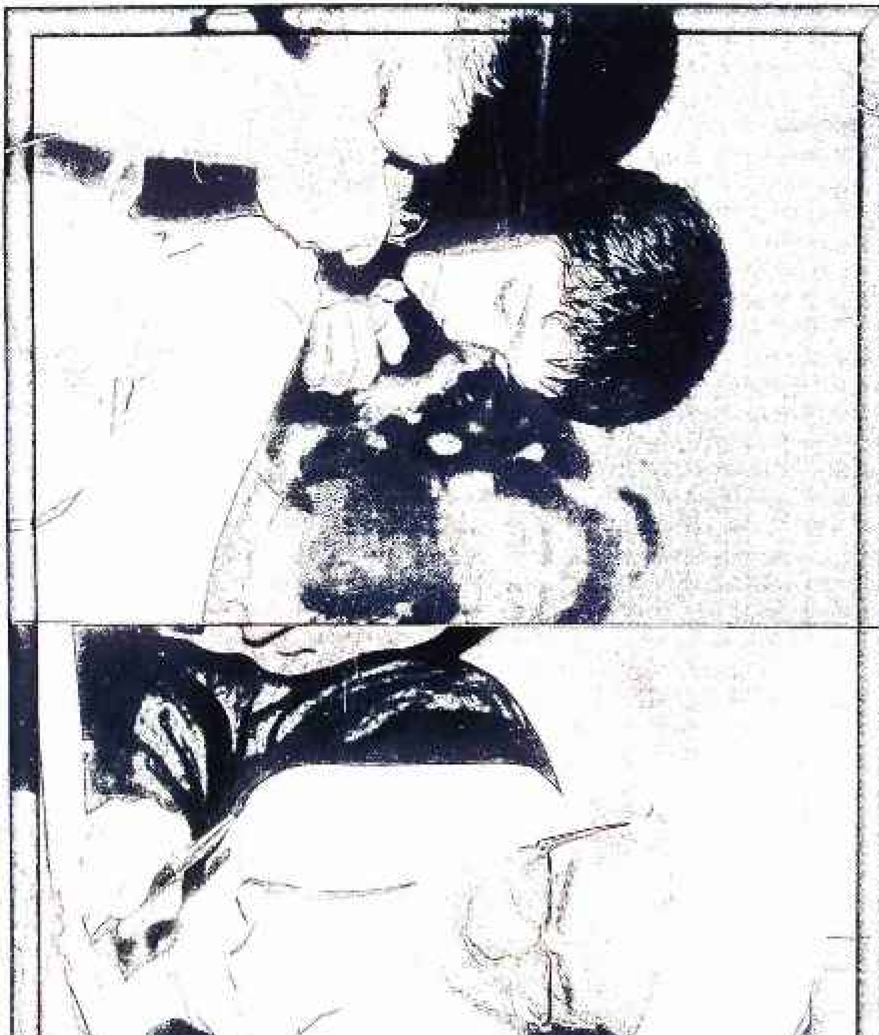

نمائندہ امام خمینی آیت اللہ جنتی شہید عارف حسینی کی
شہادت پر تعزیتی کلمات لکھتے ہوئے

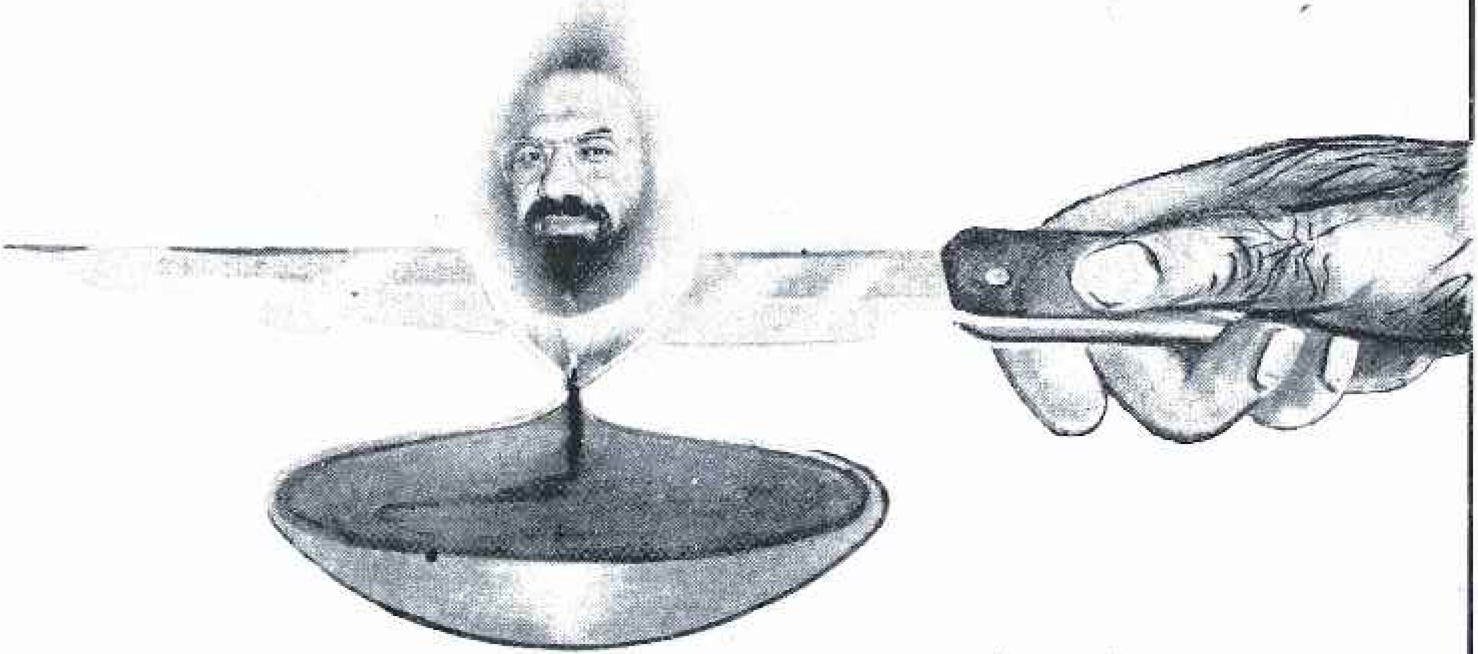

چھُری کی دھار سے کٹتی نہیں چراغ کی لَو   بدن کی موت سے کردار مر نہیں سکتا

فہرست

حصہ اول

نمبر شمار		صفحہ نمبر
۱	شہید عارف حسین الحسینی کے خاندان کا ایک تعارف	۱۹
۲	آغوش مادر سے صحن مکتب تک کا سفر	۲۸
۳	عراق روانگی اور زمانہ نجف اشرف	۳۳
۴	نجف میں امام خمینیؒ سے وابستگی	۳۹
۵	قم المقدسہ میں قیام	۴۴
۶	پارا چنار میں آمد و مجاہدانہ کردار	۴۹
۷	کرم ایجنسی کے نامساعد حالات میں آپ کا تاریخ ساز کردار	۵۸
۸	حکومت اور اس کے اہلکاروں سے مقابلہ	۶۳
۹	فلاحی امور میں دلچسپی	۶۸
۱۰	تحریک نفاذ فقہ جعفریہ پاکستان کا قیام	۷۱
۱۱	ضیاء الحق سے تحریک کے پہلے وفد کی ملاقات	۷۴
۱۲	۶ جولائی ۱۹۸۰ء کا تاریخ ساز شیعہ کنونشن	۷۷
۱۳	علامہ مفتی جعفر حسین کی وفات اور مسئلہ قیادت	۸۴
۱۴	بھکر میں انتخاب عارف کا مرحلہ	۹۰
۱۵	حامد موسوی کی قیادت کا پس منظر	۹۶
۱۶	قائد ملت جعفریہ بھکر سے پاراچنار تک	۱۰۰
۱۷	قیادت کے ابتدائی ایام	۱۰۴
۱۸	امام خمینیؒ کی تائیدی سند	۱۱۴
۱۹	آمریت کے خلاف جہد مسلسل	۱۱۶
۲۰	ضیاء ریفرنڈم کا بائیکاٹ	۱۲۰
۲۱	سانحہ کوئٹہ	۱۲۸
(i)	شہداء کوئٹہ کا چہلم	۱۳۰

(i)	تاریخی لانگ مارچ	۱۳۵
(iii)	فاتح قائد کا استقبال	۱۳۹
۲۳	ملت جعفریہ کے خلاف حکومت کی منصوبہ بندی	۱۵۲
(i)	عزاداری سید الشہداءؑ پر حملے	۱۵۲
(ii)	شریعت بل	۱۶۱
(iii)	فرقہ واریت	۱۶۷
۲۴	بحیثیت داعی اتحاد بین المسلمین	۱۷۰
۲۵	بین الاقوامی مسائل اور آپ کا نقطہ نظر	۱۹۳
(i)	جہاد افغانستان	۱۹۳
(ii)	انقلاب اسلامی ایران	۲۰۵
(iii)	مسئلہ فلسطین و لبنان	۲۱۶
(iv)	سعودی ملوکیت	۲۲۳
(v)	امریکی سامراجیت	۲۳۰
۲۶	عملی سیاست کا آغاز	۲۳۱
۲۷	قرآن و سنت کانفرنسز	۲۵۱
(i)	۶ جولائی ۱۹۸۷ء کے خطاب کا مکمل متن	۲۵۶
(ii)	ملتان کی قرآن و سنت کانفرنس کے خطاب سے اقتباسات	۲۶۶
(iii)	فیصل آباد کی قرآن و سنت کانفرنس کے خطاب سے اقتباسات	۲۶۸
(iv)	ڈیرہ اسماعیل خان کی قرآن و سنت کانفرنس کے خطاب سے اقتباسات	۲۷۱
۲۸	حضرت امام خمینیؒ سے عشق	۲۷۳
۲۹	ملازمین سے رویہ	۲۸۱
۳۰	اقتصادی حالت	۱۹۱
۳۱	روحانیت (کشف و کرامات)	۲۹۸
۳۲	شہید کے آخری ایام زندگی	۳۱۷

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سید عارف حسین الحسینی رضوان اللہ تعالیٰ علیہ کے خاندان کا ایک تعارف

وطن عزیز پاکستان کے چاروں صوبوں کی اپنی اپنی روایات ہیں۔ یہ جداگانہ مزاج اور رواج ان کی پہچان ہیں۔ صوبہ سرحد تاریخ کے حوالے سے خصوصی اہمیت کا حامل ہے۔

ایسٹ انڈیا کمپنی کے لبادے میں انگریز پورے ہندوستان پر قابض ہو گئے تھے مگر اپنی تمام تر مکاری، چالاکی اور طاقت کے باوجود بھی سرحدی علاقوں پر قبضہ نہ کر سکے۔ یہاں تک کہ انہیں علاقہ غیر، ممنوعہ علاقہ اور ایجنسیوں کے کتبے لگانا پڑے۔ یہاں کے لوگ جنگجو ہیں اور مختلف قبائل میں تقسیم ہیں۔ صوبائی تقاضوں سے ہم آہنگی کے ساتھ ساتھ قبائل کے اپنے رسم و رواج اور رہن سہن کے انداز ہیں۔ یہاں بیشتر مقامات کے نام بھی قبائل سے منسوب ہیں جنہیں صوبے میں منفرد مقام حاصل ہے۔

صوبہ سرحد کے لوگ اسلحہ افتخار سے لے کر چلتے ہیں اور ہر شخص گھر میں اسلحہ رکھنا لازم سمجھتا ہے۔ یہاں کے لوگوں کی دوستیاں بے مثال ہوتی ہیں اور دشمنیاں خوفناک۔ یہاں دشمنیاں نسل در نسل چلتی ہیں اور خون کا بدلہ نسل در نسل لیا جاتا ہے۔ پاکستان کا دور افتادہ اور پسماندہ صوبہ ہونے کی وجہ سے بے روزگاری کا تناسب بھی نمایاں ہے۔ یہاں کے لوگ غربت کی وجہ سے اسمگلنگ، اغواء، ڈکیتیاں اور اجرت پر قتل کرتے ہیں۔ غربت اور اسلحہ کی بہتات کے باعث یہاں جرائم پیشہ لوگوں کی بھی کثرت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ پاکستان کے دیگر علاقوں کے جرائم پیشہ اور مفرور لوگ یہاں آ کر پناہ لیتے ہیں۔

یہاں کے لوگوں کی زبان پشتو ہے اور یہاں کے باسی "پختون" کہلاتے ہیں۔ خواتین کا حجاب اور مردوں کی جفاکشی پاکستان بھر میں معروف ہے۔ یہاں کے قبائل

عدالتوں کی بجائے اپنے مسائل "جرگہ" میں حل کرتے ہیں۔ جرگہ قبائل کے معززین کی کمیٹی ہوتی ہے۔ ہر غیر سید پختون کے نام کے ساتھ خان کا لفظ ضرور لگتا ہے جبکہ قبائل کے بڑے لوگوں اور جرگہ میں شامل معززین کو "ملک" کہا جاتا ہے۔

صوبہ سرحد کے دارالخلافہ پشاور سے تقریباً ۲۰۰ کلومیٹر دور اور سطح سمندر سے تقریباً ۵۰۰۰ فٹ بلندی پر شمال مغربی کرم ایجنسی کا ہیڈ کوارٹر پاراچنار واقع ہے۔ جو افغانستان کی سرحد اور شیعہ آبادی کے ناطے ایک خاصی اہمیت کا حامل ہے۔

پشاور سے پاراچنار کی طرف روانہ ہوں تو سبز درختوں میں گھرے اور پہاڑوں کے دامن میں لپٹے ہوئے اہم گاؤں درہ آدم خیل، نصرت خیل، محمد زئی، چکر کوٹ، استرزئی، علی زئی، خلوزئی، جوزراہ، رئیسان، ابراہیم زئی، ہنگو، کاہی، دوآبہ، درسمند، ٹل، ٹوپکی، بلیچ خیل، سمیر، صدہ اور شبلان اپنی قدرتی خوبصورتی کی بدولت دلکش اور جاذب نظر ہیں۔ لہلہاتے کھیت، پہاڑوں کی سرسبز چوٹیاں، درختوں کی سرسراہٹ، ٹھنڈے اور میٹھے چشموں کی سریلی گنگناہٹ طبیعت میں وجد اور سرور پیدا کر دیتی ہیں۔

کرم ایجنسی کا ہیڈکوارٹر پاراچنار دو لفظوں کا مجموعہ ہے "پارا" اور "چنار"۔ اس کا پہلا نام "طوطکے" تھا۔ طوطکے پشتو زبان میں شہتوت کے درخت کو کہتے ہیں۔ چونکہ یہاں شہتوت کثرت سے تھے اس لئے اس کا نام طوطکے مشہور ہوا۔ مگر کچھ عرصہ بعد جب پارا نامی قبیلہ یہاں آباد ہوا تو اس قبیلے کے فیصلے چنار کے درخت کے نیچے ہونے لگے۔ یوں چنار کے درخت کے نیچے پارا قبیلہ کی عدالت اس قدر مشہور ہوئی کہ اس کا نام "پاراچنار" پڑ گیا۔ اگرچہ آج پارا نامی قبیلہ تو نہیں رہا مگر چنار کے اونچے اور بڑے درخت یہاں کی پہچان اور حسن ہیں۔ چنار کے سرسبز درختوں کے درمیان چھپا ہوا یہ شہر آج بھی اپنے لازوال حسن کا احساس دلاتا ہے۔

بنگش اور طوری یہاں کے دو اہم قبائل ہیں۔ انگریز یہاں ۱۸۹۲ء میں آئے تو ان کا پہلا "جرگہ" طوری قبیلہ کے ساتھ ہوا پھر بنگش اور طوری قبیلہ میں جنگ چھڑی تو طوری غالب آئے۔ جنہیں آج بھی پاراچنار میں فوقیت حاصل ہے۔

پاراچنار کا موسم انتہائی سرد ہے یہاں چھ ماہ تک شدید سردی پڑتی ہے اور

پہاڑوں پر سارا سال برف کی تہہ جمی رہتی ہے جو گرمی میں پگھل کر ٹھنڈے نالوں کی صورت اختیار کر لیتی ہے۔ پتھروں سے سرگوشیاں کرتے ہوئے نالوں کا یہ ٹھنڈا پانی ایسی آوازیں پیدا کرتا ہے جیسے پہاڑوں کی اوٹ میں بیٹھا ہوا کوئی شخص وجد کی حالت میں موسیقی کے آلات چھیڑ رہا ہو۔

پاراچنار کے شمال مغرب میں کوہ سفید واقع ہے جس کی چوٹیاں سال بھر برف سے ڈھکی رہتی ہیں۔ کوہ سفید کے پہلو میں چھپے ہوئے اس شہر کو دور سے دیکھیں تو ایسے لگتا ہے جیسے اس شہر نے اپنے چہرے پر برف کا غازہ سجایا ہوا ہے اور اپنے جسم پر درختوں کی سبز چادر اوڑھ رکھی ہے۔

پاراچنار کے اطراف میں درجنوں بزرگ سادات کے مزار واقع ہیں۔ کیونکہ یہاں کے لوگ بزرگان کی کشف و کرامات کے مداح اور ان کی ذات سے خصوصی عقیدت رکھتے ہیں۔ اس لئے ان کے مریدوں کی آمدورفت کا سلسلہ سارا سال جاری رہتا ہے۔

پاراچنار میں نوجوانوں کے لئے دو دینی مدرسے ہیں۔ "مدرسہ جعفریہ" علامہ شیخ علی مدد اور مدرسہ "آیت اللہ خامنہ ای" علامہ سید عابد حسین الحسینی سابق صدر تحریک نفاذ فقہ جعفریہ صوبہ سرحد کی زیر نگرانی چل رہا ہے۔ جبکہ خواتین کے لئے ایک علیحدہ مدرسۃ الزہرا" موجود ہے۔ جس کی نگرانی بھی علامہ سید عابد حسین الحسینی صاحب کر رہے ہیں۔ چونکہ یہ لوگ مزاجا" غیور اور جنگجو ہیں اس لئے انہیں حضرت عباس علمدار" سے خصوصی عشق ہے۔

پارا چنار کا سیاسی نظام انگریزوں کا رائج کردہ ہے۔ یہاں عدالت نام کی کوئی چیز نہیں۔ تمام مسائل جرگہ کے تحت حل ہوتے ہیں اور پولیٹیکل ایجنٹ یہاں کا بے تاج بادشاہ ہوتا ہے۔

پاراچنار کے مشرق میں کرمان' بادامہ اور بالشخیل ' شمال مشرق میں زڑان' جنوب مغرب میں خرلاچی شنکگ اور بوڑکی' جنوب مشرق میں صدہ' عالم شیر' اور سراگلہ جنوب میں کنج علی زئی حشمت زئی' احمد زئی اور مالی کلے' شمال میں ملانہ اور شمال مغرب میں شلوزان' بورکی'

تری مینگل اور پیواڑ واقع ہیں۔

پیواڑ وہ گاؤں ہے جس میں ایک غیر معمولی شخصیت سید عارف حسین الحسینی نے ۲۵ نومبر ۱۹۴۶ء کو آنکھ کھولی تھی۔ اس کی گلیوں میں آپ کے بچپن کی صدائیں باقی ہیں۔ اس کے درختوں کے سائے، پہاڑوں کی چوٹیاں، ٹھنڈے اور میٹھے ندی نالوں کے کنارے "سید عارف حسین" کے بچپن کی یادوں کے امین ہیں۔ ایک طرف پہاڑوں کی چوٹیوں کے پتھر کے نیچے آپ کے قدموں کے نشان محفوظ ہیں جبکہ دوسری جانب آپ اپنے گھر کے سامنے پتھریلی زمین کی گود میں پرسکون سوئے ہوئے ہیں۔

اس گاؤں کی مائیں اپنے بچوں کو سید عارف حسین الحسینی کی کہانیاں سناتی ہیں اور بعض اوقات جب بچے پوچھ بیٹھتے ہیں کہ انہیں کس جرم میں قتل کیا گیا؟ تو مائیں جواب دینے سے قبل گھنٹوں روتی رہتی ہیں۔ اس عبدذی وقار کے بچھڑ جانے کے غم میں درختوں کے سائے، پہاڑوں کی چوٹیاں اور چشموں کے کنارے اپنے اپنے انداز میں غمزدہ ہیں۔ لحہ بہ لحہ فضائیں طواف کرتی ہیں، گاؤں کے پیر و جواں ان کے ہجر میں اشکبار رہتے ہیں، گاؤں کے چھوٹے چھوٹے بچے اور زن و مرد ان کے مرقد کو چومتے رہتے ہیں۔ سید عارف حسین الحسینی کے یتیم معصوم بچے جب پشاور سے پیواڑ جاتے ہیں تو اکثر وقت اپنے مظلوم باپ کی مرقد کے پہلو میں بیٹھے رہتے ہیں۔ آپ کی ضعیف غمزدہ والدہ (☆) گھر کے آنگن میں سارا دن سوچوں میں گم، مصلی عبادت پر روتی رہتی ہیں۔ جب شام کا اندھیرا چھا جاتا ہے تو ضعیف سیدزادی اپنی چاردیواری سے نکل کر اپنے دل کے چین "عارف حسین" کے پاس آجاتی ہیں گھنٹوں سرہانے بیٹھنے کے بعد اپنی زبان میں فرماتی ہیں۔

"عارف ذړه خومه ده غواړی چه تامخ او شنڈے۔ خف (بوسه) کم خو تامخ باندے خاور و پروت چادر زه ضعیفه نه شم لوچتولی"۔

"عارف۔ جی تو چاہتا ہے کہ تمہارے لب و رخسار کو بوسے دوں مگر مجھ ضعیف سے تمہارے چہرے پر پڑی ہوئی مٹی کی چادر اٹھائی نہیں جاتی"۔

(☆) ۱۸ دسمبر ۱۹۹۶ء میں شہید کی والدہ انتقال فرما چکی ہیں۔

ہر صبح بیٹے کے وقت شہادت ضعیفہ ماں بیٹے کے سرہانے بیٹھ کر فطرت پر غالب ہو کر خدا کا شکر بجا لاتی ہے اور بیٹے کو خراج تحسین پیش کرتی ہے کہ۔

"اے عارف تا خودہ خپل پلار نیکہ قربانیو زندہ
سنلے پارہ شہادت قبول کڑ وازہ پہ دی فخر
کوم۔ حہ تادہ ما شو دو (دودھ) خیال و ساتلو"۔

"اے عارف۔ تو نے شہادت کو سینے سے لگا کر اپنے آباؤ اجداد اور آئمہ کی قربانیوں کے سلسلے کو زندہ رکھا ہے۔ مجھے آپ پر فخر ہے کہ آپ نے میرے دودھ کی لاج رکھ لی ہے"۔

پاراچنار سے ۱۰ کلومیٹر دور پیواڑ پاک افغان سرحد پر سطح سمندر سے چھ ہزار فٹ کی بلندی پر واقع ہے۔ اس میں تین قبائل غنڈی خیل' علی زئی اور دویر زئی آباد ہیں۔ سید عارف حسین الحسینی کا تعلق دویر زئی قبیلہ سے تھا۔ مشہور صوفی بزرگ سید میر عاقل شاہ صاحب شاہ شرف بو علی قلندر ابن سید فخرولی (جو کڑمان گاؤں میں دفن ہیں) کی دسویں پشت میں سے تھے۔ ان کا سلسلہ نصب حسین الاصغر ابن امام زین العابدین سے ملتا ہے۔ وہ سترھویں صدی کے اوائل میں تیرہ نامی علاقہ میں آباد ہوئے۔ (تیرہ کوہاٹ کے نزدیک پہاڑوں میں گھرا ہوا ایک علاقہ ہے۔ جس میں آج کل قبیلہ بنگش آباد ہے) یہاں تشریف لا کر انہوں نے اسلام کی تبلیغ کا آغاز کیا ان کی رحلت کے بعد ان کے بیٹے سید میاں داد شاہ صاحب نے باپ کی جگہ سنبھالی اور اپنے والد کے افکار کو وسعت دے کر تبلیغ اور درس و تدریس کا کام جاری رکھا۔ سید میاں داد شاہ صاحب کی رحلت کے بعد ان کے بیٹے سید میر انور شاہ صاحب (المعروف میاں بزرگوار) نے اپنے آباؤ اجداد کے مشن کو مزید آگے بڑھایا اور اپنے علاقہ سے نکل کر تبلیغی مشن کو وسعت دی۔ یہ صاحب فیض و کمال صوفی بزرگ تھے۔ انہیں فیض و کمال مودت حضرت امام علی ابن موسیٰ الرضا علیہ السلام سے ملا تھا۔ خداوند کریم نے انہیں خلوص و محبت کی دولت سے مالا مال فرمایا تھا اور ان کے لہجے کی شیرینی میں جادو کا سا اثر تھا۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ یہاں کے لوگ گروہ در گروہ مشرف بہ اسلام ہوئے۔

سید میر انور شاہ صاحب کے خاندان میں ایک درجن سے زائد خدا رسیدہ بزرگ پیدا ہوئے۔ اسی خاندان نے علاقہ میں عزاداری سید الشہداء حضرت امام حسین علیہ السلام کی بنیاد رکھی اسے وسعت دی تو تھوڑے عرصہ میں عزاداران حسینؑ اور پرستاران اسلام کی تعداد میں بے پناہ اضافہ ہوا۔ گلشن اسلام کی بہار اور عزادارن حسینؑ کے پر درد نوحے وقت کے استعمار کی آنکھ میں کانٹا بن کر چبھنے لگے۔ دشمنان اسلام کی محفلوں میں سازشوں نے جنم لیا اور یوں سید میر انور شاہ صاحب کے کلایہ (مسکن) کو تباہ کرنے کی سازش تیار کرلی گئی۔ چنانچہ پے در پے حملے کرکے دشمنوں نے انہیں کبھی سکھ کا سانس نہ لینے دیا۔ یہ کشمکش جاری تھی کہ ۱۸۷۵ء میں دو درجن سے زائد قبائل نے افغانیوں کی مدد سے کلایہ کو چاروں جانب سے گھیرے میں لے کر زبردست حملہ کیا جس کے نتیجے میں کافی جانی و مالی نقصان ہوا لیکن دشمن کے تمام تر مظالم کے باوجود اس خاندان کے راہ حق کے پایہ استقلال میں لغزش نہ آئی اور نہ ہی مصائب و آلام حائل ہو کر منزلوں سے ان کا رخ موڑ سکے۔ کچھ عرصہ بعد سید میر انور شاہ صاحب نے دوبارہ کلایہ کو آباد کرنے کی کوششیں شروع کردیں۔

دشمنوں نے آپ کے گھر پر حملے جاری رکھے۔ آخر کار ۱۸۹۰ء میں ایک گھمسان کا رن پڑا، گاؤں "کلایہ" کو تباہ و برباد کر دیا گیا لیکن سید میر انور شاہ صاحب اپنے معتقدین کے دائرے میں محفوظ رہے۔

جنگ کی اسی کشمکش کے دوران سید میر انور شاہ صاحب کا انتقال ہو گیا اور آپ کی جگہ آپ کے فرزند قدرۃ السالکین زبدۃ العارفین میر مدد شاہ نے سنبھال لی۔ سید میر انور شاہ صاحب کے انتقال کے بعد کچھ عرصہ امن رہا۔ مگر ۱۹۲۷ء میں ان چنگاریوں نے پھر شعلوں کی شکل اختیار کرلی اور ایک بار پھر دشمنوں نے سید میر انور شاہ صاحب کا کلایہ مسمار کر دیا اور گھروں کو آگ لگا دی۔

گو سید میر انور شاہ صاحب کا انتقال قضائے الٰہی سے ہوا تھا مگر متعصب اور جنونی دشمنوں نے چند سال بعد آپ کے جسد خاکی (جو کہ صحیح سلامت تھا) کو قبر سے نکال کر آپ کا سرتن سے جدا کر دیا۔ تین ماہ تک کٹے ہوئے سر کی "تیرہ" کے علاقہ میں تشہیر

ہوتی رہی اور یوں سید میر انور شاہ وقت کے کوفہ میں سنت ابن عقیل ادا کرتے رہے۔ تین ماہ تک سر میں کوئی خرابی پیدا نہ ہوئی پھر آپ کے اہل خاندان نے سید میر انور شاہ صاحب کا سر حاصل کیا اور آپ کے نواسے کی قبر میں دفن کر دیا۔

اسی مناسبت سے آپ کو شہید اول بھی کہا جاتا ہے۔ آپ پشتو زبان کے معروف شاعر بھی تھے۔ آپ نے اپنی زندگی میں مستقبل کے بارے میں فرمایا تھا۔

انور شاہ په تیغ شهید دی که باور کڑے
خوش خرم دنی که داخخ شی بے کفن

"سید انور شاہ تیغ سے شہید کئے جائیں گے۔ وہ خوش ہیں کہ اگر بے کفن دفن بھی ہو جائیں"۔

آپ نے ایک اور جگہ فرمایا۔

بفه ذات چه سایه نلری کل نور دنے
میر انور سید دی ناست تر تیغ پورتے

"میر انور سید اس ذات کے سائے میں بیٹھے ہیں جس کا کوئی سایہ نہیں ہے یعنی کل نور ہے"۔

قدوۃ السالکین نے اپنے والد بزرگوار کی درخشاں روایات و تبلیغات کو زندہ رکھا اور انہوں نے سکونت "تیراہ" سے "پیواڑ" منتقل کر لی۔ اس کے باوجود تیراہ پر پے در پے حملے ہوتے رہے۔ ۱۹۲۷ء میں تیراہ پر ایک بار پھر اجتماعی حملہ ہوا تو میر مدد شاہ دوبارہ تیراہ تشریف لے گئے۔ دشمن یہ چاہتے تھے کہ تیراہ سے ان بزرگان کی قبروں کو کھود کر ویسا ہی سلوک کیا جائے جیسا کہ سید میر انور شاہ صاحب کے ساتھ کیا گیا مگر وقت کی نزاکت اور دشمنوں کی سازشوں کا جائزہ لیتے ہوئے سید مدد حسین شاہ صاحب کو نہ صرف تیراہ کی آبادی کا دفاع کرنا پڑا۔ بلکہ اپنے آباؤ اجداد کی قبروں کی حفاظت بھی کرنا پڑی۔ ۱۹۲۷ء میں ایک گھمسان کی جنگ میں اپنے بزرگان کی قبروں کی حفاظت کرتے ہوئے آپ بھی شہید ہو گئے اور آپ کے ساتھ سید شاہ ابو الحسن میاں اور سید ابن علی میاں بھی شہادت کی سعادت سے ہمکنار ہوئے۔

سید مدد حسین شاہ صاحب کے بعد ان کے بیٹے سید حسن شاہ اور ان کے بعد ان کے فرزند سید الاجل میر ابراہیم میاں (سید عارف حسین الحسینی کے سگے پردادا) نے تبلیغ کا کام جاری رکھا۔ آپ ۱۹ رجب ۱۹۰۳ء بروز جمعہ پیواڑ میں انتقال فرما گئے تو آپ کے بعد آپ کے فرزند سید میر جعفر میاں نے بزرگان کے مشن کو مزید آگے بڑھایا مگر انہیں بھی دشمنان اسلام نے چین سے نہ بیٹھنے دیا اور ان پر پے در پے حملے کئے۔ آخر ۱۹۴۲ء میں ان کی شہادت ہوئی جس کے بعد آپ کے بیٹے سید فضل حسین شاہ صاحب نے آپ کے مشن کی ذمہ داری اپنے سر لی۔

سید فضل حسین شاہ صاحب کی شادی اپنے چچا سید میر گوہر حسین جان کی بیٹی سے ہوئی۔ خدا نے انہیں دو فرزند اور دو بیٹیاں عطا فرمائیں۔ بڑے فرزند کا اسم مبارک سید عارف حسین الحسینی اور چھوٹے کا نام سید عاقل حسین الحسینی رکھا گیا۔ چونکہ آپ کا سلسلہ نسب حسین الاصغر ابن امام زین العابدین سے ملتا ہے اس لئے آپ کا خاندان "الحسینی" معروف ہے۔ آپ کا مکمل شجرہ طیبہ درج ذیل ہے۔

سید عارف حسین (شہید مظلوم) بن سید فضل حسین بن سید میر جعفر بن میر سید ابراہیم بن سید میر حسن شاہ بن سید میر مدد شاہ بن سید میر انور شاہ بن سید میاں داد شاہ بن سید میر عاقل شاہ بن سید میر کبیر بن سید مرتضیٰ بن سید شاہ خلیل بن سید امجد بن سید میراں بن سید حسام الدین بن سید نظام الدین بن سید طاہرین بن سید افضل بن سید شاہ شرف ابو علی قلندر بن سید فخر ولی عالم کیش ابوالحسن بن سید شاہ ابوالقاسم بن سید محمد جعفر بن سید شاہی بن سید کامل بن سید شریف بن سید عبدالوہاب بن سید طاہرین بن سید جعفر بن سید رضا بن سید ابو محمد حسن بن سید ابوالقاسم طاہر بن سید مجتبیٰ بن سید ابو حسین بن سید جعفر الحجت بن سید عبداللہ العارج بن سید حسین الاصغر بن حضرت امام سجاد زین العابدین علیہ السلام بن حضرت امام حسین سید الشہداء علیہ السلام بن حضرت امیرالمومنین علی المرتضیٰ علیہ السلام بن حضرت ابی طالب

سید فضل حسین شاہ صاحب ۱۳ نومبر ۱۹۸۳ء بروز جمعہ اس جہان فانی سے

رخصت ہوئے تو ان کے فرزند جلیل علامہ سید عارف حسین الحسینی نے اپنے آباؤ اجداو کی تبلیغ کو زندہ رکھا۔ یہاں تک کہ ۱۰ فروری ۱۹۸۴ء کو ملت پاکستان کی قیادت سنبھال کر تبلیغ اسلام کو مزید وسعت بخشی اور یوں دو صدیوں بعد اس خاندان کی محنت کا ثمر سید عارف حسین الحسینی کی صورت میں پوری دنیا میں اس قدر مہکا کہ پاکستان کی فضائیں شہداء کربلا کے خون کی خوشبو سے معطر ہو گئیں۔

آغوش مادر سے صحن مکتب تک

۲۵ نومبر ۱۹۴۶ء کے روز اذان صبح کے وقت لا الہ الا اللہ کا حقیقی عارف ماں کی گود میں وارد ہوا۔ گھر میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ اللہ تعالیٰ نے سید فضل حسین شاہ صاحب کو ایک عظیم فرزند سے نوازا تھا۔ نومولود بچے کو والد بزرگوار کی گود میں لایا گیا۔ انہوں نے بسم اللہ پڑھ کر بچے کو اٹھایا اور دائیں کان میں اذان اور بائیں کان میں اقامت کہی۔ گویا بچے کو پہلا درس اللہ اکبر کا دیا گیا جو بعد میں ان کے مزاج اور فطرت کا حصہ بن گیا۔ شاید یہی وجہ تھی کہ آپ عمر بھر اللہ اکبر کے درس پر قائم رہے اور سپر طاقت ہے خدا لا الہ الا اللہ کا درس دیتے رہے۔ عارف فرزند کے عارف باپ نے بیٹے کو ہتھیلیوں پہ اٹھایا تو ان کی نظر بچے کی کشادہ پیشانی پہ جم گئی انہوں نے پیشانی پر کئی مرتبہ ہاتھ پھیرا اور الحمداللہ پڑھا۔ یہ بچہ باپ کی ہتھیلیوں سے آغوش مادر میں منتقل ہوا تو ماں نے خاک کربلا کی ایک چٹکی بچے کو گھٹی میں دی۔ گویا اس بچے کے خون میں سب سے پہلے تحلیل ہونے والی خوراک خاک کربلا تھی۔ شاید یہی وجہ تھی کہ آپ نے زندگی میں بار بار فرمایا "شہادت ہماری میراث ہے جو ہماری ماؤں نے ہمیں اپنے دودھ میں بخشی ہے"۔

چند روز بعد بچے کے نام کا مسئلہ پیش آیا تو بزرگان نے اپنے عرفان اور بچے کی پیشانی کی بدولت اس کا نام عارف حسین رکھا۔ جو بعد میں عارف حسین الحسینی کے نام سے معروف ہوا۔ یہ بچہ وقت کے ساتھ پہلوئے مادر میں پلتا رہا۔ بقول آپ کی والدہ محترمہ کہ۔ "اس بچے کی نظریں جس مقام پر بھی ٹک جاتیں' کئی کئی لمحے ٹکی رہتیں اور کبھی کبھار انہیں دیکھ کر میرا بھی دل بھر آتا تھا"۔

سید عارف حسین الحسینی چار پانچ برس کے ہوئے تو والدین کو بچے کی تعلیم کی فکر ہوئی اور انہیں پیواڑ کے پرائمری سکول میں داخل کرا دیا گیا اور ساتھ ہی گھر میں قرآن مجید کے ابتدائی درس کا اہتمام بھی کیا گیا۔ آپ آغاز میں متوسط درجے کے طالب علم تھے مگر بچپن سے ہی قوت مشاہدہ بہت تیز تھی۔ آپ چوتھی جماعت تک پیواڑ کے پرائمری سکول میں زیر تعلیم رہے اور بعد ازاں مزید تعلیم حاصل

کرنے پاراچنار کے ہائی سکول میں داخلہ لیا اور میٹرک یہیں سے پاس کیا اور اس دوران آپ نے اپنی بڑی ہمشیرہ کے ہاں موضع "ملانہ" میں قیام کیا۔

آپ نے قرآن مجید کی تعلیم بھی اسی گاؤں میں مکمل کی۔ آپ بچپن ہی سے اپنے ماموں سید غلام عباس شاہ مرحوم المعروف سید جانیاں شاہ سے بے حد مانوس تھے اور سید جانیاں بھی اکثر سید عارف حسین الحسینی کو پہلو میں لے کر سوتے تھے۔ ایک دفعہ بہن نے اپنے بھائی عارف حسین سے شکوہ کیا کہ وہ ان کے ساتھ نہیں بیٹھتے بلکہ بزرگوں کے ساتھ سارا وقت گزارتے ہیں تو آپ نے فرمایا "بزرگوں کے قصے اور کارنامے سن کر مزہ آتا ہے اور میرا جی چاہتا ہے کہ میں بھی اپنے بزرگوں کی طرح کام کروں"۔

سید عارف حسین الحسینی بچپن ہی سے نماز کے پابند تھے۔ وہ اپنے ماموں کے ساتھ ایک ہی کمرہ میں سوتے' انہیں اپنے آباؤ اجداد کے قصے سنانے پر مجبور کرتے رہتے اور اپنے ماموں کے ساتھ رات کو نماز بھی ادا کرتے۔ آپ پر ماموں کی صحبت کا یہ اثر ہوا کہ بچپن ہی میں شادیوں وغیرہ میں ڈھول' روایتی ناچ اور گانوں کی محفلوں سے سخت نفرت کرنے لگے۔ آپ سکول کے بعد اپنے چچا زاد بھائیوں سے کھیل کود میں کچھ وقت گزارتے اس کے بعد گھر کی بکریاں پہاڑوں کی چوٹیوں پر لے جاتے۔ مگر خود کتاب لے کر بکریوں کی نگرانی کے ساتھ ساتھ سبق بھی یاد کرتے رہتے۔ ہمیشہ مغرب کی اذان سے قبل واپس آتے' وضو کرتے' ماموں کے ساتھ نماز پڑھتے' کھانا کھاتے اور پھر سبق پڑھنے میں مصروف ہو جاتے۔

اوائل عمر ہی سے آپ ہشاش بشاش اور ہنس مکھ تھے۔ دودھ کی بالائی اور مکھن آپ کی پسندیدہ خوراک تھی۔ نانی اماں بالائی اور مکھن چھپا کر رکھتی تھیں مگر آپ اسے تلاش کر کے ضرور کھاتے۔ ایک دفعہ نانی اماں کو دیکھا کہ وہ مکھن چھپانے کہیں جا رہی تھیں۔ تو آپ چپکے سے ان کے پیچھے ہو لئے انہوں نے اس یقین کے ساتھ مکھن کمرے میں چھپایا کہ اب کوئی بچہ اس تک رسائی حاصل نہیں کر پائے گا مگر جونہی مڑ کے دیکھا تو عارف حسین دروازے کے سوراخ سے یہ سب

کچھ دیکھ رہے تھے۔ نانی اماں کو ہنسی آگئی اور انہوں نے تھوڑا سا مکھن آپ کو دے دیا اور ساتھ تاکید بھی فرمائی کہ وہ دوسرے بچوں کو نہ بتائیں۔ آپ نے نانی اماں سے عرض کی "نانی اماں آپ ہمیں ہمارا حصہ دے دیا کریں ہم آپ کے حصہ کو نہیں چھیڑیں گے"۔

دیہات کے گھرانوں کے اپنے انداز ہوتے ہیں کہ شام کے کھانے کے بعد گھر کے بچے آنگن میں ایک دوسرے سے کھیلتے اور گپ شپ کرتے ہیں۔ سید عارف حسین الحسینی بھی اپنے گھرانے میں ایسے دلفریب مزاح کرتے تھے کہ تمام گھر والوں کو بے اختیار ہنسی آجاتی تھی بعض اوقات تمام گھر والے کسی بات پر ہنس رہے ہوتے تو باہر سے آنے والا فرد بے اختیار کہہ دیتا کہ "لگتا ہے کہ عارف حسین نے پھر کوئی مزاح کیا ہے"۔

بچپن میں "آملوک" آپ کا مرغوب پھل تھا۔ ایک دفعہ آملوک کے درخت سے گرے تو آپ کا دایاں بازو ٹوٹ گیا۔ بازو ٹھیک ہوا تو پھر اسی درخت پر چڑھ گئے۔ چھوٹے چچازاد بھائی نے کہا کہ پہلے تو آپ اسی سے گر کر زخمی ہوئے تھے اب پھر چڑھ رہے ہیں تو آپ نے جواب دیا "آج میں اس پر اس لئے نہیں چڑھ رہا کہ آملوک کھاؤں۔ آج اس لئے چڑھ رہا ہوں کہ یہ درخت یہ نہ سمجھے کہ عارف حسین ڈر گیا ہے"۔

چونکہ ملانہ گاؤں پاراچنار سے دو تین کلومیٹر دور ہے اس لئے روزانہ کی تکلیف اور سردیوں کی بدولت آپ پاراچنار سکول کے ہاسٹل میں رہنے لگے اور کمرہ نمبر ۵ آپ کو الاٹ ہوا۔ آپ بچپن ہی سے بے حد ملنسار، مودب، پابند صوم و صلوٰۃ، کم گو اور مطالعہ کے شوقین تھے۔ ان صفات کی بناء پر ہاسٹل کے تمام طلباء آپ کی بے حد عزت کرتے تھے۔

زمانہ طالب علمی میں ہی آپ کے تقویٰ، سچائی اور مودب پن نے اساتذہ کو بھی بے حد متاثر کیا۔ سکول یا جماعت میں طالب علموں کے درمیان اگر کوئی جھگڑا ہو جاتا تو اساتذہ آپ کی گواہی کے بعد آخری فیصلہ دے دیتے۔ اساتذہ کے سامنے

سر جھکا کر بیٹھنا اور نظریں نیچی کر کے چلنا آپ کا شیوہ تھا۔ یہاں تک کہ آپ پورے زمانہ طالب علمی میں نہ کسی سے الجھے اور نہ کسی سے ناراض ہوئے۔

آپ نے سکول میں جن اساتذہ سے فیض حاصل کیا ان میں نجات حسین علی زئی، ناصر حسین زڑان، علی زمان زڑان، ابراہیم صاحب پاراچنار، دلدار حسین شلوزان سکول کے ہیڈ ماسٹر عثمان شاہ آف ٹل اور نائب ہیڈ ماسٹر عبداللہ جان آف زڑان سرفہرست ہیں جو آج بھی آپ کے زمانہ طالب علمی اور کردار کے معترف ہیں۔

زمانہ طالب علمی کا واقعہ ہے کہ آپ گاؤں کی کسی گلی سے گزر رہے تھے۔ دیکھا کہ ایک یتیم بچہ رو رہا ہے۔ آپ نے اس سے رونے کی وجہ پوچھی تو اس نے بتایا کہ فلاں لڑکے نے اس کی چیز چھین لی ہے۔ آپ کا یتیم پر دل بھر آیا اور غاصب سے حق وصول کرنے کے جذبے اور فطرت نے انگڑائی لی۔ آپ نے غاصب کا بازو مروڑ کر یتیم کا حق وصول کیا اور اسے اس کا حق لوٹا دیا۔

۱۹۶۴ء میں آپ کے دسویں جماعت پاس کرنے کے بعد آپ کے والدین کا خیال تھا کہ آپ کو کالج میں داخل کروایا جائے۔ لیکن آپ اپنی طبیعت میں روحانیت کی بناء پر دینی تعلیم کی طرف مائل رہے۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ جب پارا چنار میں کچھ عرصہ قبل حاجی غلام جعفر صاحب آف لقمان خیل نے "مدرسہ جعفریہ" کی بنیاد رکھی تھی۔ یہ مدرسہ آغاز میں تین کمروں پر مشتمل تھا جس میں چند طلباء نے داخلہ لیا تھا۔ چنانچہ آپ بھی دسویں جماعت کے بعد اسی مدرسہ جعفریہ میں داخل ہوئے اور عظیم منزل کی طرف رخت سفر باندھ لیا۔ دینی مدرسہ اور علماء کے ماحول نے سید عارف حسین کی طبیعت پر گہرے اثرات چھوڑے اور آپ کی فطرت میں مزید پختگی دن بدن آنے لگی۔ اب آپ شباب کی دہلیز پر قدم رکھ چکے تھے۔ مگر شباب کا یہ عالم تھا کہ آپ مدرسہ میں باقاعدگی سے نماز تہجد اور تعقیبات ادا کرتے تھے۔

مدرسہ کے پرنسپل حاجی غلام جعفر جو ایک متقی اور برگزیدہ انسان تھے نے اپنے احباب سے اظہار کیا تھا کہ انھوں نے اکثر سید عارف حسین کو رات کے پچھلے

پیریاد خدا میں مصروف پایا ہے۔ آپ کے تقویٰ سے مدرسہ کے تمام اساتذہ بے حد متاثر تھے۔ آپ کی ریاضت، اخلاق اور حصول علم کے شوق کا ادراک کرتے ہوئے آپ کے دوراندیش اساتذہ نے فرمایا تھا کہ یہ بات دعوے سے کہی جا سکتی ہے کہ کرم ایجنسی میں سید عارف حسین الحسینی سے بڑا عالم دین کوئی نہیں ہو گا اور ایک روز یہ شخص کرم ایجنسی کی تقدیر بدل ڈالے گا کیونکہ اس نوجوان کی پیشانی سے محسوس ہوتا ہے کہ یہ طالب علم مستقبل میں اجتہاد تک پہنچے گا"۔

وقت گزرتا رہا، حالات بدلتے رہے، تقاضے بڑھتے رہے، سید عارف حسین الحسینی بھی اپنی منزل کے قریب ہوتے گئے۔ آپ نے حالات کا خوب مشاہدہ کیا اور کرم ایجنسی کی تقدیر بدلنے کا عزم اپنے سینے میں امانت رکھ لیا۔ چونکہ زمانہ طالب علمی میں آپ کو مناظرے کرنے کا بے حد شوق تھا۔ اس لئے آپ دیگر کتب کے علاوہ مناظرانہ کتب کا باقاعدگی سے مطالعہ کرتے تھے۔ اگر کوئی مناظر عالم دین پارا چنار آ جاتا تو آپ اس کے ساتھ کافی دیر تک بیٹھے رہتے اور فن مناظرہ کے بارے میں استفسار کرتے۔

مدرسہ جعفریہ سے ابتدائی تعلیم مکمل کرنے کے بعد آپ اپنے مناظرانہ شوق کو عملی جامہ پہنانے کے لئے اس وقت کے عظیم شیعہ مناظر مولانا محمد اسماعیل مرحوم کے مدرسہ درس آل محمدؐ فیصل آباد میں داخل ہو گئے۔ مدرسے کا ماحول سازگار نہ ہونے کی وجہ سے کچھ ہی عرصہ بعد آپ واپس پارا چنار چلے گئے۔

عراق روانگی و زمانہ نجف اشرف

پاراچنار میں کچھ عرصہ قیام کے بعد آپ کو اعلیٰ دینی تعلیم کا شوق ہوا جس کی تکمیل کے لئے آپ نے اپنے استاد مولانا غلام حسین بیسوتی ہزارہ کے ساتھ نجف اشرف عراق جانے کا عزم کر لیا۔ نجف اشرف روانہ ہوتے وقت آپ نے اپنے والدین اور اپنے شفیق استاد مولانا جعفر حسین صاحب کی قدم بوسی کی۔ انہوں نے حسب معمول آپ سے بے حد پیار کیا اور روانہ کرتے وقت دعا فرمائی۔ مولانا غلام جعفر صاحب نے چند نصیحتیں کرنے کے بعد نجف میں مسائل کے حل کے لئے وہاں پر مقیم سینئر طالب علم مولانا گل علی صاحب پاراچنار کے نام خط بھی دیا۔

آپ ۱۹۶۷ء میں وطن کی فضاؤں سے کچھ وعدے کر کے نجف روانہ ہوئے۔ نجف پہنچتے ہی مولانا گل علی صاحب کو اپنے استاد کا خط پہنچایا۔ انہوں نے آپ کی تواضع کی اور دو چار دن بعد آپ کو اس وقت کے مجتہد اعظم حضرت آیتہ اللہ العظمیٰ آقائے سید محسن الحکیم کے پاس لے گئے اور انہیں آپ کا خاندانی تعارف کرایا۔ آپ کے خاندانی پس منظر اور حصول تعلیم کے جذبہ کو دیکھ کر آقای سید محسن الحکیم بے حد متاثر ہوئے۔ انہوں نے دعا فرمائی اور آپ کی ہر ممکن مدد کا یقین دلایا۔ بعد ازاں مولانا گل علی صاحب نے آپ کو "مدرسہ عبدالعزیز بغدادی" میں کمرہ دلوایا اور ابتدائی تعلیم میں آپ کی بھرپور مدد فرمائی۔

کچھ عرصہ بعد مولانا گل علی صاحب اپنے مرض کے علاج کے لئے پاکستان آنے لگے تو آپ نے ان سے التماس کی کہ وہ انہیں کسی اچھے استاد کے سپرد کرتے جائیں تاکہ سلسلہ تعلیم متاثر نہ ہونے پائے۔ آپ کی خواہش کا احترام کرتے ہوئے مولانا موصوف نے آپ کو آقای شیخ موحدی کے سپرد کر دیا۔ آپ نے آقائے موحدی سے خوب فیض حاصل کیا اور وہ بھی آپ کی ذہانت، کردار، تقویٰ اور تعلیمی دلچسپی سے متاثر ہوئے۔ علاج مکمل کرنے کے بعد مولانا گل علی صاحب جب عراق واپس گئے تو آقای شیخ موحدی نے انہیں بتایا کہ "سید عارف حسین الحسینی واحد

پاکستانی طالب علم ہیں جن میں ایک ملکوتی انسان کی صفات موجود ہیں"۔

مدرسہ عبدالعزیز بغدادی سے استفادہ کرنے کے بعد آپ نے "مدرسہ شبیریہ" میں داخلہ لے لیا اور اپنی تعلیم میں ہمہ تن مصروف ہو گئے۔ آپ کا معمول تھا کہ آپ باقاعدگی سے دروس میں شرکت کرتے' ہر درس کو اپنی ڈائری پر نوٹ فرماتے اور اپنے احباب سے ان دروس پر بحث کرتے۔ آج بھی آپ کی لائبریری میں آپ کے ہاتھ سے لکھے ہوئے سینکڑوں دروس موجود ہیں۔ نجف میں کتب کے مطالعہ کے علاوہ آپ باقاعدگی سے اپنے معروف استاد حضرت آیت اللہ مدنی کی پر اثر دعاؤں کی محافل میں شرکت فرماتے اور قرب خداوندی کی جستجو میں سرگرداں رہتے تھے۔ یہاں آپ نے جن اساتذہ سے فیض حاصل کیا ان میں آقای شیخ اشرفی اصفہانی' شہید محراب حضرت آیت اللہ مدنی' آقای لشکرانی اور آیت اللہ مرتضوی نمایاں ہیں۔

نجف اشرف میں زمانہ طالب علمی کے دوران سید عارف حسین الحسینی ہر پاکستانی طالب علم سے انتہائی خلوص' محبت اور شفقت سے پیش آتے' ہر نئے آنے والے طالب علم کی بھرپور معاونت کرتے' ان کی تعلیم' رہائش اور وظیفہ کا انتظام فرماتے۔ آپ کی کوشش ہوا کرتی تھی کہ تمام پاکستانی طلباء کو ایک لڑی میں پرو دیا جائے۔ آپ کے اس انداز محبت کو دیکھ کر آپ کے ایک پختون دوست نے دوسرے دوست سے کہا تھا کہ "پنجابی لوگ ہم پختونوں کو اچھا نہیں سمجھتے وہ اپنا الگ گروپ بنائے ہوئے ہیں مگر سید عارف حسین الحسینی تمام پاکستانیوں کو باہم جوڑنے پر کوشاں ہیں۔ کیا انہوں نے پاکستان جا کر قیادت کرنی ہے"۔

مہمان نوازی اور وفاداری میں بھی اسلامی رنگ نمایاں تھا۔ آپ پاکستانی طلباء سے ملتے تو انہیں اپنے کمرے میں آنے کی دعوت دیتے اور ان کی بے حد تواضع فرماتے۔ رابطوں کو مستحکم کرنے اور دلوں میں محبتوں کو قائم کرنے کے لئے دوسرے احباب کے کمروں میں جانا بھی آپ کا معمول تھا۔ اگر کسی طالب علم کو کوئی مشکل پیش آ جاتی تو آپ اس کا ازالہ فرماتے۔ ایک دفعہ آپ کے ابتدائی محسن استاد مولانا گل علی کو عراقی حکومت نے کسی مظاہرے میں گرفتار کر کے "شرکۃ العباس" جیل

بھیج دیا تو آپ پہلی فرصت میں مولانا گل صاحب کو جیل میں ملے اور جب تک مولانا صاحب جیل میں رہے آپ نے ان کے گھر والوں کی اس قدر خدمت کی کہ مولانا صاحب کی اہلیہ کو بے اختیار کہنا پڑا "شاید ہمارا اپنا بیٹا بھی اتنی خدمت نہ کرتا"۔ جب مولانا گل علی صاحب کو بغداد "جسری" وہاں جیل بھیج دیا گیا تو علامہ سید عارف حسین الحسینی نے ان کا پاسپورٹ لیا اور اپنے اثر و رسوخ سے امام خمینیؒ آقا خوئی اور آقای محسن الحکیم کے نمائندگان سے مل کر مولانا صاحب کا ایران کا ویزا لگوایا اور مولانا صاحب کی بیوی اور بچوں کے ٹکٹ کا بندوبست کیا۔

سندھ کی معروف شخصیت امام بخش خان زرداری نے بتلایا کہ وہ ایک دفعہ نجف اشرف میں سندھی طلباء کے مہمان تھے۔ ان سے کہا گیا کہ آج ان کی ملاقات پاراچنار کے ایک طالب علم سے کرائی جائے گی جو بے شمار خصوصیات کا مالک ہے۔

جب وہ ملے تو سید عارف حسین الحسینی کی پہلی مسکراہٹ نے ہی انہیں اپنا بنا لیا۔ پھر دوسری بار زرداری صاحب سید عارف حسین کے مہمان ہوئے تو ان کے بقول کہ "یہ نوجوان سید عبادت و ریاضت میں گم رہتا۔ جب شب کا اندھیرا چھا جاتا تو سید عارف حسین الحسینی روشنی بجھاتے مجھے آرام کی دعوت دے کر خود باہر چلے جاتے۔ میں نے کچھ دن ان کا یہ معمول دیکھا تو محسوس کیا کہ شاید میری مہمان نوازی کرنے سے اس طالب علم کی تعلیم میں خلل آ رہا ہے اور وہ میرے آرام کی خاطر اپنی تعلیم قربان کئے جا رہا ہے۔ میں نے ایک رات کمرے سے باہر نکل کر دیکھا تو صحن میں کھمبے پر لٹکے ہوئے ایک بلب کے نیچے سید عارف حسین کو مطالعے میں مصروف پایا۔ مجھے بے حد شرم آئی۔ میں ان سے معذرت کے لئے نیچے اترا تو دیکھا کہ وہ کتاب بند کر کے کہیں جا رہے ہیں۔ میں بھی چپکے سے ان کے پیچھے ہو لیا تا کہ اسی نوجوان کو مزید قریب سے دیکھوں۔ آخر وہ روضہ حضرت علی علیہ السلام پر چلے گئے۔ جہاں گیٹ کو تالہ لگا ہوا تھا۔ اس سید نے تالہ پکڑا' اس پر اپنی پیشانی رکھی اور سسکیاں بھرنے لگا۔ میں دیر تک دیکھتا رہا کہ یہ نوجوان اسی عالم میں گڑگڑا کر روتا اور دعائیں مانگتا رہا۔ میں کچھ دن ان کا مہمان رہا ان کی زندگی کا یہ معمول

دیکھ کر بے حد متاثر ہوا۔ ایک دن دل میں خیال آیا کہ ایسے لوگ ہی قوموں کی تقدیر بدلتے ہیں۔ میرے پاس گاڑی ہوتی تھی۔ میں نے کئی بار ان سے کہا کہ آئیں سیر کو چلیں میرا جی چاہتا تھا کہ ان کی کچھ خدمت کر سکوں مگر سید عارف حسین الحسینی ہر بار فرماتے۔ میں یہاں تعلیم حاصل کرنے آیا ہوں' سیر کرنے نہیں۔

آپ زمانہ طالب علمی میں تعلیمی دلچسپی اور تقویٰ کے باعث اساتذہ کی شفیق نگاہوں اور توجہ کا مرکز بنے رہے۔ آپ اپنی جماعت میں ایک ذہین' متقی زحمت کش طالبعلم کی حیثیت سے پہچانے جاتے تھے۔ آپ تعلیم کے سلسلے میں تین چیزوں کے سختی سے پابند تھے۔

1_ دروس کا لکھنا۔ اساتذہ جو کچھ پڑھاتے آپ انہیں اپنی ڈائری میں لکھتے۔

2_ مباحثہ' یعنی پڑھے گئے دروس پر ساتھیوں سے بحث کرنا۔

3_ مطالعہ' آپ فارغ اوقات میں بڑے بڑے کتاب خانوں میں جا کر اہم موضوعات کی کتب کا مطالعہ کرتے اور نوٹس بناتے۔ قیادت کے دوران بھی آپ فرصت مستعار مانگ کر مطالعہ ضرور فرماتے تھے اور دوران سفر کتب اپنے ساتھ رکھتے۔ شوق مطالعہ کا اس سے بڑا ثبوت اور کیا ہو سکتا ہے کہ آپ ساڑھے چھ سال بعد پہلی دفعہ نجف اشرف سے گھر (پاراچنار) واپس لوٹے۔

مختلف موضوعات پر تقاریر کرنا بھی آپ کا ایک شوق تھا۔ آپ ہفتہ وار پاکستانی بالخصوص صوبہ سرحد کے طلباء کے درمیان موضوعات پر تقریر کرتے اور دوسروں کو تقریر کی دعوت دیتے۔ احباب کی موضوعاتی تقاریر سن کر ان کی تعریف کرتے اور حوصلہ افزائی فرماتے۔

عزاداری اور ماتم سے آپ کو گہرا لگاؤ تھا۔ آپ نجف میں عزاداری کی مجالس میں تقاریر کرتے اور ماتم میں باقاعدگی سے شرکت فرماتے تھے۔ آپ کے محبوب اور شفیق استاد آیت اللہ حرم پناہی ہر سال عاشور کے بعد اپنے گھر میں مجلس عزا کا اہتمام کرتے اور تمام نوحہ خواں حضرات اور عزاداروں کو دعوت دیتے تو آپ اپنے نوحہ خواں احباب کے ساتھ شرکت فرماتے اور وہاں پشتو میں نوحہ خوانی اور خوب

ماتم کرتے تھے۔ آپ کے نوحوں کو تمام طلباء انتہائی شوق سے سنتے اور آپ کے انداز عزاداری کو بے حد پسند کیا کرتے تھے۔

ماہ رجب کی ۲۵ تاریخ کو کاظمین (بغداد) میں ہر سال امام موسیٰ کاظمؑ کی شہادت کے موقع پر شبیہ تابوت برآمد ہوتی ہے۔ جس میں عراق اور دور دراز علاقوں کے لوگ شرکت کرتے ہیں۔ سید عارف حسین الحسینی اس جلوس میں شرکت کے لئے نجف اشرف سے کاظمین جاتے تھے۔ وہاں نوحہ خوانی اور ماتم کرتے۔ آپ اس قدر رقیق القلب تھے کہ مجلس اور مصائب سن کر ایک فقرے کو یاد کر کے کئی کئی دن تک دہراتے اور گریہ کرتے رہتے تھے۔ آپ محرم کا چاند دیکھتے ہی اشکبار ہو جاتے۔ آپ کے لئے شب عاشور اور شام غریباں انتہائی کٹھن ثابت ہوتی تھی۔ ساری ساری رات دھاڑیں مار کر روتے۔ محرم کے ایام میں روزے رکھتے اور عاشور کی عصر آپ کی کیفیت بدل جاتی پھر اتنا گریہ کرتے کہ سسکیاں بے ربط ہو جاتی تھیں۔

نجف اشرف کے قیام کے دوران عبادات کو زیادہ اہمیت دینا آپ کی فطرت کا جزو بن گیا۔ ہر شب جمعہ دعائے کمیل اور زیارت امام حسینؑ پڑھنا آپ کا وطیرہ تھا۔ ایک مرتبہ آپ شدید علیل ہو گئے اور آپ کے پاس رقم بھی ختم ہو گئی۔ آپ کی یہ حالت دیکھ کر پارا چنار کا ایک طالب علم آقائے خوئی کے پاس گیا اور انہیں سید عارف حسین کی حالت زار سے آگاہ کیا ساتھ ہی وظیفہ کی استدعا بھی کی۔ طالبعلم کی التجا سن کر آقائے خوئی نے فرمایا "وہ پاکستانی سید عارف کہاں بیمار ہے میں نے آج اسے اذان صبح سے قبل حرم حضرت علی علیہ السلام میں عبادت کرتے دیکھا ہے"

کربلا کی زیارت آپ کا جنون اور عشق تھا۔ آپ نے نجف اشرف میں ساڑھے چھ سال کے دوران بیس سے زائد مرتبہ کربلا کی پیدل زیارت کی۔ عراق میں دستور ہے کہ لوگ ۱۳ رجب، ۳ شعبان، ۱۵ شعبان، ۱۸ ذوالحجہ، عاشورائے محرم اور ۲۰ صفر کو اکثر مقامات سے خاص طور پر نجف سے زیارت کے لئے پیدل کربلا جاتے ہیں۔ اربعین کے موقع پر خصوصیت کے ساتھ بڑی تعداد میں لوگ قافلوں کی

صورت میں نجف سے کربلا کا رخ کرتے ہیں اسی طرح سید عارف حسین الحسینی سال میں کم از کم چار مرتبہ ضرور کربلا پیدل جایا کرتے تھے۔ نجف اشرف سے کربلا جانے کے لئے دو راستے ہیں ایک راستہ جو تقریباً تین دن کی مسافت پر مشتمل ہے دریائے فرات کے کنارے سے ہو کر جاتا ہے جو لوگ یہ راستہ اختیار کرتے ہیں وہ آرام کے ساتھ ٹھہر ٹھہر کر قیام کرتے ہوئے کربلا پہنچتے ہیں اور اس راستہ میں آباد لوگ زائرین کی خاصی تواضع کرتے ہیں۔ دوسرا راستہ وہ پختہ سڑک ہے جس پر عام ٹریفک رواں دواں رہتی ہے۔ یہ فاصلہ تقریباً ۸۰ کلومیٹر پر مشتمل ہے اور راستہ میں کھانے پینے اور سایہ کا کوئی انتظام نہیں ہے البتہ نجف و کربلا کے درمیان اسی راستہ پر چند دکانیں ہیں۔ سید عارف حسین الحسینی جب تنہا پیدل عازم سفر ہوتے تو اسی راستہ کا انتخاب کرتے اور نماز فجر پڑھ کر روانہ ہو جاتے۔ ۸۰ کلومیٹر کا یہ دشوار راستہ دن کے کھانے اور نماز کے لئے توقف کے علاوہ رکے بغیر طے کرتے اور یوں دوسرے روز تھکے جسم' آبلہ پا اور غبار آلود چہرے کے ساتھ سیدھے حرم سید الشہداء پہنچتے اور فرماتے کہ زائر کو چاہئے کہ وہ سفر کی چور چور کیفیت اور غبار سے اٹے چہرے کے ساتھ اپنے مولا کی بارگاہ میں حاضر ہو۔

بقول علامہ عابد حسین الحسینی کہ آپ جب کبھی قافلے کے ساتھ نجف سے کربلا جاتے تو قافلے میں موجود ضعیف اور نحیف زائرین کا سامان اپنے کندھوں پر اٹھاتے۔ راستہ بھر ان کی خدمت کرتے اور کربلا پہنچنے کے بعد خود آبلہ پائی کے باوجود ضعیف زائرین کے پاؤں دباتے اور ان سے صرف دعاؤں کی استدعا کرتے تھے۔

○○○

نجف میں امام خمینی سے وابستگی

جس زمانہ میں آپ نجف اشرف میں تعلیمی مراحل تیزی سے طے کر رہے تھے ان ایام میں رہبر انقلاب اسلامی حضرت امام خمینی رضوان اللہ تعالیٰ علیہ بھی نجف میں جلا وطنی کے دن کاٹ رہے تھے۔ آپ مدرسہ آیت اللہ بروجردی میں نماز مغربین کی امامت فرماتے اور چند لوگ آپ کی اقتداء میں نماز بجا لاتے تھے۔ پاکستانی طلباء میں سید عارف حسین الحسینی واحد طالب علم تھے جو باقاعدگی سے امام خمینی کی اقتداء میں نماز ادا کرتے تھے۔ آپ کی کوشش ہوتی تھی کہ آپ جماعت کی اگلی صف میں کھڑے ہوں۔ نماز کے بعد امام خمینی کے دروس کو انتہائی انہماک سے سنتے اور اسے ذہن کی لوح پر نقش کر لیتے۔ آپ واپس اپنے ہاسٹل لوٹتے تو وہاں پر موجود تمام احباب کو امام خمینی کے درس کا خلاصہ پیش کرتے اور انہیں امام خمینی کے دروس میں شرکت کی اپیل کرتے۔

یہ وہ دور تھا جب امام خمینی پر سامراج کی نظریں لگی ہوئی تھیں اور لحہ بہ لحہ آپ کی کاروائیاں جاسوس ادارے نوٹ کر رہے تھے۔ حکومت عراق اور حکومت ایران دونوں کی کوشش ہوا کرتی تھی کہ امام خمینی کے پیروکاروں میں اضافہ نہ ہونے پائے اور آپ کے افکار کو پھیلنے کا موقع نہ ملے۔ لہٰذا حکومت عراق آپ اور آپ کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے اور چلنے پھرنے والوں پر کڑی نظر رکھتی تھی اور اسی ضمن میں آپ کے رفقاء کو آپ سے جدا کرنے کا ہر طریقہ اختیار کیا جاتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ علماء اور اکثر طلباء امام خمینیؒ کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے اور چلنے پھرنے سے گریز کرتے تھے۔ مگر سید عارف حسین الحسینی کے عشق کی یہ حد تھی کہ آپ امام خمینی کی جماعت کی پہلی صف میں بیٹھتے' ذہن کے دریچوں کو کھول کر امام خمینیؒ کا ہر فرمان سنتے اور امام خمینیؒ کے چہرے پر نظریں جما کر مہتاب انقلاب کی شعاعوں سے آنکھوں کو منور اور دل کو تازگی بخشتے۔ جب کبھی وقت اور حالات کی نزاکتوں میں شدت آتی تو آپ اپنے رفقاء سے التجا کرتے کہ امام خمینیؒ کی درازی عمر کی دعا کریں اور خود روضہ حضرت علی علیہ السلام پر حاضری دیتے اور گڑگڑا کر امام خمینیؒ کے لئے

دعائیں مانگتے۔

ایک بار کسی دوست نے آپ سے کہا کہ ہم پاکستانی طلباء یہاں اپنی تعلیم حاصل کرنے کے لئے آئے ہیں لٰہذا ہمیں ایران عراق اور یہاں کی سیاسی متنازعہ شخصیات سے کوئی سروکار نہیں ہونا چاہئے۔ ایک تو یہ غیر ملکی معاملات ہیں اور دوسرا یہاں کے امور میں مداخلت سے ہمارے لئے مشکلات پیدا ہونے کا اندیشہ ہے۔ یہ سنتے ہی آپ کا چہرہ جلال سے سرخ ہو گیا اور دیگر احباب کے سامنے اسی دوست سے فرمایا "اے دوست آپ کا مذہب شیعہ پاکستان سے تخلیق نہیں ہوا۔ یہ چشمہ ہدایت بھی عراق سے رواں ہوا تھا اور نواسہ رسولؐ بھی پاکستانی نہیں تھے۔ ہم حق کے متلاشی اور ہر فرزند زہراء کی صدائے ھل من ناصر پر لبیک کہنے والے ہیں لٰہذا ہم حق کی خاطر اٹھنے والی ہر صدا' چاہے وہ دنیا کے کسی کونے سے ہی کیوں نہ اٹھے اس کا ساتھ دینا اور حق کے راستے میں صعوبتیں برداشت کرنا بھی ان کی ذمہ داری میں شامل ہے۔ دعا کرو کہ فرزند زہراء خمینی دشمنوں کی نظر بد سے محفوظ رہیں اور کوشش کرو کہ آپ کے افکار کا چرچا عام ہو۔ یاد رکھو کہ اگر خدانخواستہ اس رہبر کو کچھ ہو گیا تو پھر کئی برس تک کوئی عالم دین صدائے حق بلند نہیں کر سکے گا اور اگر بفضل خدا انہیں کامیابی حاصل ہو گئی تو پھر اسلام سرخرو اور علماء سربلند ہوں گے۔ لٰہذا توبہ کرو اور اپنے دل سے ان وسوسوں کو نکال دو"۔

آپ کے جذبات اور خلوص سے تمام طلباء بے حد متاثر ہوئے اور ان میں سے بعض امام خمینیؒ کی اقتداء میں نماز مغربین میں شرکت کرنے لگے۔ کربلا کی زمین پر سید الشہداءؑ کے مجاہد فرزند امام خمینیؒ کی محبت بھی پروان چڑھتی رہی۔ یہاں تک کہ آپ احباب کی محفل کے درمیان امام خمینی کا ایک جملہ نقل فرماتے ہی اشکبار ہو گئے کہ آج امام خمینی نے شاہ کو مخاطب کر کے فرمایا ہے کہ "میرا دل تیرے نیزوں سے چھلنی ہونے کے لئے حاضر ہے لیکن تیرے ظلم وستم کو تسلیم کرنے کے لئے نہیں"۔

اس وقت جب امام خمینیؒ کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا بھی خطرناک ہوا کرتا تھا۔ آپ

امام خمینیؒ کے پیچھے ایسے چلتے جیسے ان کے ذاتی محافظ ہوں۔ آپ کی یہ حالت دیکھ کر آپ کے کسی دوست نے بھری محفل میں کہہ دیا تھا کہ سید عارف حسین الحسینی نے انگیٹھی کو سینے سے لگایا ہوا ہے"۔ آپ صرف امام خمینیؒ سے عقیدت تک محدود نہ رہے بلکہ امام خمینیؒ سے عقیدت رکھنے والے افراد بھی آپ کی محبوب شخصیات بن گئے جن میں آقای علی نائینی، آقای سید رضا برقعی، آقای دعائی اور آقای سید حسین یزدی سرفہرست ہیں۔

زمانہ طالب علمی میں آپ اپنے استاد آیت اللہ شہید مدنی سے بے حد متاثر تھے کیونکہ شہید مدنی بلند پایہ عالم دین ہونے کے علاوہ امام خمینیؒ کے عاشق بھی تھے۔ آپ مدرسہ دارالحکمت میں آیت اللہ مدنی سے شرح لمعہ پڑھتے تھے اور درس ختم ہونے کے بعد انہی کے ساتھ سیدھا مدرسہ بروجردی جا کر امام خمینیؒ کے پیچھے نماز مغربین ادا کرتے اور نماز ظہرین بھی اکثر اوقات مسجد شیخ انصاری میں امام خمینیؒ کی اقتداء میں ادا کرنے کی کوشش فرماتے تھے۔

امام خمینیؒ سے آپ کے عشق کی مثال کچھ یوں بھی سامنے آئی ہے کہ ۱۹۷۱ء میں جب ایران میں ڈھائی ہزار سالہ جشن شہنشاہی منایا جا رہا تھا تو امام خمینیؒ نے نجف اشرف میں اس کے خلاف تقریر کی۔ یہ شاہ ایران کے آباء اجداد کا جشن شہنشاہی تھا جس پر اربوں روپے خرچ کئے گئے تھے جس کی مثال دنیا میں کم ہی ملتی ہے۔

اس کے بارے میں امام خمینیؒ نے فرمایا تھا کہ "اے شہنشاہ ایران یہ ملک تمہارے باپ دادا کی جاگیر نہیں ہے بلکہ امام زمانہؑ کا ملک ہے۔ اس کے اربوں روپے تمہارے خاندانی جشن کے لئے نہیں بلکہ غریب و مظلوم عوام کے لئے ہیں" امام خمینیؒ کی اس پرجوش تقریر کے بعد امام کے طرفدار طلباء اور علماء نے شاہ کو مذمتی ٹیلی گرام بھیجے۔ پاکستانی طلاب میں صرف سید عارف حسین الحسینی ہی تھے جنہوں نے شاہ کو پاکستانی طلباء کی جانب سے ٹیلی گرام بھیجا تھا۔ جب اس بات کا علم پاکستانی طلباء کو ہوا تو وہ ایک گروپ کی صورت میں نماز مغربین کے بعد صحن مطہر

حضرت علی علیہ السلام میں آپ سے ملے اور اعتراض کیا ''آپ کو کیا حق پہنچتا ہے کہ آپ تمام پاکستانی طلباء کی طرف سے شاہ کو مذمتی ٹیلی گرام ارسال کریں' ہمارا ان باتوں سے کیا تعلق ہے' ہم پاکستانی ہیں' ہم کسی ایرانی شخصیت کی حمایت اور ایرانی حکومت کی مذمت کیوں کریں؟ ہمیں تو ایران کے راستے پاکستان آنا جانا ہوتا ہے' اس طرح حکومت ایران ہمیں تنگ کرے گی''۔

پاکستانی احباب کی یہ باتیں سن کر آپ نے کافی دلائل دیئے مگر وہ بضد رہے۔ جب بات دلائل سے نہ بنی تو پھر متحمل مزاج عارف کے چہرے پر جلال نمودار ہوا اور آپ نے انتہائی سخت الفاظ میں انہیں باز رہنے کی تاکید کی۔ نوجوانی کے عالم میں غصے پر قابو پانا آپ کی صفات کا ایک حصہ تھا لیکن امام خمینی یا کسی مقتدر علمی شخصیات کی توہین برداشت کرنا آپ کے لئے بہت مشکل ہوتا تھا۔

ایک اہم واقعہ جو ۱۹۷۳ء میں نجف اشرف کی سرزمین پر پیش آیا وہ یوں تھا کہ حسن بکر کی بعثی عراقی حکومت نے آقای محسن الحکیم کی انقلابی سرگرمیوں سے خائف ہو کر انہیں کوفہ میں نظربند کر دیا اور ان کی ملاقات پر پابندی عائد کر دی۔ اس ضمن میں پہلے عرب طلباء پھر ایرانی اور پھر پاک و ہند کے طلباء کا ایک مشترکہ وفد آقای محسن الحکیم سے ملاقات کرنے کوفہ پہنچا جہاں طلباء کے جلوس اور پولیس کے درمیان تصادم ہوا۔ اس جلوس میں سید عارف حسین الحسینی اور سید شبر حسین آف پاراچنار بھی موجود تھے۔ ان دو نوجوانوں نے پولیس سے خوب ہاتھاپائی کی اور چند پولیس والوں کو زخمی کر دیا۔ اس تصادم میں سید عارف حسین الحسینی کی عباء بھی پھٹ گئی۔ پھر آپ مسجد کوفہ پہنچے مگر پولیس نے مسجد میں گھس کر آپ کو گرفتار کر لیا اور اسی روز سے تمام مدارس دینیہ میں آپ کی بہادری کا چرچا ہو گیا۔

اس زمانہ میں امام خمینیؒ کی حقیقی معرفت بہت کم افراد کو تھی اور بعض اوقات طلباء آپ سے اختلاف بھی کر لیتے تھے مگر سید عارف حسین الحسینی کے سامنے کسی کو امام خمینیؒ کی شان کے منافی ایک حرف کہنے کی بھی جرات نہ ہوتی

تھی۔ دل کو دل سے راہ ہونے کے مصداق اگر آپ نے امام خمینیؒ جیسے گوہر یکتا کو اپنی باطنی بصیرت سے کشف کر لیا تھا تو امام خمینیؒ کی روحانیت نے بھی آپ کا انتخاب فرما لیا تھا۔ لہٰذا جب آپ ۱۹۷۳ء میں نجف اشرف سے پاکستان بغرض ترویج انقلاب آنے لگے تو امام خمینیؒ نے آپ کو اپنا وکالت نامہ دیا جو ایران کی سرحد پر دوران تلاشی آپ سے چھین لیا گیا۔

زمانہ قم المقدسہ ایران

آپ ۱۹۷۳ء میں پہلی بار نجف اشرف سے ساڑھے چھ سالہ قیام کے بعد پاکستان آئے۔ اسی سال آپ کی اپنے ہی خاندان میں مولانا سید امیر حسین جان لکھنوی کی بھتیجی اور سید یونس جان خطیب عالم شیر کی صاحبزادی سے شادی انجام پائی۔

خداوند کریم نے آپ کو پانچ فرزند اور دو دختر عطا فرمائیں۔ جن کے نام یوں ہیں۔ سید محمد' سید علی' سید حسن' سید حسین' سید سجاد' سیدہ فاطمہ اور سیدہ زینب۔

شادی کے بعد ۱۹۷۴ء میں جب آپ نے نجف اشرف دوبارہ جانا چاہا تو آپ کے داخلہ پر پابندی عائد کر دی گئی کیونکہ عراقی حکومت آپ کی سرگرمیوں' قائدانہ صلاحیتوں اور امام خمینیؒ سے عقیدت سے آشنا ہو چکی تھی۔ علمی تشنگی اور امام خمینیؒ کے ہجر نے آپ کو پاکستان میں چین سے نہ بیٹھنے دیا۔ آپ ۸ ماہ بعد قم تشریف لے گئے جہاں آپ نے آیت اللہ شہید مرتضیٰ مطہری' آیت اللہ ناصر مکارم شیرازی' آیت اللہ وحید خراسانی' آیت اللہ تبریزی اور آیت اللہ حرم پناہی سے تاریخ' اصول' فلسفہ' فقہ اور علم کلام کا درس لیا۔

یہ وہ زمانہ تھا جب ایران میں امام خمینی کی تحریک خوب پروان چڑھ رہی تھی۔ شاہ ایران کی جانب سے علماء کے خلاف زہریلا پروپیگنڈہ زوروں پر تھا۔ مدارس دینیہ کا تقدس پامال کرنے کی ہر ممکن کوشش کی جا رہی تھی' عوام اور طلباء کے مظاہرے شباب پر تھے' ایسے میں سید عارف حسین الحسینی بڑے بڑے مظاہروں میں خود شرکت کرتے' اپنے ساتھیوں کو شرکت کی ترغیب دیتے اور امام خمینیؒ کے پیغامات کو دیگر احباب تک پہنچانے میں سرگرم عمل رہتے تھے۔

چونکہ اسلامی انقلاب کی تحریک کا اصل مرکز حوزہ علمیہ قم تھا اس لئے قائدین انقلاب کی سرگرمیوں کا محور ہونے کے ناطے یہ حوزہ شاہ ایران کے غیض و

غضب کا نشان بنتا رہا۔ آیت اللہ سید علی خامنہ ای' حجتہ الاسلام واعظ طبسی' حجتہ الاسلام شہید ہاشمی نژاد اور دیگر اہم شخصیات امام خمینیؒ کی تحریک کے روح رواں تھیں۔ امام خمینیؒ سے عشق کی بدولت سید عارف حسین الحسینی کو امام کے جانثاروں سے بھی عقیدت ہو گئی۔ آپ حضرت آیت اللہ سید علی خامنہ ای کے خطبات میں جوش و جذبہ کے ساتھ شرکت فرماتے اور ان کے خطبات کے اقتباسات اپنے دیگر دوستوں تک پہنچاتے۔ آپ حضرت آیت اللہ سید علی خامنہ ای کے جذبہ اور ان کی امام خمینیؒ سے والہانہ محبت کو دیکھ کر اکثر فرمایا کرتے تھے کہ "اگر یہ عبد ذی وقار (آیت اللہ خامنہ ای) زندہ رہے تو اپنی صلاحیتوں کا دنیا بھر میں لوہا منوائیں گے"۔

ایران کی بدنام زمانہ جاسوسی تنظیم "ساواک" انقلاب کے لئے سرگرداں افراد کے لمحہ بہ لمحہ جاسوسی کر رہی تھی بالخصوص یہ تنظیم غیر ملکی طلباء جو ایرانیوں کے شانہ بشانہ متحرک تھے پر کڑی نظر رکھے ہوئی تھی۔ چونکہ پاکستانی طلباء میں سے سید عارف حسین الحسینی تحریک امام خمینی کے سرگرم رکن تھے۔ اس لئے "ساواک" نے آپ کو گرفتار کر کے وہاں کی ضلعی انتظامیہ کے سپرد کر دیا۔ آپ سے چند روز تفتیش ہوتی رہی' آپ کو صعوبتوں کا خوف دلایا گیا' ایران بدر کرنے کی دھمکیاں دی گئیں مگر ان کی کوئی کوشش بھی آپ کو متزلزل نہ کر سکی۔ آخرکار انہوں نے آپ سے ایک حلف نامہ پر دستخط کرانے کی کوشش بھی کی جس پر تحریر تھا کہ آپ :

1- قم کے قیام کے دوران کسی مظاہرہ اور جلسہ میں شرکت نہیں کریں گے۔
2- کسی سطح پر ہونے والے جلسہ میں تقریر نہیں کریں گے۔
3- شاہ ایران کے خلاف کسی مقام پر نشر و اشاعت نہیں کریں گے۔
4- ایران میں انقلاب کی تحریک کے کسی رہنما سے ملاقات نہیں کریں گے۔
5- حکومت ایران کے خلاف کسی بھی سرگرمی میں شریک نہیں ہوں گے۔

جونہی آپ کی نظر ان شرائط پر پڑی تو نہ صرف آپ نے دستخط کرنے سے انکار کر دیا بلکہ بڑی جرات سے جواب دیا "میں اس قسم کی کسی شرط کو قبول نہیں کرتا اور نہ ہی میں نے اپنے آباؤ اجداد سے مشروط زندگی گزارنے کا درس پڑھا

ہے"۔

قم میں بھی انقلابی جلسوں کے علاوہ عزاداری کے جلوسوں میں شرکت کرنا آپ کا پسندیدہ فعل تھا۔ آپ ان جلوسوں میں نوحہ خوانی اور سینہ زنی بھی کرتے۔ نجف و قم میں مقامات مقدسہ کی زیارتیں اور عزاداری کے عظیم جلوسوں سے آپ اس قدر متاثر تھے کہ زندگی بھر احباب کی محفل میں ان کا تذکرہ فرماتے رہے۔ آپ کے نزدیک نجف و قم کے مزارات کی زیارت' وہاں مانگی گئی دعائیں اور عزاداری کے پروگرامات میں شرکت زندگی کا عظیم سرمایہ تھے۔

حج بیت اللہ آپ کی تسکین کا ذریعہ تھا۔ آپ ۱۹۷۵ء میں پہلی بار قم سے حج کی عظیم سعادت حاصل کرنے کے لئے گئے۔ دوران حج آپ کا تقویٰ' عبادت اور کم گوئی ایسے افعال تھے جو ہر اہل نظر کو متاثر کر گئے۔ اس موقع پر پاکستان اور دیگر اسلامی ممالک کے علماء اور صاحب تقویٰ افراد آپ کے انداز حج سے بے حد متاثر ہوئے اور کافی افراد نے مناسک حج بھی آپ کے ساتھ ادا کئے۔ دعاؤں کے مجموعہ کی بہترین کتاب "مفاتیح الجنان" ہر وقت آپ کے ہاتھ میں ہوتی تھی۔ آپ مختلف مقامات پر وہاں کی مناسبت سے دعائیں پڑھتے اور گریہ کرتے۔ ایک مرتبہ آپ اس کتاب کے ساتھ حرم میں داخل ہوئے تو سعودیہ پولیس نے کتاب اندر لے جانے سے منع کیا۔ آپ نے دلائل دیئے مگر انہوں نے واضح کہا کہ اس کتاب میں چند جملے ایسے ہیں جن سے سعودیہ مسلک کو اختلاف ہے۔ غالباً" یہ جملے حضرت فاطمہ الزہرا ؑ اور مزارات اہل بیت ؑ کی مظلومیت کے بارے میں تھے۔

آپ حج کے عرصہ میں بہت کم سوتے' زیارات اور قرآن مجید کی بکثرت تلاوت فرماتے' رات کو اٹھ کر خانہ خدا اور روضہ رسول ؐ کا کثرت سے طواف کرتے اور مسجد نبوی و دیگر مساجد میں کثرت سے نمازیں اور نوافل ادا کرتے تھے۔ یاد خدا میں آپ کی آنکھیں مسلسل اشکبار رہتی تھیں۔ آپ اس دوران کھانا بھی انتہائی کم کھاتے تا کہ عبادت میں نیند خلل نہ ڈال سکے۔ آپ سعودیہ میں گوشت کھانے سے مکمل پرہیز کرتے ایسے میں آپ خشک میوہ جات' انڈوں اور خشک روٹی پر گزارہ

کرتے۔

ایک مرتبہ آپ منیٰ آ رہے تھے کہ ایک مصری آپ کا ہمسفر ہو گیا اور اس نے شیعیت کے خلاف انتہائی غلیظ زبان استعمال کی۔ آپ نے نہایت حوصلہ سے عربی میں اسے مذہب شیعہ کا تعارف کرایا اور وہ بے حد متاثر ہوا۔ یہ شخص آپ کو منیٰ میں خیمہ تک چھوڑنے آیا اور یہ کہہ کر کہ "وہ مزید تحقیق کے لئے پھر حاضر ہو گا" رخصت طلب کی۔

آپ دوسری بار ۱۹۷۷ء میں قم سے حج پر تشریف لے گئے جہاں آپ کی ملاقات پاراچنار کے قریبی رفقاء آقا سید محمد جواد ہادی، حاجی کمال حسین اور سید حسین سے ہوئی۔ آپ نے اس گروپ کی رہنمائی کی۔ احباب کے بقول آپ کے حج کا انداز بھی منفرد ہوتا تھا۔ آپ ساری ساری رات جاگتے، زیارات و قرآن مجید بکثرت پڑھتے۔ خصوصاً" عرفات کے دن دعائے امام حسینؑ ایسے پڑھتے جیسے امام حسینؑ روبرو آپ کا خطبہ سن رہے ہوں۔ زیارت امام حسینؑ پر بے حد گریہ کرتے، اعمال حج کے دوران دعاؤں میں اپنی شہادت کی دعا اس انداز سے مانگتے جیسے خداوند کریم نے پوچھ لیا ہو کہ عارف کیا چاہتے ہو؟ آپ رات کو مجالس پڑھتے اور احباب کو بار بار نصیحت فرماتے کہ آپ لوگ خدا کے مہمان ہیں لہٰذا میزبان کی عظمت کو مدنظر رکھ کر اپنے اطوار میں مزید بہتری پیدا کریں۔ ایک دفعہ حاجی کمال حسین آپ کے اعمال / دعائیں ریکارڈ کر رہے تھے تو آپ نے فرمایا کہ "ریکارڈنگ وغیرہ چھوڑیں اس سے آپ کے اعمال میں خلل پڑے گا آپ اعمال کریں واجبات کو ترجیح دیں"۔

ایک رات جدہ میں آپ احباب کے ہمراہ دعائے کمیل پڑھ رہے تھے کہ چند مصری آ گئے انہوں نے آپ سے پوچھا کہ کہاں سے آئے ہیں؟ آپ نے بتایا کہ "ہم پاکستانی ہیں" انہوں نے تعجب سے پوچھا پاکستان میں بھی شیعہ رہتے ہیں؟ ان کے اس استفسار پر آپ نے شیعیت کا بھرپور تعارف کروایا اور انہیں بتایا کہ پاکستان میں ۳ کروڑ شیعہ آباد ہیں جو پاکستان کی کل آبادی کا چوتھا حصہ ہیں۔

آپ عرصہ حج کے دوران زیادہ وقت عبادات میں صرف کرتے' معمولی سا آرام کرنے کے لئے معمولی سی چٹائی پر نیچے سو جاتے اور اپنی عبا اوپر لے لیتے۔ یوں تو زیارات کے دوران آپ اشکبار ہی رہتے مگر شعب ابی طالب اور جنت البقیع میں اس قدر گریہ کرتے کہ آپ کی حالت غیر ہو جاتی اور اس دوران زیارات اور دعاؤں کی کتاب زمین پر رکھتے اور بے اختیار ماتم کرتے۔

آپ اکثر فرمایا کرتے تھے "دستور زمانہ ہے کہ ہر ملک اپنے تاریخی مقامات کو چن چن کر محفوظ کرتا ہے جبکہ سعودی فرمانرواؤں نے ایسے مقامات (مزارات اہل بیتؑ و اصحابؓ) کو مسمار کر دیا ہے" چونکہ آپ حقیقی عبد کریم اور رسول اکرم ﷺ کے پروانے تھے اس لئے اپنے احباب کو مجالس اور دروس میں حقیقت توحید اور عظمت رسول ﷺ سے آشنا کرتے۔ یہی وجہ تھی کہ آپ کی مجالس میں شیعہ سنی برادران کا ہجوم رہتا تھا۔ آپ حج کی ادائیگی کے بعد واپس قم چلے جاتے اور اپنی تعلیم میں مصروف ہو جاتے تھے۔

قم میں قیام کے دوران جہاں آپ امام خمینی کی تحریک کے سپاہی تھے وہاں آپ پاکستانی امور پر بھی گہری نظر رکھتے۔ جب بھی کوئی پاکستانی طالب علم قم آتا تو آپ اس سے پاکستان کے مکمل حالات بالخصوص ملت جعفریہ کی صورتحال کا ضرور استفسار کرتے۔ آپ قم میں رہتے ہوئے بھی کرم ایجنسی کے حالات کے بارے میں کافی مضطرب رہتے تھے۔ ان ایام میں جن احباب سے بھی آپ کا سلسلہ خط و کتابت تھا آپ انہیں ہر خط میں کرم ایجنسی کے حالات کے بارے میں پوچھتے اور مکمل تفصیلات طلب کرتے تھے۔ اگر ملت جعفریہ پاکستان کسی سانحہ کا شکار ہو جاتی تو آپ مسلسل کئی کئی روز تک رنجیدہ رہتے۔ کبھی پاکستان میں فرقہ واریت کی مسموم ہوا کا کوئی جھونکا چلتا تو آپ بے حد غمزدہ ہو جاتے اور مقامات مقدسہ پر مسلمانوں کے اتحاد اور پاکستان کے استحکام کی دعائیں مانگتے تھے۔

آپ امام خمینی کی تحریک کا رخ دیکھ کر اس خواہش کا اظہار فرمایا کرتے تھے کہ انشاء اللہ پاکستان میں بھی کوئی خمینی اٹھے گا جو وہاں کے مسلمان عوام کی تقدیر بدل ڈالے گا۔

پاراچنار میں آمد اور مجاہدانہ کردار

آپ قم المقدسہ میں اعلیٰ دینی تعلیم کے حصول میں مصروف تھے کہ پاراچنار کے "مدرسہ جعفریہ" اور کرم ایجنسی کے حالات کے تحت آپ کی اشد ضرورت پڑی۔ چنانچہ علامہ سید عابد حسین الحسینی اور آپ کو مدرسہ کے مسئول آقا شیخ رجب علی نے کرم ایجنسی میں خدمات کے لئے یاد فرمایا۔ آپ مزید تعلیم اور امام خمینیؒ سے محبت کی بنا پر قم المقدسہ کو چھوڑنے کے لئے ہرگز رضامند نہ تھے مگر جب آپ کو ضرورت کا احساس دلایا گیا تو آپ اپنے محترم و شفیق استاد آقای حرم پناہی کے پاس گئے اور انہیں استخارہ کرنے کی استدعا کی۔ آقا حرم پناہی استخارہ کے لئے مصروف تھے۔ انہوں نے استخارہ کیا تو مسکرانے لگے۔ آپ کی طرف دیکھا اور فرمایا "آپ کے لئے وطن واپس جانے میں بہتری ہے"۔ انہوں نے آپ کے حق میں دعا کی اور پاکستان میں انقلاب اسلامی کی ترویج کرنے کی تاکید فرمائی۔

آپ استاد کے حکم کی تعمیل اور کرم ایجنسی کی ضرورتوں کو مدنظر رکھ کر ۱۹۷۷ء میں قم سے پاراچنار تشریف لے آئے اور سلسلہ درس و تدریس میں مصروف ہو گئے۔ یہاں آپ نے اپنی ذمہ داریوں کو دو حصوں میں تقسیم کیا۔ اول مدرسہ کی ترقی اور دوم کرم ایجنسی کے حالات کی بہتری۔

بطور مدرس آپ نے طلباء کی فکر کو جدید اسلامی نہج پر لانے اور طلباء میں تقویٰ کو فروغ دینے کی بھرپور کوشش کی۔ جہاں آپ نے طلباء کی ضرورتوں اور علم دین کی افادیت کو اہمیت دی وہاں مدرسہ کی تعمیر، نوجوانوں کو مدارس دینیہ کی طرف راغب کرنے اور مدرسے کے نظام اور تعلیم کو بہتر بنانے کی حتی المقدور کوشش بھی کی۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ نہ صرف مدرسہ کا نظام بہتر ہوا بلکہ طلباء کی تعداد میں خاطر خواہ اضافہ مدرسہ جعفریہ پاراچنار، تعلیمی معیار کے حوالے سے پاکستان کا عظیم مدرسہ بنا۔

آپ کو انسان شناسی کا ملکہ تو خدا نے عطا کیا ہوا ہی تھا۔ آپ کرم ایجنسی کے دینی پروگراموں، مجالس اور تقریبات میں شرکت فرماتے تو وہاں آپ کی خصوصی نظر نوجوانوں پر ہوتی۔ آپ نوجوانوں کی تقاریر سماعت فرماتے ان کے کردار کو معیار کے

ترازو میں تولتے۔ اگر کسی نوجوان طالب علم کی صلاحیتوں سے متاثر ہوتے تو شفقت فرمانے کے بعد اسے عالم دین بننے کی تاکید فرماتے۔ اسی طرح ایک تقریب میں سکول کے طالب علم سید طاہر شاہ الموسوی نے تقریر کی اور چند اشعار پڑھے تو آپ اس نوجوان سے کافی متاثر ہوئے۔ آپ نے تقریب کے اختتام پر اسے اپنے پاس بلایا اور اس کا خاندانی پس منظر دریافت فرمایا اور پھر اسے مدرسہ جعفریہ میں داخل ہونے کی رغبت دلائی۔ بقول طاہر شاہ کے کہ انہیں اس شعبہ سے سخت چڑ تھی اس لئے اس نے معذرت کرلی مگر آپ نے فرمایا آپ مدرسہ میں میرے پاس ویسے چند دنوں کے لئے آ جائیں۔ جب یہ نوجوان چند روز تک آپ کی خدمت میں رہا تو اس قدر متاثر ہوا کہ عالم دین بننے کا مصمم ارادہ کرلیا۔ موصوف آج کل "حوزہ امام خمینی" شام میں زیر تعلیم ہیں اور مجتہد بن کر اپنے ملک واپس لوٹنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ یہاں یہ واضح کرنا ضروری ہے کہ سید عارف حسین الحسینی رضوان اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنے اسی محبوب شاگرد کو خود شام میں داخل کرواتے وقت فرمایا تھا "آپ کے شام میں رہنے سے حوزہ امام خمینی اور دیگر مدارس سے ہمارا رابطہ مستحکم رہے گا جیسا کہ قم سے ہے"۔

جہاں آپ ایک مشفق اور مہربان استاد کی حیثیت رکھتے تھے وہاں طلباء سے آپ کا رویہ ہمیشہ دوستانہ تھا۔ آپ فرماتے تھے کہ بہترین استاد بہترین دوست ہوا کرتا ہے اور ہمیشہ دوست ہی رازدان ہوتے ہیں۔ یہی وجہ تھی کہ طلباء بے دھڑک اور بلاتکلف آپ کے سامنے اپنی تکالیف کا اظہار کرتے اور مدرسہ و معاشرہ کے قابل تنقید پہلو زیر بحث لاتے جس کے پیش نظر آپ تمام مشکلات کا ازالہ فرماتے۔ آپ اپنے مدرس احباب کو اکثر تاکید کرتے کہ "پاکستان کے مدارس اور علم دین کے حصول سے لوگ متنفر ہیں لہٰذا ہمیں مدارس کے ماحول اور علم دین میں جاذبیت پیدا کرنی چاہئے۔ ہمیں اپنے مدارس کا ماحول نجف و قم جیسا بنانا چاہئے تاکہ ہم ان کی تکالیف کا بروقت ازالہ کر کے انہیں احساس محرومی سے نجات دلا سکیں، ہمیں معاشرے میں علماء کے کردار کو اجاگر کرنا چاہئے تاکہ معاشرہ میں علماء کا احترام نئی نسل کے لئے جاذب بنے، ہمیں اپنے طلباء سے وہی سلوک کرنا چاہئے جیسا ہم گھر میں اپنے بچوں سے کرتے ہیں تاکہ روحانی

فرزند و پدر کا مقدس رشتہ قائم رہے"۔

آپ فرش پر بیٹھ کر درس پڑھاتے۔ طلباء میں مساوات کو بے حد ترجیح دیتے۔ ایک دفعہ آپ کرسی پر بیٹھے درس دینے میں مصروف تھے اور آپ کے سامنے چند طلباء کرسیوں پر بیٹھے انہماک سے درس سن رہے تھے کہ چند مزید طلباء کمرے میں آئے اور کرسیوں کی کمی کی بدولت نیچے بیٹھ گئے تو آپ نے کرسیوں پر بیٹھے تمام طلباء سے فرمایا کہ اپنے احباب کے ساتھ نیچے بیٹھ جائیں۔ آپ خود بھی نیچے بیٹھ گئے اور انہیں درس دیا۔

آپ دن بھر طلباء کو درس دیتے اور رات کو طلباء کے کمرے میں جا کر ان کی خیریت دریافت کرتے۔ ایک دفعہ ایسا ہوا کہ آپ رات کو کسی طالب علم کے کمرے میں گئے تو وہ چارپائی پر سویا بخار سے کراہ رہا تھا اور اس کے پاس کوئی ساتھی موجود نہیں تھا۔ آپ اس کے سرہانے بیٹھ گئے۔ اس کا سر دبایا' جب دوسرے طلباء اس کمرے میں آئے تو دیکھا کہ ایک مشفق استاد سید عارف حسین الحسینی بیمار طالب علم کا سر دبا رہے تھے۔ آپ نے تاکید فرمائی کہ اگر کسی طالب علم کو کوئی تکلیف ہو تو آپ کے گھر سے کھانا وغیرہ تیار کروائے۔

آپ شاگردوں سے اکثر اس خواہش کا اظہار فرماتے کہ "اے میرے بیٹو! اپنے اوپر اسلام نافذ کرو کیونکہ ایک عالم کا کردار پورے صنف اور معاشرے کا ترجمان ہوا کرتا ہے۔ تقویٰ اختیار کرو کیونکہ تقویٰ سے سکون قلب نصیب ہوتا ہے"۔ آپ کبھی کبھار حسرت بھرے لہجے میں فرماتے "محنت کرو اور امام خمینی جیسے مجاہد و مرجع عالم دین بنو"۔ ایک دفعہ شاگردوں کے ساتھ محفل سجی ہوئی تھی۔ ماحول روحانیت سے معمور تھا تو ایک طالب علم نے اٹھ کر عرض کی کہ آپ کی کوئی ایسی خواہش جس کی ہم تکمیل کر کے آپ کو خوش کر سکیں تو آپ نے فرمایا "تمام معاملات میں خدا کی ذات کو خوش رکھنے کی کوشش کریں" میں آپ تمام برادران سے نماز شب کی گزارش کرتا ہوں کیونکہ نماز شب ہی قربت خداوندی کا واحد راستہ ہے۔ مزید فرمایا کہ خدا نماز شب پڑھنے والے شخص کی محبت دریاؤں میں ڈال دیتا ہے جو ان دریاؤں کا پانی پیتا ہے وہ

اس کا گرویدہ ہو جاتا ہے"۔ آپ کی اس بات کا اتنا اثر ہوا کہ اکثر طلباء نماز شب باقاعدگی سے پڑھنے لگے۔

طلباء سے محبت کا یہ عالم تھا کہ آپ کو مدرسے سے بطور مدرس بارہ سو روپے تنخواہ ملتی تھی۔ آپ اس معمولی سی تنخواہ کا تقریباً نصف حصہ لائق اور مستحق طلباء جن میں طاہر حسین شاہ، فقیر حسین اور چند دیگر طلباء شامل تھے، میں باقاعدگی سے تقسیم کر دیتے اور نصف تنخواہ میں خود گزارہ کرتے۔

آپ باقاعدگی سے شب جمعہ مدرسہ کے طلباء کے ساتھ "دعائے کمیل" پڑھتے اور آپ نے دعائے کمیل کی اہمیت کو اجاگر کرنے کے لئے طلباء کی ایک جماعت تیار کی۔ آپ نے انہیں حکم دیا تھا کہ وہ باقاعدگی سے ہر شب جمعہ حرکت اسلامی افغانستان کے محاذوں پر جا کر مجاہدین کے ساتھ دعائے کمیل پڑھیں جیسا کہ ایران کے محاذوں پر ہوتا ہے۔ آپ کے شاگرد آپ کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے افغان مجاہدین کے مورچوں میں جاتے اور دعائے کمیل پڑھتے۔ یہ سلسلہ تقریباً چھ سات ہفتوں تک برقرار رہا جو بعد میں سنگینی حالات کی وجہ سے منقطع ہو گیا۔ اسی کے ساتھ آپ نے اپنے طلباء کو یہ بھی ہدایت کی تھی کہ وہ اپنے اپنے گاؤں جا کر انقلاب اسلامی ایران اور امام خمینیؒ کو متعارف کرائیں۔

ایک دفعہ آپ نے اپنے طلباء کو بلایا اور فرمایا "آپ نے مدرسہ جعفریہ کے بعد اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لئے ملک سے باہر جانا ہے لہٰذا آج آپ ہمارے شاگرد ہیں، کل آپ ہمارے سفیر ہوں گے اور آپ نے ہی ہمیں دنیا بھر کے مدارس سے مربوط رکھنا اور مستقبل میں مدارس کے نظام کو بہتر سے بہتر بنانا ہے۔

آپ کی خواہش تھی کہ مدارس دینیہ کا وقار معاشرے میں بلند ہو اور یہ مدارس یونیورسٹیاں بن جائیں۔ آپ اپنے احباب مدرسین سے اکثر فرماتے تھے کہ "آپ اپنے طلباء کو اس طرح تربیت کریں کہ آپ کا طالب علم فقط پیش نماز کی حد تک محدود نہ رہے بلکہ وہ اپنے اندر ملک کی اعلیٰ عدالتوں میں جج بننے اور اسلامی حکومت کے قیام کے لئے میر کارواں ہونے کا جذبہ اور اعتماد بھی محسوس کرے"۔

ایک طرف آپ نے مدرسہ جعفریہ پاراچنار کے معیار کو بام عروج تک پہنچایا اور انقلابی روح پھونکی جبکہ دوسری جانب کرم ایجنسی کے حالات اور گرد و پیش کی تبدیلیوں پر کڑی نظر رکھی۔ آپ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ "عالم دین اپنے اردگرد کے حالات کا نگران ہوا کرتا ہے لہٰذا معاشرہ کی اصلاح علماء کی اولین ذمہ داری میں سے ہے"۔ مزید فرماتے تھے "اگر آپ کہیں فاسد معاشرہ دیکھیں تو یقین کر لیں کہ یہاں کے علماء فاسد ہیں"۔

پاراچنار کے مدرسہ جعفریہ میں آپ کی ذات چاردیواری تک محدود نہ رہی بلکہ آپ نے اپنی ذمہ داریوں کا احساس کرتے ہوئے اپنے آپ کو گرد و پیش کے حالات اور تقاضوں سے مربوط رکھا۔ جن تقاضوں کی تکمیل کی تشنگی آپ نجف و قم محسوس کرتے تھے اب انہیں عملی جامہ پہنانے کی ضرورت تھی اور آپ نے ان تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے عملی میدان میں قدم رکھ لیا تھا۔ کرم ایجنسی کی تقدیر بدلنے کے لئے آپ نے وہی طریقہ اختیار فرمایا جو آپ نے امام خمینی کی قربت سے حاصل کیا تھا۔ آپ نے سب سے پہلے اپنے ذاتی کردار سے عوام کو قائل کیا۔ جب آپ کا کردار قابل تقلید اور ہر بات دلیل اور حوالہ بننے لگی تو آپ نے عوام کو ظلم کے خلاف قیام کرنے اور مظلوموں کے حقوق کی بازیابی کے لئے سینہ سپر ہونے کا نظریہ دیا۔ آپ نے بیک وقت تبلیغ، تربیت، تنظیم، فلاحی امور، تحفظ تشیع اور اسلامی انقلاب کی حمایت کا بیڑا اٹھایا۔

آپ نے کرم ایجنسی سے نکل کر صوبہ سرحد کے دارالخلافہ پشاور میں بھی اپنی سرگرمیوں کا آغاز کیا۔ وہی مشن اور وہی نظریہ پشاور میں شروع کیا۔ آپ نے ۱۹۷۷ء میں امام بارگاہ اخوند آباد میں پشتو زبان میں محرم الحرام میں مجالس پڑھنے کا آغاز کر دیا۔ یہاں بھی آپ نے پہلے اپنی عظمت و کردار کا لوہا منوایا اور پھر خلوص اور علم سے نہ صرف شیعہ ملت کی زندگی میں انقلاب برپا کیا بلکہ سینکڑوں اہلسنت برادران کو مجالس امام حسین علیہ السلام میں شرکت کرنے اور شیعیت کی طرف مائل ہونے پر آمادہ کیا۔

آپ محرم کی مجالس کے دوران اخوند زادگان (بانیان مجالس) کے گھر میں نہیں

رہتے تھے بلکہ ریلوے اسٹیشن کے ایک معمولی سے کوارٹر میں اپنے چچازاد بھائی کے ہاں رہائش پذیر رہتے۔ آپ گاڑی استعمال کرنے کے سخت مخالف تھے۔ آپ روزانہ مجلس پڑھنے کے لئے عام بس یا رکشہ پر آتے اور کرایہ وغیرہ جیب سے خود ادا کرتے۔ بسا اوقات بانی مجالس درخواست کرتے کہ آقا صاحب ہمارے پاس گاڑیاں موجود ہیں۔ آپ بس اور رکشہ میں سفر کیوں کرتے ہیں۔ تو آپ نے جوابا" فرمایا "مجالس سید الشہداءؑ میں شرکت کے لئے تکالیف سہنا افضل عبادت ہے اور اس سے روح کو سکون پہنچتا ہے"۔ اگر کوئی شخص آپ کو گاڑی میں لے جانے کی پیش کش کرتا تو آپ معذرت فرماتے۔ آپ عزاداری سیدالشہداءؑ میں بے حد گریہ کرتے۔ ایک دفعہ فرمائش پر مختیار علی نیر صاحب سے نوحہ سنا اور کافی دیر تک گریہ کرتے رہے۔

آپ مجالس میں مستورات کے پردے کی سخت پابندی کرواتے تھے۔ آپ نے مجالس کا آغاز کرتے ہی بانی مجالس سے فرمایا کہ خواتین کے لئے علیحدہ پردہ کا اہتمام کریں۔ کیونکہ ذکر سیدالشہداءؑ بہت بڑی عبادت ہے اور دوران عبادت خواتین پر کسی نامحرم کی نظر نہیں پڑنی چاہئے۔ جب آپ کی اس خواہش کا احترام نہ کیا گیا تو آپ نے مزید مجالس پڑھنے سے انکار کر دیا۔ جس سے بانی مجالس اور سامعین سخت پریشان ہوئے۔ آخر مکمل طور پر خواتین کے پردے کا اہتمام ہو جانے کے بعد آپ نے دوبارہ مجلس پڑھنے پر رضامندی ظاہر کی۔

اسی دوران پشاور ریڈیو اسٹیشن سے پشتو زبان میں آپ کی شام غریباں کی مجالس نشر ہونے لگیں۔ آپ کی مجالس کا انداز روایتی ذاکری سے ہٹ کر تھا۔ آپ توحید' رسالت' فلسفہ شہادت امام حسین علیہ السلام کے علاوہ امام خمینیؒ کی شخصیت' اسلامی معاشرہ کی تشکیل اور سامراجی نظام کی تبدیلی کا تذکرہ فرماتے تھے۔ آپ مجالس میں بار بار خواتین سے استدعا کرتے تھے کہ وہ اپنی گود کو حضرت فاطمہؑ و حضرت زینبؑ و حضرت ربابؑ کی گود بنائیں تاکہ ان کی تربیت یافتہ نسل سے اسلامی معاشرے کا قیام عمل میں آئے۔

انہی ایام میں آپ کی ملاقات امامیہ اسٹوڈنٹس آرگنائزیشن پاکستان کے ایک

سابق مرکزی صدر سے ہوئی۔ آپ آئی ایس او پاکستان کی تشکیل اور سرگرمیوں سے متعارف ہوئے۔ آپ کی خواہش تھی کہ ان تعلیم یافتہ صالح نوجوانوں کو اسلامی انقلاب کے لئے منظم کام کرنا چاہیے۔

جب بھی تنظیمی نوجوان آپ سے ملتے تو آپ ان سے آئی ایس او کے دستور، منشور، پالیسیوں، اہداف اور سرگرمیوں کے بارے میں سوالات کرتے۔ چونکہ آئی ایس او اس وقت صوبہ پنجاب اور کسی حد تک پشاور میں بھی متعارف ہو چکی تھی اس لئے یہ عوام میں تیزی سے مقبول ہو رہی تھی۔ اسی دوران عارف حسین الحسینی کی عمیق نظریں آئی ایس او کے مستقبل پر تھیں۔

آپ نے قیادت سنبھالنے سے قبل پشاور میں سات محرم پڑھے جہاں آپ نے عوام میں مقبولیت حاصل کی۔ وہاں آپ نے اپنی ذمہ داری کو مزید وسعت دے کر پشاور کے گرد و نواح کے علاقوں میں شیعت اور ترویج دین کا کام شروع کر دیا۔ ایک دفعہ آپ چند احباب کے ہمراہ چار سدہ میں شیعت کی تبلیغ کے لئے تشریف لے گئے تو وہ لوگ شیعہ گروپ کو اپنے برتن تک دینے کے لئے تیار نہ تھے کیونکہ شیعت کے بارے میں ان کے نظریات انتہائی غلط تھے۔ مگر ایسے حالات میں بھی آپ نے کام کیا اور مثبت نتائج حاصل کئے۔

ایک دفعہ چند احباب کے ہمراہ تبلیغ کے لئے ضلع دیر پہنچے۔ دیر کے علاقہ میں ابھی داخل ہو رہے تھے کہ مغرب کی اذان ہو گئی۔ آپ نے احباب کو روکا اور نماز ادا کرنے کو کہا اور خود اذان کے لئے پہاڑی پر چڑھ گئے۔ اردگرد کے لوگ بھی جمع ہونے لگے احباب نے عرض کی کہ آقا صاحب شہر کی مسجد میں نماز پڑھ لیں یہاں لوگ تماشا کی غرض سے ہمارے گرد جمع ہو رہے ہیں۔ تو آپ نے فرمایا "میری خواہش ہے کہ یہ لوگ ہمارے گرد جمع ہوں اور ہم سے دین کے بارے میں سوال کریں"۔ آپ نے نماز پڑھائی وہاں کچھ لوگ آپ سے ملے آپ نے انہیں تبلیغ کی پھر شہر گئے وہاں ایک ڈیرے پر جمع لوگوں تک اپنا پیغام پہنچایا اور ان کے شکوک و شبہات کو ختم کیا۔

ایک مرتبہ آپ ایک قبائلی علاقہ میں تبلیغ دین کے سلسلے میں گئے تو وہاں کے

چند لوگوں نے آپ سے پوچھا "کیا آپ یہاں لوگوں کو شیعہ کرنے آتے ہیں"؟ تو آپ نے نہایت اطمینان سے جواب دیا "اگر کوئی شخص تحقیق کر کے مذہب اہل بیتؑ اختیار کرتا ہے تو اسے حق حاصل ہے کیونکہ دین میں سمجھ بوجھ حاصل کرنے کا حکم موجود ہے۔ ہمارا اصل ہدف مسلمانوں کے درمیان ان غلط فہمیوں کا ازالہ ہے جو دشمنان اسلام کی طرف سے ہمارے درمیان پھیلائی گئی ہیں کیونکہ ہماری ان غلط فہمیوں سے اختلافات جنم لیتے ہیں جس سے اسلام کو نقصان پہنچتا ہے"۔

آپ نے پشاور میں مجالس محرم کے دوران تشیع اور اسلام کی خوب ترویج کی اور فارغ اوقات میں اپنے ساتھیوں کے ساتھ پشاور کے مضافات میں تبلیغ کا پروگرام ترتیب دیا۔ مجالس محرم کے بعد آپ واپس پاراچنار مدرسہ چلے جاتے۔ مگر پشاور کے احباب سے آپ کا رابطہ قائم رہتا۔ آپ نے اسی دوران اپنی زندگی کے لمحات کو تین حصوں میں تقسیم فرمایا۔ ایک حصہ مدرسہ کو دیا' دوسرا حصہ کرم ایجنسی کے حالات کو سنبھالنے' فاسق نظام کی تبدیلی اور انقلاب اسلامی کی تحریک کے تعارف کے لئے مختص فرمایا جبکہ تیسرا حصہ پشاور کے مقدر میں آیا۔ آپ نے ان لمحات سے کماحقہ انصاف برتا۔۔ بحیثیت مدرس آپ نے مدرسہ کے نظام اور تعلیمی معیار کو بام عروج تک پہنچایا اور دوسری جانب آپ نے پاراچنار کے عوام کی تربیت اور نوجوانوں کی تنظیم سازی پر توجہ دی اور امام خمینیؒ کی تحریک اسلامی کو گاؤں گاؤں متعارف کرایا۔ سب سے پہلے آپ نے شاہ ایران کے مظالم کے خلاف تحریک کا آغاز کیا۔ پاکستان کی تاریخ میں پہلی بار ۱۹۷۸ء میں بین الاقوامی سطح پر خصوصی اہمیت ملی۔ پھر آپ نے صوبائی سطح پر ایک مظاہرہ کا اہتمام کیا جس میں کرم ایجنسی کے ہزاروں افراد کو پشاور لایا گیا۔ پروگرام کے تحت آپ نے ایران کے کونسلیٹ کے سامنے مظاہرہ کرنا تھا۔ مگر حکومت نے آپ کو پشاور کے باہر روک کر مظاہرہ نہ کرنے کی اپیل کی اور پرامن جلسہ کی منظوری دے دی۔ آپ نے اخوند آباد پشاور میں بھرپور جلسہ کیا اور شاہ ایران کے مظالم کا پردہ چاک کر کے امام خمینیؒ کی تحریک کی بھرپور حمایت کی۔

آپ کے ترتیب شدہ پروگرامات اور مظاہروں میں نوجوانوں نے بھرپور حصہ لیا

اس لئے آپ نے نوجوانوں کی تربیت پر خصوصی توجہ کا عزم کیا جسے عملی جامہ پہنانے کے لئے آپ ہر شب جمعہ پاراچنار سے بذریعہ بس پشاور یونیورسٹی کے علاقے میں تشریف لاتے اور وہاں پشاور کے نوجوانوں کو درس اخلاق دیتے تھے۔ آپ کا یہ سلسلہ ایک طویل عرصہ تک جاری رہا' جس کے نتیجہ میں آپ کے گرد سینکڑوں نوجوانوں کا حلقہ بن گیا جنہیں آپ نے امام خمینیؒ کی شخصیت کا گرویدہ بنا دیا۔

ایران میں امام خمینی کی تحریک کے سپاہیوں پر وحشیانہ مظالم ڈھانے والے ایک حساس ادارے کا ڈائریکٹر جب ایران سے پشاور سفارتی خدمات سرانجام دینے آیا تو آپ کے نوجوان احباب نے اسے سزا دینے کا پروگرام بنایا مگر حکومت کو خبر ہو گئی اور نوجوان گرفتار کر لئے گئے۔ امام خمینی کے جانثاروں کے جذبات و احساسات سے باخبر ہوتے ہی وہ ڈائریکٹر بھاگ کر کابل چلا گیا۔

انقلاب ایران کی کامیابی سے قبل آپ کے احباب نے پشاور سے "طلوع اسلامی انقلاب مبارک" کا ایک اشتہار شائع کروایا جس پر امام خمینی کی تصویر نمایاں تھی۔ جب یہ پوسٹر آپ کو دکھایا گیا تو آپ نے امام خمینی کی تصویر کو بوسہ دیا اور احباب سے کہا "اگر آپ کے پاس دیواروں پر پوسٹر لگانے والے افراد کی کمی ہے تو میں حاضر ہوں"۔ کسی دوست نے کہا "آقا صاحب لوگ اعتراض کریں گے کہ ابھی انقلاب اسلامی کا اعلان ہی نہیں ہوا اور آپ مبارکباد کے پوسٹر چسپاں کر رہے ہیں"۔ آپ نے پر اعتماد لہجے میں جواباً فرمایا "آج شب آپ مبارکبادی کے پوسٹر چسپاں کر دیں کل ہمارے قائد حضرت امام خمینیؒ حکومت اسلامی کا اعلان کر دیں گے"۔ آخر وہی ہوا کہ دوسری صبح سرزمین ایران پر انقلاب اسلامی کا سورج طلوع ہوا جس نے عالم اسلام کو منور کر دیا۔

کرم ایجنسی کے نامساعد حالات میں آپ کا تاریخ ساز کردار

انقلاب اسلامی ایران کی عظیم کامیابی کے بعد انقلاب کی شعاعیں پاکستان پر اثرانداز ہونے لگیں اور امام خمینی کا پیغام دن بدن عوام میں مقبول ہونے لگا جسے آغاز میں پاکستان کے تمام دینی حلقے بالخصوص جماعت اسلامی کے بانی مولانا ابو الاعلیٰ مودودی نے خوب سراہا اور امام خمینیؒ سے روابط مستحکم کیے۔ اس کے ساتھ ہی انقلاب اسلامی ایران کے اثرات کا خدشہ امریکہ کو لاحق ہوا تو اس نے پاکستان میں شیعہ اکثریتی علاقوں کا زور توڑنے کی ٹھان لی۔

یوں تو کچھ عرصہ افغان مہاجرین کی ایک خاصی تعداد پہاڑوں میں آباد ہو چکی تھی اور پاراچنار کے عوام ان کی دل کھول کر امداد کر رہے تھے۔ یہاں تک کہ بسا اوقات سید عارف حسین الحسینی ان کے کیمپس (خیموں) تک جاتے اور ان سے مشکلات اور ضروریات کے بارے میں پوچھتے اور اپنے عوام سے ہر جلسہ میں اپیل کرتے کہ "وہ ان مہاجر بھائیوں کے ساتھ وہی سلوک کریں جو رسول اکرمؐ کے دور میں انصار نے کیا تھا"۔ یہی وجہ تھی کہ پاراچنار کے عوام اور تنظیمیں مہاجر بھائیوں کی خدمت میں مصروف رہیں۔ انقلاب اسلامی ایران کی کامیابی کے بعد پاراچنار کے علاقے میں امریکی ٹیموں نے دورے کیے اور پھر افغان مہاجرین کو آبادکاری کے لئے ایک خاکہ بنا کر دیا جس کے بعد ان مہاجرین میں سے صرف شرپسند عناصر نے خاص منصوبہ کے ساتھ شیعہ علاقوں کے گرد بڑے بڑے کیمپ لگانا شروع کر دیئے۔ امریکی ٹیموں کی ایماء پر ان شرپسند عناصر کی منظم آبادکاری کو علامہ سید عارف حسین الحسینی نے درک کر لیا اور آپ نے اس منصوبہ کو مقامی آبادی کے لئے ایک خطرہ قرار دیا۔

آخر وہی ہوا جس کا اندیشہ تھا کہ ۱۰ محرم ۱۹۸۰ء کے روز ان فتنہ پرور افراد نے سید عارف حسین الحسینی کے آبائی گاؤں "پیواڑ" پر مسلح حملہ کر دیا۔ شیعہ چونکہ عزاداری میں مصروف تھے اس لئے پہلے مرحلے میں وہ اس حملے کا جواب تو نہ دے سکے مگر فوراً ہی مورچہ زن ہو کر ان کا خوب مقابلہ کیا۔ آپ اس وقت پشاور میں

محرم پڑھ رہے تھے۔ فوراً مجالس سے فارغ ہو کر پاراچنار پہنچے اور وہاں حالات کا جائزہ لے کر جنگ میں عملی طور پر حصہ لینے کی ٹھان لی۔ آپ نے چند نوجوانوں کو اکٹھا کیا اور حکم دیا کہ وہ اگلے مورچوں پر بیٹھے ہوئے مومنین تک کمک پہنچائیں۔ اس طرح آپ کی قیادت میں ۲۴ گھنٹوں کے دوران ۱۲ ہزار کارتوس بطور کمک پہنچائے گئے جس کے بعد شیعوں کے حوصلے بلند ہو گئے اور شیعہ مورچوں میں مستحکم اور پر سکون نظر آنے لگے۔

آپ شرپسند مہاجرین کے اس بھیانک کردار سے کافی پریشان ہوئے کہ یہ لوگ کس قدر احسان فراموش ہیں کہ تعاون کرنے والوں کے گھر پر حملے کرتے ہیں۔ کرم ایجنسی کے عوام بھی چند مفسد مہاجرین کے ان اقدام کے بعد آپے سے باہر تھے مگر آپ نے عوام کو صبر کی تلقین کی کہ یہ کارروائی صرف ان عناصر کی ہے جو استعمار کے آلہ کار ہیں اور بیرونی اشارے پر ہماری طاقت کا شیرازہ بکھیرنے کے درپے ہیں جبکہ ہم ان چند افراد کے بدلے دیگر تمام مہاجرین کو اپنے غضب کا نشانہ نہیں بنا سکتے۔ بلکہ ہمارا مہاجرین بھائیوں سے سلسلہ تعاون جاری رہے گا۔ البتہ ہمارے عوام کو چاہئے کہ وہ حکومت اور امریکہ کے نمک خوار مخصوص گروہوں پر کڑی نظر رکھیں اور انہیں اپنے گرد ڈیرے نہ ڈالنے دیں تاکہ یہ لوگ کسی وقت ہمیں حصار میں نہ لے سکیں۔

ایک اجتماع میں قوم کے صاحب ثروت افراد سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا "ہمیں موجودہ فسادات میں دو تجربے ہوئے ہیں' ایک بین الاقوامی دشمن کی سازشیں اور ان کے آلہ کاروں کی کارستانیاں' دوسرا اپنی دفاعی کمزوری کا احساس۔ لہٰذا صاحب ثروت افراد پر لازم ہے کہ وہ علاقہ کی صورت حال اور وقت کی نزاکتوں کو مدنظر رکھتے ہوئے نوجوانوں کی دفاعی قوت کو مضبوط کریں کیونکہ اسلام دفاع کا مکمل حق دیتا ہے اور جارحیت کی بھرپور مذمت کرتا ہے۔

آخرکار ان آلہ کاروں کی وجہ سے خونی فسادات پھوٹ پڑے۔ مخالف عناصر کی جارحیت کے مقابلہ میں علامہ عارف حسین الحسینی نے نوجوانوں کی بروقت

رہنمائی اور قوم کو احساس تحفظ بخشا۔ آپ کے ان پروقار اور شجاعانہ اقدامات کی وجہ سے کرم ایجنسی کے عوام آپ کو اپنا قائد تسلیم کرنے لگے۔ حالات کے تقاضوں کے پیش نظر آپ نے دفاعی ضروریات کی تکمیل اور قوم کو منظم کرنے کے لئے نوجوانوں کی ایک تنظیم "علمدار فیڈریشن" کی بنیاد رکھی اور اس کی قیادت کی ذمہ داری قبول کرنے کی بھی حامی بھرلی۔

آپ نے علمدار فیڈریشن کے پہلے اجلاس میں نوجوانوں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا "آپ لوگ قوم کا سرمایہ ہیں اور آپ نے ہی قوم کا دفاع کرنا ہے لہٰذا علمدار فیڈریشن میں ۱۲۰۰ نوجوان ایسے ہونے چاہئیں جو صالح اور معاشرتی برائیوں سے پاک ہوں اور وہ اپنی قوم کا دفاع کرنے میں مہارت رکھتے ہوں"۔ آپ نے نوجوانوں سے مزید فرمایا "دشمن کے حملے کا دفاع کرنے سے قبل آپ کو اپنے کردار سے اپنی قوم کو اعتماد میں لینا ہوگا تاکہ دشمن آپ پر حملہ آور ہو تو آپ کی قوم آپ کا ساتھ دے۔ آپ نوجوان اپنے علاقے میں فلاحی کاموں کا آغاز کر دیں مجھ سے جس حد تک مدد ہو سکے گی میں بھرپور ساتھ دوں گا۔ آپ نوجوان پہلے اپنے آپ سے برائیوں کا خاتمہ کریں اور پھر معاشرہ میں برائیوں کے ناسور کا علاج کریں"۔ آپ کی پرخلوص دعوت اور وقت کے تقاضوں کے باعث نوجوانوں نے بہت جلد اپنے آپ کو منظم کر لیا۔ انہوں نے فلاحی کام شروع کر دیئے آپ نے ہر مرحلہ پر ان کی بھرپور مدد فرمائی اور ان کی تربیت کے لئے باقاعدگی سے درس کا سلسلہ جاری کر دیا جس کے نتیجے میں ان نوجوانوں نے بہت کم عرصہ میں قومی توقعات پر پورا اترنے کی اہلیت پیدا کر لی۔

آپ نے علمدار فیڈریشن کے نوجوانوں پر واضح کیا کہ پارا چنار کا مستقبل شدید خطرات میں ہے کیونکہ امریکہ کا مقصد شیعہ مراکز کو انقلاب اسلامی سے منقطع کرنا ہے تاکہ ان علاقوں میں انقلاب اسلامی کا نفوذ نہ ہو سکے' لہٰذا استعمار کے مقابلے کے لئے اپنے آپ کو ابھی سے تیار کریں"۔

آپ نے اپنے نوجوانوں پر واضح کیا کہ "ہم جہاد افغانسان کی مخالفت کا سوچ

بھی نہیں سکتے کیونکہ یہ کفر کے خلاف اسلام کی جنگ ہے اور افغان مہاجرین کے والے' درمے' سخنے امداد کرنا ہمارا دینی اور شرعی وظیفہ ہے البتہ مہاجرین میں سے اسلام دشمن قوتوں کے بعض آلہ کار گروہ جو مقامی لوگوں سے بلاجواز الجھ رہے ہیں' کی کارستانیوں کا ہمیں افسوس ہے اور ہمیں ان پر کڑی نظر رکھنی چاہئے۔ ان کی ان فتنہ انگیز کاروائیوں سے نہ صرف ہم پر مصیبتوں کے پہاڑ ٹوٹ رہے ہیں بلکہ یہ لوگ دیگر افغان بھائیوں کے لئے بدنامی کا باعث ہیں اور دیدہ دانستہ جہاد افغانستان کو زک پہنچا رہے ہیں۔ ہم جانتے ہیں کہ ان کی غیرت مردہ ہو چکی ہے۔ انہیں تو یہاں امریکی امداد پر پلنے اور ہم سے لڑنے کی بجائے محاذ جنگ پر اپنے مجاہدین بھائیوں کے ساتھ جہاد میں حصہ لینا چاہئے تھا"۔

چند شرپسند اور استعماری آلہ کار افغان مہاجرین نے پاراچنار کی آبادی پر حملہ کیا تو علامہ سید عارف حسین الحسینی اپنی قوم کے دفاع میں دشمن کے خلاف بانفس نفیس مورچہ زن بھی ہوئے اور ایک شیر دل مجاہد کی طرح دشمن پر پے در پے حملے کئے جس کے نتیجہ میں دشمن کا بھاری جانی نقصان ہوا اور ان کے حملے پسپا ہوئے۔ اسی جنگ میں ایک موقع پر آپ کے بازو پر مارٹر کے گولے کا ٹکڑا لگا جس سے آپ شدید زخمی ہو گئے اور آپ کے ساتھیوں میں سے بیسیوں افراد نے جام شہادت نوش کیا۔

اپنی صحت یابی کے فوراً بعد آپ ایک ایک شہید کے گھر خود تعزیت کے لئے تشریف لے گئے اور شہداء کے بچوں کے سروں پر اپنا دست شفقت رکھا اور ان کی پرورش اور کفالت کی ذمہ داری کی ادائیگی کے لئے "شہید فاؤنڈیشن" کی بنیاد رکھی۔ آپ نے علمدار فیڈریشن کے اراکین کو سخت تاکید فرمائی کہ وہ اس فریضہ کی انجام دہی میں کوئی کوتاہی نہ برتیں۔ اس ضمن میں ۱۹ ماہ رمضان کو "شہید فاؤنڈیشن" کے زیر اہتمام یوم شہداء منایا گیا جس میں آپ نے امام اول حضرت علی علیہ السلام کی مظلومانہ شہادت کو پرجوش انداز میں بیان فرمایا اور اس کے ساتھ ساتھ واضح کیا کہ "ہمیں آج اپنے مظلوم امام سے عزم کرنا ہو گا کہ ہم اپنے ان شہداء

کے خون کو کبھی فراموش نہیں کریں گے۔ شہداء اپنی قوم کے محسن ہوتے ہیں اگر یہ محسنین قوم امیرالمومنینؑ کی سنت میں اپنے خون کی قربانی نہ دیتے تو آج ہم یہاں اس طرح عزاداری نہ کر رہے ہوتے"۔

اس موقع پر آپ نے ان شہداء کے یتیم بچوں کو خصوصیت کے ساتھ مدعو کیا ہوا تھا۔ دوران خطاب مجلس میں شہداء کی آویزاں تصاویر اور ان کے نیچے بیٹھے ہوئے ان کے یتیم بچوں کو دیکھ کر آپ بے اختیار اشکبار ہو گئے اور اسی عالم میں فرمایا کہ "ہمیں چاہئے کہ ہم ان شہداء کی یاد کو تازہ رکھیں' ان کے جذبوں کو سراہیں اور ان کے پسماندگان اور یتیم بچوں کی خلوص دل سے خدمت کریں۔ بالخصوص بچوں کی تعلیم و تربیت میں پوری پوری دلچسپی لیں"۔ آپ نے یتیموں کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا کہ "اے ہمارے محسن شہداء کے فرزندو! یہ نہ سمجھنا کہ آپ بے وارث ہو گئے ہیں۔ انشاء اللہ ہم آپ کے احساسات و جذبات اور ضرورتوں پر پورا اتریں گے"۔ آپ کی آنکھوں میں اشک اور لبوں پر سسکیاں تھیں۔ ان کا یہ اثر ہوا کہ جونہی آپ سٹیج سے نیچے اترے تو تمام یتیم بچے آپ کے گرد جمع ہو گئے اور آپ کی عبا کو تھام کر اور ہاتھوں کو پکڑ کر چند قدم ساتھ چلتے رہے۔ آپ باری باری بچوں کے سر پر ہاتھ رکھتے اور انہیں دلاسہ دیتے رہے۔ چھوٹے چھوٹے یتیموں کا آپ کی عبا کو تھام کر چلنے کا منظر اس قدر رقت انگیز تھا کہ آپ خود بھی روئے اور کچھ رونے والے یتیموں کے اشک بھی صاف کئے اور یوں مجلس میں موجود تمام افراد دھاڑیں مار کر رونے لگے۔

آپ نے اپنے اعلیٰ کردار' تقویٰ اور یتیموں کی نگہبانی کی بناء پر کرم ایجنسی میں اپنی قائدانہ صلاحیتوں کا لوہا منوا لیا۔ جب عوامی حلقے آپ کے حکم پر سرتسلیم خم کرنے لگے تو آپ نے اپنی توجہ وہاں کے ان رسم و رواج پر دی جو شرعی طور پر قطعاً" درست نہ تھے۔ اسی کے ساتھ ہی آپ نے معاشرہ میں زہر گھولنے والی برائیوں کے خاتمے کے لئے عملی جدوجہد کا آغاز کیا۔ آپ کے خلوص و محبت اور اسلام سے والہانہ عقیدت کے اثرات عوام پر مرتب ہوئے۔ لوگ آپ کے قریب آ گئے اور پاراچنار میں مروجہ کئی غیر شرعی روایات میں کمی واقع ہوئی۔

حکومت اور اس کے اہلکاروں سے مقابلہ

کرم ایجنسی دیگر قبائلی علاقہ جات کی طرح پاکستان کے اندر ایک آزاد علاقہ ہے جہاں پر پاکستان کے قوانین کا نفاذ نہیں ہوتا بلکہ وہاں کا سیاسی نظام اور قانون "ملک صاحبان" کا محتاج ہے البتہ مرکزی حکومت کی نمائندگی پولٹیکل ایجنٹ کرتا ہے جس کے پاس امن و امان بحال رکھنے کے لئے ملیشیا اور لیوی کے مسلح دستے ہوتے ہیں۔ پولٹیکل ایجنٹ اس علاقہ کا مختار کل ہوتا ہے اسے حکومت کی طرف سے بے پناہ مراعات حاصل ہوتی ہیں وہ مرکزی حکومت کے فنڈز کو اپنی مرضی کے مطابق خرچ کرتا ہے نہ اس میں کوئی شریک کار ہوتا ہے اور نہ ہی اخراجات کا کبھی آڈٹ ہوتا ہے۔ علاقہ کی ترقی و خوشحالی کی بجائے فنڈز امن و امان کی بحالی اور "ملک صاحبان" کی خوشنودی پر خرچ ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے وہاں کے ہر معزز شخص کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ اس کا شمار بھی "ملکوں" میں ہو اور ہر "ملک کی خواہش ہوتی ہے کہ وہ تاحیات "ملک" رہے تاکہ حکومت کی قربت اور وسائل سے لطف اندوز ہوتا رہے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ وہاں قومی مفادات کی بجائے ذاتی مفادات کے حصول کی دوڑ زوروں پر ہے۔

علامہ سید عارف حسین الحسینی کرم ایجنسی میں بحیثیت قائد ابھر رہے تھے اور آپ کی محبت عوام کے دلوں میں گھر کرتی جا رہی تھی۔ اس وقت پولٹیکل ایجنٹ کی گرفت انتہائی مضبوط اور "ملک صاحبان" کا راج تھا۔ حکومت کی خوشنودی اور اپنے جاہ و جلال کی خاطر اکثر "ملک صاحبان" قوم فروشی میں مصروف تھے جن کی بدولت پاراچنار کے عوام کا دائرہ حیات تنگ ہوتا جا رہا تھا پولیٹیکل ایجنٹ کی سرپرستی میں ایک "مینجنگ کمیٹی" تشکیل دی گئی تھی جس کے بظاہر مقاصد تو پاراچنار میں نظم و نسق کی بہتری تھا مگر پس پردہ وہ "ملک صاحبان" کے ذاتی مفادات کے حصول کا گٹھ جوڑ تھا۔ یہ "مینجنگ کمیٹی" چالیس ملک صاحبان پر مشتمل تھی جو عوام کی فلاح سے بے نیاز ہو کر اہم فیصلے کرتی تھی۔ یہاں تک کہ مذہبی امور بھی انہیں کے توسط سے طے پاتے اور بعض اوقات انتہائی شرمناک معاہدے بھی منظر عام پر آتے تھے۔ پس ایسے حالات میں علامہ سید عارف حسین الحسینی اٹھے اور قومی استحصال کے خلاف علم جہاد بلند کیا۔

آپ نے محروم اور مظلوم کو احساس دلایا کہ "کتنے دکھ کی بات ہے کہ ہمارے مذہبی امور کی سرپرستی بھی حکومت کا نمائندہ کرتا ہے۔ کیا ہمیں ہمارا مسلک اس قدر بے حسی اور بے غیرتی کی اجازت دیتا ہے کہ ہمارے مسلک کے اہم فیصلے ایسے قوم فروش انسانوں کے ہاتھوں میں ہوں جن کا اپنا ضمیر اور غیرت کوڑیوں کے عوض بکتی ہو"؟ آپ کی اس دعوت کو عوام نے بے حد سراہا ہر شخص چاہتا تھا کہ پوری قوم حکومتی نمائندگان اور مخصوص لوگوں کے تسلط سے آزاد ہو مگر وہاں پھیلے ہوئے خوف اور سکوت کو توڑنا آسان نہ تھا۔ یہ ذمہ داری سید عارف حسین الحسینی نے اپنے سر لی اور ۱۹۸۳ء میں استحصال کے خلاف تحریک کا اعلان کر دیا۔

آپ کی تحریک کے مقاصد دو قسم کے تھے ایک یہ کہ "چالیس ملک صاحبان" سے قوم کو چھٹکارہ اور دوسرا "پولٹیکل ایجنٹ" کے ظلم و استحصال سے آزادی حاصل کرنا تھا۔ آپ نے علم جہاد بلند فرمایا تو لوگ بلا تردد آپ کے لشکر میں شامل ہو گئے۔ آپ نے گاؤں گاؤں جلسے کئے' عوام کو حکومت اور سامراج کی مذموم پالیسیوں سے آگاہ فرمایا تو آہستہ آہستہ ایک تحریک اٹھ کھڑی ہوئی اور کرم ایجنسی میں ہل چل مچ گئی۔ آپ کو اس تحریک سے دستبردار کرنے کے لئے پولٹیکل ایجنٹ نے ہر حربہ استعمال کیا یہاں تک کہ ایک کثیر رقم کی بھی پیش کش کی گئی کہ آپ مدرسہ بنوالیں مگر آپ نے اس کی بات سن کر نماز پڑھنا شروع کر دی اور پھر اسے گرجدار لہجے میں فرمایا کہ "یہاں سے چلے جاؤ اگر تم میرے مہمان نہ ہوتے تو میں تمہاری اس غلیظ سوچ اور حرکت کا جواب ضرور دیتا۔ انشاء اللہ بہت جلد تمہیں اور تمہارے پالتو "ملک صاحبان" کو بیدار عوام ہی جواب دیں گے"۔

جہاں ان ملک صاحبان پر زمین تنگ ہونے لگی وہاں کرم ایجنسی کی انتظامیہ بھی آپ کے عزم سے لرز اٹھی۔ انہوں نے آپ کی اس تحریک کو دبانے کے لئے وسیع پیمانے پر خوف و ہراس پھیلانے کا منصوبہ بنایا' جگہ جگہ گرفتاریاں کیں اور مقدمات قائم کئے۔ اس صورتحال کے پیش نظر آپ نے قوم کو حوصلہ دیا اور ان مسائل کی سنگینی کے پیش نظر ملکی سطح پر اس مسئلہ کو اٹھانے کا فیصلہ کیا۔ اس ضمن میں آپ پشاور

تشریف لائے' وہاں احباب سے صلاح مشورہ کیا اور احباب کے ساتھ ایک پرہجوم پریس کانفرنس سے خطاب فرمایا جس میں کھل کر پاراچنار میں ہونے والے ظلم و تشدد کے خلاف آواز اٹھائی۔ آپ نے ذرائع ابلاغ کے ذریعے حکومت کو متنبہ کیا کہ وہ ان اوچھے ہتھکنڈوں سے باز آئے اور کرم ایجنسی کے عوام کے حقوق سلب کرنے کی کوشش ترک کر دے۔ بصورت دیگر وہاں کے عوام مجبور ہوں گے کہ وہ حکومت کے خلاف اٹھ کھڑے ہوں۔

اس پریس کانفرنس کی تفصیل اسی شام بی۔ بی۔ سی سے نشر ہوئی اور اگلے روز بعض ملکی اخبارات میں بھی شائع ہوئی۔ ایک قومی روزنامہ نے اس پریس کانفرنس کی فوٹو شائع کی۔ جس کے نیچے تحریر تھا کہ کرم ایجنسی کے چند ملک صاحبان نے علامہ سید عارف حسین الحسینی کی تحریک کی حمایت کر دی ہے۔ کرم ایجنسی کی تاریخ میں حکومت کے خلاف چلائی جانے والی اس پہلی تحریک نے وہاں کی انتظامیہ کے قدموں تلے زمین نکال دی اور علامہ صاحب کی اس پریس کانفرنس نے نہ صرف مرکزی حکومت اور ملک بھر کے عوام کو حقیقی صورتحال سے آگاہ کیا بلکہ کرم ایجنسی کا مسئلہ بین الاقوامی سطح پر ابھر کر آیا۔

جب آپ کی تحریک کو بین الاقوامی اہمیت حاصل ہوئی تو آپ اور عوام کے حوصلے مزید مستحکم اور بلند ہو گئے۔ دن گزرتے گئے' تحریک زور پکڑتی گئی۔ جب حکومت کی طرف سے مطالبات تسلیم نہیں ہوئے تو آپ نے احتجاجی گرفتاریوں کا اعلان کر دیا اور یوں عوام سڑکوں پر نکل آئے۔ پھر آپ نے ۷۲ - ۷۲ کے دستے تشکیل دیئے جس کے پہلے دستے کا نام "دستہ حق" تجویز کیا گیا۔ آپ نے خود بھی اس دستہ میں اپنی گرفتاری پیش کرنے کو ترجیح دی۔ آپ کے تمام احباب نے آپ کو مشورہ دیا کہ آپ خود گرفتاری نہ دیں بلکہ تحریک کی پشت پناہی کریں انشاء اللہ حکومت عوامی ریلے کے آگے کوئی بند نہ باندھ سکے گی اور گرفتاریوں سے جیلیں بھر جائیں گی۔ آپ نے اس بات کو تسلیم نہ کیا اور اپنی گرفتاری دے دی جس کے نتیجے میں عوامی جذبات کے شعلے بھڑک اٹھے اور وسیع پیمانے پر گرفتاریاں پیش کی گئیں۔ حکومت نے سینکڑوں افراد

کو گرفتار کر کے ڈیرہ اسماعیل خان' ہری پور اور پشاور جیل بھیج دیا۔ جبکہ آپ اور آپ کے قریبی رفیق حاجی کمال حسین کو پاراچنار کے قلعہ میں نظر بند کیا گیا۔ آپ کو ایک ایسے تنگ و تاریک کمرے میں رکھا گیا۔ جس میں ہوا کا گزر بھی مشکل تھا۔ حاجی کمال حسین نے بتایا کہ علامہ سید عارف حسین الحسینی نے انھیں یہاں یادگار درس دیا۔ جس کے الفاظ کچھ یوں تھے "حاجی کمال حسین اٹھو نماز شکر ادا کریں کہ خدا نے ہمیں اپنے آئمہ کی سیرت پر چلنے کا موقع عطا فرمایا ہے"۔

زندان میں آپ شب و روز عبادت میں مصروف رہتے' گریہ کرتے اور روزہ سے رہتے۔ ایک دن حاجی کمال حسین کو نیند آگئی تو آپ نے وہاں پر موجود گتے کے ٹکڑے سے انھیں ہوا پہنچانا شروع کر دی۔ اس دوران آپ نے وہاں موجود دیگر قیدیوں کو بھی دروس دینا شروع کر دیئے اور انھیں زندان میں سیرت آئمہ سے روشناس فرمایا۔

ایک دن کسی مومن نے اپنے گھر سے جیل میں آپ کو کھانے کے ساتھ فرنی (کسٹرڈ) بھجوائی۔ حاجی کمال حسین نے فرنی کا ذائقہ لیا تو بے حد لذیذ تھی انھوں نے تعریف کی تو آپ نے بھی ایک چمچ لیا۔ فرنی کی لذت محسوس ہوئی تو آپ نے حاجی کمال حسین سے فرمایا "اگر آپ اجازت دیں تو یہ فرنی ہم اپنے قیدی بھائیوں کو دے دیں اور یوں آپ نے پیالہ اٹھا کر قیدیوں کو دے دیا"۔

آپ کی نظربندی کے باوجود احتجاجی تحریک روز بروز بڑھتی گئی۔ جیسا کہ آپ نے اپنی گرفتاری کے وقت اپنے احباب سے کہا تھا کہ "ہماری تحریک اس قدر مضبوط ہو چکی ہے جس میں شگاف پڑنے کے امکانات ختم ہو چکے ہیں"۔ آخرکار حکومت آپ سے مذاکرات کرنے پر مجبور ہوئی۔ ان مذاکرات کے نتیجہ میں بہت سے مطالبات تسلیم کر لئے گئے۔ "فیجنگ کمیٹی" کو توڑ دیا گیا' چالیس "ملک صاحبان" کے اثر و رسوخ کو ختم کر دیا گیا' تمام قومی امور مذہبی امور میں سرکاری مداخلت ختم کر دینے کا وعدہ کیا گیا اور انتظامی معاملات کو حقیقی عوامی نمائندوں کے مشورہ سے طے کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔

مذاکرات کی کامیابی کے بعد جب آپ کی رہائی کا حکم آیا تو اس وقت اپنے برادر قیدیوں کو درس دینے میں مشغول تھے۔ رہائی کا حکم پڑھ کر آپ نے انتظامیہ سے کہا کہ

ہمارے درس کا سلسلہ آج شام کو مکمل ہو گا۔ لہٰذا ہم ابھی رہا ہونے کی بجائے جیل سے شام کو رخصت ہوں گے۔ اسی سہ پہر رہائی سے قبل آپ نے جیل کی انتظامیہ کے افراد سے ایک پر تاثیر گفتگو کی اور ان کے دل موہ لئے۔ آپ نے انہیں تاکید فرمائی کہ "قیدی مجبور اور محکوم ہوتے ہیں آپ کسی طور بھی ان کے لئے اذیت کا سبب نہ بنیں' بلکہ ہمیشہ ان سے ہمدردی اور خلوص سے پیش آئیں۔ آپ اور وہ ایک قوم ہیں خدا نے آپ کو عزت دینے کے ساتھ ساتھ ذمہ داری بھی سونپی ہے لہٰذا آپ ہر ممکن کوشش کریں کہ آپ کے یہ بھائی آپ سے متاثر ہو کر معاشرہ کا مفید حصہ بن سکیں"۔

آپ کی رہائی کے وقت لوگوں کے ایک جم غفیر نے آپ کا فقید المثال استقبال کیا۔ اس تحریک کی کامیابی کے نتیجہ میں آپ کی قیادت ابھر کر سامنے آئی اور اس کی بازگشت حکومت کے ایوانوں میں سنی جانے لگی۔ ایک عرصہ بعد کرم ایجنسی کے اسسٹنٹ پولٹیکل ایجنٹ نے ایک محفل میں ذکر کیا کہ جب صوبہ سرحد کے گورنر کو علامہ سید عارف حسین الحسینی کے پختہ کردار' تقویٰ اور عوامی مقبولیت کے بارے میں رپورٹ پیش کی گئی تو انہوں نے پولٹیکل ایجنٹ کو باقاعدہ ہدایت جاری کی کہ آئندہ اس شخصیت سے تصادم کرنے میں محتاط رہیں۔

فلاحی امور میں دلچسپی

تحریک کی عظیم کامیابی کے بعد آپ نے اپنی ذمہ داریوں میں اضافہ کرتے ہوئے طلبدار فیڈریشن کے نوجوانوں کو تلقین فرمائی کہ "وہ کرم ایجنسی بالخصوص پاراچنار میں فلاحی کاموں کا آغاز کریں۔ نشہ جو ایک لعنت ہے اور ہیروئن کا بڑھتا ہوا زہر جو معاشرے کا ناسور بنتا جا رہا ہے اس کو ختما" ختم کریں۔ اس مشن کی تکمیل کے لئے آپ نے گہری دلچسپی سے کام کیا۔ فلاحی ہسپتال تعمیر کروایا اور مختلف دیہاتوں میں نشہ میں مبتلا نوجوانوں کے علاج معالجہ کے لئے ضروری سہولتوں کا اہتمام کیا۔

معاشرے کو نشہ اور دیگر برائیوں سے آزاد کرنے کی جدوجہد کے ساتھ ساتھ آپ نے اپنے عوام کی غربت و افلاس کے خاتمے کے لئے ایک جامع پروگرام تشکیل دیا۔ جس کے تحت مقامی "بیت المال" کا قیام کیا اور وہاں مقامی اور غیر ممالک میں کام کرنے والے مخیر حضرات سے عطیات کی اپیل کی۔ جس کے نتیجے میں آپ پر اعتماد کرتے ہوئے لوگوں نے دل کھول کر مالی امداد کی۔ ان وسائل کی دستیابی کے بعد آپ نے علاقہ میں بیوگان' یتیموں اور دیگر مفلوک الحال افراد کی ماہانہ امداد کا ایک منظم پروگرام ترتیب دیا اور اس کے علاوہ غریب بچوں کے لئے وظائف اور مفلس خاندانوں کی بیٹیوں کے لئے شادی بیاہ کے سلسلے میں بھی خصوصی اہتمام کیا۔

دکھی انسانیت کے درد سے آشنائی اور ان سے ہمدردی آپ کے دل میں کوٹ کوٹ کر بھری تھی۔ آپ کے قریبی شاگرد آج بھی بتاتے ہیں کہ علامہ سید عارف حسین الحسینی رات کی تاریکی میں اپنے شاگرد کو ساتھ لے جاتے اور پاراچنار کے مستضعف اور فاقہ کش لوگوں کے دروازوں پر آٹا' چاول' گھی اور رقم پہنچاتے۔ اکثر اپنے شاگرد کو تاکید کرتے کہ وہ اس بات کا کسی کے سامنے اظہار نہ کرے۔

ایک مرتبہ آپ کے معاون شاگرد نے آپ سے عرض کی "آپ استفسار کے باوجود بھی اپنا تعارف نہیں کراتے صرف ضرورتمندوں کے دروازوں پر ضروریات زندگی چھوڑ آتے ہیں"۔ تو آپ نے واقعہ نقل فرمایا "کہ حضرت علی علیہ السلام خلیفہ وقت

ہونے کے باوجود کوفہ کے قریبی جنگل میں ایک نابینے شخص کی جھونپڑی میں باقاعدگی سے جاتے۔ اسے کھانا کھلاتے' پانی پلاتے' جھونپڑی کی صفائی کرتے اور واپس آ جاتے تھے۔ ۲۲ رمضان المبارک کو جب ایک مسافر کا اسی راہ سے گزر ہوا تو وہ نابینا بین کر رہا تھا "اے میرے محسن میں تیسرے دن سے بھوکا و پیاسا ہوں تو کہاں گیا ہے؟ تجھے کچھ ہو تو نہیں گیا؟ آ جا' آ جا' آ جا' میں بھوکا ہوں میں پیاسا ہوں"۔ اسے کیا خبر تھی کہ ۱۹ رمضان المبارک کی شب اس کا محسن مسجد کوفہ میں زخمی ہوا اور ۲۱ رمضان المبارک کو اس دنیا کو الوداع کر کے ہمیشہ کے لئے چلا گیا۔ آپ یہ واقعہ نقل کرتے ہی اشکبار ہو گئے اور فرمایا مجھے اپنے آباؤ اجداد کی سنت ادا کرنے سے تسکین ہوتی ہے۔

ایک دفعہ آپ علماء اور رفقاء کے ساتھ پاراچنار کے قریبی گاؤں میں کسی دعوت پر مدعو تھے اسی اثنا میں ایک نابینا اپنے چھوٹے بچے کے ساتھ آیا اس نے علامہ عارف حسین الحسینی کا پوچھا آپ نے فرمایا جی کیا حکم ہے؟ میں عارف حسین ہی آپ سے مخاطب ہوں۔ اس سے قبل کہ نابینا اپنا درد دل پیش کرتا ہے وہ خوب رویا آپ نے دلاسہ دیا تو اس کی لرزتی آہوں کو سکون ملا اور کہنے لگا "سید عارف کل سے ہمارے چھوٹے بچے اور ہم فاقے سے ہیں۔ آج اپنے گاؤں میں آپ کی آمد کا علم ہوا۔ آپ سے صرف غائبانہ تعارف ہے بس یہی استدعا ہے کہ ہماری مدد فرمائیں"۔ آپ نابینا کی درد بھری آہیں اور سسکیاں سن کر دیر تک سوچوں میں گم بیٹھے رہے پھر قریب بیٹھے ہوئے احباب سے رقم ادھار لی' نابینے کی جیب میں ڈالی اور اسے دروازے تک چھوڑ آئے۔ واپس کمرے میں آئے تو اپنے قریبی علماء سے شکوہ کیا "عزیز دوستو! کیا آپ کو امام کا یہ فرمان بھول گیا کہ وہ شخص مسلمان نہیں جس کا ہمسایہ شب بھر بھوکا ہو اور وہ اس سے بے خبر سو جائے"۔ کتنے افسوس کی بات ہے کہ ہمارے قریبی گاؤں میں ایک نابینا دوسرے دن سے بچوں سمیت فاقہ میں ہے اور ہم بے خبر ہیں"۔

آپ کے اجتماعی کردار' انقلابی فکر' فلاحی سوچ اور اپنی ملت سے حقیقی لگاؤ نے عوام کو آپ کا گرویدہ کر دیا جس کے نتیجے میں کرم ایجنسی کے عوام ہر انفرادی اور قبائلی مسئلہ کے حل کے لئے آپ کی طرف رجوع کرنے لگے۔ جہاں کرم ایجنسی کے عوام کی

تقدیر بدلنے لگی وہاں اہل پشاور بھی بیدار ہونے لگے۔ ایک مرتبہ ایرانی وزیر خارجہ آقای ولایتی پشاور آئے تو سید عارف حسین الحسینی نے کرم ایجنسی کے ہزاروں عوام کے ساتھ ان کا فقید المثال استقبال کیا۔ اس موقعہ پر اہل پشاور کے ایک اہم وفد نے آقای ولایتی سے مطالبہ کیا کہ وہ سید عارف حسین الحسینی کو امام خمینیؒ کا نمائندہ بنائیں اور انہیں مجبور کریں کہ وہ پشاور میں تشریف لا کر یہاں کی ذمہ داریاں قبول کریں تاکہ صوبہ سرحد کے دارالخلافہ پشاور سے اسلامی انقلاب کی صحیح معنوں میں ترویج ہو سکے اور ملت اسلامیہ کو ایک جری لیڈر میسر ہو۔

آقای ولایتی نے جب سید عارف حسین الحسینی سے اہل پشاور کے مطالبے کا ذکر کیا تو آپ نے فرمایا "ابھی تک کرم ایجنسی کے حالات انتہائی دگرگوں ہیں' ہماری حکومت اور غیر ملکی ادارے وہاں ہمارے خلاف سازشوں میں مصروف ہیں' ہماری سرحد افغانستان کی جنگ سے متاثر ہے لہٰذا ایسے میں میرا پشاور رہنا انتہائی مشکل ہے' البتہ جب بھی میں فرصت محسوس کرتا ہوں پشاور آتا ہوں اور اپنی استطاعت کے مطابق یہاں خدمات سرانجام دیتا رہتا ہوں اور انشاء اللہ دیتا رہوں گا"۔

آپ نے پاراچنار میں ایک معیاری ہسپتال اور تعلیمی ادارہ (پبلک سکول) قائم کرنے کا منصوبہ تیار کیا۔ ہسپتال کے لئے ڈاکٹر عابد حسین نے گراں قدر خدمات سر انجام دیں اور پبلک سکول کے لئے پاراچنار کی عوام نے وسیع اراضی خرید کر آپ کو پیش کی۔ آپ کے یہ منصوبے ابھی تک زیر تکمیل ہیں۔

تحریک نفاذ فقہ جعفریہ پاکستان کا قیام

جولائی ۱۹۷۷ء میں ذوالفقار علی بھٹو کی اقتدار سے اچانک معزولی اور جنرل محمد ضیاء الحق کے مارشل لاء نے ملک میں عجیب کیفیت پیدا کر دی۔ پاکستان قومی اتحاد کی جدوجہد کے باعث ملک میں موجود مذہبی احساسات کے پیش نظر ضیاء الحق نے اسلامی نظام کی حامی بھرلی اور ۱۲ ربیع الاول ۱۹۷۸ء کے موقع پر نظام مصطفیٰ کے نفاذ کا اعلان کر دیا جس میں واضح طور پر فقہ حنفی کو اس نظام کی بنیاد بنایا گیا۔ ابتدائی مرحلہ میں حکومت نے تمام مکاتب فکر کو اعتماد میں لینے کے لئے اسلامی نظریاتی کونسل تشکیل دی جس میں ملت جعفریہ پاکستان کے دو نمائندگان علامہ مفتی جعفر حسین مرحوم اور علامہ رضی صاحب اس کونسل کے ارکان منتخب ہوئے۔

آغاز ہی میں علامہ مفتی جعفر حسین مرحوم اور ان کے رفقاء نے اس بات کو درک کر لیا تھا کہ جنرل ضیاء الحق علماء کے دباؤ اور ذاتی اقتدار کے تحفظ کے لئے جن اسلامی تشریحات کو ملک کا قانون بنانا چاہتا تھا وہ ایک مخصوص فقہ کی نمائندگی کرتی تھیں جب کہ اس کے برعکس ملت جعفریہ کے حقوق کو ایسے حالات میں زک پہنچنے کا شدید اندیشہ تھا۔ چنانچہ انہوں نے اس خدشہ کے پیش نظر ۱۵ فروری ۱۹۷۸ء کو لاہور میں ایک پر ہجوم کانفرنس سے خطاب کیا کہ ''اگر ملکی قوانین کو اسلام کے سانچے میں ڈھالتے وقت ملت جعفریہ کو نظرانداز کیا گیا تو وہ اسلامی نظریاتی کونسل سے مستعفی ہو جائیں گے اور ملت کے حقوق کی بازیابی کے لئے جدوجہد کا آغاز کر دیں گے''۔

ملک میں تیزی سے بدلتے ہوئے حالات اور تقاضوں کو مدنظر رکھتے ہوئے ملت جعفریہ کے زعماء نے قوم کو اعتماد میں لینے اور اپنی جدوجہد کے آغاز کے لئے ۱۲ اپریل ۱۹۷۸ء کو ضلع بھکر میں ایک ملک گیر قومی کنونشن منعقد کیا جس میں ملک کے کونہ کونہ، کشمیر اور شمالی علاقہ جات سے لاکھوں افراد نے شرکت کی۔ دور دراز علاقوں سے بھکر کے ریگستانوں میں آنے والے افراد اس بات کی ترجمانی کر رہے تھے کہ ملک کے موجودہ حالات اور حکمرانوں کے ارادوں کو وہ برداشت نہیں کر سکتے تاوقتیکہ انہیں اپنے حقوق کا

تحفظ حاصل نہ ہو۔

اس موقع پر شیعہ اکابرین نے فیصلہ کیا کہ ضیاء الحق کے مجوزہ نظام اور عزائم کے خلاف ایک تحریک چلائی جائے جو ملک و ملت کے تقاضوں کا احترام کرتے ہوئے ملت جعفریہ کے حقوق کے تحفظ کے لئے کام کرے' نیز بکھری ہوئی اس قوم کو ایک نظریاتی پلیٹ فارم عطا کیا جائے جو انہیں ایک لڑی میں پروکران کی تشخص کی ضامن بنے۔ یہ احساس ایک نظریہ بنا اور "تحریک نفاذ فقہ جعفریہ پاکستان" کو وجود عطا کر گیا۔

اس تحریک کا قطعاً" یہ مقصد نہ تھا کہ پورے ملک میں فقہ جعفریہ کا نفاذ ہو اور نہ ایسا ممکن تھا بلکہ اس کا بنیادی مقصد ملک کے پبلک لاء میں فقہ جعفریہ کی اہمیت کا حصول تھا۔ اس پلیٹ فارم کی تشکیل کے بعد مسئلہ تحریک کی قیادت کا تھا جو ان حالات میں قوم کی امیدوں اور وقت کے تقاضوں پر پوری اترے چنانچہ ایسے میں علامہ مفتی جعفر حسین مرحوم جیسی مضبوط' باصلاحیت اور بابصیرت شخصیت کو میرکارواں نامزد کیا گیا جن پر پوری قوم نے اعتماد کا اظہار کیا اور یوں آپ ۱۳ اپریل ۱۹۷۸ء کو تحریک نفاذ فقہ جعفریہ پاکستان کے پہلے قائد بن کر منظرعام پر آئے۔

بدقسمتی سے چند حکومتی حمایت یافتہ حضرات نے مفتی صاحب کے مقابلہ میں متبادل قیادت پیش کرنے کی کوشش کی مگر اسے محض رخنہ تصور کیا گیا کیونکہ ان حضرات کا کردار اور ماضی قوم کی نظر میں خاصا مشکوک تھا۔

اس گروپ کی بات نہ بن سکی البتہ یہاں سے پیدا ہونے والا اختلاف آہستہ آہستہ سرایت کرتا رہا یہاں تک کہ اس گروہ نے مفتی صاحب کی قیادت کو بادل ناخواستہ تسلیم کر لیا تاہم بعد میں چنداں موقع پر نئی قیادت کو پیش کرنے کی ناکام کوششیں کی گئیں۔

تحریک نفاذ فقہ جعفریہ پاکستان کے قیام کا اعلان سنتے ہی جنرل محمد ضیاء الحق نے اپنے ایک قریبی رفیق سے کہا کہ "یہ اچھا نہیں ہوا ہمارے چند احباب کے رویہ اور دباؤ کے ردعمل نے ایک بکھری قوم کو پلیٹ فارم عطا کر دیا ہے جو مستقبل قریب میں ہماری مشکلات میں اضافہ کا باعث بنے گا"۔

تحریک نفاذ فقہ جعفریہ پاکستان کا پہلا اجلاس ۲۰ اپریل ۱۹۷۹ء کو گوجرانوالہ شہر میں منعقد ہوا جس میں تحریک کو ایک تنظیمی شکل دی گئی جس کے نتیجے میں سپریم اور مرکزی کونسل جیسے ادارے عمل میں آئے اور ملک بھر میں علماء' زعما' دانشور' صحافی' وکلاء اور دیگر شعبہ جات سے تعلق رکھنے والے ۴۳ افراد ان اداروں کے ارکان نامزد ہوئے۔

انہی افراد سے چھ افراد' سید وزارت حسین نقوی بھکر' مولانا سید ریاض حسین نجفی لاہور' سید اختر حسین شائق انبالوی لاہور' سید امداد حسین شاہ ہمدانی ایڈووکیٹ سرگودھا' کرنل محمد خان چکوال اور سید اقتدار علی مظہر پشاور کا انتخاب کیا گیا تاکہ تحریک کا ضابطہ اور آئین تشکیل دیا جاسکے اور تحریک اپنے تمام تقاضے پورے کر کے ملک میں ایک مسلمہ حقیقت کے روپ میں سامنے آئے۔ یہاں یہ بھی طے پایا کہ اس تحریک کا ایک اعلیٰ وفد صدر محمد ضیاء الحق سے ملاقات کر کے اسے اپنی تحریک کے مقاصد اور قومی جذبات سے آگاہ کرے گا۔

ضیاء الحق سے تحریک کے پہلے وفد کی ملاقات

۲۳ اپریل کو تحریک نفاذ فقہ جعفریہ پاکستان کا پہلا وفد ضیاء الحق سے ملاقات کرنے اور اسے اپنی تحریک کے مقاصد و مطالب سے آگاہ کرنے اسلام آباد پہنچا۔ یہ وفد جنرل محمد ضیاء الحق سے ملاقات سے قبل وزیر مذہبی امور محمود اے ہارون سے ملا اور انہیں اپنے مقاصد اور ملت جعفریہ کے موقف اور مایوسی سے آگاہ کیا۔ انہوں نے ضیاء الحق سے تبادلہ خیال کر کے تحریک کے وفد کو ۲۶ اپریل کو ملاقات کا وقت دے دیا۔ چنانچہ طے شدہ تاریخ پر ضیاء الحق تحریک کے وفد سے ملاقات نہ کر سکا۔ جس کے بعد اس وفد نے وارننگ دی کہ ۳۰ اپریل تک ان کی ملاقات اشد ضروری ہے۔

مزید برآں یہ وفد ۲۷ اپریل کو گورنر پنجاب جنرل سوار خان سے ملا اور ان سے خواہش ظاہر کی کہ صدر ضیاء الحق اپنے رائج کردہ نظام میں ملت جعفریہ کو بھرپور نمائندگی اور تحفظ کا اعلان کرے یا پھر ۳۰ اپریل تک تحریک نفاذ فقہ جعفریہ پاکستان کے وفد سے ملاقات کر کے انہیں اپنے موقف سے آگاہ کرے۔ جنرل موصوف نے ۲۹ اپریل ۱۹۷۹ء کو وزارت مذہبی امور کے توسط سے جواب دینے کا وعدہ کیا مگر قائدین تحریک کو ۲۹ اپریل تک کوئی جواب موصول نہ ہوا۔

۳۰ اپریل کی صبح ملکی اخبارات اور ریڈیو میں یہ خبر منظر عام پر آئی کہ صدر مملکت ۵ مئی کو شیعہ وفد سے ملاقات کر کے ان کا موقف معلوم کریں گے۔ یہ خبر سن کر تحریک کے اکابرین میں غم و غصہ کی لہر دوڑ گئی کہ وہ اپنا موقف تو وزارت مذہبی امور کے ذریعہ پہلے سے پہنچا چکے ہیں۔ چنانچہ ضیاء الحق کی ملت جعفریہ سے بے رخی اور لاپرواہی کی بدولت ۳۰ اپریل ۱۹۷۹ء کو لاہور میں ایک پریس کانفرنس منعقد کر کے قائد تحریک علامہ مفتی جعفر حسین نے حکومت کی اسلامی نظریاتی کونسل کی رکنیت سے مستعفی ہونے کا اعلان کر دیا اور ساتھ یہ بھی واضح فرمایا کہ اب تحریک کے اعلیٰ اختیاراتی ادارے صدر ضیاء الحق سے ملاقات کرنے کے بارے میں مزید غور کریں گے۔

۵ مئی ۱۹۷۹ء کو ضیاء الحق نے تحریک نفاذ فقہ جعفریہ پاکستان کے قائدین سے

ملاقات کرنے کی خواہش کی تو تحریک کی کونسل کے فیصلے کے مطابق تحریک کے چھ اکابرین علامہ مفتی جعفریہ حسین مرحوم' مولانا مرزا یوسف حسین مرحوم' مولانا حسین بخش جاڑا مرحوم' مولانا محمد حسین ڈھکو' مولانا ملک اعجاز حسین خوشاب اور سید وزارت حسین نقوی ایڈووکیٹ بھکر پر مشتمل وفد ضیاء الحق سے ملاقات کے لئے اسلام آباد پہنچا۔ جب ضیاء الحق نے پہلے سے طے شدہ منصوبے کے تحت تیرہ (۱۳) روایتی شیعہ رہنما اور بلا لئے جن میں حکومتی مراعات یافتہ روایتی رہنما اور چند نام نہاد علماء شامل تھے۔

جب تحریک کے وفد کو اطلاع ملی تو انہیں کافی دکھ پہنچا کہ وہ تو ایک جماعت کے نمائندگان ہیں مگر یہ اکابرین کس مرض کی دوا ہیں؟ اس تشویش میں تحریک کے نمائندگان نے ان میں سے چند حضرات کو فون کیا کہ ہم ایک جماعت کی نمائندگی کر رہے ہیں لہٰذا آپ کو ہماری ہاں میں ہاں ملانی پڑے گی جسے انہوں نے قبول کر لیا۔

۵ مئی کو ضیاء الحق سے اس وفد کی ملاقات اور طویل مذاکرات ہوئے۔ ہر شخص اپنے اپنے انداز میں اپنا موقف پیش کر رہا تھا۔ جب سید وزارت حسین نقوی ایڈووکیٹ کو لب کشائی کا موقع ملا تو انہوں نے اپنے مخصوص انداز میں ضیاء الحق سے مخاطب ہو کر کہا "صدر محترم میں محب وطن پاکستانی اور سچا مسلمان ہوں۔ آپ کے نظام مصطفیٰ کے اعلان سے ہم خوش تو ہوئے مگر آپ کی پیش کردہ تشریحات نے ملت جعفریہ کے ہر پیر و جواں کو احساس محرومی میں مبتلا کر دیا ہے کہ آپ پاکستان کو سنی سٹیٹ بنانے کا ارادہ رکھتے ہیں"۔ ابھی وزارت حسین نقوی کے چند جملے باقی ہی تھے کہ ضیاء الحق کی پیشانی پر بل پڑے اور اس نے غصے میں کھڑے ہو کر کہا "مسٹر نقوی آپ کیا کہہ رہے ہیں؟ اگر ایسی تشریحات ہیں بھی سہی تو کیا ہوا میں کوئی سکھستان بنا رہا ہوں"؟ ضیاء الحق اس حالت میں شاید کچھ اور کہنا چاہتے تھے مگر وزارت حسین نقوی نے پھر مداخلت کی "صدر محترم پاکستان اسلامی ریاست ہے' فقہی ریاست نہیں۔ ہم قطعاً" اپنی فقہ پر کسی دوسری فقہ کا تسلط برداشت نہیں کریں گے"۔

صدر نے تحریک کے وفد سے ملاقات کے بعد وعدہ کیا کہ وہ ۹ مئی ۱۹۷۹ء کو

کراچی کی پریس کانفرنس میں اہم اعلان کریں گے۔ ملاقات اختتام کو پہنچی تو حکومت نے تحریک کے چھ اکابرین کو ٹی۔ اے ڈی۔ اے کی پیش کش کی جسے اکابرین نے ٹھکراتے ہوئے کہا کہ ہم اپنی جماعت کی نمائندگی کرنے آئے تھے کوئی سرکاری مہمان نہیں تھے۔ تحریک کا وفد اسلام آباد سے روانہ ہوا اور صدر کے اعلان کا انتظار کرنے لگا۔

۹ مئی کو ضیاء الحق نے کراچی میں غیر مبہم اعلان کچھ یوں کیا کہ "نظام مصطفیٰ" کے نفاذ میں کسی فقہ کو مایوس نہیں کیا جائے گا۔ صدر کا اعلان اور جزئیات فقہ جعفریہ کے پرسنل لاء تک محدود تھیں جبکہ تحریک نفاذ فقہ جعفریہ پاکستان پبلک لاء میں اپنے حقوق کے تحفظ کا مطالبہ کر رہی تھی۔ ضیاء الحق کا یہ غیر مبہم اعلان سن کر علامہ مفتی جعفر حسین نے ملک گیر دورے شروع کر دیئے اور قوم کو حقائق اور خدمات سے آگاہ فرمایا۔ قائد کے ان دورہ جات اور ہمت نے ایک تہلکہ مچا دیا جبکہ قوم کی نچھاور آنکھیں، دعاؤں کے لئے بلند ہاتھ اور جذبات قیادت کے لئے باعث تقویت بنے۔

۶ جولائی ۱۹۸۰ء کا تاریخ ساز شیعہ کنونشن اور معاہدہ اسلام آباد

علامہ مفتی جعفر حسین اور ان کے رفقاء تحریک کے استحکام اور درپیش مسائل کے متعلق لائحہ عمل تیار کرنے میں مصروف تھے کہ ۲۰ جون ۱۹۸۰ء کو ضیاء الحق نے زکوۃ اور عشر آرڈیننس جاری کر دیا جس میں مکتب تشیع کے نقطہ نظر کو یکسر نظرانداز کیا گیا۔ جنرل ضیاء الحق کے اس اقدام نے ملت جعفریہ کی مایوسیوں میں مزید اضافہ کر دیا جس سے تحریک کے قائدین کو حکومت کے پے در پے ایسے اقدامات کے بارے میں مجبوراً راہ تلاش کرنا پڑی۔

یہاں اس بات کا تذکرہ بھی بے حد ضروری ہے کہ ۹ اپریل ۱۹۸۰ء کو عراق کی صدامی حکومت نے عالم اسلام کے بلندپایہ مفکر آیت اللہ العظمیٰ سید باقر الصدر اور ان کی ہمشیرہ معظمہ سیدہ آمنہ بنت الہدیٰ کو انتہائی بے دردی سے شہید کر دیا تھا۔ جس کے ردعمل میں پورے عالم اسلام میں غم و غصہ کی ایک لہر پھیل گئی تھی۔ اسی سلسلہ میں پاکستان میں بھی ہیئت علماء امامیہ اور علامہ سید صفدر حسین نجفی مرحوم نے ایک اہم نشست میں صدام کے سفاکانہ اقدامات کے خلاف ۴ جولائی کو اسلام آباد میں ایک احتجاجی اجتماع کا پروگرام تشکیل دیا۔ اس پروگرام کی تیاریاں شروع تھیں کہ اچانک ضیاء الحق کی حکومت نے زکوۃ و عشر آرڈیننس کا نفاذ کر دیا۔ جس کے بعد علامہ مفتی جعفر حسین مرحوم نے پہلے سے طے شدہ احتجاجی پروگرام کی ہیئت کو بدل کر ۴ جولائی کو اسلام آباد میں ایک شیعہ قومی کنونشن کا اعلان کر دیا۔

ملک بھر میں علامہ مفتی جعفر حسین مرحوم کے اس فیصلہ کا خیرمقدم کیا گیا۔ جہاں ملک کے تمام صوبہ جات میں اس کنونشن میں شرکت کے لئے ایک عوامی لہر اٹھی وہاں کرم ایجنسی پاراچنار میں بھی کنونشن کو کامیاب بنانے کے لئے نوجوان عالم دین علامہ سید عارف حسین الحسینی نے بے پناہ کام کیا اور قائد کے پیغام کو قریہ قریہ تک پہنچایا۔

علامہ مفتی جعفریہ حسین مرحوم کے اس اعلان اور ملک میں اٹھنے والی شیعہ تحریک نے ضیاء الحق کو ازحد پریشان کر دیا جس کے ازالہ کے لئے اس نے ۲ جولائی کے روز

چند روایتی شیعہ رہنماؤں (جن کا تحریک کے ساتھ دور کا تعلق بھی نہیں تھا) سے ملاقات کی اور تمام شیعہ مطالبات تسلیم کر لینے کا اعلان کیا۔ دراصل یہ سب کچھ قومی کنونشن کو سبوتاژ کرنے کی سازش تھی جسے قائدین تحریک نے قبول نہ کیا بلکہ اسے حکومت کی روایتی مکاری قرار دیا۔

۴ جولائی ۱۹۸۰ء کو سورج طلوع ہوا تو اس نے ملک بھر سے اسلام آباد کی طرف رواں دواں قافلوں کا منظر دیکھا۔ لاکھوں کی تعداد میں شیعہ حضرات نے اسلام آباد کی سرزمین پر اکٹھے ہو کر قائد سے وابستگی کا اظہار کر دیا۔

حکومت نے آخر وقت تک یہ کوشش کی کہ یہ اجتماع اسلام آباد میں منعقد نہ ہونے پائے بلکہ انہوں نے ایک مرحلہ پر کنونشن کو لیاقت باغ راولپنڈی میں منتقل کرنے کی استدعا کی اور ساتھ ہی ایسا نہ کرنے پر لاء اینڈ آرڈر کے بہانے کے تحت شدید مزاحمت اور جانی نقصان ہونے کا عندیہ دیا۔

۴ اور ۵ جولائی کی درمیانی شب مرکزی امامبارگاہ اسلام آباد میں قائدین تحریک کا ایک اجلاس ہوا جس میں مزید لائحہ عمل کی تشکیل پر طویل بحث ہوئی۔ یہاں بعض احباب نے اس اندیشہ کا اظہار بھی کیا کہ اگر جانی نقصان ہوا تو وہ کس زمرے میں آئے گا"۔ اجلاس کی اس سراسیمگی میں بزرگ عالم دین علامہ سید گلاب علی شاہ ملتان اٹھے اور انہوں نے گرجدار آواز میں فرمایا کہ "اسلام میں اگر کوئی شخص اپنی جان و مال یا ناموس کا تحفظ کرتے ہوئے مارا جائے تو وہ شہید شمار ہوتا ہے لہذا مذہب حق کا تحفظ کرتے ہوئے قربان ہو جانا بھی اعلیٰ درجے کی شہادت ہے"۔

انہی خیالات کی تائید مولانا شیخ غلام محمد بلتستانی نے بھی کی۔ اسی دوران میں علامہ عارف حسین الحسینی نے نہ صرف تائید کی بلکہ اس موقف کو ایسے منفرد انداز میں پیش کیا کہ شرکاء اجلاس کے لئے مزید بحث کی گنجائش نہ رہی۔ آخر کار یہ فیصلہ ہوا کہ اس کنونشن کو کسی طور اسلام آباد سے باہر منتقل نہیں کیا جائے گا اور مطالبات کے تسلیم ہونے تک یہ احتجاج جاری رہے گا۔

اس نازک مرحلہ پر ڈاکٹر محمد علی نقوی شہید نے ولولہ انگیز کردار ادا کیا۔ مرکزی

امام بارگاہ میں موجود مومنین سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا "اے بانیان علم عباس اٹھو کہ اس پنڈال کی حفاظت آپ کے ذمہ ہے۔ ایک ایک بانس پرچم عباس کی عظمت کا مظہر ہے۔ اٹھو کہ جان چلی جائے مگر حکومت کے کارندے بانس نہ اکھیڑ سکیں"۔

اگلی صبح ہاکی گراؤنڈ اسلام آباد میں ایک عظیم الشان احتجاجی جلسہ ہوا جس میں علماء کرام نے شہید باقر الصدر اور ان کی ہمشیرہ کی مظلومانہ شہادت پر روشنی ڈالی اور صدامی حکومت کے ظلم و بربریت کے خلاف صدائے احتجاج بلند کی اور ساتھ ہی ضیاء الحق کی حکومت کو بھی اپنے مطالبات کی روشنی میں للکارا۔

احتجاجی سلسلہ کو طول دیتے ہوئے علامہ مفتی جعفر حسین مرحوم کی قیادت میں اسلام آباد کی شاہراؤں پر ایک بہت بڑا جلوس نکالا گیا جس میں دیگر علماء کے علاوہ علامہ سید عارف حسین الحسینی کی کیفیت دیدنی تھی۔ آپ بیک وقت جلوس میں شامل بھی تھے اور جلوس کا نظام سنبھالنے والے نوجوانوں کے ساتھ شریک کار بھی۔ ایک شاہراہ پر جب احتجاجی کارواں کے ایک نوجوان نے ڈنڈے سے شاہراہ پر نصب بلب کو نقصان پہنچایا تو آپ نے اس کا بازو پکڑتے ہوئے فرمایا "عزیز بھائی اس بلب کا کیا قصور تھا یہ تو ہمارے فائدے کے لئے ہے ہمارا احتجاج ان کے خلاف ہے جو ہمارے مفادات کے مخالف ہیں آپ مہذب قوم کے نوجوان ہیں لہٰذا ہر قدم پر اپنی قوم کا تقدس مدنظر رکھیں"۔

احتجاج کا سلسلہ جاری تھا کہ تین بجے سہ پہر علامہ مفتی جعفر حسین کو وفاقی وزیر مذہبی امور محمود ہارون کی مذاکراتی دعوت پہنچائی گئی جس کے بعد آپ علماء وفد سمیت مذاکرات کے لئے تشریف لے گئے مگر مذاکرات بے سود رہے، جس کے بعد علماء کا یہ وفد اپنے قائد کے ساتھ واپس عوام کے پاس آیا جہاں علامہ مفتی جعفر حسین نے ایک مختصر خطاب کے دوران شرکاء کو سیکریٹریٹ کی جانب مارچ کرنے اور مطالبات کی منظوری تک اسے اپنے حصار میں رکھنے کا حکم دیا۔ قائد کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے شیعہ حضرات نے مرکزی سیکریٹریٹ کو مکمل قبضہ میں لے لیا جو تاریخ پاکستان میں اپنی نوعیت کا ایک اہم واقعہ تھا۔

جلسہ گاہ سے سیکریٹریٹ کی طرف مارچ کے دوران علامہ سید عارف حسین الحسینی نوجوانوں کی ایک بڑی تعداد لے کر عراقی سفارتخانہ کے سامنے پہنچے اور وہاں شہید سید باقر الصدر اور ان کی ہمشیرہ معظمہ کی مظلومانہ شہادت پر صدامی مظالم کے خلاف شدید احتجاجی ماتم کیا۔

سیکریٹریٹ اور عراقی سفارتخانے کی طرف مزید نوجوانوں کی پیش قدمی کو روکتے ہوئے پولیس نے آنسو گیس کا بے پناہ استعمال اور فائرنگ کی جس کے نتیجے میں تحصیل شورکوٹ سے تعلق رکھنے والے ایک نوجوان محمد حسین شاد شہید ہو گئے اور یوں انہیں تحریک نفاذ فقہ جعفریہ کا پہلا شہید ہونے کا شرف حاصل ہوا۔ اور ان کے خون سے ان کے کفن سے بچے ہوئے ایک کپڑے پر تحریر کیا گیا۔ "شہید کی جو موت ہے وہ قوم کی حیات ہے"۔

تمام تر رکاوٹوں اور مسائل کے باوجود شیعہ حضرات نے شام کے وقت سیکرٹریٹ کے گرد اپنا حصار مضبوط کر لیا تو علامہ عارف حسین الحسینی نے پاراچنار کے نوجوانوں کو حکم دیا کہ وہ سیکرٹریٹ پر اپنی گرفت مضبوط رکھیں اور اپنے قائد مفتی جعفر حسین کے فیصلوں کی تعمیل کرتے رہیں۔ آپ خود بھی قائدین اور نوجوانوں سے مربوط رہے اور صورتحال سے آگاہ کرتے رہے۔

۵ اور ۶ جولائی کی رات ایک طرف فوج نے احتجاجی شرکاء کے گرد دائرے تنگ کرنا شروع کر دیئے' مصدقہ اطلاعات کے مطابق اسلام آباد کے سرکاری ہسپتالوں میں کئی وارڈ خالی کروا دیئے گئے اور ایمبولینسوں کو الرٹ کر دیا گیا جبکہ دوسری جانب طوفانی بارش نے لاکھوں افراد کو بے حال کر دیا۔ ان نامساعد حالات میں بھی کسی فرد کے پایہ استقلال میں لغزش آئی نہ کسی مرحلہ پر محاصرہ کمزور ہوا۔

خفیہ اداروں کی شیعہ اجتماع کے جذبہ کے متعلق موصولہ اطلاعات اور وزیر مذہبی امور سے بات چیت کے بعد ضیاء الحق پر صورتحال واضح ہوئی تو اس نے چھ جولائی کے روز تحریک کے قائدین کو مذاکرات کی دعوت دی۔ صدر سے مذاکرات کے لئے علامہ سید صفدر حسین نجفی' علامہ سید گلاب علی شاہ صاحب اور کرنل فدا حسین پر مشتمل

ایک وفد علامہ مفتی جعفر حسین کی زیرِ قیادت "پریذیڈنٹ ہاؤس" گیا جہاں مذاکرات کے بعد صدر ضیاء الحق کی جانب سے کسی قوم کے ساتھ یہ پہلا تحریری معاہدہ تھا جو "معاہدہ اسلام آباد" کے نام سے معروف ہوا۔

معاہدہ کے بعد اس اعلیٰ وفد نے اپنی قوم کو مبارکباد دی اور علامہ مفتی جعفر حسین نے مختصر خطاب میں قوم کے حوصلوں اور اعتماد کو سراہا اور انہیں مذاکرات کی صورتحال سے آگاہ فرمایا۔ اسی کے ساتھ ہی پر امن طور پر منتشر ہونے کا حکم بھی دیا۔ جس کے بعد لاکھوں افراد "شہید فقہ جعفریہ خون تیرا رنگ لایا ہے" کا نعرہ لگاتے ہوئے سیکرٹریٹ سے واپس چل پڑے۔

❁

اس حقیقت کا اظہار اور اعتراف لازم ہے کہ اس عظیم الشان قومی کنونشن کے دوران امامیہ اسٹوڈنٹس آرگنائزیشن پاکستان کے اراکین کی کارکردگی پوری ملت کے لئے باعث افتخار تھی۔ انہوں نے جس لگن اور متانت سے ساتھ کنونشن کے انتظامات، علماء کا تحفظ اور قائد سے وابستگی کے فرائض کو ادا کیا وہ ملت جعفریہ کی تاریخ کا ایک روشن باب ہے۔

یہ وہ لمحات تھے جب مردم شناس علامہ سید عارف حسین الحسینی کے دل میں آئی۔ ایس۔ او کی محبت نے جنم لیا اور کنونشن کے بعد انہوں نے آئی۔ ایس۔ او کے نوجوانوں کو گلے لگا کر پیار کیا اور دعائیں دیتے ہوئے فرمایا "آپ لوگ پاراچنار کا دورہ کریں اور ہمیں شرف میزبانی بخشیں۔ آپ نوجوانوں کی خدمات اور مجاہدانہ انداز نے مجھے اس قدر متاثر کیا ہے کہ آپ لوگوں کی خدمت اور مہمان نوازی میرے لئے باعث افتخار ہو گی"۔

وقت کے تقاضوں کو مدنظر رکھتے ہوئے علامہ سید عارف حسین الحسینی نے اپنے آپ کو تحریک نفاذ فقہ جعفریہ سے مربوط کر لیا اور سپریم کونسل کے رکن نامزد کئے گئے۔ آپ نے علامہ مفتی جعفر حسین مرحوم کا کرم ایجنسی میں فقید المثال استقبال کروایا، جو کرم ایجنسی کی تاریخ کا بہت بڑا استقبال تھا۔ آپ نے علامہ مفتی جعفر حسین

کا استقبال کر کے کرم ایجنسی میں تحریک کو مزید مضبوط کر لیا اور تحریک کے امور میں خصوصی دلچسپی لینا شروع کر دی۔ آپ تحریک کے ہر اجلاس میں باقاعدگی سے شریک ہوئے اور ہر موقع پر اپنی رائے کا بے باک اظہار فرمایا۔ آپ نے علامہ مفتی جعفر حسین کے ساتھ ملک کے مختلف مقامات کے دورہ جات کئے۔ آپ ان دورہ جات میں مقامی احباب سے وہاں کی ملت اسلامیہ کی مقامی' سیاسی اور مذہبی صورتحال کے علاوہ وہاں کے دینی مدارس' مساجد' عوامی رجحان' سیاسی شخصیات اور تمام مکاتب فکر کے علماء کے رویہ کے متعلق استفسار کرتے تھے۔ اس کے ساتھ ساتھ آپ وہاں کے غریب اور درماندہ عوام کی آبادی اور ان کے حالات کے بارے میں بھی تفصیلات ضرور حاصل کرتے۔ آپ کی یہ جستجو آپ کی سیاسی بصیرت اور مذہبی احساس کا منہ بولتا ثبوت تھی۔ یہی وجہ تھی کہ قیادت سے قبل ہی آپ کی ان تحقیقات اور معلومات کی بناء پر آپ کو ملک کے تمام اہم شہروں اور آبادیوں کے بارے میں مکمل صورتحال کا اندازہ تھا۔

آپ علامہ مفتی جعفر حسین مرحوم سے دوران سفر ضیاء کے عزائم اور علماء کے کردار کے بارے میں تبادلہ خیال کرتے رہتے تھے۔ آپ کی جستجو کو دیکھ کر ایک عالم دین نے مزاحاً" کہا "عارف حسین آپ ملک بھر کے چپے چپے کی معلومات حاصل کر رہے ہیں یہ آپ کے کس کام آئیں گی؟"؟ جواباً" سید عارف حسین الحسینی نے فرمایا "مولانا صاحب کیا آپ پاراچنار کو اپنے آپ سے دور سمجھتے ہیں؟ ہم کرم ایجنسی والے تو آپ کو بہت قریب سمجھتے ہیں۔ آپ فکر نہ کریں عارف کی زندگی رہی تو وہ اپنے قائد کے ساتھ قریہ قریہ جا کر مظلوم عوام کی خدمت کرے گا"۔ ان دورہ جات کی افادیت کے پیش نظر آپ اپنے قریبی رفقاء سے فرماتے "ہمارے قائد مفتی جعفر حسین ضعیف ہیں لہٰذا ہم نوجوان علماء کو ملک کے کونے کونے میں جا کر تحریک کا پیغام پہنچانا چاہیے"۔

RAWALPINDI, JULY 6: AT THE INVITATION OF THE PRESIDENT, GENERAL MOHAMMAD ZIA-UL-HAQ, A DELEGATION OF SHIA LEADERS HEADED BY MUFTI JAFFER HUSSAIN MET HIM AT CMLA'S SECRETARIAT HERE TODAY.

THE OTHER MEMBERS OF THE DELEGATION WERE MAULANA SYED GHULAB SHAH, MAULANA SYED SAFDAR HUSSAIN NAJAFI, LT COL (RETD) SYED FIDA HUSSAIN NAQVI AND SYED SHABBIR HUSSAIN, ADVOCATE.

AFTER HEARING THE POINT OF VIEW OF THE SHIA DELEGATION, THE PRESIDENT REITERATED HIS EARLIER ASSURANCE THAT RELIGIOUS FAITH OF EVERY CITIZEN OF PAKISTAN WILL BE FULLY RESPECTED AND FIQAH OF ONE SECT WILL NOT BE IMPOSED ON ANOTHER. ALLAYING THE APPREHENSIONS OF SHIA LEADERS, THE PRESIDENT SAID THAT HE STOOD BY HIS EARLIER COMMITMENT TO THE SHIA COMMUNITY AND WOULD TAKE NECESSARY STEPS TO HONOUR IT IN LETTER AND SPIRIT.

معاہدہ اسلام آباد

THE PRESIDENT ADDED THAT IF ANY LAW, ORDINANCE OR ACT REPUGNANT TO THE SPIRIT OF HIS ASSURANCE HAD BEEN ENFORCED NECESSARY AMENDMENTS WOULD BE MADE TO BRING IT IN LINE WITH THE POINT OF VIEW OF FIQAH JAFARIA FOR SHIAS. HE ALSO ASSURED THAT WHILE FRAMING LAWS IN FUTURE DUE REGARD WILL BE GIVEN FOR FIQAH JAFARIA FOR THE SHIAS. NECESSARY LEGISLATION TO THIS EFFECT WILL BE MADE BY 15 SEPTEMBER 1980.

MUFTI JAFFAR HUSSAIN THANKED THE PRESIDENT FOR REITERATING HIS POSITION AND PROMISED TO ADVISE SHIAS GATHERED AT ISLAMABAD TO RETURN TO THEIR RESPECTIVE HOMES.

Mr Mahmud A Haroon,
Minister for Religious Affairs

Mufti Jafar Hussain

علامہ مفتی جعفر حسین کی وفات اور مسئلہ قیادت

علامہ مفتی جعفر حسین اعلیٰ اللہ مقامہ نے اپنی ضعیفی کے باوجود ملک بھر کے نہ صرف دورہ جات کئے بلکہ تحریک کی ترقی' اس کے اداروں کے استحکام اور ملت کے مستقبل کے لئے اس تندہی سے کام کیا کہ آپ کی صحت متاثر ہونے لگی۔ ڈاکٹروں نے آرام کرنے کے سینکڑوں مشورے دیئے مگر آپ نے فرمایا "آرام کا وقت گزر چکا" کیونکہ آپ کی نظر میں اپنی زندگی کی نسبت قوم کو درپیش مسائل سے نجات دلانا زیادہ عزیز تھا' مگر ملت جعفریہ آپ کے ایک ایک سانس کی محتاج تھی اس لئے کہ ان کا قائد کے بغیر رہنا پانی کے بغیر مچھلی کی زندگی کے مترادف تھا۔

یہ کہنا بجا ہو گا کہ پاکستان میں دو قائدین نے اپنی قوم کے لئے دن رات کام کر کے اپنی صحت کو یہاں تک گنوایا کہ موت کی گود میں چلے گئے۔ ایک بانی پاکستان حضرت قائداعظم محمد علی جناح اور دوسرے بانی تحریک نفاذ فقہ جعفریہ پاکستان حضرت علامہ مفتی جعفر حسین۔

آپ کا گوجرانوالہ اور میو ہسپتال لاہور میں ابتدائی علاج کروایا گیا مگر ماہر ڈاکٹروں نے لندن جانے کا مشورہ دیا۔ اسی دوران حکومت پاکستان نے لندن بھیجنے اور تمام تر اخراجات برداشت کرنے کی پیش کش کی جسے آپ نے شکریے کے ساتھ لوٹا دیا۔ لندن میں "ا سلنڈن" اور "کرام ویل" ہسپتال میں آپ کا علاج کرایا گیا مگر کوئی تدبیر راس نہ آئی۔ یہاں پاکستان کے سابق سفیر علی ارشد مفتی صاحب نے آپ کی عیادت کی اور اپنی خدمات پیش کرنے کا اعادہ کیا۔ مگر آپ نے فرمایا "ارشد مفتی صاحب مجھے معلوم ہوا ہے کہ کراچی اور پاراچنار میں اہل تشیع کے ساتھ زیادتی کی گئی ہے لہٰذا آپ اس کا ازالہ کریں"۔

آپ چنداں وجوہات کی بناء پر واپس میو ہسپتال لاہور آئے تو ۸ اگست ۱۹۸۳ء کو قائم مقام گورنر پنجاب ایف۔ ایس۔ یو لودھی کے کہنے پر سیکرٹری صحت پنجاب بریگیڈیئر منظور ملک عیادت کے لئے آئے اور گورنر کی طرف سے پھولوں کا گلدستہ

پیش کیا تو مفتی صاحب نے فرمایا "گورنر صاحب کے ذریعہ سے میرا یہ پیغام صدر مملکت تک پہنچادیں کہ وہ کراچی اور پاراچنار کے حالات کو درست کریں اور ہمارے ساتھ جو معاہدہ کیا ہے اس پر عمل پیرا ہوں"۔

قومی درد بڑھنے لگا تو مرض کی شدت میں بھی اضافہ ہوا۔ شمع حیات کی لو تھرتھرانے لگی اور قوم کی تدبیریں' تقدیر کے آگے سرنگوں ہونے لگیں۔ قوم کی دعائیں مستجاب نہ ہوئیں تو چار سو اندھیرا محسوس ہونے لگا اور ایسے میں ۲۹ اگست ۱۹۸۳ء کو ساڑھے پانچ بجے شام قائد ملت جعفریہ پاکستان انتقال فرما گئے۔

"انا للہ وانا الیہ راجعون"

قائد کی جدائی کی خبر چشم زدن میں جنگل کی آگ کی طرح ملک بھر میں پھیل گئی اور انہیں ہزاروں سوگواران کی موجودگی آہوں اور سسکیوں کے روح فرسا مناظر میں کربلا گامے شاہ لاہور میں دفن کر دیا گیا۔

اس قومی سانحہ میں جلدی سے سنبھل جانا آسان نہ تھا اور نہ جلد بازی کا کوئی فیصلہ قوم کے لئے سودمند ہو سکتا تھا۔ نزاکتوں کا احترام کرتے کرتے اکابرین ملت کو کافی دن لگ گئے چنانچہ اسی وقفہ ماتم میں دشمنوں کو اپنی دیرینہ سازشوں کی تکمیل کا موقع مل گیا۔

مفتی صاحب کی وفات کے بعد مسئلہ اصولی قیادت اور ان کے دستوری جانشین کا تھا۔ قوم کے اذہان سے قائد کے وجود سے محرومی کا احساس زائل کرنے اور دستوری ذمہ داریاں نبھانے کے لئے سید وزارت حسین نقوی ایڈووکیٹ بھکر نے تحریک نفاذ فقہ جعفریہ کی سپریم کونسل اور مجلس عاملہ کے اراکین کو تعزیتی اور دعوت فکر دینے والا خط لکھا جس میں تحریر تھا "اس پر آشوب دور میں آپ اراکین کی ذمہ داری ہے کہ آپ اپنی اولین فرصت میں مفتی صاحب کے حقیقی جانشین کا انتخاب کر کے قوم کی موجودہ بے چینی اور مایوسی کو دور کریں تاکہ مفتی صاحب کا مشن جاری اور ملت جعفریہ کے حقوق کا تحفظ قائم رہے"۔

اس سلسلہ میں ۱۸ اکتوبر ۱۹۸۳ء کو سرگودھا میں مجلس عاملہ کا اجلاس ہوا جس میں

واضح کیا گیا کہ ابھی تک مرکزی کونسل کا قیام تشنہ تکمیل ہے۔ چنانچہ تحریک کے دستور کی شق ۱۹ اور ۳۹ کے مطابق مرکزی کونسل کے قیام کے بغیر دستوری قائد کا انتخاب ناممکن تھا۔ اس تشنگی کو دور کرنے کے لئے پانچ اراکین مجلس عاملہ علامہ حسین بخش جاڑا مرحوم' علامہ محمد حسین ڈھکو' علامہ حافظ سید ریاض حسین نجفی' سید وزارت حسین نقوی اور سید امداد حسین شاہ ہمدانی ایڈووکیٹ پر مشتمل ایک سربراہی کمیٹی تشکیل دی گئی کہ وہ ملک بھر کے دورہ جات کر کے دستور کے مطابق مرکزی کونسل کا قیام عمل میں لائیں تاکہ مفتی صاحب کے حقیقی جانشین کا انتخاب ہو سکے۔

آغاز ہی میں دو معزز اراکین علامہ حسین بخش جاڑا اور سید امداد حسین شاہ ایڈووکیٹ نے دورہ جات سے معذوری ظاہر کر دی جبکہ علامہ محمد حسین ڈھکو' علامہ حافظ سید ریاض حسین نجفی اور سید وزارت حسین نقوی نے صوبہ بلوچستان اور سندھ کا دورہ کر کے مرکزی کونسل کے اراکین کا انتخاب کیا۔

صوبہ سرحد اور صوبہ پنجاب کے دورہ جات میں علامہ حافظ سید ریاض حسین نجفی نے چند مصروفیات کی بناء پر معذوری کا اظہار فرمایا اس لئے علامہ محمد حسین ڈھکو اور سید وزارت حسین نقوی کو مذکورہ صوبوں میں اپنی ذمہ داریاں ادا کرنا پڑیں۔

۳۰ دسمبر ۱۹۸۳ء کے روز جب علامہ محمد حسین ڈھکو و سید وزارت حسین نقوی مرکزی کونسل کے ارکین کے انتخاب کے لئے پشاور سے پاراچنار جا رہے تھے تو انہوں نے کوہاٹ اور ٹل کے درمیان' دوران سفر اخبار دیکھا تو یہ پڑھ کر ان کی حیرت کی انتہاء نہ رہی کہ سید حامد علی شاہ موسوی راولپنڈی کو تحریک نفاذ فقہ جعفریہ پاکستان کا قائد منتخب کر لیا گیا ہے۔ ان کے ذہنوں میں مختلف سوالات کروٹیں بدلنے اور وسوسے جنم لینے لگے کہ سازش کیا ہو سکتی ہے؟ ابھی مرکزی کونسل کے اراکین کا انتخاب مکمل نہیں ہوا' دستوری تقاضے ابھی تک تشنہ ہیں؟

اس اضطرابی کیفیت کے ساتھ یہ اکابرین قوم پاراچنار پہنچ گئے جہاں ان کی ملاقات وہاں کے علماء کرام اور زعماء ملت سے ہوئی۔ ان حضرات سے علامہ سید عارف حسین الحسینی نے ملک اور قوم کی نازک صورتحال پر سیر حاصل بحث کی اور مولانا حامد

علی شاہ موسوی کی قیادت کے پس پردہ عناصر کا واضح عندیہ دیا آپ نے علامہ ڈھکو صاحب اور سید وزارت نقوی صاحب کی کوششوں کو سراہنے کے ساتھ ساتھ ان سے مرکزی کونسل کے اراکین کے انتخاب میں تیزی کی درخواست بھی کی۔

وقت اور حالات کے پیش نظر اراکین مرکزی کونسل کے انتخاب کی ضرورت کو شدت کے ساتھ محسوس کیا گیا۔ دستور کے تمام تقاضے پورے کرنے کے لئے ان دو اکابرین نے آزاد کشمیر، گلگت اور بلتستان کا دورہ انتہائی جانفشانی کے ساتھ مکمل کیا اور ایک ماہ کے قلیل عرصہ میں مرکزی کونسل کا انتخاب عمل میں لے آئے۔

تحریک کے دستور جس کا احترام کرتے ہوئے مرکزی کونسل کے ارکان منتخب کئے جا رہے تھے اس کے باب چہارم کے الفاظ من و عن کچھ یوں ہیں۔

(ا) مجلس عاملہ پچاس ارکان پر مشتمل ہو گی جن کی نامزدگی کا اختیار صرف صدر محترم کو ہو گا۔

(۲) مرکزی کونسل ایک سو پچیس (۱۲۵) ارکان پر مشتمل ہو گی اور تفصیل ذیل کے مطابق ترتیب دی جائے گی۔

(i) صوبہ پنجاب = 40 ارکان (ii) صوبہ سرحد = 12 (iii) صوبہ سندھ = 20 (iv) صوبہ بلوچستان = 10 (v) علاقہ بلتستان = 5 (vi) علاقہ گلگت = 3 (vii) علاقہ کرم اورکزئی ایجنسی 3 (viii) علاقہ آزاد کشمیر = 2

مذکورہ بالا منتخب شدہ اراکین کے علاوہ بقایا ۳۰ اراکین کو صدر محترم نامزد کریں گے اور یہ نامزدگی علماء، ذاکرین، قانون دان، صحافی، طلباء اور دانشوروں کے طبقہ سے کی جائے گی۔

شق نمبر ۹ میں یوں درج ہے۔

(۹) مجلس عاملہ اور مرکزی کونسل اپنے قیام کے ایک ماہ کے اندر اپنے مشترکہ اجلاس میں صدر کا انتخاب کرے گی۔ صدر کے لئے ضروری ہے کہ وہ ایک جید، متقی اور فقیہ عالم دین ہو۔

دستور العمل کی شق ۳۸ میں درج ہے۔

(۳۸) مرکزی کونسل دستور کے مطابق ایک ماہ کے اندر قائد کا انتخاب کثرت رائے سے عمل میں لائے گی اور اسی عرصہ میں صدر مرکزی کونسل ان کے فرائض سرانجام دیں گے۔

مرکزی کونسل جسے قائد کے انتخاب میں ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت تھی' کے اراکین کا انتخاب جب تمام صوبوں بشمول کشمیر و شمالی علاقہ جات میں مکمل ہو چکا تو سید وزارت حسین نقوی نے اکابرین قوم و علماء کو رپورٹ پیش کی اور مسئلہ قیادت کو زیر بحث لائے۔ اس ضمن میں ۱۹ جنوری ۱۹۸۴ء کو جامعۃ المنتظر لاہور میں اجلاس ہوا جس میں مرکزی کونسل کے قیام کی رپورٹ پیش کی گئی اور مزید لائحہ عمل پر غور کیا گیا۔ اس سلسلہ میں چند اہم فیصلہ جات بھی ہوئے جس میں پریس کانفرنس کے ذریعے مرکزی کونسل کے اجلاس کا فیصلہ انتہائی اہم تھا۔

۱۹ جنوری ۱۹۸۴ء کو لاہور کے مقامی ہوٹل "لارڈ" میں سید وزارت حسین نقوی نے پریس کانفرنس کی۔ انہوں نے بتلایا کہ تحریک کی مرکزی کونسل کا قیام عمل میں آ چکا ہے جس کا ۱۰ فروری ۱۹۸۴ء کو بھکر میں اہم اجلاس ہو گا اور یہاں تحریک نفاذ فقہ جعفریہ پاکستان کی آئندہ قیادت کا آئین کے تحت انتخاب کیا جائے گا۔

۹ فروری ۱۹۸۴ء کی شام تحریک نفاذ فقہ جعفریہ پاکستان کی سپریم کونسل کا باقاعدہ اجلاس مدرسہ باقرالعلوم کوٹلہ جام ضلع بھکر میں منعقد ہوا۔ اسی اجلاس میں بحث و تمحیص کے بعد رائے قائم کی گئی کہ اگلے روز مرکزی کونسل کے اجلاس میں قیادت کے لئے مفتی سید عنایت علی شاہ صاحب ملتان کا نام تجویز کیا جائے گا جسے حجت الاسلام مولانا یعقوب علی توسلی کوئٹہ پیش کریں گے۔

۱۰ فروری کی صبح قصر زینب بھکر میں تحریک کی سپریم کونسل کے ۴۰ ارکان میں سے ۳۶ اور مرکزی کونسل کے ۱۲۵ میں سے ۱۱۵ ارکان اجلاس میں شرکت کے لئے پہنچ چکے تھے یوں سپریم کونسل اور مرکزی کونسل کا یہ اہم ترین اجلاس باقاعدہ دستور کے

تحت منعقد ہوا۔

سپریم کونسل کے اجلاس کے فیصلہ کے مطابق آقای یعقوب علی توسلی کوئٹہ نے مفتی عنایت علی شاہ صاحب کا نام قیادت کے لئے پیش کیا۔ تحریک کے اس وقت کے جنرل سیکرٹری شائق انبالوی مرحوم نے مفتی عنایت علی شاہ صاحب پر کچھ اعتراضات کئے تو خلیفہ نذیر حسین لاہور نے قیادت کے لئے علامہ سید صفدر حسین نجفی کا نام پیش کیا۔ اس وقت کے حالات میں علامہ سید صفدر حسین نجفی کا اسم گرامی نہایت ہی موزوں تھا کیونکہ ان کی قومی خدمات ملت جعفریہ کے لئے ایک درخشاں باب تھیں مگر آپ اپنی تدریسی اور علمی مصروفیات کی بناء پر اس اہم منصب کو قبول کرنے سے گریزاں تھے۔ آپ چاہتے تھے کہ پاکستان کے اندر نجف اشرف اور قم المقدسہ کی طرز پر ایک حوزہ علمیہ کا قیام وجود میں لایا جائے اور اس کی بنیادیں فراہم کرنے کے لئے پورے ملک میں ملت تشیع کے دینی مدارس کا ایک منظم سلسلہ قائم کیا جائے اور اسی کے لئے آپ اپنے شب و روز صرف کر رہے تھے لہٰذا آپ نے قومی قیادت کو سنبھالنے سے بلاتامل معذرت کی۔

بھکر میں انتخاب عارف کا مرحلہ

علامہ سید صفدر حسین نجفی کے اظہار معذوری پر اجلاس میں خاموشی چھا گئی اور شرکاء اجلاس متفکر ہوئے تو اس سکوت کو توڑتے ہوئے سید وزارت حسین نقوی اٹھے اور مخاطب ہوئے "میری نظر میں علامہ سید صفدر حسین نجفی کے انکار کے بعد موزوں ترین شخصیت پاراچنار کے مجاہد عالم دین علامہ سید عارف حسین الحسینی ہیں۔ آپ کا کردار، آپ کی سیاسی بصیرت، جرات اور علمی حیثیت اس بات کی متقاضی ہے کہ آپ کو قوم کی قیادت سونپی جائے"۔

سید وزارت حسین نقوی کی اس تجویز پر پورے اجلاس پر ایک سناٹا چھا گیا اور سرگوشیاں ہونے لگیں۔ تھوڑی سی بحث کے بعد باہمی صلاح مشورہ کے لئے اجلاس ایک گھنٹہ کے لئے ملتوی کر دیا گیا۔ بات قصر زینب کی چاردیواری سے باہر جا پہنچی۔ ایک عجیب سے کیفیت تھی کہ سید عارف حسین کو نہ جاننے کے باوجود بھی ہر شخص خوش و خرم لگ رہا تھا نوجوان خوشی اور جذبات سے ملے جلے احساسات کے ساتھ متحرک تھے، لوگ اس شخصیت کی زیارت کے لئے بار بار اندر آ رہے تھے۔ جس جس نے بھی کشادہ پیشانی اور نورانی چہرہ کی زیارت کی بے اختیار کہنے لگا اس سے بہتر قائد قوم کو کبھی نہیں مل سکتا۔

آخر ایک ڈیڑھ گھنٹہ بعد اجلاس پھر شروع ہوا۔ علامہ سید عارف حسین الحسینی نے معذرت کی کہ وہ جس علاقے سے تعلق رکھتے ہیں وہاں کے مسائل اسقدر سنگین ہیں کہ سنبھالے نہیں جاتے وہ پاکستان کی قیادت کیسے سنبھالیں گے؟ آپ نے وضاحت کرتے ہوئے فرمایا کہ ہمارے پاراچنار کے حالات انتہائی خراب ہیں۔ ہمیں اپنے ان حالات سے نبرد آزما ہونے کے لئے خاصا وقت درکار ہے اور اس وقت افغانستان کی جنگ بھی ہمارے سروں پر ایک بہت بڑا خطرہ ہے لہٰذا ایسے حالات میں میرے لئے قیادت قبول کرنا بے حد دشوار ہے"۔ آپ نے مولانا بشیر حسین پاراچنار اور مولانا شیخ علی مدد خطیب پاراچنار کا حوالہ دیتے ہوئے فرمایا کہ یہ حضرات آپ کو بہتر انداز میں

پاراچنار کے حالات سے آگاہ فرما سکتے ہیں۔ مولانا شیخ علی مدد اور مولانا بشیر حسین نے بھی بزرگ علماء کے اصرار کا احترام کرتے ہوئے اپنی رائے کا یوں اظہار فرمایا کہ "پاراچنار اور اس کی سرحدوں کے حالات یقیناً خطرات سے پر ہیں اور وہاں علامہ عارف حسین الحسینی جیسے نوجوان عالم دین کی سخت ضرورت ہے لیکن یہاں محسوس ہوتا ہے کہ ملک اور قوم کو بھی علامہ سید عارف حسین الحسینی جیسے قائد کی ضرورت ہے"۔

اس پر علامہ سید عارف حسین الحسینی نے دلائل دیتے ہوئے فرمایا "کہ بزرگ اور جید علماء کی موجودگی میں ایسے اہم قومی منصب کو میرے لئے قبول کرنا ہرگز مناسب نہیں ہے۔ میری نظر میں علامہ سید صفدر حسین نجفی ہی قیادت کے لئے موزوں ترین شخصیت ہیں"۔ مگر آپ کی اس دلیل کو بھی شرکاء اجلاس نے قبول نہ کیا اور اراکین مشترکہ طور پر اس پر مصر رہے کہ موجودہ دور میں قوم کو سید عارف حسین الحسینی سے بہتر کوئی شخصیت میسر نہیں ہے۔

آپ کے مزید تامل کرنے پر علامہ سید صفدر حسین نجفی اور کچھ دیگر بزرگ علماء آپ کو وہیں پر موجود حضرت زینب سلام اللہ علیہا کی ضریح پر لے گئے اور آپ سے مطالبہ کیا کہ اس نازک موقع پر قوم کی قیادت کی ذمہ داری قبول فرمائیں۔ آپ کو یقین دلایا گیا کہ آپ علم جہاد بلند کریں گے تو تمام علماء آپ کا بھرپور ساتھ دیں گے۔

علماء سے تعاون کا وعدہ لے کر آپ قیادت قبول کرنے پر رضامند ہو گئے اور یوں سپریم کونسل اور مرکزی کونسل کی مکمل حمایت اور اعتماد کے بعد آپ تحریک کے دستورالعمل کے تحت کثرت رائے سے مفتی صاحب کے جانشین منتخب ہوئے۔

آپ کی قیادت کا اعلان ہوا تو نوجوان خوشی سے پھولے نہیں سما رہے تھے جیسے ان کی قدیم حسرتوں کی تکمیل ہو چکی ہو۔ فضا کی رگ رگ سے نعروں کی صدائیں پھوٹ رہی تھیں۔ آئی۔ ایس۔ او پاکستان کے نوجوان گلے مل کر قوم کے ہر فرد کو قائد کا تعارف یوں کرا رہے تھے۔

ملت کی قیادت کا علم جس نے سنبھالا ہے   غازی ہے' مجاہد ہے وہ عالم ہے جیالا ہے۔

علامہ سید عارف حسین الحسینی کے انتخاب اور اعلان کے بعد امامیہ اسٹوڈنٹس

آرگنائزیشن پاکستان کے نمائندہ مرکزی نائب صدر سید ظفریاب حیدر نقوی نے آپ کے پہلو میں کھڑے ہو کر حمایت کا اعلان یوں کیا کہ "اے میرے عظیم قائد آئی۔ ایس۔ او پاکستان آج قصر زینب میں یہ عہد کرتی ہے کہ ہر مشکل وقت اور ہر پر خطر راہ میں آپ کا ساتھ دے گی۔ ہماری صلاحتیں' ہماری توانائیاں اور ہماری جوانیاں آپ کے اشارے کی منتظر رہیں گی"۔ پھر زمانے والوں نے دیکھا کہ حکمرانوں کی نیندیں حرام ہوئیں اور سازشی مخالفین کے اکثر عزائم انہی نوجوانوں کے شب و روز کی محنت سے دھرے کے دھرے رہ گئے۔ یہی وجہ تھی کہ خود علامہ سید عارف حسین الحسینی اکثر فرمایا کرتے تھے "آئی۔ ایس۔ او میرے پروبال ہیں جن کے سہارے میں پرواز کرتا ہوں"۔

آپ نے منتخب ہونے کے فوراً بعد بھکر میں پریس کانفرنس سے مختصر خطاب فرمایا کہ "میرے کمزور کندھوں پر اتنا بڑا بوجھ رکھ دیا گیا ہے میں اس کے قابل نہیں تھا مگر اب ہر ممکن کوشش کروں گا کہ قوم کے جذبات اور توقعات پر پورا اتروں اور اپنے مرحوم قائد حضرت علامہ مفتی جعفر حسین کے سلسلہ کو جاری رکھوں"۔ آپ کی اس پریس کانفرنس میں آپ کے ساتھ علامہ محمد حسین ڈھکو بیٹھے تھے جب اخبارات کو پریس کانفرنس کی تصویر دی جانے لگی تو بعض احباب نے آپ سے عرض کی "آقا صاحب ڈھکو صاحب کی تصویر فوٹو سے کاٹ دیں کیونکہ انہی کے نام سے اختلاف کو ہوا دی گئی ہے اور مخالفین کی وجہ تنقید بھی ڈھکو صاحب ہی ہیں۔ لہٰذا آپ پر بھی ڈھکو گروپ کا الزام لگ جائے گا جو اس وقت جذباتی شیعوں میں انتہائی نازک معاملہ بنا ہوا ہے"۔ آپ نے سختی سے تردید کرتے ہوئے فرمایا "تم کیا چاہتے ہو کہ میرا پہلا فعل ایک عالم دین کی توہین ہو" میں جوڑنے کے لئے آیا ہوں توڑنے کے لئے نہیں... مجھے ڈھکو صاحب اور دیگر بزرگ علماء کی دینی اور قومی خدمات کا اعتراف ہے"۔

پریس کانفرنس کے اختتام پر آپ سید وزارت حسین نقوی کی رہائش گاہ پر تشریف لے گئے جہاں آپ سے ملنے والوں کا تانتا بندھا رہا۔ آپ قوم کے ہر فرد کو اٹھ کر ملتے رہے' پر مسرت ہجوم کا یہ عالم تھا کہ لوگ دیوانہ وار آپ سے مل رہے تھے اور

آپ کو بیٹھنے کا موقع نہیں مل رہا تھا آخر کسی نے ہجوم سے آ کر درخواست کی کہ قائد سے مصافحہ کا سلسلہ روک دیں کیونکہ آپ کو کئی گھنٹوں سے بیٹھنے کا موقع ہی نہیں مل رہا۔

پھر آپ کی علماء' زعما قوم' آئی۔ ایس۔ او پاکستان اور قوم کے دیگر نوجوانوں کے ساتھ علیحدہ علیحدہ نشستیں ہوئیں۔ آپ بار بار صرف یہی اظہار فرماتے رہے کہ "آپ نے ایک بہت بڑی ذمہ داری میرے سپرد کر دی ہے جسے انجام دینے میں اپنی صلاحیتیں بالکل ماند نظر آتی ہیں۔ للذا گزارش کرتا ہوں کہ میرا ساتھ دینا' میری حوصلہ افزائی اور رہنمائی فرمانا تاکہ کہیں میری کوتاہیاں میرے راستے میں حائل نہ ہو جائیں"۔

آپ کی انکساری اور یہ جملے دلوں میں پیوست ہو رہے تھے۔ ہر شخص رخصت ہونے سے پہلے تعاون کا یقین دلا کر اٹھتا رہا۔ آپ نے آئی۔ ایس۔ او کے ساتھ میٹنگ میں ایک جملہ فرمایا "آپ میرے بھائی ہیں آپ سے خصوصی گزارش کروں گا کہ مجھے دشمنوں اور مشکلات کے گھیرے میں تنہا نہ چھوڑ دینا"۔

سید عارف حسین الحسینی کی زبان سے شیریں اور درد بھرے جملے آئی۔ ایس۔ او کے عشق اور عقیدت کو تقویت بخش گئے۔ جواباً" نوجوانوں نے بے اختیار کہا "اے فرزند زہرا"! ہماری جوانیاں آپ کا صدقہ ہیں۔ انشاء اللہ ہم مشکل سے مشکل وقت اور کڑے سے کڑے امتحان میں بھی آپ کے ہمسفر رہیں گے"۔

شام ڈھل گئی اور ۱۰ فروری ۱۹۸۴ء کا سورج ایک بہت بڑا منظر دیکھنے کے بعد رات کی چادر اوڑھ کر سو گیا۔ تاریخ نے اپنے دامن میں بہت سے حقائق اور مناظر سمیٹ لئے۔ لوگ تھکاوٹ سے چور چور بدن کے ساتھ سو گئے۔ علامہ سید عارف حسین الحسینی بھی قوم کی قیادت کی ذمہ داری سنبھالنے کے بعد مضطرب سوچوں میں گم مگر بظاہر پرسکون استراحت کرنے لگے۔ اسی کمرہ میں آپ کے قریبی رفیق حاجی کمال حسین آف پاراچنار بھی سوئے ہوئے تھے۔ رات ڈھل گئی تو سید عارف حسین الحسینی اپنے معمول کے مطابق اپنے بستر سے اٹھے اور نماز شب میں مصروف ہو گئے۔ نہ جانے کتنی بار سجدہ ریز ہوئے اور کتنی بار روئے؟ مگر ایک لمحہ ایسا آیا کہ آپ کا ضبط ٹوٹ گیا'

لبوں کی گرفت ختم ہوئی تو سسکیاں بے ربط ہونے لگیں۔ ایسے میں حاجی کمال حسین گریہ کی صدائیں سن کر بیدار ہوئے..... دیکھا کہ پوری قوم کا قائد سجدہ میں بے ربط آواز اور گلوگیر لہجے میں یوں مناجات کر رہا ہے "اے خدا! تیرے اس عبد ذلیل و حقیر پر اتنی بڑی ذمہ داری عائد کر دی گئی ہے۔ اے میرے رب میری مدد فرما' مجھے ہمت عطا فرما کہ تیرے دین کی خدمت کی ذمہ داری نبھا سکوں' اے امام زمانہ! اس مشن کی تکمیل اور ترویج میں میری نصرت فرمایئے"۔

حاجی کمال حسین گریہ کا یہ عالم دیکھ کر اٹھے' آپ کو بازو سے پکڑ کر کہنے لگے "سید عارف حسین آپ کو کیا ہو گیا ہے آپ کو تو خوش ہونا چاہئے تھا کہ پوری قوم نے آپ پر اعتماد کیا ہے مگر آپ.....؟

آپ سجدہ سے اٹھے اور کہنے لگے "حاجی کمال حسین آپ تو میرے حالات اور مالی حیثیت سے واقف ہیں آپ کو یہ بھی معلوم ہے کہ میں پاراچنار کے مدرسہ سے بطور مدرس ۳۰۰ روپے تنخواہ لیتا ہوں میں نے اپنی اس محدود آمدنی سے آج تک ہفتہ میں دو دفعہ اپنے بچوں کو کبھی گوشت نہیں کھلایا اور انصاف کے تقاضوں سے قاصر رہا۔ جب میں اپنے آپ کو ایک معمولی سے کنبہ کی کفالت کرنے سے بھی قاصر محسوس کرتا ہوں تو میں پوری قوم کی کفالت اور رہنمائی کیسے کروں گا؟ مجھ پر بہت بڑی ذمہ داری ڈال دی گئی ہے۔ اگر میں خدا کے دین' اپنے نبیؐ کی شریعت' اپنے آئمہؑ کے مشن اور اپنی قوم کے تقاضوں پر پورا نہ اترا تو میں دنیا میں قوم اور آخرت میں خدا' رسولؐ اور آئمہ طاہرین علیہم السلام کو کیا منہ دکھاؤں گا"؟

۱۱ فروری کے روز ملک بھر کے اخبارات میں علامہ سید عارف حسین الحسینی کے انتخاب کی خبر شائع ہوئی تو پوری قوم کے اندر ایک تجسس کی کیفیت پیدا ہوئی۔ آپ کی صلاحیتوں اور ماضی کے کردار سے آشنا افراد نے آپ کے انتخاب کو پوری ملت کے لئے ایک نعمت خداوندی سے تعبیر کیا۔ جبکہ گھات میں بیٹھے ہوئے سازشی عناصر نے طے شدہ منصوبے کے تحت آپ پر الزامات کی بوچھاڑ کر دی۔ آپ کا غیر متوقع انتخاب مخالفین کے لئے ایک دھچکا تھا کیونکہ مفتی صاحب کے مخالف کسی فرد کے وہم و گمان

میں بھی نہیں تھا کہ تحریک کے دستوری ادارے کسی نوجوان عالم دین کو ملت جعفریہ پاکستان کا قائد منتخب کر لیں گے۔ انہیں جن بزرگ علماء سے خطرہ تھا وہ انہیں پہلے ہی مختلف حوالوں سے بدنام کر چکے تھے۔

مفتی صاحب کے حقیقی جانشین کے اعلان کے بعد مفتی صاحب اور تحریک کے دستور کے مخالف حضرات نیام سے نکل کر میدان میں آ گئے اور دستوری قائد کو ناکام کرنے کی ٹھان لی۔ انہوں نے آپ کو مجالس' محافل اور تحریروں میں بدنام کرنا شروع کر دیا۔ اعتراض کیا تھا؟ ڈھکو گروپ نے ایک پٹھان شخص کو قوم کی قیادت سونپ دی گئی ہے۔ جو یا علی مدد اور عزاداری کا منکر جبکہ اس کے برعکس موسوی صاحب ذوالجناح کی باگ پکڑتے ہیں اور ماتمی حلقوں میں ماتم کرتے ہیں۔

یہ عقائد اور ذاتی جھگڑے تو محض ایک بہانہ تھے دراصل موسوی صاحب کی قیادت اسلام آباد کے ایوانوں سے تیار شدہ اور بڑے بڑے فوجی افسران کی محنت کا نتیجہ تھی جو قوم کے روایتی قائدین' اقتدار کے طالب اور حکمرانوں کے حواری افراد کی ذہنی پستی اور فکری زوال کی بدولت پایہ تکمیل تک پہنچی تھی۔

حامد موسوی کی قیادت کا پس منظر

یہاں اگر چند جملوں میں مولانا سید حامد علی موسوی کی قیادت کا پس منظر واضح نہ کیا جائے تو یقیناً یہ قوم اور تاریخ کے ساتھ غداری ہو گی۔

سید حامد علی شاہ موسوی شروع سے ہی علامہ مفتی جعفر حسین کی مجلس عاملہ کے رکن تھے مگر ان کا تحریک اور مفتی صاحب کے ساتھ کوئی واضح کردار نہیں تھا اور نہ ہی قومیات میں ان کی نمایاں خدمات کا کوئی تذکرہ موجود تھا۔ موسوی صاحب ذاتی طور پر باکردار انسان ہونے کے ناطے تاحال علی مسجد راولپنڈی کے خطیب ہیں جن کا تعلق زیادہ سے زیادہ مقامی سطح کے مسائل تک محدود رہتا ہے۔ نماز اور نکاح و جنازہ تک اپنی ذمہ داریاں بااحسن ادا کرتے رہتے ہیں۔

علامہ مفتی جعفر حسین کی وفات کے بعد جب مفتی صاحب کے مخالف گروپ نے علیحدہ ہونے کی ٹھانی تو ان کے پاس صاحب کردار افراد کی اتنی کمی تھی کہ آخر انہیں ایک گوشہ نشین خطیب شخص کا انتخاب کرنا پڑا۔ انتخاب بھی کچھ ایسے ہوا کہ مفتی صاحب کی رحلت کے بعد نئی قیادت کے انتخاب کے تذکرے پورے ملک میں ہونے لگے تو ہر علاقہ نے فیصلہ کیا کہ ان کے علاقہ یا صوبہ سے ان کی پسندیدہ شخصیت کا نام بطور قائد پیش کیا جائے گا لہٰذا دستور العمل کے مطابق سپریم کونسل اور مرکزی کونسل جس کا انتخاب کریں گی وہی ملت جعفریہ پاکستان کا قائد متصور ہو گا۔ اس حساس مسئلہ کے موزوں حل کے لئے راولپنڈی شہر کے اکابرین قوم، خطباء مساجد اور مسئولین مدارس کا ایک اجتماع "علی مسجد" راولپنڈی میں منعقد ہوا جس میں مولانا ساجد علی نقوی بھی موجود تھے۔ اس اجلاس میں طے ہوا کہ اس خطے کے مومنین مولانا سید حامد علی شاہ موسوی کا نام برائے قیادت پیش کریں گے۔

مولانا سید حامد علی شاہ موسوی کی نامزدگی کے بعد چند افراد نے انہیں اسی اجتماع ہی میں قائد ملت جعفریہ کے نام سے پکارنا شروع کر دیا اور کچھ لوگ ان کی دست بوسی کرنے لگے۔ شاید ان لمحات میں موسوی صاحب بھی یہ سمجھ بیٹھے کہ آج ہی سے انہیں

پوری قوم کا قائد منتخب کر لیا گیا ہے اور وہ راولپنڈی کے افراد کی طرف سے نامزد ہونے پر تحریک نفاذ فقہ جعفریہ پاکستان کے قائد بن گئے ہیں۔ حالانکہ تھوڑی سی عقل کا مالک انسان بھی سوچ سکتا ہے کہ جب تحریک کا دستورالعمل موجود ہے' قائد کے انتخاب کا طریقہ واضح ہے جس کے انتخاب کے لئے ملک بھر سے اراکین مجلس عاملہ و اراکین مرکزی کونسل کی کثرت رائے ضروری ہے یہ سب کچھ موجود ہونے کے باوجود کیسے ہو سکتا ہے کہ ملک کے تمام صوبہ جات آزاد کشمیر' شمالی علاقہ جات اور کرم ایجنسی کی ملت جعفریہ کے لئے صرف راولپنڈی کے چند لوگ اکٹھے ہو کر قائد کا انتخاب کر لیں؟

یہ انتخاب واضح طور پر ایک سازش تھی جس کا مقصد ملت جعفریہ کے اتحاد کو پارہ پارہ کرنا تھا۔ لہٰذا دستور کے خلاف قیادت کا یہ انتخاب بھی واضح طور پر جعلی اور طے شدہ تھا کیونکہ پشاور کے ایک قومی اخبار نے اس اجتماع سے قبل ہی اپنی خصوصی اشاعت میں موسوی صاحب کا ایک پیغام "قائد تحریک نفاذ فقہ جعفریہ پاکستان" کے حوالے سے شائع کر دیا تھا۔

اس جعلی قیادت کو متعارف کرنے اور سارا پلان تیار کرنے میں مخصوص اداروں کے افراد اور اعلیٰ فوجی افسران کا گہرا ہاتھ تھا۔ یہی لوگ آغاز میں موسوی صاحب کے ہاتھ چومتے تھے اور موسوی صاحب کی تحریک کے سرکردہ قائدین میں سے تھے البتہ ذاکرین اور دیگر قوم کے افراد جو عقائد اور جذبات کی زد میں بے حس تھے' کی آنکھوں میں دھول جھونکی گئی۔

یہ بات بڑی واضح ہے کہ ملت کے تمام ذاکرین اور زعماء اس سازش میں ملوث نہ تھے مگر مجالس میں جو کچھ انہیں بتایا گیا تھا وہ اس پر کسی حد تک یقین کر بیٹھے تھے۔ ملت کی اکثریت کو دستور کی نزاکتوں اور تقاضوں کا علم تک بھی نہیں تھا۔ لہٰذا جو لوگ موسوی صاحب کے دست راست بنے ہوئے تھا وہ براہ راست سازش میں ملوث تھے۔ اس لئے کہ موسوی صاحب کی قیادت کے ساتھ ایک تو ان کا تشخص قائم تھا دوسرا ملت کی سودابازی اور انتشار میں انہیں بہت بڑے مفادات حاصل تھے جیسا کہ اسی گروپ کے اہم رہنما نصیر اجتہادی کو ضیاء الحق کی مجلس شوریٰ کی رکنیت حاصل ہوئی

تھی۔ آغاز میں عام ذاکرین اور ملت کو حقائق کا علم نہیں تھا لیکن یہ بھانڈا تو اس وقت پھوٹا جب ضیاء الحق اور صدام نے موسوی صاحب کی قیادت کی مبارکباد دی اور ضیاء کے قریبی رفقاء کا موسوی سے سلسلہ ملاقات عروج کو پہنچا۔

پشاور کے ایک انگریزی اخبار "خیبر میل" کے ایڈیٹر ذکاالله نے سید عارف حسین الحسینی کا انٹرویو شائع کیا تو موسوی صاحب کے حامیوں نے اسے مجبور کیا کہ وہ موسوی صاحب کا انٹرویو بھی شائع کرے۔ جب یہ شخص راولپنڈی علی مسجد کے گیٹ پر پہنچا تو اسے کچھ دیر انتظار کرنے کو کہا گیا۔ وہ منتظر ہی تھا کہ تھوڑی دیر بعد موسوی صاحب کے کمرے سے جنرل کے۔ ایم عارف برآمد ہوئے۔ کون نہیں جانتا جنرل کے۔ ایم عارف' ضیاء الحق کی تمام تر پالیسیوں کا محور رہے۔ لہٰذا ذکاالله صاحب جنرل کے۔ ایم عارف کو دیکھ کر واپس آ گئے اور موسوی صاحب کے احباب سے دو ٹوک کہہ دیا۔ آپ کی قیادت فوج کی تخلیق لگتی ہے لہٰذا ایسے شخص سے انٹرویو کرنا وہ اپنے ضمیر کے خلاف سمجھتا ہے۔

سابق ڈپٹی سیکریٹری لیبر کے ایک اہم انکشاف کے مطابق کہ صدر ضیاء الحق نے انتظامیہ کی کسی میٹنگ میں اسی شیعہ قیادت پر بحث کرتے ہوئے برملا کہا تھا "میں نے شیعوں کے غبارے سے ہوا نکال دی ہے"۔

ایک مرتبہ علامہ سید عارف حسین الحسینی کے ایک جلسہ میں کسی نے مولانا ملازم حسین اصغر سرگودھا سے سوال کیا تھا کہ ضیاء الحق اور موسوی صاحب ایک دوسرے کو مبارک باد کیوں دیتے ہیں؟ تو انہوں نے بڑا خوبصورت جواب دیا "چونکہ یہ دونوں غیردستوری قائد ہیں اس لئے ایک دوسرے کو مبارکباد دیتے ہیں"۔

موسوی صاحب کی نامزدگی کے بعد کسی نے انہیں سمجھایا کہ وہ تو دستوری قائد نہیں ہیں اس لئے قوم کے نزدیک ان کی قیادت مشکوک ہے۔ ان کے رفقاء نے دستوری حقیقت کو کافور کرنے کے لئے ۱۰ فروری ۱۹۸۴ء کو "دینہ" میں عوامی کنونشن بلایا۔ جس میں ملک بھر سے لوگوں کو اکٹھا کرنے کی کوشش کی گئی۔ چونکہ اسی روز بھکر میں بھی تحریک کا کنونشن ہو رہا تھا اس لئے دینہ میں یہ تاثر دینے کی کوشش کی گئی کہ

دستور کی کوئی حیثیت نہیں ہوتی۔ اصل طاقت عوام ہیں' لہذا سید حامد علی شاہ صاحب عوامی قائد ہیں۔

اس کنونشن کے تمام اہتمام سرکاری سطح پر کئے گئے جس کا ثبوت دینہ کنونشن کے چیئرمین سید مظفر علی گیلانی کے اس خط سے ملتا ہے جو انہوں نے ۱۲ فروری کو تحریک نفاذ فقہ جعفریہ پاکستان کے لیٹرپیڈ پر کمشنر راولپنڈی کا شکریہ ادا کرتے ہوئے لکھا جس میں درج تھا کہ "ہم حکومت اور راولپنڈی انتظامیہ کے ممنون ہیں جنھوں نے ہمارے کنونشن کو کامیاب بنانے میں ہر ممکن مدد کی۔ اس خط کا حوالہ نمبر ۸۳۔ ٹی۔ ۱۲ تھا جس کی ایک کاپی اسسٹنٹ کمشنر پنڈی گھیپ ضلع اٹک کو بھی ارسال کی گئی۔ یہ خط ۱۹ فروری کو کمشنر کے کلرک نے اپنے دستخط کر کے ڈائری کیا۔ علاوہ ازیں اس کنونشن میں عوام کو لانے کے لئے حکومت کی طرف سے خصوصی ٹرین چلائی گئی اور موسوی صاحب کی قیادت کا ریڈیو اور ٹیلی ویژن پر بھی اعلان کیا گیا۔

جن لوگوں کا اس وقت موسوی صاحب کے ہاں آنا جانا تھا وہ بخوبی جانتے ہیں کہ موسوی صاحب کی ابتدائی مشاورت میں پولیس اور فوج کے سابق افسران شامل تھے جو پروگرام تشکیل دے کر نت نئی سازش تیار کرتے تھے۔ یہی لوگ ہی تھے جو بظاہر علامہ سید عارف حسین الحسینی کے ساتھ اتحاد بین القائدین کی باتیں کرتے اور پس پردہ اختلافات کی جلتی پر تیل کا کام کرتے تھے۔ یہ انہی افراد کی سازشوں کا نتیجہ تھا کہ انہوں نے ملت جعفریہ کی دو قیادتوں کو دریا کے دو کناروں کی طرح برقرار رکھا۔ یہ اور بات کہ علامہ سید عارف حسین الحسینی کی قیادت نے ان کے عزائم خاک میں ملا دیئے اور موسوی صاحب کو صرف علی مسجد تک محدود کر دیا۔ یہ قوم کی خوش بختی ہے کہ موسوی صاحب کے اندر قیادت کے جراثیم موجود نہیں تھے وگرنہ جتنی حمایت اور محنت ایجنسیوں اور غیر ملکی عناصر نے ان کے لئے کی تھی وہ قوم کو تباہی کے دہانے پر لا کھڑا کرتی اور ملت جعفریہ کو ناقابل تلافی نقصان پہنچا جاتے۔

قائد ملت جعفریہ بھکر سے پاراچنار تک

علامہ سید عارف حسین الحسینی قوم کی قیادت کی ذمہ داری قبول کر کے ۱۱ فروری کو اپنے احباب کے ہمراہ بھکر سے سیدھے لاہور تشریف لائے اور آپ نے جامعة المنتظر لاہور میں دو دن قیام کیا۔ پاکستان میں امام خمینی کے خصوصی نمائندہ آیت اللہ حسن طاہری نے آپ کے اعزاز میں پہلا عشائیہ دیا اور انہوں نے آپ کو قیادت کی ذمہ داری سنبھالنے پر مبارکباد دی۔ اسی شب علماء اور دانشور حضرات نے ایک اہم نشست میں مستقبل کا لائحہ عمل طے کیا۔

اگلے روز آپ نے "لارڈز ہوٹل" لاہور میں ایک پرہجوم پریس کانفرنس سے خطاب کیا۔ آپ نے واضح طور پر فرمایا "۱۰ فروری کو بھکر میں تحریک کی مرکزی کونسل کا اجلاس دستور کے عین مطابق تھا۔ جس میں انہیں تحریک کی مسئولیت سونپی گئی ہے۔ ہم تحریک کے پلیٹ فارم پر کوئی نئے مطالبات کا تقاضا نہیں کرتے بلکہ ہماری تحریک کا سفر جہاں ہمارے مرحوم قائد علامہ مفتی جعفر حسین اعلیٰ اللہ مقامہ چھوڑ کر گئے تھے وہیں سے پھر شروع ہو رہا ہے۔ ہم حکومت سے معاہدہ اسلام آباد پر عمل درآمد کرنے کا مطالبہ کرتے ہیں اور شیعان پاکستان کے حقوق کا تحفظ چاہتے ہیں۔ علاوہ ازیں ہم حکومت سے تقاضا کرتے ہیں کہ ملک میں شہری آزادیوں پر پابندی ختم کرے اور ۱۹۷۳ء کا آئین بحال کر کے ملک میں عام انتخابات منعقد کرائے۔

صحافیوں کے سوالات کا جواب دیتے ہوئے واضح کیا کہ "ہم ملک کے تمام شہریوں کے لئے فقہ جعفریہ کا مطالبہ نہیں کرتے بلکہ ہماری حکومت اسلامی نظام کے نام پر جو قوانین نافذ کر رہی ہے اس میں شیعیان پاکستان کے لئے فقہ جعفریہ کا اطلاق چاہتے ہیں۔ نہ ہم اپنے دیگر مسلمان بھائیوں پر اپنی فقہ نافذ کرنے کے خواہاں ہیں اور نہ ہی ہم چاہتے ہیں کہ ہم پر دوسری فقہ مسلط کی جائے"۔

۱۲ فروری ۱۹۸۴ء کی شام سید منیر حسین گیلانی نے آپ کے اعزاز میں دعوت کا اہتمام کیا۔ اگلی صبح آپ لاہور سے آغا صابر علی کے ہمراہ راولپنڈی پہنچے۔ یاد رہے کہ آغا صابر علی راولپنڈی وہ بزرگ شخصیت ہیں جنہوں نے پاک و ہند کے شیعوں کی ہر

تحریک میں ایک موثر کردار ادا کیا۔ ۹ فروری کو بھکر کے اجلاس کے موقع پر آغا صابر علی ہی تھے جو بار بار شرکاء اجلاس کو علامہ سید عارف حسین الحسینی کے انتخاب اور وقت کی نزاکتوں کا احساس دلوا رہے تھے۔

علامہ عارف حسین الحسینی راولپنڈی سے پشاور پہنچے تو ہزاروں افراد نے جی۔ ٹی روڈ پر آپ کا والہانہ استقبال کیا کیونکہ اہل پشاور تو آپ کی عظمتوں کے پہلے ہی مداح تھے۔ آپ سیدھے امام بارگاہ اخوند آباد تشریف لے گئے جہاں آپ ۱۹۷۷ء سے محرم کی مجالس عزا سے خطاب کرتے چلے آ رہے تھے۔ آپ نے حاضرین سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا "پاکستان کے بزرگ علماء و زعماء نے میرے اوپر بہت بڑی ذمہ داری عائد کر دی ہے۔ جس کے لئے میں اپنے آپ کو زیادہ موزوں نہیں سمجھتا۔ آپ اہل پشاور مجھے بخوبی جانتے ہیں کہ مجھ جیسا حقیر انسان اتنی بڑی ذمہ داری کے قابل نہیں ہے۔ اب جبکہ مجھے ذمہ داری سونپ دی گئی ہے سب سے پہلے آپ سے اپیل کروں گا کیونکہ آپ میرے گھر والے ہیں کہ آپ تحریک سے بھرپور تعاون کریں چونکہ مجھے اپنے ہر دورے کا آغاز آپ کے شہر سے کرنا ہے تو آپ کا تعاون مجھے حوصلے بخشے گا۔ انشاء اللہ ہم بہت جلد اپنے مقاصد میں کامیاب ہو جائیں گے"۔

دوسرے روز آپ پشاور سے پاراچنار روانہ ہوئے تو آپ کے ساتھ بیسیوں احباب شامل کارواں ہو گئے۔ کوہاٹ سے آگے بڑھے تو ہنگو کے مومنین نے سڑک پر آپ کا استقبال کیا اور آپ کو مرکزی امام بارگاہ میں لے گئے جہاں آپ نے خطاب فرمایا اور تحریک سے تعاون کی اپیل کی۔

آپ کے پاراچنار آنے کی اطلاع پا کر یہاں گرد و نواح کی شیعہ آبادی نے سڑک پر خیمے لگا لئے اور آپ کی ایک جھلک دیکھنے کے لئے بے چینی سے انتظار کرنے لگے۔ پشاور اور ہنگو سے روانگی کے وقت آپ کے ساتھ شامل ہونے والے افراد ایک قافلہ بن گئے اور یہ کارواں جہاں سے بھی گزرا اپنی رونقوں میں اضافہ کرتا گیا۔

پاراچنار والوں کی بے چینی کا یہ عالم تھا کہ وہ استقبال کے لئے بڑھتے بڑھتے پاراچنار سے ۲۰ میل آگے پہنچ گئے جبکہ کچھ افراد ۵۶ میل دور "ٹل" کے مقام پر

پہنچے۔ ہر شخص کی خواہش تھی کہ سید عارف حسین الحسینی کے چہرے کی پہلی زیارت اسے نصیب ہو۔ آپ کا کارواں خوشیوں اور جذبات کے ملے جلے احساسات کے ساتھ پاراچنار کی جانب رواں دواں تھا۔ جب آپ پاراچنار سے ۲۰ میل کے فاصلے پر "سمیر" کے مقام پر پہنچے تو ہزاروں افراد جن میں علماء کرام اور معززین قوم شامل تھے' نے آپ کا فقید المثال استقبال کیا۔ آپ کی جھلک کے لئے بے تاب افراد کے اس ٹھاٹھیں مارتے ہوئے سمندر سے اندازہ ہوتا تھا کہ کرم ایجنسی کے تمام پیر و جوان فرزند حسینؑ کی زیارت کرنے کی غرض سے گھروں سے نکل کر ایفائے عہد کرنے آئے ہوئے ہیں۔ یہ بے پناہ ہجوم پاراچنار کی تاریخ میں اپنی مثال آپ تھا۔ لوگ اپنے لرزتے ہونٹوں پر آپ کی کامیابی' درازی عمر کی دعاؤں کے ورد جاری کئے ہوئے تھے۔ اسی ہجوم میں وہ یتیم بچے بھی شامل تھے جن کی تمام آرزوؤں اور تمناؤں کے مرکز آپ ہی تھے۔ آج کے روز کرم ایجنسی کے تمام تعلیمی ادارے بند ہو چکے تھے' دکانیں بند تھیں' اڈوں کی تمام موٹریں استقبال کے لئے لائی گئی تھیں اور لوگ کئی گھنٹوں سے مسلسل انتظار کر رہے تھے۔

آپ کا یہ استقبالی کارواں بڑھتے بڑھتے سولہ میل تک پھیل گیا۔ آپ سیدھے مرکزی امام بارگاہ میں تشریف لائے۔ گاڑی سے نیچے اترے تو علماء کو جھک کر ملے' اپنے طلباء کو گلے لگایا' بزرگوں نے آپ کو بوسے دیئے' نوجوانوں اور یتیم بچوں نے آپ کی دست بوسی کی' آپ کافی دیر تک ہجوم میں اس طرح گھرے رہے جیسے چاند ستاروں کے جھرمٹ میں سجتا ہے۔

آپ خطاب کے لئے جونہی سٹیج پر تشریف لائے سرحدی نوجوانوں نے اپنی روایت کے مطابق استقبالی فائرنگ شروع کر دی۔ آدھ گھنٹہ تک یہ فائرنگ جاری رہی' بڑی مشکل سے نوجوانوں کے جذبات اور گولیاں اگلتی کلاشنکوفوں کو کنٹرول کیا گیا۔ کلاشنکوفیں چپ ہوئیں تو آپ نے لب کشائی فرمائی اور اظہار تشکر یوں کیا "آپ کے جذبات اور احساسات کو دیکھ کر مجھے بخوبی اندازہ ہو گیا ہے کہ آپ کو تحریک نفاذ فقہ جعفریہ پاکستان سے بے حد محبت ہے۔ آپ نے تحریک کے ادنیٰ کارکن کا استقبال کر

کے اس کی ہمت میں بے پناہ اضافہ کیا ہے۔ آپ کی یہ محبت' آپ کے یہ احساسات اور آپ کی بے پناہ عقیدتوں نے مجھے افتخار بخشا ہے۔ میں اس قابل نہیں ہوں مگر آپ کی یہ بیکراں محبت تحریک سے وابستگی کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ مجھے توقع ہے کہ آپ ہر موقع پر تحریک کے ہر کارکن کا ایسے ہی خیر مقدم کریں گے۔ میں ہرگز اس قابل نہیں تھا کہ مجھے اتنی بڑی ذمہ داری سونپ دی جاتی مگر بزرگ علماء اور اکابرین قوم نے مجھے مجبور کیا۔ میں نے خدا کے سہارے آئمہ طاہرین کے سائے اور آپ براوران سے توقعات کی بدولت اتنی بڑی ذمہ داری قبول کرلی۔ میں آپ سے درخواست کروں گا کہ مجھے تنہا نہ چھوڑیئے گا اور تحریک کے لئے بھرپور کام کیجئے گا"۔

آپ کی یہ تقریر پشتو میں ہے۔ جہاں آپ کی درخواست تعاون کے جملے محفوظ ہیں وہاں آپ خود بھی عہد کرتے ہیں کہ انشاء اللہ ہم اپنے مذہب' ملک و ملت کی خدمت پوری جانفشانی سے کریں گے اور اسی خدمت کی بجاآوری میں سرزمین پاراچنار کی اعلیٰ روایات کو قائم و دائم رکھیں گے۔

قیادت کے ابتدائی ایام

کرم ایجنسی پاراچنار پاکستان کا ایک دور افتادہ علاقہ اور بنیادی سہولتوں کے میسر نہ ہونے کے سبب وہاں ایک ملک گیر تنظیم کا مرکزی دفتر قائم کرنا قرین قیاس نہ تھا۔ اس مجبوری کے پیش نظر علامہ عارف حسین الحسینی نے اپنے احباب سے ضروری صلاح و مشورے کے بعد تحریک کا مرکزی دفتر، پشاور میں قائم کرنے کا فیصلہ کیا۔

امامیہ اسٹوڈنٹس آرگنائزیشن پاکستان کے سابق مرکزی صدر ڈاکٹر ناصر نقوی کے مکان، واقع ۸۲۔ صدر روڈ پشاور پر تحریک کے مرکزی دفتر کا قیام عمل میں لایا گیا اور علامہ سید عارف حسین الحسینی کرم ایجنسی کے دو کارکنان حسین علی اور محبت علی حیدری کے ہمراہ مرکزی دفتر میں منتقل ہو گئے۔

تین کمروں پر مشتمل یہ گھر رہائش، دفتر اور مہمان خانہ میں تقسیم ہوا جبکہ تین افراد میں حسین علی نے کچن وغیرہ، محبت علی حیدری نے دفتری امور اور علامہ سید عارف حسین الحسینی نے ہر مرحلہ پر ان دو کارکنان کی برابر معاونت کی ذمہ داری قبول کی۔ اقتصادی وسائل کی کمی نے دفتری امور میں اکثر مسائل پیدا کئے۔ نہ فرنیچر، نہ الماریاں... نہ پر تکلف دسترخوان... اور نہ آرام دہ بستر بلکہ زمانے کا تاریخ ساز ملکوتی انسان سال بھر انتہائی معمولی سا کھانا کھا کر معمولی سی دری پر ان دو کارکنان کے درمیان سوتا رہا۔

مولانا سید صفدر حسین نجفی اور پاراچنار کے حاجی کمال حسین و دیگر رفقاء نے کچھ مالی امداد کی مگر وہ تمام بنیادی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لئے ناکافی تھی۔ ان ضرورتوں سے قطع نظر آپ پر قیادت کے ابتدائی ایام میں ہی مشکلات کے پہاڑ ٹوٹے۔ وسائل کی کمی، قوم کے تباہ کن اختلافات کا مقابلہ اور ملکی و بین الاقوامی سازشوں کا سینہ چیر کر منزل مقصود پر پہنچنا کس قدر مشکل تھا اس کا اندازہ یا اظہار الفاظ کے دائروں میں لانا ناممکن ہے البتہ خبر صرف اسے تھی جو ان مراحل سے اشکبار گزر گیا۔ ایسے میں وہ چٹانوں کا حوصلہ رکھنے والا عظیم الشان انسان دشمن کے سامنے فولاد کی دیوار ثابت ہوا

مگر اس کا دل قومی اختلافات و قوم کی مظلومیت کے احساس میں موم کی طرح پگھلتا رہا۔
آپ نے اپنے احساس ذمہ داری اور تنظیمی تقاضوں کے پیش نظر ۹ مارچ ۱۹۸۴ء کو تحریک کی مرکزی کونسل کا پہلا اجلاس طلب فرمایا۔ جس میں تنظیمی ڈھانچہ کی تکمیل کے لئے مرکزی عہدیداران کا انتخاب عمل میں لایا گیا۔
ابتدائی مرحلہ میں سید وزارت حسین نقوی' ڈاکٹر محمد علی نقوی' سید اختر محسن نقوی اور سید قمر عباس کو بالترتیب جنرل سیکرٹری' جوائنٹ سیکرٹری' سیکرٹری مالیات اور سیکرٹری نشرو اشاعت کی ذمہ داری سونپی گئی جبکہ علامہ سید صفدر حسین نجفی نے بے پناہ مصروفیات کے باعث نائب صدارت کی ذمہ داری سے معذوری کا اظہار فرمایا اور نائب صدر کو آئندہ کے اجلاس میں طے کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔
اس اہم اجلاس میں تحریک کے پروگرامات کی تشکیل اور مستقبل کے لائحہ عمل کی ترتیب کے ساتھ ساتھ یہ بھی طے پایا کہ قائد ملت جعفریہ پاکستان ۱۰ اپریل ۱۹۸۴ء سے ملک گیر دورہ جات کا آغاز کریں گے جبکہ علماء کرام اور نوجوانان ملت کو ان دورہ جات کی کامیابی کے لئے تمام توانائی صرف کرنا ہو گی۔
فیصلہ کے مطابق آپ کے پروگرامات کی تفاصیل سے عوام کو آگاہ کر دیا گیا اور آپ نے ۱۰ اپریل ۱۹۸۴ء کو سرزمین سرگودھا سے اپنے پہلے تنظیمی دورہ کا آغاز فرمایا۔ عوام کے جم غفیر نے آپ کا فقید المثال استقبال کیا۔ ملت کے افراد سے باقاعدہ پہلی ملاقات نے ہی آپ کی کرشمہ ساز شخصیت نے سحر طاری کر دیا۔ عوام آپ کی روحانی قوت کے گرویدہ ہو گئے۔ عوام ابھی آپ کے مزاج سے بے خبر تھے انہوں نے آپ کی رہائش اور کھانے کا انتظام ایک عالیشان بڑے گھر میں کیا مگر آپ نے کسی محل نما گھر میں جانے اور پر تکلف دسترخوان سے معذرت کی اور دینی مدرسہ میں قیام کرنے اور سادہ کھانا کی خواہش کا اظہار فرمایا۔ آپ کے اصرار پر آپ کو آگاہ کیا گیا کہ سرگودھا کا دینی مدرسہ مولانا حامد علی موسوی کے استاد مولانا نصیر حسین نجفی کا ہے۔ یہ جانتے ہی آپ نے فرمایا کہ "یہ تو اور بھی بہتر ہے کہ مولانا صاحب کی زیارت بھی ہو جائے گی' میں ان کی خیریت بھی دریافت کر لوں گا اور التماس دعا بھی"۔ آپ کا یہ جملہ سن کر

حاضرین پر سکتہ طاری ہو گیا۔ آخر وہ آپ کی خواہش کا احترام کرتے ہوئے آپ کو مدرسہ لے آئے جہاں آپ نے مولانا نصیر حسین نجفی صاحب کے فرزند سے ملاقات کی اور مولانا صاحب کی خیریت دریافت فرمائی۔ مولانا نجفی صاحب کی عدم موجودگی پر آپ نے فرمایا۔ "یہ میری بدقسمتی ہے کہ میں ان کے شرف زیارت سے محروم رہا"۔ آپ کی اس ادا نے حاضرین کو متاثر کیا۔ موسوی گروپ کے افراد بھی تاثیر لئے بغیر نہ رہے۔

آپ نے سرگودھا میں اپنے قیام کے دوران علماء' ذاکرین' صاحب ثروت' دانشور' صحافیان اور نوجوانوں سے ملاقاتیں کیں اور ہر طبقہ کو ان کی ذمہ داریوں کا احساس دلوایا اور ان کے ساتھ اپنی ملت کی صورتحال کا جائزہ لیا۔ آپ نے علماء کو نوجوانوں کی تربیت کرنے اور نوجوانوں کو تقویٰ اختیار کرنے کی تلقین فرمائی۔ استقبالیہ اجتماعات میں آپ نے نوجوانوں کو خصوصی تاکید کی کہ وہ اپنے نعروں میں کسی گروہ یا کسی فرقہ کے خلاف ہرگز کوئی جملہ زبان پر نہ لائیں بلکہ وہ اپنے نعروں کو اتحاد بین المسلمین کے لئے ذریعہ پیغام بنائیں۔

سرگودھا کے کامیاب دورہ کے بعد آپ نے اپنے دورہ جات کے سلسلہ کو آگے بڑھایا یہاں تک کہ ڈیڑھ ماہ کے عرصہ میں ملک کے تمام اہم شہروں میں جا کر عوام سے رابطہ استوار کیا اور ان سے مسائل دریافت کئے۔ ان تمام تر دورہ جات میں آپ نے اپنے رفقاء کو تاکید فرمائی کہ وہ ہر علاقہ کے اہم مسائل' ہر ضلع کی شیعہ سنی آبادی کا تناسب' وہاں کا مذہبی ماحول' ضلعی انتظامیہ کی روش اور سیاسی صورتحال کی رپورٹس تیار کرتے جائیں تاکہ ملک و ملت کی بہتری کے لئے کوئی قدم اٹھانے سے قبل ان عوامل کو مدنظر رکھا جا سکے۔

آپ کا اپنی ملت کی دہلیز پر پہنچنا' ان کی مشکلات سے آگاہ ہونا' انہیں احساس تحفظ دینا' ہر طبقہ کے افراد سے بلا تفریق ملنا اور اتحاد بین المسلمین کی فضا کو رواج دینے کے لئے اہلسنت علماء سے ملاقاتیں کرنا مسلمانان پاکستان کو مسخر کرتا چلا گیا۔ آپ جس شہر میں بھی گئے محبتوں کے سفیر بن گئے اور جس شہر سے بھی چلے عقیدتوں اور

روحانیت کی داستانیں چھوڑ آئے۔ یہی وجہ تھی کہ عوام آپ سے جدا ہونے کو ہجر یوسف سے تشبیہ دیتے تھے۔ ہر استقبال کے مناظر دیکھ کر آپ کے رفقاء یہی سمجھتے تھے کہ شاید اگلے شہر والے قائد کا اس سے بڑا استقبال نہ کر سکیں مگر ہر شہر اور وہاں کے عوام کے انداز، خلوص اور محبتیں منفرد ہوتی تھیں۔

قوم کی جانب سے آپ کے فقید المثال استقبال اور قومی جذبہ و عقیدت جہاں مثالی تھے وہاں قوم کے بعض افراد کا آپ سے عقائد سے متعلق وضاحتیں طلب کرنا، ڈھکو گروپ کے حوالے دینا اور عزاداری کے بارے میں آپ کا عقیدہ پوچھنا بھی قابل افسوس تھا۔ درحقیقت بعض جذباتی افراد کا ایسے سوالات کرنا بھی سازشی عناصر کی کارستانیوں کا ایک سلسلہ تھا کیونکہ آپ کی قیادت سے قبل شیعہ قوم کے درمیان عقائد کی ایک جنگ کا آغاز ہوا تھا جس کا اثر ابھی تک باقی تھا۔ جو بعد میں آپ کے کردار، استدلال اور تدبیر کی بدولت زائل ہوا۔ البتہ ابتدائی دورہ جات میں قوم کے درمیان عقائد کی پھیلی ہوئی مسموم فضا نے آپ کو بے حد مایوس کیا۔

عزاداری کے متعلق اختلافی سوالات کے جوابات میں آپ نے ہر موقع پر واضح فرمایا کہ "عزاداری سید الشہداءؑ ہماری رگ حیات ہے جس کی بقاء ہم پر واجب ہے۔ تحریک کا پہلا ہدف عزاداری سید الشہداءؑ کا تحفظ ہے۔ کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ عزاداری ہی ظالم کے خلاف احتجاج اور مظلوم کی حمایت کا بہترین درس ہے اور یہی ہدف "ظالم سے نفرت اور مظلوم سے محبت" ہماری تحریک کی اساس ہے۔ جو شیعہ عزاداری کا تحفظ نہیں کرتا وہ بے غیرت ہے۔ (ڈی آئی خان میں خطاب سے اقتباس)

مارٹن روڈ کراچی میں استقبالیہ ہجوم سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا۔ "دشمن ہماری عزاداری کے راستے مسدود کرنا چاہتا ہے مگر اسے معلوم نہیں کہ ہماری زندگیاں عزاداری کا نذرانہ ہیں۔ دشمن کو جان لینا چاہئے کہ عزاداری کا پہلا درس ہمیں اپنی ماں کی گود میں ملا ہے۔ غم شبیرؑ میں جب ہماری مائیں گریہ کرتی ہیں تو ان کے رونے کی آواز ہمارے کانوں تک پہنچتی ہے اور ان کے اشک ہمارے جسم پر گرتے ہیں جن کے طفیل ہمارے جسموں نے نمو پائی ہے اور وہی درس ہمارے کانوں میں ابھی تک محفوظ

ہیں۔ یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے کہ ہم اپنے لہو میں شامل تاثیر شہادت کو ضائع کر دیں لہٰذا ہمیں اس موت پر فخر ہے جو عزاداری کے راستے میں آئے کیونکہ اس سے ہمارے حق کی ادائیگی ہوتی ہے"۔

غلط پروپیگنڈہ اور سازشوں سے متاثر افراد جب آپ سے مطمئن ہو جاتے تو بسااوقات تقاضا کرتے کہ آپ فلاں' فلاں عالم دین سے اعلان لاتعلقی کریں مگر آپ نہایت صبر و استقامت سے جواب دیتے۔ "ہماری تحریک کا مقصد نفرتیں بانٹنا نہیں بلکہ محبتیں تقسیم کرنا ہے' ہمارا ہدف صرف غلط فہمیوں کی بناء پر تقسیم ہونے والے چند شیعوں تک ہی محدود نہیں بلکہ ہماری منزل اتحاد بین المسلمین ہے۔ آج ضرورت اس امر کی نہیں کہ اپنی قطاروں سے علماء کو نکالا جائے بلکہ یہ وقت شیعہ سنی قطاروں کو باہم جوڑنے کا ہے کیونکہ اس وقت ہمارا مقابلہ مسلمانوں کے مشترکہ دشمن اور عالمی استکباری قوتوں سے ہے۔ اگر ہم سطحی باتوں میں الجھ گئے تو پھر ہم عالمی سطح پر دشمن کا مقابلہ کرنے میں کامیاب نہیں ہوں گے"۔

آپ کے ابتدائی دورہ جات میں ملت کا درد رکھنے والے افراد اکثر آپ سے "موسوی' حسینی" اتحاد کی خواہش کا اظہار کرتے تو آپ جواباً" فرماتے کہ "میں مسئلہ قیادت کو قطعاً" اہمیت نہیں دیتا میرے نزدیک اصل اہمیت مقصد کی ہے اور ہمارا مقصد ملت جعفریہ کے حقوق کا تحفظ کرنا ہے۔ قیادت مقصد کے حصول کا ایک وسیلہ ہے۔ میری نظر میں مقدم مقصد ہے' وسیلہ نہیں۔ یہ ہمارے مخالفین کی کوشش ہے کہ ملت جعفریہ کو مقاصد کے حصول سے دور اور وسیلہ میں الجھائے رکھیں۔ میرا خدا شاہد ہے کہ میں اپنا سب کچھ مقصد پر قربان کرنے کے لئے تیار ہوں"۔ (ہفت روزہ رضاکار سے اقتباس)

آپ نے ہر شہر میں کارکنان اور قوم کے تمام افراد پر واضح کیا "کہ موسوی صاحب سے اتحاد کے لئے وہ جہاں بھی بلائیں گے میں حاضر ہو جاؤں گا' میری طرف سے ملت کا ہر فرد میرا نمائندہ ہے"۔ اس ضمن میں آپ کو جہاں بھی اتحاد کے لئے یاد کیا گیا آپ اپنی تمام تر مصروفیات کو بالائے طاق رکھ کر پہنچے بلکہ ایک دفعہ ملک سے

کہیں باہر جا رہے تھے تو موسوی گروپ نے موقع کی نزاکت کو مدنظر رکھتے ہوئے ملتان میں اتحاد کے لئے مذاکرات کی دعوت دے دی۔ آپ نے اپنا پروگرام منسوخ فرمایا اور مقام مقررہ پر وقت سے پہلے پہنچے لیکن موسوی صاحب یہاں بھی تشریف نہ لائے۔

قوم کی مایوسی کو کافور کرنے' اپنے خلوص کی تسکین اور دشمنوں کی سازشوں کو ملیامیٹ کرنے کی خاطر علامہ سید عارف حسین الحسینی نے اتحاد کی بیسیوں کوششیں کیں مگر مفاد پرست اور سازشی عناصر آپ کے ہر مرحلہ پر آڑے آئے۔ جب اتحاد کی کوئی کوشش بر نہ آئی تو آپ نے اپنے دو قریبی کارکنان کے ہاتھوں ایک مراسلہ موسوی صاحب کو بھیجا جس میں قوم کے وسیع تر مفادات کے لئے مندرجہ ذیل تین تجاویز تحریر تھیں۔

۱۔ "ہم دونوں مستعفی ہو جائیں اور مشترکہ طور پر علماء اور معززین قوم پر مشتمل کمیٹی کو یہ اختیار دیں کہ وہ جسے مناسب سمجھیں قوم کی قیادت کے لئے نامزد کریں۔

۲۔ ہم کسی مناسب جگہ پر قوم کے روبرو پیش ہوں اور قوم کو مذہبی' علمی و سیاسی سوالات کی اجازت دیں پھر قوم جس سے مطمئن ہو اسے اپنی خدمت کے لئے منتخب کر لے۔

۳۔ اس وقت عالم تشیع میں دو بزرگ عالی قدر مراجع عظام حضرت امام خمینی اور حضرت آقا ابو القاسم خوئی موجود ہیں۔ ان دو بزرگان میں سے آپ جس کے پاس جانا چاہیں ہم دونوں وہاں حاضر ہوں اور یہ نزاعی مسئلہ ان کی صوابدید پر چھوڑ دیں"۔

آپ کے اس پر خلوص اتحادی فارمولے کو پڑھتے ہوئے موسوی صاحب آگ بگولہ ہو گئے اور جواباً" کہا کہ پہلے تحریری طور پر حسینی گروپ مجھے قائد تسلیم کرے پھر بات چیت کا سلسلہ آگے بڑھایا جا سکتا ہے۔ علاوہ ازیں ملتان کی ایک پریس کانفرنس میں موسوی صاحب نے یہاں تک کہہ دیا تھا کہ "امام خمینی کو ہمارے معاملات میں دخل دینے کا کوئی حق حاصل نہیں ہے"۔ موسوی صاحب کے اس بیان کو ملک بھر کے تمام اخبارات نے جلی سرخیوں میں شائع کیا اور جماعت اسلامی کے "روزنامہ جسارت" نے اس بیان کو صفحہ اول پر جگہ دی اور اداریئے لکھے۔

موسوی صاحب کا امام خمینی کے بارے میں یہ نظریہ اسلامیان پاکستان پر نہایت گراں گزرا اور اس سے قبل موسوی صاحب کو قیادت سنبھالنے پر عراقی سفارت خانے سے مبارکبادی نے ان کی حقیقت کا پول کھول دیا تھا۔

یہاں اس بات کا اعتراف کرنا بھی ضروری ہوگا کہ ایک مرتبہ موسوی صاحب کی جانب سے اس وقت اتحاد کی کوشش ہوئی تھی جب انہوں نے ۱۹۸۵ء میں حکومت کے خلاف عزاداری کے لئے ایک احتجاجی تحریک کا اعلان کیا تھا۔ اس تحریک میں احتجاجی گرفتاریوں کا سلسلہ شروع ہوا تو راولپنڈی سے موسوی صاحب کا ایک وفد علامہ سید عارف حسین الحسینی کے ہاں پشاور آیا اور آپ سے مذاکرات کئے۔ انہوں نے پہلا مطالبہ موسوی صاحب کے حق میں آپ کی دستبرداری کا کیا اور ساتھ یہ دلیل بھی دی کہ قوم چونکہ آپ سے زیادہ متعارف نہیں اس لئے قیادت کے اہل موسوی صاحب ہی ہیں۔ دوسرا مطالبہ یوں تھا کہ اگر آپ دستبردار نہیں ہو سکتے تو پھر موسوی صاحب کی طرف چلائی جانے والی احتجاجی تحریک میں ان کا ساتھ دیں۔ گفتگو ابھی جاری تھی کہ موسوی صاحب کے وفد کا ایک اہم رکن رضا علی ریٹائرڈ ڈی ایس پی تندو تیز لہجے میں آپ سے مخاطب ہوا کہ "آپ لوگوں کی مختصر سی پارٹی ہے جسے عوام میں قطعاً" پذیرائی حاصل نہیں ہے جبکہ موسوی صاحب کے دروازے پر لاکھوں افراد جھک رہے ہیں لہٰذا آپ اپنی پارٹی کو موسوی صاحب کی تحریک میں ضم کر دیں"۔ ایسے میں علامہ سید عارف حسین الحسینی کے ایک رفیق نے جواباً" کہا کہ علامہ سید عارف حسین الحسینی کا حالیہ ملک گیر دورہ اور استقبال اس بات کے ترجمان ہیں کہ قوم کی اکثریت آپ پر اعتماد کرتی ہے اور ملک بھر کی تمام تنظیمیں، آئی او، آئی ایس او اصغریہ سٹوڈنٹس، وفاق علماء شیعہ، علمدار فیڈریشن اور تحریک نفاذ فقہ جعفریہ پاکستان آپ کی قیادت پر متفق ہیں جبکہ موسوی صاحب کے پاس ایک تنظیم بھی نہیں ہے۔ پھر آپ لوگ یہ دعویٰ کیسے کر سکتے ہیں کہ ہماری پارٹی مختصر ہے"۔

علامہ سید عارف حسین الحسینی نے احباب کو حوصلہ دیتے ہوئے مہمانوں کی تکریم کی تلقین کی اور وفد سے باتیں کرتے ہوئے فرمایا۔ "آپ تمام برادران یہاں

تشریف لائے ہیں میں آپ کا ممنون ہوں۔ آپ کی زبانی آپ کی تحریک کی مکمل صورتحال اور پس منظر کا علم ہوا البتہ آپ نے ہمیں اس وقت اپنی خواہشات سے آگاہ فرمایا جب آپ گرفتاریاں دینے کا فیصلہ کر چکے ہیں۔ اول تو آپ کو تحریک کا اعلان کرنے سے قبل ہم سے رابطہ کرنا چاہئے تھا تاکہ ہم اپنی تحریک کے اداروں کے احباب سے مشورہ کرتے اور تنظیمی سطح پر منظوری لے کر کوئی فیصلہ کر پاتے جبکہ اس وقت تحریک کی سپریم اور مرکزی کونسل کے ارکان کی رضامندی کے بغیر میرے لئے ملکی سطح کا کوئی فیصلہ کرنا مشکل ہے۔ دوم ہمیں معاہدہ اسلام آباد کو زندہ رکھنا چاہئے کیونکہ ہمارے مرحوم قائد علامہ مفتی جعفر حسین اور حکومت کے درمیان اس معاہدہ میں ہمارے تمام حقوق کے تحفظ کا ذکر موجود ہے۔ ہمیں نئے مطالبات اور نئی احتجاجی تحریکوں سے اپنی بنیاد "معاہدہ اسلام آباد" کو کمزور نہیں کرنا چاہئے"۔

آپ کے دستوری عذر کے بعد یہ وفد اٹھ کھڑا ہوا اور رخصت کی اجازت چاہی۔ آپ اپنے رفقاء کے ہمراہ وفد کے ارکان کو گیٹ تک خدا حافظ کہنے آئے اور ان کے چلے جانے کے بعد ایک ٹھنڈی آہ لی اور فرمایا "خدا ہمارے نادان دوستوں کو ہدایت فرمائے نہ جانے ان احباب نے قوم کو اعتماد میں لئے بغیر کن بنیادوں پر احتجاجی تحریک کا اعلان کیا ہے"۔

موسوی گروپ نے عوام کے سامنے آپ کو عزاداری کے حوالے سے بدنام کرنے کی کوشش بھی کی مگر حقیقت کے واضح ہونے کے بعد الزامات اور پروپیگنڈے دھول کی طرح زمین بوس ہو گئے۔ آپ علیحدہ علیحدہ احتجاجی تحریکیں چلانے پر کافی رنجیدہ ہوتے تھے کیونکہ نئے نئے مطالبات معاہدہ اسلام آباد کو کمزور کرنے کے مترادف تھے۔ حکومت بھی اس بات کے حق میں تھی کہ معاہدہ اسلام آباد حرف غلط کی طرح مٹ جائے اور اہل تشیع نت نئے مسائل میں الجھے رہیں۔

آپ کی جدوجہد کے تیور اور آپ پر قومی اعتماد کے مناظر دیکھ کر مخالفین کے حوصلے جواب دینے لگے یہاں تک کہ وہ ذاتی حملوں پر اتر آئے۔ سندھ، بلوچستان اور بالخصوص پنجاب میں یہ تاثر دینے کی بھرپور کوشش کی گئی کہ سرحد کا ایک پٹھان

قوم پر مسلط کر دیا گیا ہے۔ ایک سید کو پٹھان کہنا درحقیقت صوبائی اور لسانی تعصب کو ہوا دینے کی سازش تھی جو قائد کی فہم و فراست اور حسن تدبر کے آگے دم توڑ گئی۔

یہاں اس بات کا تذکرہ تاریخی اہمیت کا حامل ہے کہ مخالف قیادت' سازشی عناصر اور حکومت نے یقیناً آپ کو مسائل میں الجھانے کی شب و روز کوشش کی جس پر آپ رنجیدہ بھی ہوئے مگر ہر مرحلہ پر مردانہ وار مقابلہ کرتے رہے۔ افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ چند اپنوں نے ابتدائی ایام میں ہی آپ کو اس قدر مایوس کیا کہ آپ نے قیادت کی ذمہ داری سنبھالنے کے ایک سال بعد ۲۸ فروری ۱۹۸۵ء کو ماڈل ٹاؤن لاہور کی ایک حساس محفل میں ایک صد علماء کے سامنے اپنا استعفیٰ پیش کرتے ہوئے فرمایا "مجھے آپ بزرگان نے یہ عظیم ذمہ داری سونپتے وقت حوصلہ دیا تھا کہ آپ ہر قدم پر میری رہنمائی فرمائیں گے مگر حالات اس کے برعکس ہیں۔ ایک طرف ہمیں دشمن کی سازشوں کا سامنا ہے اور دوسری جانب اپنوں کے عدم تعاون کا شکوہ بھی... ایسے میں میرا مستعفی ہونا ہی بہتر ہے۔ میں انسان ہوں میرے پہلو میں گوشت کا دل دھڑکتا ہے میں مزید اس ذمہ داری کو نہیں نبھا سکتا' آج سے ایک سال قبل میری داڑھی سیاہ تھی جبکہ قوم کے مظلومانہ حالات اور دیگر مایوسیوں نے اب میری داڑھی سفید کرنا شروع کر دی ہے۔ آپ میرا استعفیٰ منظور فرمائیں۔ میں ایک وفد کے ساتھ افغانستان جا کر شہید ہونا چاہتا ہوں"۔

صد افسوس کہ اپنوں نے انھیں بہت دیر بعد پہچانا حالانکہ غیر بھی ان کی عظمت کے اس قدر معترف ہو چکے تھے کہ ایک مرتبہ مدرسہ جامعۃ المعارف پشاور کے کسی طالب علم کو کونسلر سے کوئی تصدیق کروانا تھی۔ وہ متعلقہ کونسلر کے پاس گیا اور علامہ سید عارف حسین الحسینی کا حوالہ دیا تو کونسلر نے کہا "جہاں جہاں دستخط کرنے ہیں اشارہ کرتے جائیں جس عظیم شخصیت کا آپ حوالہ دے چکے ہیں ان کے آدمی کا کام نہ کرنا گناہ ہے"۔

آپ کی قیادت کا ڈیڑھ سال اپنے افکار پھیلانے' قائدانہ صلاحیتوں سے قوم کو مستفید کرنے' ملکی صورتحال اور آمریت کے خلاف کام کرنے' بین الاقوامی سطح پر قوم

کی حیثیت تسلیم کرانے کی بجائے قومی عقائد کی الجھنوں' مخالفین کے زہریلے پروپیگنڈے اور قوم کے انتشار کو ختم کرنے میں بیت گیا۔ آپ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ میرا ڈیڑھ سال تو اپنی ملت کو یہ باور کرانے میں گزر گیا کہ میں شیعہ بھی ہوں اور عزاداری کا قائل بھی۔

آپ ایک ایسی وادی کے مسافر تھے جس کا راستہ بے پناہ مشکلات سے اٹا پڑا تھا۔ آپ کی راہ میں مشکلات نے سر اٹھائے اور ہر قدم پر سازشوں نے پاؤں کی زنجیر بننے کی کوشش کی مگر بظاہر گوشت پوست کا یہ نازک مزاج انسان حوصلوں کی چٹان ثابت ہوا جس نے ایک وقت قوم کی مایوسی کا ازالہ کیا' محبتوں کو رواج بخشا' قوم کو احساس تحفظ دیا اور ملت کے خلاف ہر زہریلی سازش کا ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ مصائب کی ان گنت دیواروں کو گرایا اور روایتی بتوں کو پاش پاش کر کے حضرت علامہ اقبال کی اس فکر کی تفسیر بن کر دکھایا جس کے بارے میں انہوں نے فرمایا تھا۔

یہ غازی یہ تیرے پراسرار بندے
جنہیں تو نے بخشا ہے ذوق خدائی
دو نیم ان کی ٹھوکر سے صحرا و دریا
سمٹ کر پہاڑ ان کی ہیبت سے رائی

امام خمینی کی تائیدی سند

قیادت کے ابتدائی ایام میں علامہ سید عارف حسین الحسینی کو جس چیز نے تقویت بخشی وہ امام خمینیؒ کی تائیدی سند تھی۔ انقلاب اسلامی ایران کی کامیابی کے بعد امام انقلاب حضرت روح اللہ خمینیؒ نے دنیا بھر سے امریکہ کے ناپاک اثر و نفوذ کے خاتمہ اور اسلامی انقلاب کے لئے ایک جامع منصوبہ بندی کی۔ آپ کے اس فرمان میں "وہ وقت گزر گیا جب امریکہ اسلحہ اور طاقت کے بل بوتے پر مسلمانوں کو زیر تسلط کر لیتا تھا۔ اسے جان لینا چاہیئے کہ اب وہ ایسا نہیں کر سکتا"۔ ایک عزم اور حوصلہ دکھائی دیتا تھا۔ اس ضمن میں آپ نے تمام مسلم ریاستوں میں اپنے نمائندگان کا تقرر فرمایا تاکہ یہ نمائندگان مظلوم و مستضعف مسلمانوں کو آزادی کی منزل کی راہ دکھائیں اور عالم استکبار امریکہ کے نفوذ سے اپنے ممالک کو پاک کریں۔

حضرت امام خمینی رضوان اللہ تعالیٰ علیہ کو "ولی فقیہ" کی حیثیت حاصل تھی۔ آپ نے امور مسلمین جہان کے رہبر ہونے کے ناطے ذمہ داریاں ادا کرتے ہوئے پاکستان کے مسلمانوں کے لئے علامہ سید عارف حسین الحسینی کو تحریراً اپنا نمائندہ نامزد فرمایا۔ اس سے قبل ایران عراق کے مراجع عظام ہر ملک میں قابل اعتماد علماء کو خمس کی وصولی اور مصرف کا اجازہ مرحمت فرماتے تھے جبکہ اس سند میں اجازہ خمس کے ساتھ حضرت امام خمینیؒ نے فرمایا "جناب سید الاعلام حجتہ الاسلام سید عارف حسین دامت برکاتہ میری طرف سے ایسے امور حسبیہ کی انجام دہی کے لئے مجاز ہیں جو ولی فقیہ جامع الشرائط کی اجازت پر موقوف ہیں۔" جس کے بعد آپ کو پاکستان میں نمائندہ ولی فقیہ کی حیثیت حاصل ہو گئی۔ جس سے آپ کی قیادت کو ایک نئی تقویت نصیب ہوئی۔

حضرت امام خمینی رضوان اللہ تعالیٰ علیہ کی تائیدی سند کے بعد دنیا بھر کے اہم علماء و نمائندگان ولی فقیہ نے آپ کی قیادت پر اعتماد کرتے ہوئے تعاون کا یقین دلایا اور ساتھ ہی ایران میں مقیم سینکڑوں پاکستانی علماء و طلباء نے آپ کی قیادت پر اعتماد کا متفقہ اعلان کیا۔ بین الاقوامی تائید نے آپ کو بین الاقوامی رہنما ثابت کر دیا جبکہ موسوی صاحب اور ان کے رفقاء فکری جمود، غیر آئینی انتخاب، امام خمینیؒ کی پس پردہ مخالفت اور

حکومت کی حمایت کی بناء پر بالآخر جھاگ کی طرح بیٹھ گئے۔

نمائندہ ولی فقیہ کی حیثیت سے آپ نے اپنی ذمہ داریوں میں وسعت دی اور نئے عزم و ولولہ کے ساتھ آزاد کشمیر' شمالی علاقہ جات اور ملک بھر کے چاروں صوبوں میں عوامی رابطہ مہم اور اپنے جامع پروگرام کی ترویج کے لئے دورہ جات شروع کر دیئے۔ اب ملک بھر کے عوام آپ سے متعارف ہو چکے تھے۔ آپ جہاں بھی گئے پہلے سے کئی گنا زیادہ افراد نے آپ کو سر آنکھوں پر لیا۔ اب اختلافی عقائد کے مہیب بادل چھٹ چکے تھے۔ ملت جعفریہ مکمل طور پر آپ کی قیادت کو تسلیم کر چکی تھی اور ہر طرف یہ نعرے فضا میں گردش کر رہے تھے۔

"پوری قوم کے دل کا چین عارف حسین' عارف حسین"

"پوری قوم کا نعرہ ہے عارف قائد ہمارا ہے"

آپ نے ان دورہ جات میں پاکستان بھر کے مسلمانوں کے حقوق کے تحفظ کی بات کی اور ملک میں نظام کی تبدیلی کا مطالبہ کیا۔ استعمار کے خاتمے اور اسلامی انقلاب کے قیام کے لئے آپ نے تمام مسلمانوں کو اعتماد میں لینے کی جدوجہد کا آغاز کیا تو آپ کے خلوص کی بدولت آپ کے کارواں میں اضافہ ہوتا چلا گیا۔ یوں آپ کو قائد ملت اسلامیہ کی حیثیت حاصل ہو گئی۔

آمریت کے خلاف جہد مسلسل

علامہ سید عارف حسین الحسینی کی جدوجہد جیسے جیسے ملک کے مذہبی اور سیاسی افق پر ابھرتی گئی استعماری قوتوں اور ملک کے مطلق العنان آمر جنرل محمد ضیاء الحق کی آنکھ میں آپ کانٹا بنتے گئے۔ آپ کی یہ ٹکر ذاتی نہ تھی بلکہ یہ اسی جنگ کا ایک تسلسل تھا جس کا آغاز علامہ مفتی جعفر حسین مرحوم نے اپنے حقوق کی بازیابی کے لئے کیا تھا۔ علامہ سید عارف حسین الحسینی نے یہ جنگ بھی اسی مورچہ میں بیٹھ کر لڑی جو مفتی صاحب کے انتقال کے وجہ سے خالی ہو گیا تھا البتہ وقت کی نزاکتوں اور حالات کے تقاضوں کی بناء پر سابق اور موجودہ سپہ سالار کے انداز سپہ گری میں فرق ضرور تھا۔

علامہ مفتی جعفر حسین مرحوم نے تحریک نفاذ فقہ جعفریہ پاکستان کے پلیٹ فارم سے ملت جعفریہ کے حقوق کی جنگ لڑی جو خالصتاً" مذہبی اور قومی تقاضوں کا مطالبہ تھی۔ انہوں نے وقت کے آمر سے اہل تشیع کے لئے فقہ جعفریہ کے نفاذ کا مطالبہ کیا اور اسلام کے نام پر جاری کردہ منافی قوانین اور آرڈیننس کے خلاف آواز بلند کی۔ ان کی اس کوشش نے ملت جعفریہ کو تشخص اور احساس ذمہ داری بخشا اور پہلی بات شیعہ قوم نے ایک مضبوط پلیٹ فارم سے اپنے حقوق کے تحفظ کی جنگ لڑ کر اپنی طاقت کا لوہا منوایا۔

جب مفتی صاحب وقت کے آمر سے جنگ لڑ رہے تھے تو اس وقت پوری ملت ان کے ساتھ تھی البتہ ملت میں کچھ لوگوں کو مفتی صاحب کی قیادت سے شخصی یا نظریاتی اختلاف بھی تھا تو یہ مخالفین اس پوزیشن میں نہیں تھے کہ وہ اپنی نئی قطاریں ترتیب دے کر مورچہ بندی کر پاتے۔ یہی وجہ تھی کہ حکومت کو لمحہ بھر بھی چین نصیب نہیں ہو رہا تھا۔

مفتی صاحب حقوق کی بازیابی کی جنگ کامیابی سے لڑتے لڑتے اپنی طویل علالت کے باعث آخر قوم کو داغ مفارقت دے گئے جس کی وجہ سے ملت جعفریہ کی اس جنگ کا یہ مورچہ کچھ عرصہ کے لئے خالی ہو گیا اور حکومت کو اپنی دفاعی پوزیشن اور منصوبہ بندی کا بہترین موقع میسر آگیا جس سے اس نے خوب فائدہ اٹھایا۔

مفتی صاحب مرحوم کے جانشین کا انتخاب دراصل حقوق کے لئے لڑی جانے والی جنگ کا تسلسل تھا۔ مفتی صاحب کے حقیقی جانشین علامہ سید عارف حسین الحسینی جب مورچہ زن ہوئے تو حالات کے تیور دونوں طرف سے بدل چکے تھے۔ ایک طرف مدمقابل حکمران اپنی وفاقی پوزیشن مضبوط کر چکا تھا تو دوسری طرف ملت جعفریہ میں استعماری قوتیں انتشار پیدا کر چکی تھیں۔ ملت کے لئے یہ انتشار انتہائی مضر اور مہلک تھا۔ جس کی بناء پر علامہ سید عارف حسین الحسینی کو نہ صرف اپنی صلاحیتوں کو بروئے کار لانے میں رکاوٹ محسوس ہوئی بلکہ آپ حکومت کی سازشوں کا مقابلہ کرنے کے ساتھ ساتھ اپنوں کے حملوں سے دفاع کرتے رہے۔ آپ ایک لحہ بھی حکومت وقت کی زیادتیوں سے نہیں گھبرائے بلکہ مخالف کے ستم میں اپنی صلاحیتوں کے جوہر نکھارے۔

آپ ایک عرصہ تک اپنی قوم کے اختلافات میں مصروف رہے اور ان اختلافات کو اپنے خلوص اور بصیرت سے بڑی حد تک ختم کرتے رہے۔ جب آپ اپنی قوم کے ان اختلافات سے آزاد ہو کر آمریت کے خلاف مورچہ زن ہوئے تو حالات مزید بگڑ چکے تھے۔ اس دوران ملت جعفریہ کے خلاف بین الاقوامی سطح پر منصوبہ بندیاں مکمل ہو چکی تھیں۔ آپ نے حوصلہ اور جرائت سے ان حالات کا مقابلہ شروع کیا۔ ملت جعفریہ کے حقوق کے ساتھ ساتھ پاکستانی مسلمانوں کے حقوق کی بازیابی کے لئے غاصب حکومت سے برسرپیکار ہوئے۔

۹ مارچ ۱۹۸۴ء کو پریس کلب پشاور کی پہلی پریس کانفرنس اس حقیقت کی تصدیق ہے کہ آپ نے پہلا مطالبہ پاکستان کے نظام کی تبدیلی کا کیا کیونکہ آپ کی نظر میں نظام کی تبدیلی ہی پاکستانی قوم کے مسائل کا حل تھی۔

ضیاء الحق کے لئے فقہ جعفریہ کے نفاذ کا مطالبہ اپنی جگہ پریشان کن مسئلہ تھا مگر اس کے لئے علامہ سید عارف حسین الحسینی کی طرف سے ملک میں نظام کی تبدیلی کا مطالبہ اس سے کہیں زیادہ پریشان کن ثابت ہوا۔ نظام کی تبدیلی کا مطلب ضیاء الحق کے اقتدار کا خاتمہ تھا جسے وہ ہرگز برداشت نہیں کرسکتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ جب علامہ

سید عارف حسین الحسینی نے دیگر سیاسی اور مذہبی جماعتوں کے ساتھ مل کر نظام کی تبدیلی کی بات کی تو یہ بات ضیاء الحق کے لئے قیامت بن کے ٹوٹی کیونکہ ضیاء الحق ملت جعفریہ کی قوت اور تحریک کی فعالیت سے بخوبی آگاہ ہو چکا تھا۔ اسے پیپلز پارٹی یا کسی دوسری سیاسی قوت سے اس قدر خطرہ نہیں تھا۔ اسے معلوم تھا کہ اس کے آگے دیگر تمام جماعتیں بے بس تھیں۔

علامہ سید عارف حسین الحسینی کو نظام کی تبدیلی کے مطالبہ سے دستبردار کرنے یا ان کی توجہ منتشر کرنے کے لئے حکومت نے ملت جعفریہ کے خلاف پر تشدد منصوبہ بندی ترتیب دی۔ ضیاء الحق نے سب سے پہلا قدم عزاداری کے خلاف اٹھایا اور علامہ سید عارف حسین الحسینی کی قیادت کے پہلے سال میں ہی حکومت کے ایماء پر پاکستان کے مختلف شہروں میں عزاداری پر فائرنگ ہوئی' امام بارگاہیں اور گھر نذر آتش کئے گئے۔

حکومت کی اس مکروہ سازش کے خلاف علامہ سید عارف حسین الحسینی نے یوم سیاہ کا اعلان کیا اور خود ۲ نومبر ۱۹۸۴ء کے روز سیٹلائٹ ٹاؤن راولپنڈی کے مرکزی امام بارگاہ میں خطاب کرتے ہوئے فرمایا۔ ''ہم اس بات سے آگاہ ہیں کہ محرم الحرام کے حالیہ فسادات حکومت کی سرپرستی میں ہوئے ہیں اور حکومت کی یہ سازش ہمیں اپنے مطالبات سے دستبردار کرنے اور نجدی و یہودی آقاؤں کی خوشنودی کے حصول کے لئے ہے۔ تمام دنیا کے ذی شعور مسلمان فلسطین' صابرا' شتیلا' افغانستان' کشمیر' ہندوستان' اریٹریا' ایتھوپیا اور فلپائن میں مسلمانوں پر ہونے والے مظالم پر سخت رنجیدہ اور بے قرار ہیں جبکہ اس کے برعکس وطن عزیز پاکستان میں حکومت کی سرپرستی میں نجدی دہشت گرد سبط رسول کی عزاداری کے موقع پر خون خرابے اور فتنہ فساد میں مصروف ہیں۔ جو ان کی اسلام دشمنی کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ یہ نجدی وہی عناصر ہیں جنہوں نے بادشاہی مسجد لاہور میں نعرہ رسالت کے جواب میں مردہ باد کہنے کی ناپاک جسارت کی تھی جس سے آج تک مسلمانوں کے دل زخمی ہیں''۔

آپ نے مزید فرمایا ''ان نجدی عناصر کے لئے حکومت کی حوصلہ افزا پالیسیاں

اس حقیقت کی شاہد ہیں کہ ہماری حکومت اور نجدیت میں اشتراک موجود ہے جس کے بارے میں کچھ بھی کہا جا سکتا ہے۔ اولاً" یہ کہ ہماری حکومت اور نجدیت کی وفاداریاں کسی ایک ہی قوت سے وابستہ ہیں۔ ثانیاً" یہ کہ ہماری حکومت اور نجدیت کے عزائم ایک جیسے ہیں۔ ثالثاً" یہ کہ حکومت نجدیت کی کاروائیوں سے فائدہ اٹھا کر اپنے اقتدار کا طول چاہتی ہے بہرحال نقطہ اشتراک کوئی بھی ہو حکومت اور نجدیت کا عزاداری پر حملہ اور ملت جعفریہ پاکستان کے خلاف یہ جارحیت کسی وسیع تر مقصد کا نقطہ آغاز ہے۔ یہ نقطہ انقلاب اسلامی ایران سے ہزیمت اور ذلت کا سامنا کرنے والی بین الاقوامی سامراجی قوتوں کا انتقام بھی ہو سکتا ہے"۔

آخر میں فرمایا کہ "تاریخ گواہ ہے کہ ملت جعفریہ نے اسلام کے خلاف ہر استعماری سازش کا ہمیشہ منہ توڑ جواب دیا ہے ہم انشاء اللہ اپنی درخشندہ روایات کو قائم رکھیں گے طاغوت کے خلاف جہاد ہمارا دینی فریضہ ہے جس کی ادائیگی کے لئے ہم ہمہ وقت بیدار اور تیار ہیں۔ سامراج صیہونی ہو یا اشتراکی' نجدی ہو یا امریکی اسے جان لینا چاہئے کہ ملت جعفریہ کا بچہ بچہ ان کے مذموم عزائم سے واقف ہے۔ آج ہم حکومت اور نجدیت کو اصلاح احوال کا آخری موقع دے رہے ہیں اس کے بعد جارحیت کا براہ راست جواب دینا ہمارا شرعی اور قانونی حق ہو گا"۔

اب چونکہ حکومت اور علامہ سید عارف حسین الحسینی کی تحریک کی براہ راست ٹکر تھی تو حکومت نے آپ کو ناکام کرنے اور عوام کی نظروں میں پست کرنے کی ہر ممکن کوشش کی۔ جب شیعہ قوم میں اختلاف پیدا کرنے میں موسوی والا پتا کارگر ثابت نہ ہوا تو ضیاء الحق نے چند نامور مقررین پر مبنی ایک "امامیہ کونسل" تشکیل دی جس کا مقصد قوم کو یہ تاثر دینا تھا کہ دو قیادتوں کے اختلاف کا حل ایک تیسری قوت ہے لہٰذا قوم امامیہ کونسل کو اپنے حقوق کی پاسبان سمجھے اور اسی کا ساتھ دے۔

جب یہ سازش بھی کامیاب نہ ہو سکی تو علامہ سید عارف حسین الحسینی کی جدوجہد کو سبوتاژ کرنے کے لئے حکومت نے نئے قوانین کا نفاذ کر کے اہل تشیع کے حقوق کو دیدہ دانستہ سلب کرنے کی کوشش کی۔ شیعہ کاشتکاروں کے لئے مالیہ کی شرح

میں بلاجواز اضافہ کیا گیا۔ پولیس ایکٹ کی دفعہ ۳۰ میں ایسی ترامیم کی گئیں جن میں عزاداری کے جلوسوں پر پولیس کو پابندی کے اختیارات تفویض کئے گئے جو رائج الوقت قوانین، روایات اور ملک کے آئین کے سراسر منافی تھے۔

آپ نے حکومت کی اس شاطرانہ چال کے خلاف لاہور میں پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا ''صحافیان محترم آپ جانتے ہیں کہ گزشتہ چند برسوں کے دوران جہاں پاکستان کے دیگر شہریوں کی آزادیاں سلب کی گئیں ہیں وہاں ملک کی ایک اہم آبادی (ملت جعفریہ) کو بھی اس کے حقوق سے محروم کیا جا رہا ہے۔ ہم عرصہ دراز سے اپنے مطالبات کے حصول کے لئے تحریک چلا رہے ہیں اور ہماری تحریک انتہائی پرامن ہے۔ جہاں ہم نفاذ اسلام اور اتحاد ملت میں مخلص ہیں وہاں اپنے جائز مطالبات اور اپنی فقہ کے نفاذ کے معاملے میں بھی اٹل موقف رکھتے ہیں۔ ہمیں افسوس ہے کہ ہمارے جائز مطالبات پورے کرنے کی بجائے ہماری راہ میں نئی نئی مشکلات پیدا کی جار ہی ہیں اور اب عزاداری حضرت امام حسین علیہ السلام بھی خطرات اور بحران کا شکار ہے۔ اسی سلسلے میں پولیس ایکٹ کی دفعہ ۳۰ کی ترمیم اس کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ ہم حکومت پر واضح کر دینا چاہتے ہیں کہ ہم عزاداری کے لئے سب کچھ قربان کرنے کو تیار ہیں۔ اگر حکومت عزاداری کے مسائل میں الجھا کر ہمیں اپنے موقف سے ہٹانا چاہتی ہے تو یہ اس کی خام خیالی ہے۔ ہم تمام مسلمان بھائیوں سے گزارش کرتے ہیں کہ وہ حکومت اور سامراج کی سازشوں کو سمجھیں اور ایک دوسرے کا احترام کریں کیونکہ ہمارے اتحاد سے ہمارے پیارے ملک کے استحکام اور نظام اسلام کے نفاذ کی جدوجہد کو تقویت ملتی ہے''۔

ضیاء ریفرنڈم کا بائیکاٹ

علامہ سید عارف حسین الحسینی کی جانب سے ضیاء الحق کے اقتدار کے خلاف سب سے پہلی اور طاقتور کوشش نام نہاد صدارتی ریفرنڈم کا بائیکاٹ تھا۔ جب ریفرنڈم کی حتمی تاریخ ۱۹ دسمبر ۱۹۸۴ء کا اعلان ہوا آپ نے یہ خبر سفر کے دوران ریڈیو پر سنی تو

صدر احباب سے فرمایا "یہ شخص پھر ایک نیا ڈھونگ رچانے پر تل گیا ہے۔ دوسرے روز آپ نے تحریک کے ذمہ دار افراد کی میٹنگ بلائی جس میں باہمی آراء کے بعد ریفرنڈم کے بائیکاٹ کا فیصلہ کیا۔ آپ نے اپنے اعلان میں اس ریفرنڈم کے طریقہ کار کو خلاف اسلام اور جمہوریت کی روح کے منافی قرار دیا کیونکہ ریفرنڈم میں عوام سے صرف ایک سوال کیا گیا تھا "وہ پاکستان میں قرآن اور اسلام کا نفاذ چاہتے ہیں؟ اگر چاہتے ہیں تو پھر ضیاء الحق پانچ سال کے لئے صدر مملکت ہوں گے۔

تمام جماعتوں سے پہلے تحریک نفاذ فقہ جعفریہ نے وزنی دلائل کے ساتھ ریفرنڈم کے بائیکاٹ کا اعلان کیا اور نشر و اشاعت کے ذریعے ریفرنڈم کو رد کرنے کے لئے قوم سے اپیل کی۔ اس اپیل کو ملک بھر کے دانشور حضرات' دینی حلقے اور ارباب سیاست و صاحب الرائے افراد نے سراہا۔ پشاور کے جسٹس علی حسین قزلباش نے ایک محفل میں برملا اعتراف کیا کہ "آج سے میں علامہ سید عارف حسین الحسینی کی صلاحیتوں کا معترف ہوگیا ہوں کیونکہ انہوں نے جس تدبر اور بصیرت کے ساتھ ریفرنڈم کو رد کیا ہے اس سے محسوس ہوتا ہے کہ یہ شخص پاکستان کے مسلمانوں کے لئے کچھ کر جائے گا"۔

علامہ سید عارف حسین الحسینی کے ریفرنڈم کے اس بائیکاٹ کا صدر ضیاء الحق کو سخت دھچکا پہنچا۔ حکومتی ایجنسیوں نے ایک عجیب کھیل کھیلا۔ انہوں نے تمام قومی اخبارات میں علامہ سید عارف حسین الحسینی کی جانب سے ریفرنڈم کی حمایت کا جعلی بیان شائع کروا دیا۔ جس دن آپ کی طرف سے یہ جعلی بیان اخبارات میں شائع ہوا آپ سندھ کے دورہ پر تھے۔ آپ نے ملک بھر میں اپنے دفاتر سے رابطہ فرمایا اور اس بیان کی تردید کا حکم دیا۔ آپ نے اس جعلی بیان کو اپنے اور تحریک کے خلاف ایک سازش قرار دیا اور پی پی آئی (خبر رساں ایجنسی) پر ۱۰ لاکھ ہرجانے کا دعویٰ دائر کر دیا۔ اس کے ساتھ ہی آپ نے ریفرنڈم کے خلاف اپنی تحریک کو تیز تر کر دیا اور ہر مقام پر فرمایا۔ "یہ شخص قرآن اور اسلام کے مقدس لبادے کی اوٹ میں اپنا چہرہ چھپا کر پاکستانی مظلوم قوم پر مسلط ہونا چاہتا ہے۔ اس کا یہ فعل جمہوریت کے خلاف بہت بڑی سازش ہے کیونکہ کسی قوم سے اس کا حق خود ارادیت چھین لینا ایک ظلم ہے اور ہم کسی بھی

ظلم کو برداشت نہیں کر سکتے۔ اگر ہم نے ریفرنڈم کو تسلیم کر لیا تو پھر ہمیں اس سے قائم ہونے والی حکومت کو بھی تسلیم کرنا پڑے گا لیکن ہم ایسا ہرگز نہیں کر سکتے کیونکہ ہم اس حکومت کو سرے سے ہی غیر آئینی سمجھتے ہیں"۔

آپ نے ملک بھر میں اپنی قوم سے اپیل کی کہ وہ اس فراڈ کا مکمل طور پر بائیکاٹ کریں اور اس ریفرنڈم کے خلاف اٹھنے والی ہر تحریک کی حمایت کریں۔ آپ کے اس تردیدی بیان کے بعد ضیاء الحق کی سازش کا پردہ چاک ہوا تو ضیاء الحق نے اپنے زر خرید چند مذہبی و سیاسی رہنماؤں سے ٹیلی ویژن پر حمایتی بیان دلوانا شروع کر دیئے۔ اس سلسلہ میں جمعیت علماء اسلام سمیع الحق گروپ نے ضیاء الحق کو ریفرنڈم کے ذریعے کامیاب کرانے میں بھرپور کردار ادا کیا مگر قوم کی اکثریت نے اسے یکسر مسترد کر دیا۔ ریفرنڈم میں ووٹروں کی بجائے انتخابی عملہ نے بیوروکریسی کی ہدایات پر بیلٹ بکس بھرے جسے چشم فلک نے دیکھا اور بین الاقوامی سطح پر ضیاء الحق کے صدارتی ریفرنڈم کا پول کھل گیا۔ بی بی سی نے اس خبر کو یوں نشر کیا کہ "پاکستان کے عوام نے صدارتی ریفرنڈم کا مکمل بائیکاٹ کر دیا اور بمشکل پانچ فیصد عوام نے ووٹ ڈالے"۔ اگرچہ ایم۔ آر۔ ڈی کے اراکین نے بھی ریفرنڈم کا بائیکاٹ کیا تھا مگر سب سے موثر اور توانا آواز علامہ سید عارف حسین الحسینی کی تھی جس کا اعتراف خود ایم۔ آر۔ ڈی کے رہنماؤں نے کیا تھا۔

ضیاء الحق کو اب یقین ہو چکا تھا کہ یہ شخص اپنے فقہ کے مطالبات کی حد تک محدود نہیں رہا بلکہ ملک کے تمام امور میں مداخلت کر رہا ہے جو کہ ایک آمر کے لئے ناقابل برداشت تھا۔ اس ضمن میں حکومت نے علامہ سید عارف حسین الحسینی کے لئے مسائل کھڑے کرنا شروع کر دیئے۔ اور مختلف ترامیم کے ذریعے ملت جعفریہ کو الجھانے کی کوششیں تیز ہو گئیں۔ مگر علامہ سید عارف حسین الحسینی نے اپنے مطالبات میں نئی جان پیدا کر کے ایوانوں کو لرزا دیا۔

ریفرنڈم کے ذریعے صدر بننے کے بعد جب ضیاء الحق نے ملک میں عام انتخابات کا اعلان کیا تو ۱۸ جنوری ۱۹۸۵ء کو گمبٹ سندھ میں تحریک کی مجلس عاملہ کے اجلاس کے موقع پر آپ نے اراکین سے خطاب کرتے ہوئے کہا۔ "ریفرنڈم کا بائیکاٹ ہم نے

ایم- آر- ڈی (.M.R.D) کے تابع ہو کر نہیں کیا تھا بلکہ ہمارا سامنا ایک ایسے شخص سے تھا جس کا کردار اور اسلام سے خلوص پوری قوم کے سامنے عیاں ہے- ہم نے اپنے پلیٹ فارم سے ریفرنڈم کا بائیکاٹ کر کے اپنی قوم کا تشخص منوایا ہے جس سے قوم کے وقار میں اضافہ ہوا ہے-

اب آئندہ انتخابات کا مسئلہ ہے تو اس سلسلہ میں آپ حضرات کی رائے لینا چاہتا ہوں- یہ مسئلہ ریفرنڈم سے یک گونہ مختلف ہے- سواد اعظم والے اپنے نمائندے کھڑے کر رہے ہیں- اگر وہ حکمرانوں کی ایماء پر اسمبلی میں پہنچ گئے تو حکمرانوں کو ہمارے لئے مشکلات پیدا کرنے میں مزید آسانی رہے گی- ہمیں اس اجلاس میں یہ بھی دیکھنا ہو گا کہ آیا یہ انتخابات غیرجانبدارانہ ہوں گے یا نہیں- آپ حضرات قوم کو آئندہ کے لائحہ عمل دیں- آپ نے بھکر میں میرے ساتھ وعدہ فرمایا تھا کہ آپ میرا ساتھ دیں گے- اب ایفائے عہد کی گھڑی آ پہنچی ہے اپنے کاموں سے وقت نکال کر ملت کے مسائل حل کرنے کے لئے ملک میں پھیل جائیں- میرے رفقاء یہ بات واضح رہے کہ آج تحریک چند افراد پر مشتمل نہیں ہے بلکہ اس کی جڑیں عوام میں دور تک پھیل چکی ہیں لہٰذا اپنی کارکردگی سے مرکز کو بے خبر نہ رکھیں-

آج ایسے اقدامات کرنے کی ضرورت ہے کہ اگر خدانخواستہ دوبارہ مشکل صورت در پیش آئے تو ملت کو کم سے کم نقصان کا سامنا کرنا پڑے- علاوہ ازیں ان وجوہات پر غور کرنے کی اشد ضرورت ہے کہ ہر بار ملت کو نقصان کیوں اٹھانا پڑتا ہے اور اس کا تدارک کیا ہو سکتا ہے؟ میری نظر میں اب ہمیں ملک کے سیاسی امور میں مداخلت ضرور کرنی چاہئے"-

۲۳ دسمبر ۱۹۸۴ء کو وزیر اطلاعات راجہ ظفرالحق نے ایک انٹرویو میں کہا کہ "صدر محترم نے ۱۸ دسمبر ۱۹۸۰ء کو آئین کی دفعہ ۲۲۷ میں ترمیم کا اضافہ کر کے ملت جعفریہ پاکستان کے ساتھ "معاہدہ اسلام آباد" پر عمل درآمد کر دیا ہے"-

وزیر اطلاعات کے اسی بیان کا مقصد عوام پر ثابت کرنا تھا کہ تحریک نفاذ فقہ جعفریہ کا بنیادی مطالبہ تو صدر صاحب نے پورا ہی کر دیا ہے مگر یہ تحریک کچھ اور

مقاصد کے تحت صدر سے الجھنا چاہتی ہے۔ وزیر موصوف کے اس بیان کے بعد علامہ سید عارف حسین الحسینی نے لاہور میں پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا "وزیر اطلاعات و نشریات کا بیان حقیقت کے برعکس ہے۔ میں واضح کرتا ہوں کہ ۶ جولائی ۱۹۸۰ء کو کیے گئے "معاہدہ اسلام آباد" پر قطعاً" عمل درآمد نہیں ہوا۔ کیونکہ اس معاہدہ کے الفاظ واضح تھے کہ کوئی ایک فقہ دوسری فقہ پر مسلط نہیں ہوگی اور پاکستان میں جو قوانین بھی نافذ ہوں ان میں ملت جعفریہ کو نظرانداز نہیں کیا جائے گا بلکہ شیعہ مسلمانوں کے لئے فقہ جعفریہ کے مطابق ترامیم ہوں گی جبکہ دفعہ ۲۲۷ میں ترمیم کا معاہدہ اسلام آباد سے کوئی تعلق نہیں اس ترمیم میں پرسنل لاء یعنی شخصی قانون کی حد بندی کی گئی ہے۔ حالانکہ اس قسم کی کوئی بات معاہدہ اسلام آباد میں شامل ہی نہیں ہے۔ علاوہ ازیں ابھی تک حق شفع' قصاص و دیت' قانون شہادت اور قانون حد سرقہ میں شیعہ نقطہ نظر کو شامل نہیں کیا گیا اور دیگر سفارشات میں بھی ملت جعفریہ کو نظرانداز کر دیا گیا ہے۔ میں واضح کرتا ہوں کہ پاکستان میں ایسی حکومت جو اسلام کی آڑ میں ظلم و تشدد اور وعدہ خلافی کرے ہرگز قائم نہیں رہ سکتی"۔

آپ نے اسی پریس کانفرنس میں واضح فرمایا کہ "ہم نے ملک میں جمہوریت کی بحالی کے لئے ایک کمیٹی تشکیل دی ہے جو ملک کی دوسری جماعتوں سے رابطے کر کے آمریت کے خاتمے کے لئے لائحہ عمل تیار کرے گی"۔

یہ پہلی پریس کانفرنس تھی جس میں آپ نے کھل کر سیاست میں وارد ہونے کا اعلان فرمایا اور سیاسی کمیٹی تشکیل دی۔ جس کے کنوینر مولانا شیخ محسن علی نجفی اور اراکین میں مولانا آغا علی موسوی' مولانا افتخار حسین نقوی' سید وزارت حسین نقوی' علامہ سید ساجد علی نقوی' ڈاکٹر محمد علی نقوی' حافظ ریاض حسین نقوی' جنرل ریٹائرڈ سید تصور حسین اور آغا صابر علی صاحب شامل تھے۔

اس سیاسی کمیٹی کے سیاسی امور میں مداخلت کے اعلان کے بعد علامہ سید عارف حسین الحسینی نے ملک گیر دورہ جات میں دین اور سیاست کے تعلق پر زور دیا اور اپنی قوم کو سیاست کی اہمیت کا احساس دلوایا۔ آپ نے اس سلسلہ کا پہلا یادگار خطاب

"رینالہ خورد ضلع اوکاڑہ" کے مقام پر ایک بڑے اجتماع سے یوں فرمایا کہ "ہمارے دو قسم کے مسائل ہیں ایک شیعہ اور دوسرا پاکستان ہونے کے حوالے سے۔ اگر ہم نے مذہبی مسائل کو سیاسی مسائل سے ہٹ کر حل کرنا چاہا تو نتائج قطعاً مثبت نہیں نکلیں گے، چاہے ہم کچھ بھی کر لیں۔ کیونکہ یہ مسائل ایک دوسرے پر اثرانداز ہوتے ہیں۔ اگر ہم ملکی سیاست اور بین الاقوامی امور میں اپنے آپ کو دوسرے مسلمانوں سے الگ تھلگ کر لیں تو یہ نہ صرف شرعی ذمہ داری سے انحراف ہو گا بلکہ یہ اسلام اور قرآن سے روگردانی ہو گی۔ اگر ہم نے سیاسی مسائل کو مذہبی مسائل سے دور ہو کر سوچا تو اس کے نتائج بھی بھیانک ہوں گے۔ لہٰذا دین اور سیاست کا ربط انتہائی گہرا ہے اور ہمیں ان دونوں کو ساتھ لے کر چلنا ہو گا"۔

آپ کی تحریک اور مطالبات کا یہ اثر ہوا کہ ضیاء الحق سے ایک قریبی دوست نے پوچھا "اگر آپ مولانا عارف حسین کی توانا آواز اور مطالبات کو کسی حد تک مان لیں تو بعض اہم مسائل حل ہو سکتے ہیں"۔ مگر ضیاء الحق نے کہا میں ایک ملک میں دو فقہ کیسے رائج کر سکتا ہوں؟ جب یہ بات علامہ سید عارف حسین الحسینی تک پہنچی تو آپ نے جڑانوالہ ضلع فیصل آباد کے ایک اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ "آج حکمران کہتے ہیں کہ ہم ایک ملک میں بیک وقت دو فقہ رائج نہیں کر سکتے۔ میں ان سے پوچھتا ہوں کہ اس وقت ملک میں مارشل لاء، سول لاء، شریعت لاء اور جرگہ کے قوانین نافذ ہیں جبکہ یہ چاروں قوانین ایک دوسرے کے متضاد ہیں۔ اگر یہ چار متصادم قوانین ایک ملک میں ۸ سال سے باہمی تصادم کے بغیر نافذ رہ سکتے ہیں تو کیا ملک میں فقہ حنفی کے ساتھ فقہ جعفری نافذ نہیں ہو سکتی؟ حکومت کی چشم پوشی سے یقین ہو گیا ہے کہ وہ اسلام میں مخلص نہیں ہے"۔

یہ آپ کی تحریک اور جدوجہد ہی کا نتیجہ تھا جس کی بناء پر ضیاء الحق کو اقرار کرنا پڑا کہ وہ اسلام کے نفاذ میں ناکام ہو چکا ہے۔ علامہ سید عارف حسین الحسینی نے آئی۔ ایس۔ او کی مجلس عاملہ ۱۹۸۶ء کے اجلاس میں فرمایا تھا کہ "ہماری تحریک نے ضیائی اسلام کو جو نہ جانے کتنے خود ساختہ اجزاء کا مرکب تھا، ناکام بنا دیا ہے۔ اگر ہم تحریک نہ

چلاتے تو وہ کم از کم ایسے اسلام کے نفاذ میں کامیاب ہو جاتا جو اس کے اقتدار اور ملت اسلامیہ کے مسائل اور مصائب کے لئے کافی تھا۔ اب ضیاء الحق سیاسی کروٹ بدلنے اور اپنے آپ کو ایک نئے رنگ میں پیش کرنے کا خواہاں ہے مگر ہم نے قبل از وقت واضح کر دیا ہے کہ تحریک ملک کے سیاسی امور میں اپنا نمایاں کردار ضرور ادا کرے گی"۔

جب آپ نے اس بات کا برملا اظہار کر دیا کہ تحریک آئندہ ملک کے سیاسی امور میں مداخلت کرے گی تو حکومت نے مستقبل کی مشکلات کے پیش نظر ایک چال چلی اور بعض زیر اثر شیعہ اکابرین اور علماء کے ذریعے تحریک کی سیاسی مداخلت کے خلاف شدید پروپیگنڈا کرایا اور ملت جعفریہ کو یہ تاثر دینے کی بھرپور کوشش کی کہ دین سیاست سے جدا اور مذہب تشیع میں سیاست ممنوع ہے۔ اس پروپیگنڈا کی آڑ میں علامہ سید عارف حسین الحسینی کی ذات پر بھی کیچڑ اچھالی گئی اور انہیں مذہبی دائروں میں محدود کرنے کی ہر ممکن کوشش کی گئی۔

حکومت کی اگلی چال کچھ یوں تھی کہ وہ تحریک کو مسائل میں الجھانے کے ساتھ ساتھ ہمت مطالبات کی حد تک الجھائے رکھے۔ اس نظریہ کے تحت وفاقی وزیر برائے مذہبی امور مقبول احمد خان نے علامہ سید عارف حسین الحسینی کو ایک خط لکھا کہ وہ حکومت کی مذہبی امور کی مجوزہ کمیٹی کے لئے اپنے نمائندگان نامزد فرمائیں تاکہ حکومت اس کمیٹی کے ساتھ مذاکرات کر کے آپ کے مطالبات پر غور کرے۔ اس خط کے جواب میں آپ نے فرمایا۔ "معاہدہ اسلام آباد ۶ جولائی ۱۹۸۰ء میں ہماری بنیادی باتیں طے شدہ ہیں۔ اب گفت و شنید اور کمیٹی سازی کا وقت نہیں ہے بلکہ ضرورت اس بات کی ہے کہ حکومت طے شدہ معاہدے پر عمل درآمد کرے۔ مجھے افسوس ہے کہ حکومت نئے معاہدوں کی آڑ میں ملت جعفریہ سے طے شدہ تاریخی معاہدہ سے روگردانی کی کوشش کر رہی ہے۔ لہٰذا اس قسم کی کمیٹیوں میں شرکت وقت کے ضیاع کے سوا کچھ بھی نہیں۔ ہم حکومت کی مجوزہ کمیٹی میں شرکت سے معذور ہیں اور ہمیں حکومت کے ایسے اقدامات پر دلی افسوس ہے"۔

آپ کے اس مدبرانہ اور شجاعانہ جواب کے بعد حکومت کو اس بات کا یقین ہو

گیا کہ آپ کا حکومت کی کسی بھی چال میں آنا بصد مشکل ہے۔ بلکہ آپ معاہدہ ۶ جولائی اسلام آباد پر نہ صرف قائم ہیں بلکہ اسی بنیاد پر اپنی تحریک کو مضبوط کرتے جا رہے ہیں۔ حکومت نے اس حقیقت کو بھی درک کر لیا تھا کہ علامہ سید عارف حسین الحسینی کے ملک گیر دورہ جات' آپ کی مذہبی و سیاسی گہری فکر' حالات پر نظر اور گرفت اور آپ کی ذات سے قوم کی والہانہ وابستگی کسی مرحلہ پر حکومت کے لئے باعث خطرہ بن سکتی ہے۔ حکومت اپنے خدشات کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے آپ کے خلاف مختلف ہتھکنڈے استعمال کر رہی تھی جبکہ آپ ان کی ہر سازش کا جرات سے مقابلہ کرتے ہوئے آگے بڑھتے جا رہے تھے۔

سانحہ کوئٹہ

حکومت سے معاہدہ اسلام آباد پر عمل درآمد کرنے کا مطالبہ آپ کی تحریک کی مضبوط اساس ثابت ہوا اور یوں تحریک نفاذ فقہ جعفریہ پاکستان سے حکومت کا معروف معاہدہ حکمرانوں کے لئے درد سر بن گیا۔ حکمران مسلسل اس سے روگردانی کر رہے تھے جبکہ تحریک نے ۶ جولائی کو اپنا قومی دن قرار دے کر حکومت کے لئے ایک اور مشکل پیدا کر دی۔ حکومت نے ہر لحہ کوشش کی کہ اس معاہدہ کی روح ختم ہو جائے اس سلسلہ میں حکمرانوں نے کئی نام نہاد شیعہ لیڈروں سے معاہدے کئے اور آئین میں مبہم سی ترامیم کر کے اس معاہدے کی حقیقت کو ختم کرنے کی کوشش بھی کی۔ مگر جب حکومت سے کچھ نہ بن پڑا تو پھر اس نے ۶ جولائی ۱۹۸۵ء فقہ جعفریہ کے اس معاہدہ اور جذبہ پر ایک کاری ضرب لگانے کا منصوبہ تیار کیا جسے کوئٹہ میں عملی جامہ پہنایا گیا۔

درحقیقت اس دلخراش سانحہ کا مقصد معاہدہ اسلام آباد کی روح کو دفن کرنا اور علامہ سید عارف حسین الحسینی کی پروقار قیادت کو ضرب کاری لگا کر انہیں مشکلات سے دوچار کرنا تھا تاکہ ایک طرف علامہ سید عارف حسین الحسینی کے تحرک میں سستی اور مشکلات میں اضافہ ہو اور دوسری جانب ملت جعفریہ مارشل لاء کی متشدد پالیسیوں سے خوف زدہ ہو کر چپ سادھ لے۔

اس سانحہ کی حقیقت کچھ یوں ہے کہ تحریک کی جانب سے ملک بھر میں ۶ جولائی ۱۹۸۵ء کو معاہدہ اسلام آباد کی یاد میں ملک گیر احتجاجی جلسے ہوئے جس میں حکمرانوں سے وعدہ نبھانے کے مطالبے کئے گئے۔ مرکز کی پالیسی کے تحت کوئٹہ صوبہ بلوچستان میں بھی ایک عظیم اجتماع ہوا جس کے بعد پہلے سے طے شدہ پروگرام کے تحت مظاہرہ ہونا تھا۔ قانونی حوالے سے اس مظاہرہ کی اجازت ہفتہ عشرہ قبل وہاں کے ڈپٹی کمشنر شکیل حیدر نے ولایت حسین ایڈووکیٹ کی درخواست پر دے دی تھی مگر اچانک ۵ جولائی کو ڈپٹی کمشنر نے عذر پیش کیا کہ جام غلام قادر خان وزیر اعلیٰ بلوچستان نے مظاہرہ پر پابندی لگا دی لہٰذا حکومت کے حکم کے تحت اب یہ مظاہرہ قطعاً" نہیں ہو گا۔

۶ جولائی ۱۹۸۵ء کو طے شدہ پروگرام کے مطابق پشاور، لاہور اور کوئٹہ میں صوبائی

سطح پر احتجاجی اجتماع ہوئے سندھ کے حالات کے پیش نظر کراچی میں یہ اجتماع نہ کرنے کا فیصلہ کیا گیا تھا۔ کوئٹہ میں احتجاجی اجتماع کے اختتام میں تحریک کے صوبائی صدر علامہ یعقوب علی توسلی نے اعلان کیا کہ یہ پرامن اجتماع حکومت بلوچستان کو معاہدہ اسلام آباد کی یادداشت پیش کرے گا۔ ابھی نہتے عوام امام بارگاہ قندھاری واقع علمدار روڈ سے باہر نکلے ہی تھے کہ وہاں پر پہلے سے تعینات پولیس نے اندھا دھند فائرنگ شروع کر دی جس کے نتیجے میں سترہ (۱۷) افراد شہید اور بیسیوں زخمی ہوئے۔

یقیناً یہ سب کچھ حکومتی منصوبہ بندی کے تحت ہوا جس کا ثبوت آغا مرتضیٰ پویا کا قبل از وقت اظہار تھا۔ پویا صاحب نے تحریک کے قائدین کو ۶ جولائی سے قبل اس خدشہ سے آگاہ کر دیا تھا کہ حکومت تحریک کے ان اجتماعات کو سختی سے کچلنے کا ارادہ رکھتی ہے اور کوئٹہ کے عوام حکومت کے اس غضب کا نشانہ بن سکتے ہیں۔

صوبہ بلوچستان کے دارالخلافہ کوئٹہ میں حکومت کا شیعہ عوام کے خون سے ہولی کھیلنے کا منصوبہ ایک گہری سازش کا نتیجہ تھا جس کے پس پردہ کئی ایک عوامل پوشیدہ تھے۔

اول۔ یہ کہ کوئٹہ بلوچستان کی شیعیت کا گڑھ ہے، جہاں ہزارہ قوم ملت جعفریہ کی قوت تصور کی جاتی ہے جو علاقہ میں اپنے مذہبی اور ملی جذبہ کی بناء پر ہمیشہ تاریخی کردار ادا کرتی رہتی ہے۔

دوم۔ کوئٹہ کی سرحد ایران سے ملحقہ ہے اور ہزارہ قوم فارسی دان ہونے کے علاوہ ثقافتی اور تہذیبی روایات کی بناء پر ایرانی تہذیب سے متاثر ہیں یہی وجہ ہے کہ ان میں انقلاب اسلامی ایران کے اثرات سرایت کر چکے ہیں لہٰذا ایسی قوم کو زک پہنچانا درحقیقت انقلاب اسلامی ایران کے اثرات کو کمزور کرنے کی سازش تھی۔

سوم۔ کوئٹہ کے قریب واقعہ خفیہ امریکی حساس اڈا سے انقلاب اسلامی ایران پر کسی وقت بھی جارحیت متوقع تھی جسے اس قوم نے ہی چیلنج کیا تھا جس کی وجہ سے بلوچستان کی شیعیت بالخصوص امریکی اور حکومتی نظروں میں خطرہ تھی۔

چہارم۔ یہ کہ حکومت بلوچستان میں فسادات کروا کر ایران کو بدنام کرنے کی

کوشش میں تھی جس کا اظہار قومی اسمبلی میں وزیر داخلہ اسلم خٹک نے کیا تھا کہ کوئٹہ کے فسادات میں غیر ملکی ہاتھ تھا۔ ان کی یہ الزام تراشی واضح طور پر ایران کی طرف تھی۔

اس دلخراش سانحہ کی ابتدائی اطلاع جب علامہ سید عارف حسین الحسینی کو دی گئی تو آپ کی زبان سے بے ساختہ کئی بار لا الہ الا اللہ کے کلمات جاری ہوئے۔ اور آپ کے چہرے سے کرب کے آثار نمایاں تھے۔ اس خبر سے آگاہی کے بعد آپ پشاور میں ہونے والے ایسے ہی اجتماع میں تشریف لائے جہاں آپ نے جلسہ اور جلوس کی ذمہ داری حجتہ الاسلام علامہ غلام حسن جاڑا صاحب صدر تحریک نفاذ فقہ جعفریہ صوبہ سرحد کو سونپی اور خود فی الفور شام ۶ بجے کی فلائٹ سے لاہور پہنچے۔

آپ ظالم کے ظلم پر مضطرب ہوئے مگر قومی حمیت کے جذبے کے ساتھ لاہور پہنچے اور سیدھا کربلا گامے شاہ میں اپنی ملت کے احتجاجی اجتماع میں شریک ہوئے۔ قوم سے خطاب کرتے ہوئے آپ نے فرمایا "اگر کوئی سمجھتا ہے کہ ہمارے حوصلوں کو تشدد کے ذریعے پست کیا جا سکتا ہے تو یہ اس کی بھول ہے۔ آج حکومت نے کوئٹہ میں جس بربریت کا مظاہرہ کیا ہے اس سے اس کے اسلامی ہونے کی قلعی مزید کھل گئی ہے۔ ہمیں اپنے مطالبات سے دستبردار کرانے کے لئے حکومت نے اگر ایسا ہی رویہ اختیار کیا تو پھر اسے جان لینا چاہئے کہ اس کے دن گنے جا چکے ہیں۔ ہمارے دشمنوں کو جان لینا چاہئے کہ ہم شہادتوں سے گھبرانے والے نہیں بلکہ یہ شہادتیں ہماری تحریک اور ہمارے موقف کی اساس کو مضبوط کرتی ہیں۔ انشاء اللہ کوئٹہ کے شہداء کا بے گناہ خون رائیگاں نہیں جائے گا بلکہ یہ ظالم حکومت اور سامراج جس کے اشارے پر یہ سب کچھ ہوا ہے' کے لئے موت کا پیغام ہو گا۔

آپ نے شرکاء جلسہ کو پرامن طور پر منتشر ہونے کی ہدایت کی اور خود رفقاء کے ہمراہ جامعۃ المنتظر پہنچے جہاں شب بھر تحریک کے کارکنان و علماء کرام سے اہم صلاح مشورے کئے۔ طے پایا کہ آپ تین علماء کرام علامہ سید افتخار حسین نقوی' علامہ ملک اعجاز حسین خوشاب اور علامہ حافظ سید ریاض حسین نجفی کے ہمراہ صبح کوئٹہ روانہ

ہوں گے۔ چنانچہ آپ ان رفقاء کے ہمراہ جونہی کوئٹہ کے ہوائی اڈے پر پہنچے تو وہاں اعلان ہوا کہ علامہ عارف حسین الحسینی اور ان کے رفقاء کو نیچے اترنے کی اجازت نہیں ہے البتہ ممنوعہ افراد میں حافظ سید ریاض حسین نجفی کا نام نہیں لیا گیا تھا اس لئے قائد کے کہنے پر وہ جہاز سے اتر گئے۔

علامہ سید عارف حسین الحسینی کو رفقاء سمیت اسی طیارہ میں کراچی جانے پر مجبور کیا گیا۔ جہاں آپ نے چند دن قیام کیا اور کوئٹہ سے مربوط رہے۔ ادھر کوئٹہ میں حکومت نے غارت گری کی انتہا کر دی۔ کرفیو لگا کر خانہ تلاشی کے بہانے خواتین کو زدو کوب کیا گیا۔ ہر قیمتی چیز لوٹ لی گئی۔ مردوں کو اہل خانہ کے سامنے ذلیل کیا گیا اور وسیع پیمانے پر گرفتاریاں کی گئیں۔ علماء کو جن میں حافظ ریاض حسین صاحب بھی شامل تھے گرفتار کر لیا گیا اور ان پر بے پناہ تشدد کیا گیا۔ آپ کراچی سے جامعہ اہل بیت اسلام آباد میں تشریف لائے اور تحریک کی مرکزی کونسل کا اجلاس طلب کیا اور لائحہ عمل مرتب کرنے کے لئے اپنے رفقاء سے تبادلہ خیال کیا۔ اسی اثناء میں انتظامیہ اور پولیس کی بھاری جمعیت وہاں آ پہنچی اور انہوں نے تقاضا کیا کہ آپ پاراچنار چلے جائیں۔ درحقیقت حکومت کی یہ خواہش تھی کہ آپ کو پورے ملک سے لاتعلق کر دیا جائے۔ آپ کی قوم کو یہ تاثر دیا جا سکے کہ ان کا قائد مشکل وقت میں انہیں چھوڑ کر خود اپنے گھر جا بیٹھا ہے۔

شام تک انتظامیہ کے ساتھ یہ بحث و تمحیص جاری رہی۔ مغربین کے وقت ڈپٹی کمشنر نے آپ کی اسلام آباد سے ضلع بدری کے احکام جاری کئے۔ آپ نے فیصلہ کیا کہ آپ اسلام آباد کے ضلع کی حدود چھوڑ کر راولپنڈی اور پھر پنجاب کے لئے روانہ ہو جائیں گے مگر انتظامیہ اور پولیس کی بھاری جمعیت نے آپ کو ایسا نہ کرنے دیا۔ جب آپ اسلام آباد سے نکل کر فیض آباد کے مقام پر پہنچے تو وہاں اعلیٰ حکام کی ہدایت پر آپ کو روک کر باقاعدہ گرفتار کر لیا گیا اور وہاں سے سیدھے کوہاٹ لے جایا گیا جہاں آپ کو ریسٹ ہاؤس کوہاٹ میں رکھا گیا۔

یہاں آپ کی نگرانی کے لئے ایک حساس ادارے کے اہم افسر کی ڈیوٹی لگائی گئی

جس نے بعد میں اعتراف کیا کہ اس نے اپنی سروس کے دوران ملک کی نامور مذہبی شخصیات مولانا مودودی اور مولانا مفتی محمود صاحب جیسے رہنماؤں کے ساتھ وقت گزارا ہے۔ مگر سید عارف حسین الحسینی کو ان تمام شخصیات سے مختلف پایا ہے۔ اس نے اس شخص (عارف حسین) کو شب بھر تین کام کرتے دیکھا ہے۔ عبادت' تلاوت اور خدا کے حضور گریہ... اس نے مزید بتایا کہ شب بھر سید عارف حسین الحسینی کی آنکھ نہیں لگتی تھی۔ خدا معلوم یہ انسان کیا ہے اور کس مرتبہ پر فائز ہے؟

اگلے روز آپ کو کوہاٹ ریسٹ ہاؤس سے پاراچنار پہنچا کر نذر بند کر دیا گیا۔ حکومت مطمئن ہو گئی کہ اس نے آپ کو قوم سے جدا کر دیا ہے۔ مگر انہیں کیا معلوم تھا کہ سید عارف حسین الحسینی کا دل تو قوم کے دل کے ساتھ دھڑکتا ہے۔ آپ کو چین کہاں آنا تھا؟ آپ نے وہاں کے احباب سے صلاح مشورے کئے۔ ایجنسیوں کے دائرے آپ پر تنگ کر دیئے گئے۔ آپ نے عجب مجاہدانہ روش اختیار فرمائی۔ پاراچنار سے چپکے ایک عام ویگن میں پردہ ڈال کر پشاور تشریف لے آئے۔ حساس ادارے حکومت کو اطلاع فراہم کرتے رہے کہ سید عارف حسین الحسینی پاراچنار میں ہیں مگر آپ پشاور پہنچ چکے تھے۔ یہاں آپ اپنے قابل اعتماد احباب سے ملے جنہوں نے آپ کو محفوظ جگہ پر پہنچا دیا۔ آپ نے اگلے روز ہنگامی پریس کانفرنس کرنا چاہی تو خفیہ راستوں سے مخصوص صحافیوں کو اطلاع دی گئی اور انہیں مذکورہ مقام سے پشاور کے معروف عالم دین سید عالم موسوی صاحب کے گھر لایا گیا جہاں آپ نے پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے اپنے غم و غصہ کا اظہار یوں فرمایا۔

"صحافیان محترم جیسا کہ آپ حضرات کو معلوم ہے کہ ٦ جولائی ملت جعفریہ کا قومی دن ہے۔ ١٩٨٠ء کے معاہدہ اسلام آباد سے حکومت کے انحراف کے بعد ہم ہر سال ٦ جولائی کو ملک گیر اجتماع منعقد کرتے ہیں جس کا مقصد معاہدہ کی یادداشت پیش کرنا ہوتا ہے کیونکہ یہ تجدید عہد کا دن ہے۔ حسب معمول ہم نے امسال بھی اپنے قومی دن کی یاد تازہ رکھی اور ملک گیر پروگرامات منعقد کرائے مگر حکومت نے جو اپنے وعدے سے منحرف ہے' اپنی شرمساری کا داغ چھپانے کے لئے ہمارے کوئٹہ کے مظلوم

عوام پر وحشیانہ تشدد کیا جس کے نتیجے میں ہمارے ۱۷ سے زائد افراد شہید اور سو سے زیادہ زخمی ہو گئے ہیں۔ اپنے نہتے عوام کو گولیوں کا نشانہ بنانا حکومت کے اسلامی ہونے کی حقیقت آشکار کرتا ہے اور پھر اتنے بڑے سانحہ کے بعد وزیر داخلہ اسلم خٹک کا بیان کہ اس میں غیر ملکی ہاتھ ہے جس سے ان کی مراد اسلامی جمہوریہ ایران ہے۔ یہ بھی ایک سوچے سمجھے منصوبہ کی نشاندہی کرتا ہے۔ وزیر داخلہ کے غیر ذمہ دارانہ بیان کی ہم پرزور مذمت کرتے ہیں۔

صحافیان محترم اگر ہمارا ہنگامہ آرائی کا پروگرام ہوتا جیسا کہ حکومت الزام لگا رہی ہے تو پھر ہم ملک گیر ہنگامے کر کے حکومت کے خلاف احتجاج کرتے۔ مجھے افسوس ہے کہ حکومت نے نہ صرف نہتے عوام پر گولی چلائی ہے بلکہ میرے رفقاء کو شہداء کے پسماندگان کی دلجوئی اور تعزیت کے لئے بھی اجازت نہیں دی۔ حکومت کے اس ظالمانہ فعل پر ہمیں بے حد صدمہ پہنچا ہے مگر ہمارے حوصلے پست نہیں ہوئے۔ ہماری تحریک کو شہداء کے خون سے تقویت ملی ہے کیونکہ ملک کے تمام ذی شعور افراد اور سیاستدانوں نے حکومت کی بھرپور مذمت کی ہے۔ ہمارا مطالبہ کل کی طرح آج بھی وہی ہے کہ حکومت معاہدہ اسلام آباد پر عمل کر کے ہماری بے چینی کو ختم کرے اور ملت جعفریہ پر عائد تشدد آمیز پالیسیوں سے باز آئے۔

پریس کانفرنس کے انعقاد کے بعد قائد پشاور ہی میں اخوندزادگان کے کسی عزیز کے گھر تشریف لے گئے۔ اور اس کے بعد حکومت صوبہ سرحد اور ایجنسیوں کو اطلاع ہوئی کہ سید عارف حسین الحسینی جو ان کے نزدیک پاراچنار میں نظربند ہیں نہ صرف یہ کہ پشاور پہنچ چکے ہیں بلکہ انہوں نے پشاور میں پریس کانفرنس سے خطاب بھی کر لیا ہے۔ خود شہید وفا عبدالعلی بنگش جو اس وقت ڈی۔ ایس۔ ایس۔ پی تھے بہت سیٹپٹائے اور انور علی اخونزادہ سے کہا کہ آج میری ملازمت خطرے میں ہے۔

جس مکان میں آپ نے ان دنوں قیام کیا وہ اہل سنت مذہب سے تعلق رکھتے تھے۔ انہوں نے بعد میں بتلایا کہ آپ ساری رات نماز اور قرآن مجید پڑھتے ہیں' جب آدھی رات ڈھل جاتی ہے تو یہ ملکوتی انسان زار و قطار خدا سے مناجات کرتا ہے'

دعاؤں میں جب امام زمانہؑ سید الشہداءؑ اور حضرت فاطمہ الزہراؑ کا نام آتا ہے تو اس کی سسکیاں طول پکڑ جاتی ہیں اور ایسے جملے ادا کرتے ہیں کہ احساس ہوتا ہے جیسے کوئی استغاثہ کر رہا ہے۔ ساری رات عبادت اور گریہ میں گزارتے ہیں۔ وہ کہتے تھے کہ سمجھ نہیں آئی کہ یہ انسان ہے... یا کوئی ولی ہے۔

آپ کے تین چار روز کے قیام نے اس گھرانے کی فکر و نظر کو بدل کر رکھ دیا اور وہ اپنی گھریلو زندگی میں اسلامی اقدار کی طرف مائل ہو گئے اور یوں آج بھی یہ سارا خانوادہ سید عارف حسین الحسینی کی وہی چند راتیں یاد کر کے انہیں سلام کرتا ہے۔

جب پشاور میں آپ کی گرفتاری کی کوششیں ہو رہی تھیں تو اس وقت کوئٹہ کی سڑکیں خون سے غلطاں اور ملت جعفریہ ماتم کناں تھی مگر ایسے گھمبیر حالات میں بھی آپ کا رابطہ ملک بھر سے قائم رہا۔ آپ کی ہدایت پر ملک گیر مظاہرے شروع ہو گئے۔ آپ نے اپنے رفیق علماء سے اپیل کی کہ وہ کوئٹہ پہنچیں اور متاثرین کی دلجوئی کریں۔ قائد کی ان ہدایات پر جو علماء کوئٹہ پہنچے' انتظامیہ نے انہیں بھی تشدد کا نشانہ بنایا۔

کراچی کے ضعیف العمر عالم دین کو اس قدر زدوکوب کیا گیا کہ مارنے والے یہ سمجھے کہ وہ فوت ہو گئے ہیں اور انہیں سڑک کے کنارے فٹ پاتھ پر پھینک دیا گیا۔ البتہ قدرت نے انہیں زندگی عطا کی اور نوجوانوں نے خطرات سے گزر کر انہیں اٹھایا اور کراچی ہسپتال پہنچایا۔ جہاں وہ بعد میں رو بہ صحت ہوئے۔ انہوں نے ایک نشست میں بتایا کہ جب وہ پولیس کے تشدد سے بالکل نڈھال ہو گئے تو سپاہیوں سے پانی مانگا تو انہوں نے پانی کی بجائے پیشاب پینے کو دیا۔

اس طرح حجتہ الاسلام آقا محمد جمعہ اسدی اور حجتہ الاسلام آقا یعقوب علی توسلی کو زندان میں کئی دن تک سونے نہیں دیا گیا۔ تحریک کے جنرل سیکرٹری سید وزارت حسین نقوی ایڈووکیٹ جب کوئٹہ پہنچے تو تلاشی پر ان کی کار سے تحریک کا لیٹر پیڈ برآمد ہونے پر انہیں شدید تشدد کا نشانہ بنایا گیا اور ان کے بیٹے کے دو دانت توڑ دیئے گئے۔ کوئٹہ میں کرفیو نافذ ہوا تو وہاں کی شیعہ آبادی کو سہولیات اور ضروریات زندگی سے محروم کر دیا گیا۔

حکومت نے اپنی مکروہ سازش کی پردہ پوشی کے لئے ہاتھ پاؤں مارے کبھی شیعہ حضرات کے خلاف مقدمات بنائے اور کبھی وزیر داخلہ نے غیر ملکی سازش کا نام دے کر اپنے داغ چھپانا چاہا۔ جہاں دیگر سیاستدانوں نے اس سانحہ کی مذمت کی وہاں سابق وزیر اعلیٰ بلوچستان نواب محمد اکبر خان بگٹی کا وزیر داخلہ کے جواب میں بیان بڑی اہمیت کا حامل تھا۔ انہوں نے کہا کہ "حکومت کا یہ کہنا کہ سانحہ کوئٹہ میں غیر ملکی ہاتھ ہے' بجا ہے' البتہ غیر ملکی دشمن ہم سے دس ہزار میل فاصلے پر ہے۔ ایران کو ملوث کرنے کی بات دراصل امام خمینی کی ذات اور اسلامی انقلاب کو بدنام کرنے کی سازش ہے۔ ہمارے عوام باشعور ہیں انہوں نے حکومت کی اس سازش کو تقریباً ناکام بنا دیا ہے وگرنہ کوئٹہ میں خوفناک تباہی ہوتی"؟

سابق وفاقی وزیر میر ظفر اللہ جمالی نے بھی اپنے ایک ایسے بیان میں کہا تھا۔ "سانحہ کوئٹہ سے قبل غیر ملکی اہم شخص جو کوئٹہ آیا تھا وہ امریکی سفیر "ڈیسن یلسٹن" تھا۔ کوئٹہ کے قیام کے دوران اس کی سرگرمیاں کافی مشکوک تھیں لہٰذا یہ سانحہ امریکی سازش کا نتیجہ ہے"۔ بلوچستان کی دو بڑی سیاسی شخصیات کے ان بیانات نے امریکہ کو بے نقاب کیا اور حکومت پاکستان کو مزید الجھن میں ڈال دیا۔

حکومت نے کوئٹہ میں نہ صرف خون کی ہولی کھیلی بلکہ ظلم و بربریت کی ایک وحشت ناک یاد تازہ کر دی۔ کرفیو' مستورات اور بچوں پر تشدد' گمراہ کن پروپیگنڈہ اور سینکڑوں افراد کی گرفتاریاں اور انہیں جھوٹے سنگین مقدمات میں ملوث کرنا ایسے اقدامات تھے جو مارشل لاء دور میں پہلی بار ملت جعفریہ کے خلاف کیئے گئے۔

کوئٹہ کے اہل تشیع پر جو بے بنیاد الزامات لگائے گئے وہ انتظامیہ کی طرف سے تھے۔ ڈپٹی کمشنر شکیل حیدر کی الزامات پر مبنی رپورٹ کے مطابق کہ۔ "۶ جولائی کو شیعہ حضرات ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت کوئٹہ شہر کا امن تباہ کر کے کچھ مقاصد حاصل کرنا چاہتے تھے اور ان کے پاس اسلحہ کا ایک ٹرک پہنچ چکا تھا۔ ڈپٹی کمشنر نے اپنی ظالمانہ کاروائی پر پردہ ڈالنے کے لئے یہاں تک کہا کہ پولیس والوں نے گولی نہیں چلائی بلکہ وہاں پولیس کی نفری تو بہت کم تھی۔ ڈپٹی کمشنر کے یہ بیانات وقت کے ساتھ ساتھ

بالکل بے بنیاد اور جھوٹ پر مبنی ثابت ہوئے کیونکہ وسیع پیمانے پر گرفتاریاں اور تشدد کے باوجود کسی قسم کا ناجائز اسلحہ برآمد نہ ہو سکا۔

حکومت نے لاکھ کوششیں کیں کہ شہداء اور متاثرین کے پسماندگان اور قائدین ملت جعفریہ کے درمیان غلط فہمیوں کے ذریعے اختلافات کو ہوا دے۔ مگر قیادت کے حسن تدبر اور حکمت عملی کی بناء پر ایسا نہ ہو سکا۔ علامہ سید عارف حسین الحسینی کی شب و روز کی ریاضت اور پشاور کی ہنگامہ خیز کانفرنس نے حکومت کی ایسی تمام تر کوششوں پر پانی پھیر دیا۔

ان کٹھن حالات کے باوجود بھی آپ نے مرکزی کونسل کا اجلاس بلانے کی ہدایت جاری کی۔ حکومت نے متنبہ کیا کہ ملک میں نقص امن کے اندیشے کے پیش نظر وہ تحریک کی مرکزی کونسل کا اجلاس کسی صورت میں نہیں ہونے دے گی۔ عندیہ دیا گیا کہ اگر اجلاس راولپنڈی یا اسلام آباد میں بلایا گیا تو تحریک کی تمام شخصیات کو گرفتار کر لیا جائے گا۔ حکومت کی پوری کوشش تھی کہ تحریک کی قیادت اور اس کے ادارے بے بس ہو کر رہ جائیں۔ ان حالات نے ایک سراسیمگی کی فضا پیدا کر دی اور بظاہر ایسا لگتا تھا کہ اجلاس کا منعقد ہونا واقعا" ناممکن اور مزید مشکلات کا باعث ہو سکتا ہے۔ مگر قائد کے عزم' استقلال اور بابصیرت فیصلہ جات کے تحت اجلاس کو بلایا گیا اور ملک بھر سے مرکزی کونسل کے اراکین کی ایک کثیر تعداد نے پوری شد و مد کے ساتھ شرکت کی۔ چنانچہ "رضویہ ہال صادق آباد راولپنڈی" میں یہ اجلاس کامیابی کے ساتھ منعقد ہوا اور حکومت کو مداخلت کی جرات تک نہ ہو سکی۔

اس بھرپور اجلاس میں سانحہ کوئٹہ کے ہر پہلو پر بحث ہوئی اور اس کی مکمل ذمہ داری حکومت وقت پر عائد کی گئی اور یہاں اس عزم کا اظہار بھی کیا گیا کہ ملت جعفریہ اپنے حقوق کے حصول کے لئے ایسی قربانیاں دیتی رہے گی اور اپنے آئینی اور مذہبی حقوق سے کبھی روگردان نہیں ہو گی۔ اجلاس میں قائد عزیز پر حکومت کی طرف سے عائد پابندیوں پر شدید غم و غصہ کا اظہار کیا گیا ہے اور مطالبہ کیا گیا کہ محبوب رہنما کو عوام سے دور نہ رکھا جائے۔ اس اجلاس میں شہداء اور متاثرین کوئٹہ کی امداد' اسیران

کی رہائی اور مقدمات کی پیروی کے بارے میں ٹھوس لائحہ عمل کا اعلان کیا گیا۔ اس کے ساتھ ساتھ علماء اور دیگر اسیران کوئٹہ کی رہائی کے لئے علماء اور دینی مدارس کے طلبہ کا اسلام آباد میں ایک احتجاجی مظاہرہ کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔

اس فیصلہ کے تحت علماء کرام کا مظاہرہ ترتیب دیا گیا۔ ۲۱ جولائی کو ہونے والے پاکستان کی تاریخ کے اس منفرد احتجاجی مظاہرے میں دو ہزار سے زائد علماء کرام و دینی مدارس کے طلباء نے شرکت کی۔ روحانی لباس میں ملبوس علماء کرام کا یہ پروقار جلوس تمام پابندیاں عبور کر کے مدرسہ آیت اللہ الحکیم راولپنڈی سے وزارت مذہبی امور کے دفتر کے سامنے پہنچ گیا اور ارجنٹائنز پارک میں کئی گھنٹوں تک احتجاج کا سلسلہ جاری رکھا۔ اسی اثناء میں حکومت سے مذاکرات بھی جاری رہے۔ کوئی حتمی فیصلہ نہ ہونے کی صورت میں علماء کرام نے اسلام آباد میں دھرنا دینے کا فیصلہ کیا اور مرکزی امام بارگاہ میں کیمپ لگا لیا۔ آخر تین چار روز کے اس احتجاج کے بعد حکومت بعض مطالبات تسلیم کرنے پر رضامند ہو گئی۔

اس دوران قائد نے وقت کی نزاکت کا احساس کرتے ہوئے اپنی قوم کے معززین کو ایک پیغام ارسال کیا۔ جس کے الفاظ کچھ یوں تھے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

گرامی قدر ذاکرین عظام و خطباء کرام و عزاداران امام حسین علیہ السلام

السلام علیکم۔ تحفہ یا علیؑ مدد

ملت مظلوم پاکستان آج کل جن حالات سے گزر رہی ہے ان کی سنگینی کا تقاضا تو یہ تھا کہ ہم سب بھائی جسد واحد کی طرح ان نامساعد حالات کا مقابلہ کرتے۔ بدقسمتی سے استعماری سازشوں نے ہمارے درمیان پہلے نفاق کی دیوار کھڑی کی۔ پھر ملت کی تباہی و بربادی کے لئے ہر قسم کا ظالمانہ ہتھکنڈہ اختیار کیا۔ سانحہ کوئٹہ آپ کے سامنے ہے۔ جس انداز سے اپنے ہی ملک کی فوج اور پولیس نے شیعیان حیدر کرار کو سفاکی اور بربریت کا نشانہ بنایا اس نے کربلا کے واقعات کی یاد تازہ کر دی۔ نہتے اور مظلوم شیعوں کے جلوس پر وحشیانہ گولہ باری کی۔ جس سے سترہ مومنین جام شہادت نوش فرما گئے۔

بہ انتہائی دھوکہ اور مکر سے کام لے کر علماء حق کو گرفتار کیا۔ شیعوں کے محلہ میں کرفیو نافذ کر کے ایک سو بیس گھنٹے میں کوئی وقفہ دیئے بغیر پانی بجلی اور خوراک کی ترسیل روک دی۔ چار دیواری کا تقدس پامال کرتے ہوئے گھروں میں گھس کر عورتوں کی توہین کی۔ مردوں کو گرفتار کر کے بے پناہ تشدد کا نشانہ بنایا۔ اس طرح مزید چھ افراد جام شہادت نوش فرما گئے۔ ایسا کیوں کیا گیا؟ کیا یہ لوگ عادی یا کسی اخلاقی جرم کے مرتکب پائے گئے ہیں؟ نہیں !! بلکہ ان کا صرف اور صرف قصور یہ ہے کہ یہ شیعہ ہیں اور حیدر کرارؑ کے ماننے والے ہیں مظلوم کربلا اور ثانی زہرا سلام اللہ علیہا کے عزادار ہیں۔ سفاک دشمن نے ظلم کرتے ہوئے اس بات کا خیال نہ کیا کہ یہ کس گروپ سے وابستہ ہیں بلکہ ظلم کا سزاوار صرف شیعہ ہونا قرار پایا۔ ان حالات میں میں نے یہ ضروری سمجھا کہ آپ کو دعوت فکر دوں کہ ان حالات کی روشنی میں آپ کا یہ وظیفہ شرعی بنتا ہے کہ آپ ظلم کے خلاف ملت مظلوم کی اس جدوجہد میں شریک ہوں۔ ہر طرح سے ظلم سے نفرت کا اظہار کر کے بارگاہ رب العزت میں سرخروئی حاصل کریں اور محمد و آل محمد علیہم السلام کی شفاعت کے مستحق ٹھہریں۔

امام زمانہ علیہ السلام آپ کے حامی و ناصر ہوں

والسلام علیکم و رحمتہ اللہ و برکاتہ

عارف حسین الحسینی ۲۷ شوال ۱۴۰۵ھ

بیسیوں افراد سنگین مقدمات کے الزام میں جیل کے اندر تھے ایسے میں علامہ سید عارف حسین الحسینی نے حتمی فیصلہ کیا کہ قانونی جنگ کے ساتھ ساتھ اپنے ساتھیوں کی رہائی کے لئے بھرپور تحریک چلائی جائے۔ آپ کے اس فیصلہ پر سب سے زیادہ اور منظم کام آئی۔ ایس۔ او پاکستان نے کیا۔ ان نوجوانوں نے مظاہرے اور نشرو اشاعت کے ذریعے پاکستان میں یادگار تحریک چلائی۔ مرکز کی پالیسی کے مطابق آئی۔ ایس۔ او کے نوجوانوں نے لاکھوں کی تعداد میں حکومت کو خطوط اور ٹیلی گرام ارسال

گئے۔ اسیران کوئٹہ کی رہائی کی تحریک کا یہ حال تھا کہ آئی۔ ایس۔ او کا ہر نوجوان ہر آئے دن اپنا شرعی فریضہ سمجھ کر اسیران کوئٹہ کو خط اور حکومت کو ٹیلیگرام بھیجتا تھا۔ جنہیں وصول کرتے کرتے حکومت تنگ آگئی تھی۔ صدارتی ہاؤس میں کام کرنے والے ایک شخص کے بقول کہ حالت یہ تھی کہ صدر کے پی۔ اے اور سیکرٹری کسی بھی ٹیلی گرام کو دیکھ کر بے اختیار کہہ دیتے تھے کہ آئی۔ ایس۔ او کی ٹیلی گرام ہو گی۔

شہدائے کوئٹہ کا چہلم

شہدائے کوئٹہ کو خراج عقیدت پیش کرنے اور ان کے خون سے ایفائے عہد کا پہلا موقع شہداء کا چہلم تھا حکومت کسی حد تک خواہاں تھی کہ اس ملک گیر چہلم کے موقع پر ملت جعفریہ کوئی جذباتی قدم اٹھائے جس سے اسے مزید سازشوں کی تکمیل کا موقع مل سکے۔ مگر علامہ سید عارف حسین الحسینی نے اپنی قائدانہ صلاحیتوں اور عمیق نگاہوں کی بدولت شہداء کے چہلم پر پوری قوم کو ایک لائحہ عمل دیا۔ جس سے آپ کی قائدانہ سوچ کا عکس سامنے آیا۔ آپ نے تاکید فرمائی کہ۔

○ چہلم کی مراسم ادا کرتے وقت تشدد کی پالیسی سے گریز کیا جائے۔

○ ایسے اخباری بیانات اور نشرو اشاعت سے پرہیز کیا جائے جس سے ملت کے جذبات بے قابو ہونے کا خدشہ ہو۔

○ حکومت کے کسی فرد یا ادارہ سے رابطہ سے قبل مرکز سے منظوری لی جائے۔

○ تمام مقررین مجالس چہلم اور تقریروں میں تحریک کے موقف کی پیروی کریں۔ ذاتی موقف کے اظہار سے سختی سے گریز کیا جائے۔

○ اپنی مظلومیت اور بے گناہی اور حکومت کے وحشیانہ مظالم سے صحیح انداز میں مسلمانوں کو مطلع کیا جائے۔

○ اسیران کوئٹہ کا صحیح تعارف کرایا جائے۔

○ عوام سے مربوط رہ کر انہیں تحریک کے پروگرام سے آگاہ کیا جائے۔

○ فلسفہ شہادت کی روشنی میں شہدائے کوئٹہ کی عظمت کو اجاگر کیا جائے۔

○ کوئٹہ کے حالات کی صحیح تصویر اجاگر کی جائے۔

○ حکومت کے من گھڑت افسانوں اور پردہ پوشی سے اہل پاکستان کو صحیح معنوں میں آگاہ کیا جائے۔

آپ کی مدبرانہ پالیسیوں اور قومی تحرک سے حکومت خوفزدہ ہوئی۔ تو اس نے شیعہ سنی اختلافات کو ہوا دی۔ یہاں تک کہ حکومت کے ایماء پر ملک کے بعض مذہبی

جرائد میں برملا اس بات کو اچھالا گیا کہ سانحہ کوئٹہ میں ایرانی افراد ملوث تھے جو پاکستان کا چین اور استحکام تباہ کرنے کے درپے تھے۔ حکومت نے اس بات کو بھی خوب اچھالا کہ ۶ جولائی کو ملت جعفریہ کے احتجاجی افراد اہل سنت کی مساجد کو تباہ کرنے کا ارادہ رکھتے تھے۔ مگر یہ ایک غیر معیاری حربہ تھا جس کی تردید نواب محمد اکبر بگٹی نے کر دی تھی کہ حکومت کے عزائم تو کچھ اور تھے مگر ہمارے عوام نے اسے بھانپ کر اختلافات کے شعلوں کو بھڑکنے نہیں دیا۔ وزیر داخلہ اور حکومت کے تنخواہ خوار مذہبی جرائد ایران کے خلاف زہر اگل رہے تھے۔[۹] مگر شاید انہیں معلوم نہیں تھا کہ سب کچھ طائف کانفرنس کی قراردادوں کا نتیجہ تھا جس میں طے پا گیا تھا کہ پاکستان کے استحکام اور وہاں پر ابھرتی ہوئی مذہبی لہر کو مسلمانوں کے قتل و غارت اور آپس کے اختلاف سے کمزور کیا جائے گا۔

شہدائے کوئٹہ میں دو اہلسنت برادران بھی شہید ہوئے اور حکومت نے یہ تاثر دینے کی کوشش کی کہ یہ اہل تشیع کے ہاتھوں شہید ہوئے تھے مگر ان کے جسموں سے ملنے والی گولیاں پولیس کے مظالم کا منہ بولتا ثبوت تھیں۔ نیز حکومت یہ بھی چاہتی تھی کہ شہداء کوئٹہ کے چہلم کے روز بھی کوئی شیعہ سنی ہنگامہ برپا ہو۔ مگر علامہ سید عارف حسین الحسینی نے اس نزاکت اور خدشہ کا ادراک کرتے ہوئے ۸ اگست ۱۹۸۶ء کو راولپنڈی میں پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا "سانحہ کوئٹہ حکومت اور اس کے آقاؤں کا مکروہ کارنامہ ہے حکومت کوشاں ہے کہ اس سانحہ کو فرقہ واریت کی بھینٹ چڑھایا جائے مگر شیعہ سنی برادران اس بات سے آگاہ ہیں کہ حکومت انہیں دست و گریباں کر کے خود شرمساری سے بچنا چاہتی ہے۔

حکومت کی طرف سے ایسا تاثر دینا قطعاً" غلط ہے کہ فقہ جعفریہ والے پورے ملک میں جعفری نظام کا نفاذ چاہتے ہیں ہم بار بار واضح کر چکے ہیں کہ ہم اپنے حقوق کا مطالبہ کرتے وقت دوسرے مسلمانوں کو ہرگز نظرانداز نہیں کرتے بلکہ ہماری پالیسی رہی ہے کہ ہم اپنے حقوق کے مطالبات کے ساتھ ساتھ پورے مسلمانوں کے حقوق کا مطالبہ کریں ہم بحیثیت مسلمان اسلامی اقدار کے تحفظ کے لئے سب برادران کو مشترکہ

جدوجہد کی دعوت دیتے ہیں۔ مسلمانوں کے ہر فرقہ کو حق حاصل ہے کہ وہ اپنے حقوق کا مطالبہ ضرور کرے۔ ہم حکومت کو کسی کے بھی حقوق غصب کرنے کی اجازت نہیں دیتے کیونکہ کسی کے بھی حقوق کو نظرانداز کرنا اسلامی ہے نہ جمہوری۔

مزید فرمایا کہ "سامراج کے پروردہ افراد نے مسلمانوں کے ذہن میں یہ بات بٹھا دی ہے کہ شیعہ سنی ایک دوسرے کے دشمن ہیں اور ہمارے چند نادان دوست سامراج کے اس عالمی پروپیگنڈے کا شکار ہیں جس کا ہمیں دلی صدمہ ہے۔ ہم ان پر واضح کر دینا چاہتے ہیں کہ ہم تمام مسلمان بھائی ہیں اور ایک دوسرے کے حقوق کا تحفظ کرنا ہمارا اسلامی فریضہ ہے۔ لہٰذا ہمیں چاہئے کہ مشترکہ طور پر دشمن کے خلاف اٹھ کھڑے ہوں اور جہاد کریں۔

ہم نے مردہ باد امریکہ' مردہ باد روسیہ اور مردہ باد اسرائیل کو اپنا شعار بنا رکھا ہے اور نئی نسل کی انہی اصولوں پر تربیت کر رہے ہیں تاکہ ہم سامراج دشمن معاشرے کی تشکیل کر سکیں۔ اگر یہ مسلمان علماء ہمارے ساتھ آواز نہیں ملا سکتے تو ہم ان سے توقع رکھتے ہیں کہ وہ ہماری سامراج دشمن جدوجہد کی مخالفت بھی نہیں کریں گے"۔

اس سلسلہ میں آپ نے اپنے قریبی رفیق علماء کو تاکید کی کہ وہ کوئٹہ جا کر اہلسنت علماء کے ساتھ اتحاد بین المسلمین کے لئے موثر اقدامات کریں اور ضروری سیمینار اور کانفرنس کا انعقاد کریں تاکہ حکومت وہاں کا سکون تباہ کرنے میں ناکام رہے۔ چنانچہ علامہ سید افتخار حسین نقوی' علامہ مہدی نجفی' اہلسنت شخصیات میں سید بدالدجا شاہ' مولانا نجفی گیلانی اور انجمن تحفظ حقوق ہزارہ کے صدر غلام سرور نے کوئٹہ کے مقامی ہوٹل میں اتحاد کانفرنس کی جس کی صدارت پیر سید روح الامین پیر صاحب آف مانکی شریف نے کی۔

9 اگست کو شہداء کا چہلم علمدار روڈ پر عیدگاہ میں منایا گیا جس میں تحریک کے قائدین بالخصوص علامہ سید ساجد علی نقوی' مولانا سید افتخار حسین نقوی' شیخ مہدی نجفی اور ریٹائرڈ جنرل سید تصور حسین نے شرکت فرمائی۔ چہلم کی مجالس میں ہزاروں افراد

نے شرکت کی جن کا جوش و جذبہ دیدنی تھا۔ ہر زبان پر شہداء سے ایفائے عہد کے نعرے اور ہونٹوں پہ ان کے ہجر کے صدمے کی سسکیاں رواں تھیں۔ پورا اجتماع اشکبار اور پرملال تھا۔ والدین اپنے بیٹوں اور بہنیں اپنے بھائیوں کو رو رہی تھیں۔ جبکہ باقی افراد شہداء کی مظلومیت پر آنسو بہا رہے تھے۔ مجلس کے اختتام پر بچوں کا ایک جلوس برآمد ہوا جو قائد اور شہداء کی تصاویر اٹھائے ہوئے قبرستان روانہ ہوئے۔ ہزاروں افراد شہداء کی قبروں پر جمع ہوئے بچوں نے پھول ڈالے اور ظالموں سے انتقام اور بے گناہ خون کا بھرم رکھنے کا عزم کیا۔ انہی رقت انگیز اور ماتمی ماحول میں محبوب قائد سید عارف حسین الحسینی کے ساتھ بھی ایفائے عہد کیا گیا اور ان کی عظیم قیادت میں ظالموں سے ٹکرانے کا اعلان کیا گیا۔

اسی اثناء میں حکومت نے فوراً ہی اسیران کوئٹہ پر مقدمات قائم کر لئے۔ ۱۲۸ افراد کا مارشل لاء عدالت میں چالان بھیج دیا گیا جبکہ ۴۸ افراد گرفتار اور ۸۰ مفرور قرار دے دیئے گئے۔ اسی دوران موچی دروازہ لاہور میں ایم۔ آر۔ ڈی کا جلسہ ہوا جس میں کم و بیش ایک لاکھ افراد نے شرکت کی اور مقررین میں سے نوابزادہ نصراللہ خان' مولانا فضل الرحمٰن' مولانا اکبر ساقی' جہانگیر بدر' ملک محمد قاسم اور حبیب جالب نے سانحہ کوئٹہ کی مذمت کی اور اسے حکومت کی ایک سازش قرار دیا۔

اگست میں ماہ محرم کا آغاز ہوا۔ ایام عزا میں سانحہ کوئٹہ کی حقیقت اور شہداء و اسیران کی مظلومیت کے پرچار کے لئے ایک بہترین موقع تھا۔ تحریک نے اپنے مذہبی اجتماعات میں اپنی مظلومیت کا خوب پرچار کیا اور جذباتی ماحول کی بدولت مظلوموں سے محبت اور ظالم حکمرانوں سے نفرت کا لاوا پھٹ پڑا۔ مجالس کے اجتماعات میں ملک گیر سطح پر اسیران کوئٹہ کے پیغامات سنائے گئے جنہوں نے پوری قوم کے اندر ملی احساس کو تڑپ بخشی۔

محرم الحرام میں قوم کے دل میں حکمرانوں کے ظلم کے خلاف نفرت کی ایک لہر پیدا ہوئی جس سے اسیران کوئٹہ کی رہائی اور حکمرانوں کی رسوائی کے لئے ملک گیر تحریک چل پڑی۔ علامہ سید عارف حسین الحسینی نے تحریک کے ایک ہنگامی اجلاس میں اسیران

کوئٹہ کی رہائی کے لئے ایک لائحہ عمل دیا جو انتہائی پرامن تھا۔ آپ نے فرمایا "کہ ہمیں اس تحریک کو نشرو اشاعت اور حکمرانوں کو ٹیلی گرامز سے شروع کرنا چاہئے اور پھر اسے آہستہ آہستہ اوپر لے جانے کی ضرورت ہے۔ نشرو اشاعت اور پر امن مظاہروں سے سلسلہ شروع ہوا لاکھوں پمفلٹ تقسیم ہوئے' ملک بھر میں دیواروں پر نعرے لکھے گئے' حکمرانوں کو ہزاروں ٹیلیگرامز ارسال کئے گئے۔ ایسران کوئٹہ کو ملک بھر سے خطوط لکھے گئے جس کی بدولت جیل کے سپرنٹنڈنٹ سے لے کر آمر حکمران تک کی نیندیں حرام ہو گئیں۔

تاریخی لانگ مارچ

حکومت اسیران کوئٹہ کی رہائی اور دیگر مطالبات تسلیم کرنے میں مسلسل ٹال مٹول کرتی رہی جب پرامن مطالبات' مظاہرے اور دیگر اقدامات سے مسائل حل نہ ہوئے تو علامہ سید عارف حسین الحسینی نے آخری قدم اٹھانے کا فیصلہ کر لیا۔ ۱۰ اپریل ۱۹۸۶ء کو تحریک کے دوسرے سالانہ کنونشن منعقدہ ملیر کراچی میں تحریک کی مرکزی کونسل کے خصوصی اجلاس میں یہ فیصلہ کیا گیا کہ اگر حکومت نے ۱۹ اپریل تک مطالبات تسلیم نہ کئے تو تحریک نفاذ فقہ جعفریہ پاکستان ۲۰ اپریل سے بھرپور تحریک چلائے گی اس پر بھی حکومت نے مثبت جواب نہ دیا تو یکم مئی ۱۹۸۶ء سے ملک کے کونہ کونہ سے کوئٹہ تک لانگ مارچ کیا جائے گا۔

لانگ مارچ کے اس فیصلہ کا اعلان خود علامہ سید عارف حسین الحسینی نے کراچی پریس کلب میں ایک پریس کانفرنس میں کیا۔ ذرائع ابلاغ کو بتلایا کہ "ہمارا مقصد صرف حصول انصاف ہے ہم ملک میں کوئی لا قانونیت اور بدامنی پھیلانا نہیں چاہتے چونکہ حکومت ہمارے مطالبات کو ایک عرصہ سے نظرانداز کر رہی ہے اور ہمارے مسلسل مذاکرات کے باوجود بے گناہ اسیران کو رہا نہیں کیا گیا لہذا ہم راست اقدام کرنے پر مجبور ہوئے ہیں۔ ہمارا یہ لانگ مارچ اس وقت تک جاری رہے گا جب تک اسیران کوئٹہ کو رہا نہیں کیا جاتا"۔

ملک بھر میں آپ کے اس جراتمندانہ فیصلہ کا خیرمقدم کیا گیا۔ ملت جعفریہ کی تمام تنظیموں اور ان کے کارکنان نے شہر شہر' گاؤں گاؤں پہنچ کر قائد کا پیغام پہنچایا اور اس تاریخی اعلان کی بھرپور تشہیر کی۔ ملک بھر کے در و دیوار حتی کہ ٹرینوں' بسوں اور ویگنوں وغیرہ پر "چلو چلو کوئٹہ چلو" تحریر کر دیا گیا۔ فیصلہ یہ ہوا کہ سب سے پہلے ۱۴ افراد پر مشتمل ایک اعلیٰ وفد راولپنڈی سے کوئٹہ روانہ کیا جائے گا۔ شدید خدشہ تھا کہ حکومت مزاحمت کرے گی اور اس وفد کے اراکین کو کوئٹہ نہیں پہنچنے دیا جائے گا کسی بھی صورتحال کے رونما ہونے کے بعد ۲۷ افراد کا وفد راولپنڈی سے کوئٹہ کے لئے روانہ ہو گا۔

خلاف توقع ۲۰ اپریل کو روانہ ہونے والا پہلا وفد بخیر و خوبی ۲۱ اپریل کو کوئٹہ پہنچ گیا جس کا بھرپور استقبال کیا گیا حکومت نے کسی قسم کی مزاحمت کی جرات نہ کی بلکہ بلوچستان کے گورنر ریٹائرڈ جنرل محمد موسیٰ نے علامہ سید ساجد علی نقوی جو اس وفد کی قیادت کر رہے تھے' کو مذاکرات کی دعوت دی۔ ان مذاکرات کا سلسلہ دو روز تک جاری رہا۔ اسی دوران ملک بھر میں ایک حساس کیفیت برقرار رہی۔ آخر ۲۲ اپریل کی شام کو حکومت نے تحریک کے تمام مطالبات تسلیم کئے۔ اسیران کی فوری رہائی اور ان کے خلاف مقدمات واپس لے لینے کا وعدہ کیا جس کا ریڈیو' ٹیلی ویژن پر باقاعدہ اعلان کیا گیا۔

مطالبات تسلیم ہو جانے پر علامہ سید عارف حسین الحسینی نے پشاور سے قوم کے نام اپنا ایک پیغام جاری کیا جس سے لانگ مارچ کو منسوخ کرنے کا اعلان کر دیا۔ اس پیغام میں ان احباب کا شکریہ بھی ادا کیا گیا جنہوں نے اس پروگرام کی کامیابی کے لئے شب روز زحمتیں اٹھائیں۔

۲۳ اپریل کو چند ذمہ دار رفقاء کے ساتھ آپ کی ایک خصوصی نشست ہوئی جس میں فیصلہ کیا گیا کہ آپ ۲۴ اپریل کو کوئٹہ ایکسپریس کے ذریعے راولپنڈی سے کوئٹہ روانہ ہوں تاکہ اسیران اور شہداء کے پسماندگان کی حوصلہ افزائی کے ساتھ انہیں خراج تحسین پیش کیا جا سکے۔ آپ نے اہم افراد کو اپنے ساتھ چلنے کا پیغام بھیجا اور ۲۴ اپریل کو پروگرام کے مطابق آپ کوئٹہ ایکسپریس سے کوئٹہ روانہ ہوئے۔

راولپنڈی اسٹیشن پر ایک تاریخی ہجوم نے اپنے محبوب قائد کو الوداع کہا۔ ملت جعفریہ کے پیر و جوان ہر اسٹیشن پر جمع ہوئے۔ راستے میں جہلم' گجرات' وزیر آباد اور گوجرانوالہ میں ہزاروں لوگ اپنے عظیم قائد کی جھلک دیکھنے کے منتظر نظر آئے یہ مسافر ٹرین تحریک کا ایک کارواں بن گئی۔

ٹرین لاہور پہنچی تو ایک عظیم اجتماع نے محبوب قائد کا فقید المثال استقبال کیا اور پورا اسٹیشن "پوری قوم کے دل کا چین' عارف حسین عارف حسین" قائد کے

فرمان پر جان بھی قربان ہے" کے نعروں سے گونج اٹھا۔ اس پورے ماحول کو قائد کی موجودگی اور نوجوانوں کے دستوں نے پر عزم بنائے رکھا۔

یہ روح پرور منظر اس وقت مزید پر رونق ہوا جب علامہ سید عارف حسین الحسینی ریل کے ڈبے سے نیچے اترے اور اپنی قوم کے افراد میں گھل مل گئے۔ حفاظتی انتظامات کو بالائے طاق رکھتے ہوئے اپنے عقیدت مندوں کے اصرار پر اسٹیشن کے پل کے اوپر تشریف لے گئے اور وہاں کھڑے ہو کر بیس پچیس منٹ تک خطاب فرمایا۔ اس وقت ریلوے اسٹیشن لاہور کے پلیٹ فارم نمبر ۲ اور ۴ کھچا کھچ بھرے ہوئے تھے۔ آپ کی یہ تقریر وہاں پر موجود تمام مسافروں اور ریلوے کے عملہ نے ہمہ تن گوش ہو کر سنی۔ آپ نے فرمایا "ہم اس ملک میں جمہوریت اور اعلیٰ اسلامی اقدار کے لئے کوشاں ہیں ہم اپنے مقاصد کے حصول میں کسی قربانی سے دریغ نہیں کریں گے۔ ہمارے کوئٹہ کے شہداء اور اسیران نے اس بات کا ثبوت مہیا کیا ہے کہ ہمارے قدم کبھی ڈگمگا نہیں سکتے۔ حکومت نے ہمارے مطالبات تسلیم کر کے اپنی ہوشمندی کا ثبوت دیا ہے۔ اسے چاہئے کہ ملکی سطح کے بڑے مسائل کے حل میں بھی اسی قسم کی دانشمندی کا ثبوت دے یہ ملک اسلام کے نام پر بنا تھا یہاں کسی آمر کو مسلط ہونے کی اجازت نہیں دی جا سکتی"۔ آپ نے اپنی قوم کا شکریہ ادا کیا اور انہیں پر امن طور پر منتشر ہونے کی ہدایت کی۔

یہاں اس امر کا تذکرہ ضروری ہے کہ لاہور کے مخیر حضرات نے اپنے محبوب قائد کی اپیل پر ان سنگین حالات میں دل کھول کر عطیات دیئے اور ٹرین میں آپ کے حضور نذرانے پیش کئے۔

اس سے آگے رات کا سفر شروع ہوا۔ رات بھر لوگ ہر اسٹیشن پر جہاں ٹرین رکتی استقبال کرتے۔ یہ لوگ اپنی گود میں معصوم بچوں کو لئے اسٹیشن پر اپنے قائد کے منتظر ہوتے۔ معصوم بچوں کو اسٹیشن پر رات کی تاریکی میں لانے کا فلسفہ شاید کسی کو سمجھ نہیں آ رہا تھا مگر یہ راز بھی سربستہ نہ رہا جب سید عارف حسین الحسینی اسٹیشن پر پہنچتے تو لوگ معصوم بچوں کو اپنے ہاتھوں پر بلند کر کے کہتے سنائی

دیئے "اے فرزند حسینؑ! ہماری اولادیں آپ کے حکم کی منتظر ہیں۔ لوگوں نے کئی مقامات پر اپنے محبوب قائد کو امام ضامن باندھے۔ کئی مقامات پر صدقات دیئے' کئی مقامات پر سفید ریش ضعیفوں نے لرزتے ہونٹوں سے اور کانپتے ہوئے ہاتھ اٹھا کر دعائیں دیں۔

جب آپ روہڑی اسٹیشن پر پہنچے تو رات کے ڈیڑھ بج چکے تھے۔ تاہم ہزاروں لوگ اپنا آرام قربان کئے اپنے قائد کے منتظر تھے۔ آپ روہڑی اسٹیشن پر ہی تھے کہ آپ کو اطلاع دی گئی کہ حکومت بلوچستان نے تمام اسیران کوئٹہ کو جیل سے رہا کر دیا ہے۔ یہ سنتے ہی عوام نے فاتح قائد عارف حسین کے نعرے لگانا شروع کر دیئے اور یوں سید عارف حسین الحسینی کو وقت کے بہت بڑے آمر پر ایک عظیم فتح حاصل ہوئی جس کے نتیجے میں آپ اپنی قوم میں سربلند ہوئے مگر حکومت کی آنکھ میں خار بن گئے۔

قائد کا استقبال

قائد اپنے کارواں کے ساتھ شہداء کی سرزمین کوئٹہ پہنچے تو پورا شہر اسٹیشن پر پہنچ چکا تھا۔ ملت جعفریہ کے تمام بچے، مرد و خواتین اور پیر و جواں فاتح قائد کا استقبال کرنے آئے ہوئے تھے۔ آج شہداء کی قربانیاں دینے والا شہر اپنے محبوب قائد کے لئے چشم براہ تھا۔ کوئٹہ اسٹیشن کے تمام پلیٹ فارم، اسٹیشن کی عمارت کی چھتیں، وہاں پر موجود ٹرینوں اور پلوں اور ہر وہ جگہ جہاں پر کسی انسان کے کھڑے ہونے کا امکان تھا، انسانوں سے پر تھے۔ بھیڑ اس قدر سخت تھی کہ کوئی شخص پاؤں نہیں اٹھا سکتا تھا۔ ٹرین کے اسٹیشن پر پہنچنے پر ہر ایک نگاہ اس ڈبے پر مرکوز تھی جہاں سے قائد نیچے اترنے کی کوشش کر رہے تھے۔ ہجوم کی شدت کے باعث آپ کو تقریباً بیس منٹ تک نیچے قدم رکھنے کے لئے جگہ نہ مل سکی۔ بصد مشکل آپ نیچے اترے اور وی۔ آئی۔ پی روم تک راستہ بنایا گیا۔

محبوب قائد کو پھولوں کی سرخ پتیوں میں چھپا لیا گیا۔ سرخ پتیوں کے لباس میں ملبوس قائد کو دیکھ کر لوگ ۶ جولائی کے خون میں نہلائی شہداء کی یاد میں آہیں بھرتے رہے اور ماحول پہ طاری سسکیوں نے فاتح قائد کو بھی اشکبار کر دیا۔ آپ سب سے پہلے شہداء کی قبروں پر تشریف لے گئے جہاں سسکیاں چیخوں میں بدل گئیں اور چیخیں ماتم کی شکل اختیار کر گئیں۔ آپ نے ہر شہید کی قبر پر فاتحہ پڑھی اور منٹوں تک سر جھکائے خاموش کھڑے دعائیں پڑھتے رہے۔ تھوڑی دیر بعد ضبط کو فطرت پر غالب پا کر خطاب کرتے ہوئے فرمایا "میں خراج عقیدت پیش کرتا ہوں ان شہداء کو جنہوں نے اپنی خوں رنگ روایات کو زندہ رکھا۔ ہم ممنون ہیں ان شہداء کے جنہوں نے خون کا نذرانہ دے کر پوری قوم کا بھرم رکھ لیا۔ انشاء اللہ یہ بے گناہ خون ظالموں کو خس و خاشاک کی طرح بہا لے جائے گا۔ ہم عہد کرتے ہیں کہ شہداء کے مشن اور خون کی تاثیر کو زندہ رکھنے میں کوئی فروگذاشت نہیں کریں گے۔

آپ نے حکومت پر واضح کیا کہ "ہم نے طویل عرصہ تک صبر کا مظاہرہ کیا ہماری شرافت کا یہ مقصد ہرگز نہ لیا جائے کہ ہم اپنے معاہدہ اسلام آباد کے مطالبہ سے دستبردار ہو گئے بلکہ اب تو ہمارے اس مطالبہ میں مزید تیزی آ گئی ہے کیونکہ ہم نے اسلام آباد میں ایک شہید محمد حسین شاد کی قربانی دے کر معاہدہ کی بنیاد رکھی تھی۔ جبکہ آج سترہ شہداء کے خون نے ہمارے مطالبات کو مزید تقویت بخشی ہے"۔

شام کے وقت آپ نے تمام رہا شدہ اسیران سے مدرسہ امام الصادق کے ہال میں ایک خصوصی نشست کی۔ آپ نے انہیں خراج عقیدت پیش کیا اور ہر ایک سے اس کی داستان غم سنی۔ اگلے روز آپ تمام شہداء کے گھروں میں تعزیت کے لئے گئے اور پسماندگان کی دلجوئی کی۔ آپ شہداء کے والدین اور ورثاء سے تعزیت کرتے تو وہ جواباً کہتے "آپ کے اشارے پر ہمارے جوان قربان ہیں ہمارے بڑھاپے کے اثاثے نوجوان بیٹے آپ کا صدقہ ہیں۔ بعض شہداء کی دکھی ماؤں نے کہا "اے محبوب قائد ہمارے جواں بیٹوں کا خون اور جواں بیٹیوں کی چادریں آپ کے ایک اشارے پر قربان ہیں"۔ یہ جملے سن کر آپ کا بدن لرز گیا۔ آپ سر جھکائے شاید یہی کہہ رہے ہوں گے کہ پوری قوم کے وقار اور مذہب حقہ کی حقانیت کا نذرانہ ہے۔

آپ نے تمام رہا شدہ احباب کو پاراچنار کی دعوت دی اور آئی۔ ایس۔ او کے ساتھیوں کو تاکید فرمائی کہ وہ ملک گیر دورہ کر کے اپنی قوم کو صحیح حالات سے آگاہ کریں کہ حکومت نے بے گناہوں پر ظلم کے کتنے پہاڑ توڑے ہیں؟

اس سانحہ میں اپنی حکمت عملی کی بناء پر علامہ سید عارف حسین الحسینی کا اپنی قوم میں وقار بلند ہوا مگر آپ حکومت کی آنکھ میں کانٹا بن گئے۔ آپ وقت کے آمر جنرل ضیاء الحق کے لئے ایک چیلنج کا روپ اختیار کر گئے۔

اپنے وجود کے لئے خطرہ سمجھنے والی ان استعماری قوتوں نے سانحہ کوئٹہ کے بعد علامہ سید عارف حسین الحسینی پر کڑی نگاہ رکھی اور آپ کے خلاف منصوبہ

بندی شروع کی۔ اس سانحہ پر حکومت اور اس کے آقاؤں کو ہر پہلو سے ندامت اٹھانا پڑی اور یہی ندامت ایک ناسور کی طرح ۵ اگست ۱۹۸۸ء کی صبح تک ان کے قلب و نظر پر مسلط رہی۔

ادھر مغربی تہذیب کے ناخداؤں نے اسلامی انقلاب کی تابناکی میں اپنی انسان دشمن تہذیب کی ہلاکت کے امکانات کو محسوس کر لیا۔ انہوں نے اپنے ذرائع ابلاغ میں یہاں تک تحریر کیا۔

Man of piety in the Muslim world are the most dangrous people for the westren civilization.

"امت مسلمہ میں صاحبان تقویٰ شخصیات کا وجود مغربی تہذیب کے لئے خطرہ کا باعث ہے۔"

چنانچہ ایک عالمی سازش کے تحت ہر اسلامی ملک میں معروف صاحب تقویٰ شخصیات کو مشخص کر کے ان کی زندگی کے چراغ گل کر دینے کی شیطانی سازش کی گئی۔ جب کہ قدرت صاحب تقویٰ کو کامیاب اور پسندیدہ قرار دیتی ہے۔ تو شیاطین عالم نے ایسے برگزیدہ انسانوں کے قتل کا منصوبہ بنایا۔ چنانچہ باقر الصدر' موسیٰ صدر' شیخ راغب الحرب' آقای بہشتی' آقای مطہری' شہید مہدی حکیم' عارف حسین الحسینی اور شہید عباس موسوی جیسی بلند پایہ بزرگ اور خدا کی محبوب شخصیات اس عالمی سازش کی بناء پر شہادت سے ہمکنار ہوئیں۔

ملتِ جعفریہ کے خلاف حکومت کی منصوبہ بندی

(i) عزاداری سید الشہداءؑ پر حملے۔

حکومت علامہ سید عارف حسین الحسینی کی صلاحیتوں اور افکار سے آگاہ ہو چکی تھی اسے یقین ہو چکا تھا کہ یہ شخص روایتی مذہبی لیڈر نہیں بلکہ خلوص نیت سے ملک میں اسلامی نظام کا خواہاں ہے۔ وہ روایات سے ہٹ کر ملک میں نظام کی تبدیلی کے لئے متحرک ہے اور اپنے ارادوں کی پختگی اور عمل میں معنویت رکھتا ہے۔۔ وہ نہ صرف امام خمینی کے نمائندہ کی حیثیت سے پاکستان میں اسلامی انقلاب کی ترویج کا امین ہے بلکہ آمریت' نجدیت' سامراجیت اور ملوکیت کے لئے بیک وقت خطرہ ہے۔

آپ کے بلندپایہ افکار قائدانہ صلاحتیں' حکومت وقت'امریکہ اور سعودیہ کے لئے بہت بڑا چیلنج تھیں کیونکہ یہ تمام عناصر پاکستان میں امام خمینی کی حقیقی اسلامی فکر اور اس کے نفوذ کو اپنے وجود کے لئے خطرہ گردانتے تھے۔

چنانچہ حکمرانوں نے اہل تشیع کی ابھرتی ہوئی تعمیری سوچ اور سیاسی بصیرت کو سطحی مسائل میں الجھانے کا منصوبہ تیار کیا۔ اس منصوبہ کے تحت اہل تشیع کی شہ رگ "عزاداری سید الشہداء" کو تشدد کا نشانہ بنایا گیا اور اس کی راہ میں رکاوٹیں کھڑی کرنے کی ہر ممکن کوشش کی گئی۔ جس کے نتیجے میں لاہور' راولپنڈی' سرگودھا' ملتان' لیہ' ڈیرہ اسماعیل خان' ڈیرہ غازی خان' جھنگ' اٹک' کراچی' بدین' بھکر' میانوالی اور بہاولپور میں ایک حکومتی پروردہ گروہ سے عزاداری پر منظم حملے کرائے گئے۔

یہ فسادات نہ صرف حکومت کی ایماء پر ہوئے بلکہ بعض مقامات پر پولیس کی نگرانی میں سرانجام دیئے گئے۔ اہل تشیع کی مساجد' امام بارگاہیں اور گھروں کو نذر آتش کیا گیا۔ عزاداری اور ماتمی جلوسوں پر فائرنگ تک کی گئی جس کے نتیجے میں بہت سے عزادار شہید ہوئے۔

ان دلخراش اور پرخطر حالات میں علامہ سید عارف حسین الحسینی نے ملک بھر کے متاثرہ علاقوں کا دورہ کیا یہاں تک کہ جہاں علم مبارک کی بے حرمتی ہوئی یا کوئی عزادار شہید ہوا آپ وہاں پہنچے۔ متاثرین کو حوصلے دیئے اور انہیں سامراج کی سازشوں سے آگاہ فرمایا۔ آپ مختلف مقامات پر مساجد' قرآن مجید اور تعزیہ کی بے حرمتی پر اشکبار ہوئے آپ جلے ہوئے تعزیہ اور مساجد کو بوسے دیتے اور قوم سے انتہائی درد ناک لہجے میں مخاطب ہو کر فرماتے "آئندہ علم عباسؑ وہی لگائے جو اس کی حفاظت کر سکے"۔ آپ کسی بھی شہید کے گھر جاتے تو ان کے گھر چٹائی پر بیٹھ کر شریک غم ہوتے۔

لیہ کے فسادات میں ایک انتہائی غریب گھرانے کا نوجوان شہید ہوا۔ آپ وہاں پہنچے تو متمول گھر میں آپ کے قیام کا بندوبست کیا گیا صاحب خانہ نے شہید کے غریب باپ کو بلانے کے لئے کہا تا کہ اسے تعزیت پیش کی جا سکے مگر آپ نے فرمایا "یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ میں شہید کے باپ کو اپنے پاس بلا کر تعزیت کروں' مجھے تو ہر حال میں ان کے گھر جانا ہے"۔ آپ اپنے رفقاء ریٹائرڈ جنرل تصور حسین' علامہ ساجد علی نقوی اور علامہ محمد تقی نقوی کے ہمراہ اس غریب شخص کے گھر پہنچے۔ اس کے بوسیدہ سے مکان میں چٹائی پر بیٹھ کر تعزیت کی اور اسے کچھ امداد دے کر اجازت طلب کی۔

آپ جہاں بھی تشریف فرما ہوتے آپ کی طرف کسی شہید کا والد یا بھائی آ رہا ہوتا تو آپ اٹھ کر اس کا استقبال کرتے اور فرماتے یہ ہمارے محسن ہیں انہوں نے قربانی دے کر مذہب کی لاج رکھ لی ہے۔ شہداء کے گھروں میں تشریف لے جانے پر اگر بعض شہداء کے بارے میں معلوم ہوتا کہ وہ اس غریب گھرانے کا واحد کفیل تھا اور اب اس کے چھوٹے چھوٹے یتیم بچے بالکل بے آسرا ہیں تو آپ پورے سفر میں اداس رہتے اور دوستوں سے پوچھتے۔ "کیا یہ ظالم حکمران عذاب خدا سے بچ جائیں گے اور پھر خود اعتمادی سے فرماتے' نہیں یہ عذاب خداوندی کی گرفت میں ضرور آئیں گے۔ کیونکہ معصوم اور یتیم بچوں کی آہیں عرش خداوندی سے

ٹکراتی ہیں"۔

آپ نے استعمار کی اس فرقہ وارانہ سازش کا مقابلہ کرنے کے لئے اپنی حکمت عملی کو چار زاویوں پر مرکوز کیا۔

۱۔ آپ نے فرقہ وارانہ فسادات کو شیطان بزرگ امریکہ کی سازش قرار دے کر اسے رسوا کیا۔

۲۔ آپ نے حکمرانوں کو اس سازش کا ذمہ دار ٹھہرا کر ملک میں ان کے مذموم مقاصد کا پردہ چاک کر دیا۔

۳۔ آپ نے مسلمانان پاکستان کو اتحاد بین المسلمین کی پر خلوص دعوت دی اور وحدت المسلمین کے لئے مثالی کردار ادا کیا۔

۴۔ آپ نے اپنے حقوق کے تحفظ کی جنگ جاری رکھی۔

اس حکمت عملی کا ہر زاویہ انتہائی کٹھن اور مشکل تھا مگر آپ نے عوام سے مسلسل روابط' پریس کانفرنسیں' شب و روز کے دورہ جات' بیانات' تقاریر اور سیمینار منعقد کر کے تمام زاویوں کو مکمل کیا۔

اکتوبر ۱۹۸۶ء کو بھیجے گئے قوم کے نام پیغام میں آپ نے فرمایا "برادران ایمانی یہ ہنگامے اور یہ پر تشدد واقعات صرف پاکستان تک محدود نہیں ہیں بلکہ ان کا تعلق ایران و لبنان میں سامراجیوں کی شکست سے ہے' ان کا تعلق اقوام متحدہ سے اسرائیل کے اخراج کی کوششوں سے ہے' ان کا تعلق اسلامیان پاکستان کے قادیان فتنے کے خلاف تازہ جدوجہد سے ہے' یہ ہنگامے سامراجی عناصر کے پے در پے شکستوں کا انتقام لینے کی کوششیں ہیں۔ یہ ایک صیہونی سازش ہے جو اسلام' اتحاد ملت اور پاکستان کی سالمیت کے خلاف زہر قاتل ہے۔ کراچی کا سواد اعظم نامی گروہ اور حکومت براہ راست اس میں صیہونیت کے آلہ کار کی حیثیت سے شامل ہیں۔

میری قوم کے ہر ایک فرد خواہ وہ عالم ہے یا طالب علم' وکیل ہے یا تاجر' جوان ہے یا ضعیف' سے اپیل ہے کہ وہ تشخص ملی' وحدت مسلمین اور تحفظ دین شعائر اللہ اور عزاداری کے لئے اپنے دن رات ایک کر دیں اور دشمن کی اس

سازش کا قلع قمع کرنے کے لئے ہم سے تعاون فرمائیں۔ انشاء اللہ ہم خدا کے فضل وکرم اور امام زمانہ علیہ السلام کی سرپرستی سے ہر ایسی سازش کو ناکام بنا دیں گے"۔

فرقہ واریت کی آگ کچھ زیادہ بھڑکنے لگی تو آپ نے اسلام آباد میں ایک پرہجوم پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا "صحافیان محترم۔ آپ بخوبی آگاہ ہیں کہ گذشتہ چند سالوں سے جہاں پاکستان کے دیگر شہریوں کی آزادیاں سلب کی گئیں ہیں وہاں ملک کی ایک اہم آبادی "اہل تشیع" کو بھی ان کے جائز حقوق سے محروم کیا گیا ہے۔ ہم ایک عرصہ سے ان حقوق کے لئے تحریک چلا رہے ہیں جو انتہائی پرامن ہے۔ جہاں ہم نفاذ اسلام اور اتحاد ملت مسلمہ کے لئے سرگرم عمل ہیں وہاں اپنے جائز مطالبات اور اپنی فقہ کے نفاذ کے معاملے میں بھی اپنا ایک موقف رکھتے ہیں۔ ہمیں افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ حکومت ہمارے جائز مطالبات پورے کرنے کی بجائے ہماری راہ میں نئی نئی مشکلات پیدا کر رہی ہے۔ اب حالت یہ ہے کہ نام نہاد اسلامی حکومت کے دور میں نواسہ رسولؑ کی عزاداری بھی خطرات اور بحران کا شکار ہے۔

یہ بات آپ سے ہرگز پوشیدہ نہیں ہے کہ اس وقت ملک مذہبی منافرت اور فرقہ واریت کی زد میں ہے اور یہ ناسازگار فضا حکومت کی پیدا کردہ ہے۔ شاید اسے معلوم نہیں کہ ملک ایسی مکدر فضا کا ہرگز متحمل نہیں ہے۔ آج حکمران اپنے اقتدار کے تحفظ کے لئے ایسی حرکات کے مرتکب ہو رہے ہیں جو کل ملکی استحکام کو پارہ پارہ کر سکتی ہیں۔ ملکی بحران اور سیاسی جماعتوں کے دباؤ کے پیش نظر عوام کی توجہ اصل مسائل سے ہٹانے کے لئے ملک میں فسادات کرائے گئے ہیں۔ ہمیں کچھ مصدقہ اطلاعات موصول ہوئی ہیں کہ حالیہ فسادات کئی سرکاری ایجنسیوں کے افراد کی ایماء پر ہوئے ہیں۔

ہم متاثرہ علاقوں کے دورے کرنے کی بعد اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ کوئی مسلمان مساجد اور عبادت گاہوں کو آگ لگانے کی بزدلانہ حرکت کا مرتکب نہیں ہو سکتا۔ یہ امریکی سامراج کے ایجنٹوں کی کارستانی ہے۔ جو خالصتاً" مادی مفادات اور

اپنے آقاؤں کی خوشنودی کی غرض سے کی گئی ہے"۔

فرقہ واریت کو حکومت کی پذیرائی ملی تو محرم ۱۹۸۶ء میں پاکستان کا دل شہر لاہور بھی مذہبی منافرت کی زد سے محفوظ نہ رہا۔ جس کے نتیجے میں مومنین کے گھر' مساجد اور امام بارگاہیں نذر آتش ہو گئیں۔ بلکہ ذوالجناح کو گولیوں کا نشانہ بنایا گیا۔ جب اس سنگین واقعہ کی اطلاع ٹیلیفون پر علامہ عارف حسین الحسینی کو دی گئی تو انہوں نے ٹیلیفون کرنے والے نوجوان کو جھاڑتے ہوئے فرمایا۔ "جب یہ سب کچھ ہو رہا تھا تو آپ کہاں تھے؟ مجھے یہ بتائیں کہ علم مبارک اور ذوالجناح کا تحفظ کرتے ہوئے کتنے لوگ شہید ہوئے ہیں؟"

اس سانحہ کے بعد آپ فوراً" لاہور تشریف لائے۔ اس وقت لاہور کرفیو کی لپیٹ میں تھا۔ آپ کے ہاتھ میں سیاہ رومال تھا اور آپ کافی غمگین تھے۔ آپ نے پہنچتے ہی حقائق معلوم کئے۔ ایک ایک پہلو کا جائزہ لیا اور خود بھی متاثرہ مقامات کو دیکھنے کی خواہش کا اظہار فرمایا۔ آپ نے کرفیو کے دوران متاثرہ مقامات کا دورہ کیا وہاں کے متاثرین سے تفصیلات طلب فرمائیں اور مومنین کو واشگاف الفاظ میں فرمایا۔ "اب وقت آپ سے رنگین ٹی وی' فریج' ایئر کنڈیشنڈ اور ایسے لوازمات کا مطالبہ نہیں کرتا لہذا اپنی ناموس اور عزاداری کے تحفظ کے لئے اپنے دفاع کو مضبوط بنائیں۔ آپ نے اپنی قوم پر واضح کیا کہ بلاوجہ کسی کو چھیڑنا ہماری عادت نہیں ہے مگر چھیڑنے والے کو چھوڑنا بھی ہماری عادت کے برخلاف ہے"۔ آپ نے اسلام پورہ کے ایک جلے ہوئے گھر کا دورہ کیا تو وہاں ایک ضعیف سید زادی نے روتے روتے حال دل یوں بیان کیا "آقا صاحب میری جواں بیٹی کا جہیز بھی جل چکا ہے"۔ آپ سیدہ کے غمناک بین سن کر کافی دیر تک خاموش کھڑے رہے۔ مومنین کی دلجوئی کے بعد آپ واپس جامعۃ المنتظر آئے تو احباب کی خوب سرزنش فرمائی کہ آپ اتنے بے بس ہیں کہ دشمن اس پر رونق شہر میں بھی آپ کو نقصان پہنچاتا رہا ہے اور آپ اپنی تباہی کا منظر دیکھتے رہے۔

جب جامعۃ المنتظر میں قائد کی آمد پر یہ معروف نعرہ لگایا گیا کہ "قائد

کے فرمان پر جان بھی قربان ہے" تو قائد نے انتہائی غصہ میں کہا سکوت۔ کیوں جھوٹ بولتے ہو۔ علم عباسؑ اور ذوالجناح زخمی ہو گئے اور آپ کو خراش تک نہ آئی اور اب یہ نعرہ لگاتے ہو۔ انہیں اس قدر غصہ میں کبھی نہ دیکھا گیا تھا۔

آپ نے لاہور میں پرہجوم پریس کانفرنس سے تاریخی خطاب کیا' جو آپ کی قائدانہ فکر اور معیار کا منہ بولتا ثبوت تھا۔ آپ نے فرمایا۔ ""صحافیان محترم اس سال محرم میں جو فسادات ہوئے وہ آپ سے پوشیدہ نہیں ہیں جو کہ سابقہ دو چار سالوں سے کہیں زیادہ ہیں جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مسلمانوں کے خلاف ایک منصوبہ بندی سے کام ہو رہا ہے۔

بین الاقوامی تناظر کا مطالعہ رکھنے والوں کے لئے یہ کوئی ناقابل فہم معمہ نہیں ہے۔ اگرچہ ان فسادات کو شیعہ سنی فسادات کا نام دیا جا رہا ہے لیکن حقیقت اس کے برعکس ہے۔

""ہم نے جب استعمار کے خلاف آواز اٹھائی اور لوگوں کو اپنے مشترکہ دشمن کی طرف متوجہ کیا اور آپس کی تفرقہ بازی کی جگہ عالمی استعمار کے خلاف مظاہرے شروع کئے تو استعمار نے اس مقدس مقصد سے منحرف کرنے کے لئے ہمیں داخلی انتشار میں مبتلا کر دیا۔

گذشتہ کئی سالوں سے خون مسلم کی ارزانی ہوتی رہی' مساجد کا تقدس پامال ہوا' ہمیں توقع تھی کہ بعض زندہ ضمیر شخصیات ملک دشمن سرگرمیوں کے خلاف اٹھ کھڑے ہوں گے اور ملت مسلمہ کو اس ندامت سے بچائیں گے مگر یہ توقعات پوری نہ ہوئیں۔ اس ملک میں ہم اخلاقی اور شرعی طور پر اپنا دفاع خود کرنے کا حق رکھتے ہیں اور آئندہ اپنا مکمل دفاع کریں گے۔

ان واقعات میں استعمال ہونے والے افراد کچھ تو جانے پہچانے چہرے ہیں اور کچھ کے چہروں پر مختلف نقاب ہیں۔ لیکن حکومت اور دوسرے افراد دونوں قسم کے گوں کو اچھی طرح پہچانتے ہیں۔ شاید بین الاقوامی مجبوریوں کی وجہ سے ان کی انسانیت سوز جرائم سے چشم پوشی کی جا رہی ہے۔ ان فسادات میں ملوث افراد کو ہم

اس لئے استعماری سمجھتے ہیں کہ یہ لوگ ہر اسلامی انقلاب کے خلاف ہیں حتی کہ انقلاب حسینی کے بھی خلاف ہیں۔

ان حالات میں جبکہ ملک کی سالمیت اندرونی اور بیرونی طور پر شدید خطرات سے دوچار ہے۔ ملک کو داخلی طور پر انتشار کا شکار کرنا' بین الاقوامی اسلام دشمن قوتوں اور ان کے آلہ کار عناصر کی کھلی سازش ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ یہ عناصر مذہب کی آڑ میں پاکستان کے وجود کے خلاف سرگرم عمل ہیں۔

ہمیں حکومت کی زیادتیوں کے ساتھ ساتھ چند علماء کرام سے بھی شکوہ ہے جو کھلی آنکھوں سب کچھ دیکھنے کے باوجود نہ صرف خاموش ہیں بلکہ آپس میں دست و گریباں ہیں۔ ایسا لگتا ہے کہ وہ اپنی ذمہ داریوں سے انحراف کر رہے ہیں۔

ہم تمام مکاتب فکر سے مخلصانہ اپیل کرتے ہیں کہ وہ اسلامی اقدار اور اخوت کے محافظ بنیں اور یہ ملک جو لاکھوں فرزندان توحید کی جان اور ناموس کی قربانی دے کر حاصل کیا گیا تھا اس کے شیرازہ کو بکھرنے سے بچائیں تاکہ دشمن کے سامنے ملت مسلمہ کا وقار بلند رہے۔

اس کے ساتھ ایک بار پھر میں آپ تمام صحافیان کا شکریہ ادا کرتے ہوئے آپ سے ایک گزارش بھی کرتا ہوں کہ آپ کا قلم آپ کے ضمیر کا ترجمان ہوتا ہے۔ آپ چاہیں تو مسلم معاشرہ کو اسلامی راہ پر چلا کر انقلاب برپا کر دیں اگر چاہیں تو قلم کے ذریعے معاشرہ میں زہر بھر دیں چونکہ آپ ایک مسلمان صحافی ہیں اس لئے آپ کو اسلامی مشکلات اور بین الاقوامی سازشوں کا علم ہے اس لئے آپ سے گزارش ہے کہ آپ استعمار کے خلاف کام کریں۔ اگر خدانخواستہ ایسا نہیں کر سکتے تو پھر استعمار کے خلاف کام کرنے والے گروہوں کے افکار کو زمانے تک ایمانداری سے پہنچائیں"۔

اس پر جوش پریس کانفرنس سے فارغ ہونے کے بعد آپ نے نوجوانوں کے ایک اجتماع سے خطاب کیا اور ہر سطح کے نوجوان کو اس کی ذمہ داریوں سے آگاہ فرمایا۔

اس موقع پر پھر آپ نے نوجوانوں کو تاکید فرمائی کہ وہ متاثرہ علاقوں' نذر آتش گھروں' مساجد' قرآن مجید کے نسخوں اور امام بارگاہوں کی فلمیں تیار کر کے ملک بھر کے عوام کو استعمار کے ایجنٹوں کی کاروائی سے مطلع کریں۔

ان مصائب و آلام کے ایام میں ایک اور سازش جس میں آپ کو الجھانے کی کوشش کی گئی وہ ڈیرہ اسماعیل خان کی عزاداری کے روٹ کی بندش کا مسئلہ تھا۔ جو ۱۹۸۶ء کو ایک معمولی سی استعماری شرارت سے شروع ہوا۔ درحقیقت یہ بھی عزاداری کے خلاف طے شدہ منصوبہ بندی کا جزو تھا' جسے کمشنر ڈیرہ اسماعیل خان نے تکمیل تک پہنچایا۔ علامہ عارف حسین الحسینی سے مطالبہ کیا کہ وہ اپنا روٹ تبدیل کرلیں تو آپ نے حکومت پر واضح کیا کہ ہم اپنا روٹ اس لئے تبدیل نہیں کرنا چاہتے کہ ایک تو ہمارا ڈیڑھ سو سالہ حق ہے' دوسرا ہم نے یہ روٹ تبدیل کر دیا تو پھر یہی تجربہ پورے ملک پر دہرایا جائے گا جو ہمارے لئے بے حد مسائل پیدا کرے گا۔

آپ نے عزاداری کے اس روٹ کی بحالی کے لئے انتہائی محنت سے جنگ لڑی۔ آپ نے ڈیرہ اسماعیل خان کے ایک احتجاجی جلسہ سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ "حکومت ہمیں باور کراتی ہے کہ روٹ کی بندش اہل سنت کا مطالبہ ہے مگر ہم نے واضح کیا ہے کہ اس میں حکومت کا ہاتھ ہے۔ ہم نہیں سمجھتے کہ اہلسنّت برادران کو ہمارے روٹ سے تکلیف ہے۔ یہاں کے سنی شیعہ تو دو سو سال سے اکٹھے چلے آ رہے ہیں۔ اس سلسلہ میں مجھے اطلاعات موصول ہوئی ہیں کہ اہل سنت برادران تو عاشورا کے جلوس کے شرکاء کو دودھ اور نیاز پیش کرتے ہیں۔ یقیناً یہ مسئلہ حکومت کا پیدا کردہ ہے۔ اگر اہلسنّت کا مسئلہ ہے تو پھر حکومت ہم سے مذاکرات کی مت سوچے۔ ہم اپنے مسائل خود اپنے بھائیوں سے حل کرلیں گے"۔

عزاداری پر حملوں کا سلسلہ جاری ہی تھا کہ استعمار کے اشارے پر اس کے نمک خوار نام نہاد مسلمانوں نے ملت جعفریہ کے خلاف انتہائی غلیظ اور خود ساختہ عقائد پر مبنی نشر و اشاعت کا آغاز کر دیا۔ مخالفین کی نشر و اشاعت سے آپ کافی

مایوس ہوئے۔ اس حوالے سے نہیں کہ آپ حوصلے ہار گئے بلکہ آپ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ "شیعہ تو مشکلات برداشت کرنے کے لئے پیدا ہوئے ہیں اور مشکلات شیعوں کی میراث ہیں"۔ آپ کو رنج اس بات کا تھا کہ ملت مسلمہ کو سامراج کے اشاروں پر بھٹکایا جا رہا ہے۔ چونکہ آپ استعمار کے ازلی دشمن اور ملت مسلمہ کے حقیقی مخلص تھے۔ اس لئے ہر وہ کام جو استعمار کی حوصلہ افزائی اور مسلمانوں کی رسوائی کا باعث ہوتا تھا' آپ کے دل میں نشتر بن کر اتر جاتا تھا۔

یہ وہ ایام تھے جب ضیاء الحق نہ جانے کن سوچوں کی بنیاد پر اہل تشیع کا بدترین دشمن بنا ہوا تھا۔ درسگاہوں کے امامیہ طلباء' سرکاری اور نیم سرکاری اداروں کے اعلیٰ شیعہ افسران اور تحریک کے کارکنان حکومتی کاروائیوں کی زد میں تھے۔ گلی کوچوں سے لے کر پارلیمنٹ تک وہابیت اور نجدیت کا راج تھا۔ یہاں تک کہ مولانا منظور چنیوٹی کی ایک متعصبانہ تحریک پر حکومت نے ملک بھر کے گریڈ سترہ (۱۷) اور اوپر کے تمام شیعہ ملازمین کی فہرستیں تیار کرنے کی ہدایات جاری کی تھیں۔ فوج میں مذہبی لٹریچر کی تقسیم کے ساتھ ساتھ شیعہ جرنیل حکومتی کاروائیوں کا نشانہ بنتے جا رہے تھے' یہی حال عدلیہ کا تھا۔ شریعت کورٹ یا دیگر عدالتوں میں شیعہ ججوں پر ایک قسم کا قدغن تھا۔ غرضیکہ کسی بااختیار ادارے کی سربراہی یا اداروں کے اہم عہدوں پر ملت جعفریہ کے افراد پر دائرے تنگ کئے جا رہے تھے۔

مکتب تشیع کے ساتھ ساتھ یہ دور بریلوی مسلک سے تعلق رکھنے والوں کے لئے بھی خاصا کٹھن تھا۔ اسلامک یونیورسٹی اسلام آباد میں بریلوی پروفیسر کا اخراج' وہابی اور نجدی عناصر کے اشاروں پر بریلوی علماء کی بلاجواز گرفتاریاں اور شرعی حوالے سے شریعت کورٹ یا حکومتی اداروں کی مساجد میں تعیناتی پر بریلوی علماء کی حق تلفیاں ضیاء دور کی چند نمایاں کاروائیاں تھیں۔

ضیاء الحق کی ذہنی متعصبانہ سوچ کا اندازہ ۲۴ جولائی ۱۹۹۳ء کے دور "جنگ میگزین" میں سابق چیف جسٹس شریعت کورٹ آفتاب حسین کے انٹرویو سے ہوتا ہے۔ انہوں نے برملا اظہار کیا کہ جب انہیں استحقاق کی بنیاد پر شرعی عدالت کا

چیف جسٹس نامزد کیا گیا تو ضیاء الحق نے انہیں اپنے پاس بلا کر دیگر چند معلومات کے علاوہ مسلک کے بارے میں بھی دریافت کیا (ان کے نام سے شیعہ ہونے کا شبہ تھا' اس سے قبل فوج کے جنرل سید تصور حسین اور جنرل تجمل حسین بھی انتقامی کاروائی کا نشانہ بن چکے تھے) تو انہوں نے جواباً" کہا کہ ان کا مسلک قرآن و سنت ہے۔ جناب آفتاب حسین نے اپنے اسی انٹرویو میں واضح کیا کہ ضیاء دور میں بریلویت کے خلاف انتہائی زہریلی منصوبہ بندی کی گئی تھی اور اس مسلک کے خاتمے کے لئے ہر ممکن کوشش کی گئی۔

(ii) شریعت بل۔

ضیاء الحق کا ایک اور قدم جو شرعی حوالے سے ملت جعفریہ پر گراں گزرا وہ شریعت بل تھا جو ضیاء کی خواہش پر مولانا سمیع الحق سینٹر اور قاضی عبدالطیف نے پیش کیا تھا اور پیش کرنے والے اس گروہ کو "متحدہ شریعت محاذ" کا نام دیا گیا تھا۔ شریعت بل کے پس پردہ صرف شیعہ دشمنی ہی نہیں تھی بلکہ اس کا مقصد مزید دو چار سال کے لئے مولویوں کو ورغلانا' خود ساختہ شریعت کو ایک نیا رنگ دینا اور ملت جعفریہ کو مزید مسائل میں الجھانا تھا۔ جہاں یہ بل ملت جعفریہ کے لئے گراں تھا وہاں بریلوی مکتب فکر کے ساتھ ساتھ اہلحدیث کے لئے بھی متنازعہ تھا جس کی جنگ لڑتے لڑتے علامہ احسان الٰہی ظہیر کو زندگی کی بازی ہارنا پڑی۔

ضیاء الحق کی طرف سے دیگر پیدا کردہ مشکلات' عزاداری پر حملے' غلط پروپیگنڈے وغیرہ کے علاوہ شریعت بل خالصتاً" مسلکی حملہ تھا جو ملت جعفریہ کے لئے ناقابل قبول اور ناقابل برداشت تھا۔ اسی اہم مسئلہ پر علامہ سید عارف حسین الحسینی نے اپنے علماء کے تعاون سے اس اہم حساس مسئلہ پر بڑی بے جگری سے جنگ لڑی اور اپنی محنت و دلائل سے ملت مسلمہ پاکستان میں ضیائی عزائم کا پردہ چاک کر کے اسے مزید رسوا کیا۔

آزاد کشمیر کے تنظیمی و تبلیغی کنونشن میں اپنی قوم پر واضح کیا کہ "موجودہ پیش

کردہ شریعت بل سے فرقہ واریت کی بو آتی ہے لہٰذا حکومت اسے تمام مکاتب فکر کے لئے قابل قبول بنائے۔ اگر اسے موجودہ مشکل میں نافذ کرنے کی کوشش کی گئی تو اس کے نتائج سنگین ثابت ہوں گے۔ ہم پاکستان میں فرقہ واریت سے بالاتر ایسا نظام چاہتے ہیں جس سے اتحاد بین المسلمین قائم رہ سکے"۔

آپ نے ملک سے باہر انجمن جعفریہ لندن کے عشائیے سے خطاب کرتے ہوئے شریعت بل کے بارے میں فرمایا کہ "پاکستان میں حکمران نت نئے شوشے چھوڑ کر اقتدار کے تحفظ کے لئے دن رات کام کر رہے ہیں۔ متنازہ مسائل اور مختلف مکاتب فکر کی الجھنیں حکومت کے مفاد میں ہیں اس لئے موجودہ پیش کردہ شریعت بل بھی اسی سازش کی ایک کڑی ہے۔ اسلام کو اس قدر متنازہ بنایا جا رہا ہے کہ عام لوگ علماء کی الجھنوں سے تنگ آکر اسلام اور علماء سے بے زار ہوتے جا رہے ہیں جبکہ عوام کی یہ بیزاری اسلامی انقلاب اور اسلامی نظام کے نفاذ میں بہت بڑی رکاوٹ ثابت ہو گی۔ شریعت بل مختلف مکاتب فکر کو حقوق سے محروم کرنے اور ان میں احساس محرومی پیدا کرنے کی سازش ہے۔ ہمارے سر شریعت کی بالادستی کے آگے خم ہیں اور ہم اسلام کے لئے مصائب برداشت کر رہے ہیں مگر یہ شریعت بل اسلام کے تقاضے پورے نہیں کرتا اس لئے ہم اس کی مخالفت کرتے ہیں۔ جمعیت اہلحدیث' جمعیت علماء اسلام' جمعیت علماء پاکستان اور دیگر سیاسی جماعتوں کا شریعت بل کے خلاف لائحہ عمل ہمارے موقف کی تصدیق اور ہماری محنتوں کا ثمر ہے۔ ہم شریعت محمدیؐ کے حامی اور شریعت بل کے مخالف ہیں کیونکہ اس بل میں ملت جعفریہ کے حقوق کو غصب کرنے کی کوشش کی گئی ہے جسے ہم قطعاً" برداشت نہیں کر سکتے"۔

شریعت بل کے خلاف کی جانے والی جدوجہد کے دوران تحریک کے وفد کی ملاقات علامہ احسان الٰہی سے بھی ہوئی جس میں واضح کیا گیا کہ ملت جعفریہ مسلمانوں کے ہر فرقہ کے حقوق کو اپنے حقوق کی طرح مقدم گردانتی ہے لہٰذا موجودہ شریعت بل میں ملت جعفریہ تمام مسلمانوں کے حقوق کی جنگ لڑے گی اور اسے ہر مکتب فکر کے لئے غیر متنازعہ بنانے تک اپنی جنگ جاری رکھے گی۔

اس میں کوئی شک ہیں نہیں کہ اہلحدیث کے قائد علامہ احسان الٰہی ظہیر نے شریعت بل کے مسئلہ پر حکومت کے خلاف قیام کر کے اپنی قائدانہ صلاحیتوں، شعلہ بیاں تقاریر اور دلائل کی بدولت نہ صرف حکومت کو ناکوں چنے چبوائے بلکہ اسی تحریک میں انہوں نے اپنی بکھری ہوئی اہلحدیث کی طاقت کو یکجا کرنے اور متحرک کرنے کا معرکہ بھی سر کیا۔ علامہ احسان الٰہی ظہیر کا یہ قدم جہاں ذاتی طور پر حکومت کے حق میں نہیں تھا وہاں اہل حدیث کا منظم گروہ بھی ضیاء الحق کے عزائم کے آگے سد راہ بنتا جا رہا تھا۔ اہل حدیث سے ٹکراؤ ضیاء الحق کے لئے کچھ اس لئے بھی بہتر نہیں تھا کہ اہل حدیث براہ راست سعودیہ کے تحت کام کر رہے تھے۔ جس کی وجہ سے ضیاء الحق کھل کر ان کی مخالفت کے حق میں نہیں تھا البتہ علامہ احسان الٰہی ظہیر کا آمریت کے خلاف بے باک رہنما کی حیثیت سے آگے آنا بھی آمر حکمران کے لئے ناقابل برداشت امر تھا۔ اس لئے انہیں ۲۳ مارچ ۱۹۸۶ء کو قلعہ لچھمن سنگھ لاہور کے ایک جلسہ میں بم کا نشانہ بنایا گیا۔

یہ قتل اس وقت ہوا جب شریعت بل کی جنگ عروج پر تھی اور فرقہ واریت کا اژدھا پھن پھیلائے ملکی استحکام کو نگلنے کی کوشش میں تھا۔ اس قتل سے حکمرانوں نے جہاں ایک مضبوط مخالف سے اپنی جان چھڑائی وہاں یہ قتل ملت جعفریہ کے کھاتے میں ڈالنے کی بھرپور کوشش بھی کی تاکہ فرقہ وارانہ فسادات کو ہوا ملے۔ مگر سید عارف حسین الحسینی نے اس مشکل میں صبر کا دامن اپنے ہاتھ سے نہیں چھوڑا بلکہ مسلمانوں پر واضح کرنے کی کوشش کی کہ یہ قتل حکومتی سازش کا شاخسانہ ہے۔

آپ نے لاہور میں اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے برملا فرمایا کہ "علامہ احسان الٰہی ظہیر اور ان کے رفقاء کے بہیمانہ قتل میں ملت جعفریہ کے کسی رکن کا تعلق نہیں۔ بلاشک و شبہ حکومت اس میں ملوث ہے۔ کیونکہ علامہ صاحب اس وقت اپنے عقائد کی بناء پر حکومت اور متحدہ شریعت محاذ کے کٹر مخالف تھے جو حکومت کے لئے گراں تھا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ علامہ صاحب نے اہل تشیع کے خلاف بہت کچھ لکھا اور بہت کچھ بولے مگر ہم نے اپنے مسلکی اختلافات کا جواب مناسب انداز میں

دیا۔ ہم کسی کو اس انداز میں جواب دینے کے قائل نہیں ہیں۔ یہ مہذب افراد کی کاروائی نہیں بلکہ آمر کا انداز ہے"۔

آپ نے مزید فرمایا کہ "شریعت بل کے مسئلہ پر علامہ سید ساجد علی نقوی سے علامہ صاحب کی ملاقات ہمارے لئے حوصلہ افزاء ثابت ہوئی تھی ہماری اس ہم آہنگی سے جہاں ہمیں شریعت بل کے خلاف متحد ہونے کا اطمینان تھا وہاں مستقبل میں فرقہ واریت کے ختم ہونے کی امید بھی تھی۔ ہم علامہ اور ان کے رفقاء کے قاتلوں کی گرفتاری کا نہ صرف مطالبہ کرتے ہیں بلکہ اس معاملہ میں ہم جمعیت اہل حدیث کے برادران کے شانہ بشانہ ساتھ ہیں۔ ہمیں ایک عالم دین اور ان کے رفقاء کے قتل کا بے حد افسوس ہے۔ البتہ ہمیں اس بات کا شدید دکھ ہے کہ حکومت اور ایجنسیوں نے ملت جعفریہ کے خلاف جو زہر اگلا ہے اسی کا اثر ہمارے چند اہلحدیث برادران پر ہوا ہے۔ اسی سلسلہ میں ہمیں بالخصوص جمعیت اہلحدیث کے قائد پروفیسر ساجد میر کے بیان پر افسوس ہے۔ ہمیں قطعاً" توقع نہیں تھی کہ وہ ملت جعفریہ پر غیرذمہ دارانہ الزامات عائد کریں گے"۔

آپ نے "ماہنامہ زنجیر لاہور" کو انٹرویو دیتے ہوئے ایک سوال کے جواب میں فرمایا کہ "علامہ احسان الٰہی ظہیر کا قتل بحیثیت عالم دین قابل مذمت ہے اور بالخصوص اس موقع پر جب وہ اور ہم ایک ہی میدان میں شریعت بل کے حوالے سے حکومت کے خلاف معرکہ آرا تھے۔ لہٰذا ایسے میں ان کا بہیمانہ قتل ہمارے لئے نقصان دہ ثابت ہوا ہے اور شریعت بل کے دفاع کے حوالے سے ہماری طاقت میں کمزوری واقع ہوئی ہے۔ وہ حکومت کے کٹر دشمن اور شریعت بل کے کٹر مخالف تھے۔ جن کے چلے جانے کے بعد شریعت بل کے خلاف ہمیں اور زیادہ محنت کرنا پڑے گی' ہم حکومت سے پرزور مطالبہ کرتے ہیں کہ وہ علامہ کے قاتلوں کے چہروں سے نقاب اٹھائے تاکہ ہر اہل نظر کو حقیقی قاتل کا یقین ہو جائے"۔

ضیاء الحق کے من پسند شریعت بل کے مقابلے میں تحریک نفاذ فقہ جعفریہ نے اپنا شریعت بل پیش کیا جو فقہ جعفریہ کے حقوق کے تحفظ کے ساتھ ساتھ تمام مسلمانوں

کے لئے قابل قبول تھا۔ اس سلسلہ میں تمام فقہ کے علماء سے ملاقاتیں کر کے انہیں باور کرایا گیا کہ تحریک نفاذ فقہ جعفریہ صرف اپنے حقوق کی جنگ نہیں لڑ رہی بلکہ ان کے لائحہ عمل میں پوری ملت مسلمہ کے حقوق کے تحفظ کا احساس شامل ہے۔

علامہ سید عارف حسین الحسینی نے کراچی میں شریعت بل کے بارے میں اظہار کرتے ہوئے فرمایا کہ ”ہم شریعت بل کی اس لئے مخالفت کرتے ہیں کہ ”یہ پرائیویٹ شریعت بل مارشل لاء کے سیاہ کارناموں کو جائز قرار دینے کی ایک عملی کوشش ہے۔ اگر شریعت بل کے سلسلے میں ہماری تجاویز کو یکسر نظرانداز کیا گیا تو ہم ملک میں مخصوص قسم کے اسلامی قوانین کے نفاذ کی مزاحمت کریں گے۔ ہم موجودہ شریعت بل کے مخالف اس لئے ہیں کہ اس کے ذریعے فقہ جعفریہ کے فقہی مسائل کو نظرانداز کیا جا رہا ہے۔ یہ بل ایک مخصوص مذہبی سیاسی جماعت کے مفادات کے تحفظ کے ساتھ صدر کے ہاتھ مضبوط کرنے کی بھی ایک کوشش ہے۔ شریعت بل میں شرعی عدالت کے لئے تجویز کئے گئے اختیارات سے آئین' عدلیہ اور پارلیمنٹ کی حیثیت میں کمی کی گئی ہے ایسا اس لئے بھی کیا گیا ہے کہ صدر کو شرعی عدالت کے لئے جج مقرر کرنے کا اختیار حاصل ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ ملک میں اسلامی تعلیمات کے مطابق حقیقی معنوں میں عادلانہ نظام حکومت قائم ہو“۔

آپ نے نفاذ شریعت کے بارے میں ۱۷ جون ۱۹۸۸ء کو ڈیرہ اسماعیل خان کی قرآن و سنت کانفرنس میں اظہار فرمایا کہ ”ہم بحیثیت مسلمان نفاذ شریعت سے انکار نہیں کرتے لیکن کسی ایسے شخص کہ جس کی آئینی' قانونی اور اخلاقی حیثیت ہی نہ ہو کو اس قسم کے قانون کے نفاذ کی اجازت بھی نہیں دیتے۔ مزید فرمایا کہ بیرونی طائفوں کے رقص دیکھنے اور ان کے بیہودہ پروگراموں پر اظہار مسرت کرنے والوں کو شریعت نافذ کرنے کا کوئی حق حاصل نہیں ہے“۔

جون ۱۹۸۸ء میں لاہور کی ایک پریس کانفرنس میں فرمایا ”کہ ہم ایسے ہر اس قانون (مجوزہ شریعت بل) کی مزاحمت کریں گے جو ہمارے اوپر ہماری فقہ کے خلاف مسلط کیا جائے گا۔ نفاذ شریعت کے لئے ٦ جولائی ۱۹۸۰ء کا معاہدہ اسلام آباد مختلف مکاتب

فکر کے درمیان ہم آہنگی کے لئے بہترین بنیاد فراہم کرتا ہے جس پر عمل درآمد بے حد ضروری ہے"۔

آپ نے میانوالی میں شریعت بل کے بارے میں یہاں تک فرمایا تھا کہ تحریک نے شریعت بل میں ترمیم کے متعلق سینٹ کے چیئرمین کو آگاہ کر دیا ہے جبکہ شیعہ اور بریلوی ارکان اسمبلی سے ہماری گفت و شنید مکمل ہو چکی ہے اور ان سے درخواست کی گئی ہے کہ بل کی منظوری کے اجلاس کے موقع پر ان ترامیم کو مدنظر رکھیں۔ اس سلسلے میں فقہ جعفریہ سے تعلق رکھنے والے ممبران قومی اسمبلی اور سینٹ کے اراکین سے مستعفی ہونے کی درخواست بھی کی جا سکتی ہے۔

آپ نے لاہور میں شریعت بل کے بارے میں فرمایا کہ "مجوزہ شریعت بل تو حکمرانوں کے اقتدار کو طول دینے اور مختلف مکاتب فکر کے علماء کو الجھانے کی ایک سازش ہے۔ ہمیں یقین ہے کہ یہ بل مستقبل قریب میں منظور نہیں ہو گا تاوقتیکہ حکومت اقتدار کو طول دینے کے لئے کسی نئے شوشے کو جنم نہیں دیتی۔

شریعت بل کے پس پردہ وہابی اور نجدی عزائم کے خلاف آپ نے جاندار تحریک چلا کر حقائق واضح کئے اور ملک کی تمام مذہبی و سیاسی جماعتوں کو قائل کیا کہ موجودہ شریعت بل نہ صرف کسی فقہ کے لئے خطرناک ہے بلکہ اس قسم کے بل ملکی استحکام کو کمزور کرنے کے لئے زہر قاتل کا اثر رکھتے ہیں۔ کیونکہ جب ملک کے اندر تمام مکاتب فکر کو احساس محرومی ہو گا تو وہ سراپا احتجاج ہوں گے جس سے ملت مسلمہ کا اتحاد پارہ پارہ ہو گا اور یوں ملکی استحکام کو دھچکا پہنچے گا"۔

(iii) فرقہ واریت۔

جب آپ کی شب و روز جدوجہد سے شریعت بل اور حکمرانوں کے عزائم کا پول کھل گیا اور ہر طرف سے عوامی مخالفت نے زور پکڑا تو حکمرانوں کو احساس دلایا گیا کہ تحریک نفاذ فقہ جعفریہ مستقبل قریب میں ان کے لئے ایک بہت بڑا خطرہ ہے۔ علاوہ ازیں امریکہ کی جانب سے اس خدشہ کا اظہار بھی کیا گیا کہ اہل تشیع کا نظریہ انقلاب اسلامی ایران سے اخذ کردہ ہے لہذا اس تحریک کو آغاز میں ہی دبا دیا جائے۔ چونکہ اس نظریہ کو کسی مرحلہ پر دبانا یا صاحب تقویٰ قیادت کو اس نظریہ سے منحرف کرنا ناممکن تھا اس لئے اہل تشیع کی انقلاب اسلامی اور امریکہ سے توجہ بکھیرنے کے لئے یہاں کے چند تنگ نظر مولویوں کو حکومتی سطح پر ملت جعفریہ کے خلاف اکسایا گیا۔ گمنام اور غم روزگار میں الجھے ہوئے مولویوں کو حکومتی سطح پر تشخص اور بیرونی سطح پر بے پناہ فنڈ بخشا گیا جس کے باعث انہوں نے اسلام اور صحابہ کرام کے مقدس لبادے میں اپنا چہرہ چھپا کر ملت اسلامیہ میں رخنہ ڈالنے کی سرتوڑ کوشش کی۔

ضیاء حکومت میں فرقہ واریت کو جس قدر اچھالا گیا آج تک اس کی نظیر کہیں نہیں ملتی۔ کبھی یہ فرقہ واریت نعرہ بازی میں پھیلی اور کبھی اس زہر نے نشرو اشاعت کے ذریعے سرایت کی، کبھی یہ جرم "دفاع صحابہ کانفرنسوں" کی آڑ میں سرزد ہوا اور کبھی یہ سازش "استحکام پاکستان کانفرنسوں" کی گود میں پروان چڑھی۔ حکومت اپنی ایجنسیوں کے بھیانک کردار کا تماشا دیکھ کر اس خوش فہمی میں مبتلا رہی کہ فرقہ واریت سے صرف ملت جعفریہ کا تحرک ماند پڑ جائے گا اور وہ اپنے ایام حکومت کو بغیر کسی رکاوٹ کے طول دے دے گی۔ اپنے اقتدار سے مخلص حکمران یہ بھول چکے تھے کہ وطن عزیز کسی سطح پر بھی فرقہ واریت کا متحمل نہیں ہے۔

امریکہ کی خوشنودی کے لئے جلائی جانے والی فرقہ واریت کی آگ میں ملک کا استحکام جھونکنے والوں نے اپنے مفادات کے لئے وہ کچھ کیا جس کی اسلام اور قرآن اجازت نہیں دیتے۔ حکمرانوں کا حق نمک ادا کرنے کے لئے چند مولویوں نے ملت

جعفریہ کے خلاف غلیظ پروپیگنڈا کو تقویت دی۔ خود ساختہ پمفلٹس کے ذریعے ملت جعفریہ کے خلاف زہر اگلا گیا۔ حتی کہ ایک پمفلٹ میں ملت جعفریہ کے رہنماؤں جن میں نامور علماء و زعماء کے علاوہ علامہ سید عارف حسین الحسینی کا نام اور جعلی دستخط بھی تھے کی طرف سے ملت جعفریہ سے منسوب غلط عقائد پیش کیے گئے جن سے اہل سنت برادران کے جذبات کو شدید مجروح کرنے کی کوشش کی گئی۔

اس ضمن میں آپ نے لاہور کے معروف اہلسنت عالم دین مفتی محمد حسین نعیمی سے ملاقات کے دوران واضح کیا کہ "خود ساختہ پمفلٹ میں درج شدہ عقائد سے ملت جعفریہ کا کوئی تعلق نہیں' یہ مسلمانوں کے اتحاد کو پارہ پارہ کرنے کی مکروہ سازش ہے"۔ اس سے بڑا ظلم اور کیا ہو سکتا ہے کہ اس قسم کا زہریلا پمفلٹ" قومی اسمبلی کے اجلاس کے دوران تقسیم کیا گیا اور یوں پہلی بار ملک کے تقدیر ساز ادارے کو فرقہ واریت کی بھینٹ چڑھانے کی کوشش کی گئی۔ یہ جرم کسی کی ایماء پر سرزد ہوا جس کا اہل وطن کو شدید دکھ ہے"۔

علامہ سید عارف حسین الحسینی نے ان حالات میں اپنے نوجوانوں کو ایک خصوصی پیغام میں تاکید فرمائی کہ "دشمن کی زہریلی سازشوں نے نہ صرف ہمارے جذبات کو مجروح کیا ہے بلکہ اس سے ملت مسلمہ کے اتحاد اور محبت و اخوت کے رشتوں کو ٹھیس پہنچی ہے۔ جس کا ہمیں بے حد صدمہ ہوا ہے۔ ایسے حالات میں آپ سے توقع رکھتا ہوں کہ آپ اپنے جذبات پر قابو پا کر حقائق کو سمجھنے کی کوشش کریں گے۔ کیونکہ مدتوں سے اسلام کو دشمنان اسلام کے نفوذ و پروپیگنڈے کی وجہ سے انحرافات و کج فہمیوں کا سامنا ہے۔ آج خصوصا" اسلام کو غیر ملکی طاقتوں کے ایجنٹوں نے غلط رنگ میں ابھارنے کی کوشش تیز کر دی ہے۔ لہٰذا آپ کی طرف سے کوئی ایسا فعل سرزد نہیں ہونا چاہئے جس سے بالواسطہ یا بلاواسطہ ہمارے عظیم مقصد اتحاد بین المسلمین اور استحکام پاکستان کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو"۔

آپ نے فرمایا "حکمران اپنے عارضی اقتدار کو طول دینے کی غرض سے مسلمانوں میں تفرقہ ڈال رہے ہیں۔ "لڑاؤ اور حکومت کرو" کی پالیسی زیادہ دیر تک نہیں چلے

گی۔ تڑپتی لاشوں اور اجڑتے گھروں کی بنیادوں پر اقتدار کی عمارت کھڑی کرنے والے حکمرانوں کو جان لینا چاہئے کہ وہ عذاب خداوندی کی گرفت سے نہیں بچ سکیں گے"۔

کراچی کے ایک اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا "اسلام کو ایک جسم کی حیثیت حاصل ہے جبکہ شیعہ' بریلوی' دیوبندی' اہل حدیث اس کے اعضاء ہیں۔ اگر جسم کے ایک عضو کو تکلیف پہنچے تو سارا جسم بے قرار رہتا ہے۔ ہمیں صرف اہل تشیع پر تشدد یا ان کے قتل پر دکھ نہیں ہوتا بلکہ فرقہ واریت کی آڑ میں استعمار کے ایجنٹوں کے ہاتھوں بے گناہ قتل ہونے والے ہر مسلمان پر دلی صدمہ ہوتا ہے۔ ہم مسلمانوں نے بیش بہا قربانیاں دے کر وطن حاصل کیا تھا۔ لہٰذا آج بھی اس کے استحکام کے لئے کسی قربانی سے دریغ نہیں کریں گے۔ ہمیں معلوم ہے کہ فرقہ واریت کی آگ امریکہ اور اسلام دشمن قوتوں کی طرف سے بھڑکائی جا رہی ہے جس کا مقصد پاکستان کے وجود کو جھلسانا ہے مگر ہم ایسی کسی مکروہ سازش کو کامیاب نہیں کر رہے بلکہ ہماری جنگ وطن عزیز کے دفاع کے لئے ہے۔ ہم فرقہ واریت کو ملک کی سالمیت کے لئے بہت بڑا خطرہ سمجھتے ہیں اور ایسا کرنے والوں کو کسی صورت میں بھی ملک و قوم کا خیر خواہ نہیں سمجھتے"۔

بحیثیت داعی اتحاد بین المسلمین

پاکستان میں کئی ایک ایسے علماء اور دیگر بزرگ ہوں گے جنہوں نے مسلمانوں کے اتحاد اور یگانگت کے لئے گراں قدر خدمات سرانجام دی ہوں گی اور جن کا نظریہ یہی ہو گا کہ اتحاد بین المسلمین کی بدولت ہی وطن عزیز کا استحکام اور اسلام کی بقاء ممکن ہے مگر جہاں تک تاریخ میں پڑھا' بزرگوں سے سنا اور آنکھوں سے دیکھا' علامہ سید عارف حسین الحسینی جیسے اتحاد بین المسلمین کے حقیقی علمبردار کی نظیر کہیں نہیں ملتی۔

بہت سی شخصیات ایسی ہوا کرتی ہیں جو افق پر چمکنے سے قبل ماضی میں اپنے قول یا فعل کے کسی ایسے تضاد میں جکڑی رہتی ہیں جن کا اثر ان کی تحریکوں پر براہ راست پڑتا ہے اور مخالفین ان کے ماضی کے اسی تضاد کو منظرعام پر لا کر ان کی تحریک سے روح نکال لیتے ہیں مگر تاریخ گواہ ہے کہ علامہ سید عارف حسین الحسینی جب پاکستان کی ملت تشیع کی قیادت سنبھالنے کے بعد ملکی افق پر نمودار ہوئے تو آپ کے دامن پر ایسا کوئی داغ نہ تھا جو آپ کی شخصیت پر کسی مخالف کو انگشت نمائی کا موقع فراہم کرتا۔

قیادت سنبھالنے کے فوراً بعد ہی آپ کا سفر اتحاد بین المومنین (شیعہ) سے شروع ہوا جس کے لئے آپ نے تکلیف برداشت کیں' الزامات سر لئے اور دکھ سہے' مگر شب و روز کی محنت سے اپنی ملت کے اختلافات کی مکروہ سازشوں کا قلع قمع کر کے پوری قوم کا چین بن گئے۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ جب تک پوری ملت جعفریہ ایک پلیٹ فارم پر جمع نہیں ہو جاتی اس وقت تک ہم آمر حکومت سے اپنے مطالبات تسلیم کرانے میں کامیاب نہیں ہو سکتے۔

جہاں آپ ملت جعفریہ کے اتحاد کی اہمیت کا احساس رکھتے تھے وہاں اس امر سے بھی بخوبی آگاہ تھے کہ ملک کے نظام کی تبدیلی' داخلی و خارجی سطح پر اسلام کی بقاء کی جنگ' اسلامی انقلاب اور مصطفوی نظام کا نفاذ اس وقت تک ناممکن ہے جب تک وطن عزیز کے تمام مسلمان بلاتفریق متحد نہیں ہو جاتے۔ یہی وجہ تھی کہ آپ نے ملک کے نظام میں تبدیلی کے مطالبہ کے ساتھ ہی اتحاد بین المسلمین کی افادیت پر زور دیا۔

آپ نے خیبر سے کراچی تک کے مسلمانوں سے اپیل کی کہ وہ ملک میں اسلامی نظام کے نفاذ اور امریکہ کے اخراج کے لئے متحد ہو کر اپنی کوششیں تیز کر دیں۔

یہ کہنا بالکل بجا ہو گا کہ اتحاد بین المسلمین آپ کی نظر میں صرف مسئلہ ضرورت کے تحت نہیں تھا جیسا کہ ماضی میں مذہبی' سیاسی رہنماؤں کے ساتھ رہا' بلکہ یہ آپ کے دل کی گہرائیوں کی صدا اور حسرت تھی جو آپ کی فطرت کا ایک جزو بن چکی تھی۔ اگر آپ کی تمام عمر کا عمیق جائزہ لیا جائے تو دعوے سے کہا جا سکتا ہے کہ آپ نے عمر بھر کسی تقریر' تحریر یا بیان میں کسی مسلمان بھائی کے جذبات کو ٹھیس نہیں پہنچائی اور نہ اشارتاً" کبھی ایسی بات کی جس سے اتحاد بین المسلمین کو زک پہنچنے کا خدشہ ہوا۔

پاراچنار سے اپنی عملی زندگی کا آغاز بحیثیت مدرس کرنے کے بعد جہاں آپ نے ملت جعفریہ کرم ایجنسی کو باہم جوڑنے کی کوشش کی وہاں اہل سنت علماء سے مربوط رہ کر کرم ایجنسی کے حالات کو سنوارنے' علماء کو انقلاب اسلامی ایران کی حقیقی روح سے متعارف کرانے اور عالمی سازش کے خلاف نبرد آزما ہونے کی جدوجہد میں عملی حصہ لیا۔

آغاز ہی سے لفظ اسلام آپ کی محبت اور نفرت کا معیار تھا اسلام سے محبت کرنے والے تمام افراد آپ کے لئے محترم ٹھہرے اور اسلام کی مخالفت کرنے والے لوگ آپ کی تنقید کا نشانہ بنے۔ افغان جہاد کے دوران افغان مجاہدین کی پاراچنار میں آمد پر آپ کا ملت جعفریہ کو ان کی ہر ممکنہ مدد کی تاکید فرمانا آپ کی اسلام دوستی کی بدولت تھا۔ جہاد افغانستان میں اپنے نوجوانوں کو بھیجنا بلکہ اس جہاد کو واجب سمجھ کر خود کسی مورچے میں شہید ہونے کی خواہش کرنا آپ کی اسلام سے وابستگی کا نتیجہ تھا۔

ذہن کے دریچے کھول دینے کے لئے یہ بات کافی ہے کہ آپ نے زندگی میں اگر کسی جہاد میں شہید ہونے کی تمنا کی ہے تو وہ جہاد افغانستان ہی تھا۔ اگر آپ کے ذہن میں شیعیت نوازی کا عنصر غالب ہوتا تو آپ ایران کے کسی مورچے کو اپنی شہادت کے لئے تجویز فرماتے۔ آپ نے افغانستان کے جہاد سے وابستگی کا اظہار فرما کر ثابت کر دیا کہ آپ ایک سچے مسلمان اور اسلام دوست تھے۔

آپ کے زمانہ تدریس میں پاراچنار اور اس کے گردو پیش میں کئی مرتبہ شیعہ سنی فسادات کے شعلے بھڑکے مگر آپ نے ہر ممکن کوشش کی کہ مسلمان آپس میں دست و گریبان نہ ہوں بلکہ کئی بار آپ کی محنتوں اور علماء اہل سنت سے مسلسل روابط کی بدولت خونی جنگیں شروع ہونے سے قبل ہی ختم ہو گئیں۔ آپ کی زندگی میں پاراچنار میں قبرستان کا مسئلہ شیعہ سنی کے درمیان اس قدر شدت اختیار کر گیا کہ ہر فریق نے مورچے سنبھال لئے اور قریب تھا کہ پورا شہر راکھ کے ڈھیروں میں تبدیل ہو تا مگر آپ کی قائدانہ صلاحیتوں اور اتحاد بین المسلمین کے پر خلوص جذبے کی بدولت پورا شہر تباہی سے بچ گیا حالانکہ اسی مسئلہ کے حل کے لئے صوبہ سرحد کی پوری حکومتی مشینری اور وہاں تمام ملک حضرات بے بس ہو چکے تھے۔

پاراچنار میں بحیثیت شیعہ مدرس کے آپ اہلسنت کے علماء سے مربوط رہتے اور ہر اسلامی تہوار پر پروگرام منعقد کر کے انہیں بھی دعوت دیتے یا ان کے منعقدہ پروگراموں میں شرکت فرما کر حاضرین کو درس اتحاد دیا کرتے تھے۔

ملت جعفریہ پاکستان کی قیادت سنبھالتے ہی آپ کو اپنی قوم کے انتشار کا سامنا کرنا پڑا۔ ابھی آپ اپنی شبانہ روز جدوجہد اور قائدانہ صلاحیتوں کے طفیل اس دلدل سے نکلے ہی تھے کہ بین الاقوامی سازش کے تحت پاکستان میں فرقہ واریت کا طوفان کھڑا ہو گیا جو آپ کے وسیع تر پروگرام' اسلامی انقلاب اور مصطفوی نظام کی راہ میں ایک رکاوٹ کا باعث تھا۔

پاکستان میں اسلامی انقلاب کا علم لہرائے' لا الہ الا اللہ کی حکومت ہو' قرآن و سنت کی رو سے خدا کے بندوں کو انصاف میسر ہو اور ظلم اختتام کو پہنچے' مسلمان ایک دوسرے کے بھائی بھائی ہوں' اسلام دشمنوں کا پاکستان سے تسلط ختم ہو' ہر فرقہ کو اس کی شریعت کے مطابق یکساں آزادی ہو' صدیوں سے رائج انگریزی ظالمانہ نظام سے نجات ملے اور پاکستان ایک حقیقی اسلامی جمہوری سلطنت کا منظر پیش کرے یہ وہ چند خواہشات تھیں جو سید عارف حسین الحسینی کے دل میں موجزن رہیں۔

آپ نے قیادت کے دوسرے ماہ مارچ ۱۹۸۴ء کو بھکر کی جامع مسجد میں عوام کے

ایک بہت بڑے اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا "شیعہ اور سنی مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ اپنے تاریخی اختلافات کو حدود میں رکھیں کیونکہ وہ ایک دوسرے کے دشمن نہیں ہیں۔ ان کے مشترکہ دشمن امریکہ' روس اور اسرائیل ہیں جو انہیں نابود کرنے کے درپے ہیں۔ ان کی نظر میں نہ کوئی شیعہ ہے اور نہ کوئی سنی' وہ ہمیں بحیثیت مسلمان کے ختم کرنا چاہتے ہیں۔ لہٰذا ایسے میں ضروری ہے کہ ہم اپنے فروعی اختلافات کو بھلا کر اسلام دشمنوں کے خلاف مشترکہ موقف اختیار کریں"۔

اپریل ۱۹۸۴ء کو ڈیرہ غازی خان میں ایک پریس کانفرنس سے اپنی تحریک کا موقف بیان کرتے ہوئے فرمایا "تحریک نفاذ فقہ جعفریہ پاکستان کا مقصد ہرگز یہ نہیں ہے کہ ہم ملک میں فقہ جعفریہ کا نفاذ چاہتے ہیں۔ واضح رہے کہ ہم صرف اپنے لئے فقہ جعفریہ اور دیگر برادران اہلسنت کے لئے ان کی فقہ کا مطالبہ کرتے ہیں تاکہ مسلمانوں کے دونوں گروہ اپنی اپنی فقہ کے مطابق آزادانہ زندگی بسر کرسکیں"۔

اگست ۱۹۸۵ء کو ملتان کی پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ۔ "دنیا کے کسی گوشہ میں مسلمانوں پر ظلم ہوتا ہے تو ظلم کے خلاف آواز اٹھانا ایک اسلامی اور انسانی حق ہے خواہ ظالم کا خاندانی مذہب کچھ ہی کیوں نہ ہو؟ ہم ہر ظلم کے خلاف آواز بلند کریں گے چاہے یہ مظالم فلسطین میں ہوں' یا لبنان میں' فلپائن میں ہوں یا اریٹریا میں' افغانستان میں ہوں یا ہندوستان میں"۔

ملتان میں پیام یونین کے اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا "ہم ہر ظالم کے دشمن ہیں چاہے وہ شیعہ ہی کیوں نہ ہوں اور ہر مظلوم کے حامی ہیں چاہے وہ کافر ہی کیوں نہ ہو"۔ آپ کے اجتماع سے خطاب کے بعد وہاں کے اہلسنّت رہنماؤں نے اعلان کیا کہ علامہ صاحب آپ ظلم کے خلاف قدم بڑھائیں ہم آپ کے ساتھ ہیں۔

اپریل ۱۹۸۶ء کو لاہور کے ریلوے اسٹیشن پر ایک استقبالی ہجوم سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا۔ "آج کچھ نادان مسلمان استعمار کے اشارے پر مسلمانوں میں اختلافات کو جنم دے رہے ہیں شاید انہیں معلوم نہیں کہ ان کے چند روزہ ذاتی تشخص اور مفاد کے باعث اسلام اور پاکستان کے استحکام کو کس قدر نقصان پہنچ رہا ہے۔ ہم مسلمانوں کی

یہ ذمہ داری نہیں کہ ہم اپنی توانائیاں آپس کے کشت و خون یا غلط پروپیگنڈہ میں صرف کریں۔ ہمیں چاہئے کہ ہم افغانستان' لیبیا' لبنان' فلسطین اور کشمیر کے مظلوم مسلمانوں کی آواز کے لئے مشترکہ لائحہ عمل ترتیب دیں۔ اگر ہم متحد ہو گئے تو پھر دنیا کی کوئی طاقت مسلمانوں کو شکست نہیں دے سکتی۔

مئی ۱۹۸۶ء کو تحریک نفاذ فقہ جعفریہ آزاد کشمیر کے ایک تنظیمی کنونشن سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا۔ "ہماری بدقسمتی ہے کہ مسلمانوں نے ابھی تک اپنے آپ کو نہیں پہچانا۔ اگر مسلمان اپنے آپ کو پہچان لیں تو فلسطین' لبنان' افغانستان اور کشمیر سمیت ہمارے تمام مسائل حل ہو سکتے ہیں"۔ مزید فرمایا کہ سامراجی قوتیں مسلمانوں کی ہرگز دوست نہیں بلکہ بعض مقامات پر ان کی ظاہری ہمدردیاں مفادات کی تکمیل کے لئے ہوا کرتی ہیں۔ آپ نے اپنے کارکنوں کو ہدایت فرمائی کہ اتحاد بین المسلمین کے مشن کو آگے لے کر بڑھیں اور جذبات کی بجائے حواس اور احساسات سے کام لیں کیونکہ دشمن ہمیں لڑا کر اپنے مقاصد کا حصول چاہتا ہے۔

۲۱ نومبر ۱۹۸۶ء کو ڈیرہ اسماعیل خان کے روٹ کے مسئلہ پر ایک احتجاجی جلسہ سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا "کہ حکومت شیعہ سنی مسلمانوں کے مسائل میں پیچیدگیاں پیدا کر کے اپنے مقاصد کے تکمیل کی خواہشمند ہے۔ ڈیرہ کے روٹ کی بندش کا مسئلہ اہلسنت کی طرف سے نہیں بلکہ یہ حکومت کی سازش کا نتیجہ ہے اگر حکومت اس بات پر سچی ہے کہ روٹ کا مسئلہ اہلسنت برادران کا پیدا کردہ ہے تو پھر حکومت مداخلت بند کرے۔ ہم سنی شیعہ بھائی آپس میں بیٹھ کر مسئلہ حل کر لیتے ہیں۔ مجھے معلوم ہے کہ ماضی میں ہمارے اہلسنت برادران اسی روٹ پر ہمارے ماتمی عزاداران کی خدمت کیا کرتے تھے اور آج بھی ایسا ہی جذبہ رکھتے ہیں مگر حکومت چند عناصر کو استعمال کر کے اپنے مقاصد کی تکمیل چاہتی ہے جسے سنی شیعہ اختلافات کا نام دیا جارہا ہے حالانکہ حقائق اس کے برعکس ہیں۔

1985ء میں ڈیرہ اسماعیل خان کے مومنین کی ایک نشست میں شرکت فرمائی تو جماعت اسلامی ڈیرہ کے معروف رہنما مولانا عبدالرزاق صاحب آپ کے ہمراہ تھے جو تھوڑی دیر بعد آپ سے اجازت طلب کر کے چلے گئے۔ اس نشست میں آپ نے مومنین سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ آپ اپنے اجتماعات' مجالس اور محافل میں ایسا رویہ اختیار کریں جس سے کسی مسلمان کی دل آزاری نہ ہو۔ اگر آپ نے اختلافات کی راہ اختیار کی تو پھر مولانا عبدالرزاق صاحب جیسے مسلمان علماء بھی آپ سے دور ہو جائیں گے آپ نے مومنین کو تاکید کی کہ وہ اپنے علاقہ میں ایسے مولوی یا مناظر حضرات کا داخلہ بند کر دیں جو اپنی تقاریر میں کسی دوسرے فقہ کی دل آزادی کرتے ہیں۔ آپ کو یہ زیب نہیں دیتا کہ آپ اپنے مقدس اجتماعات میں کسی کے خلاف باتیں یا نعرہ بازی کریں۔ آپ نے اسی محفل میں سید کلب عابد آف لکھنؤ کا حوالہ دیتے ہوئے فرمایا کہ انھوں نے لکھنؤ کے فسادات کے بارے میں بتایا تھا کہ وہاں کا ماحول مناظر حضرات نے تباہ کیا ہے جن کی بدولت آج ہم اپنے جلوس مقررہ راستوں سے نہیں نکال سکتے ہیں ایک زمانہ تھا کہ لکھنؤ شیعیت کا گڑھ ہوتا تھا جبکہ آج عزاداری پر بھی پابندیاں ہیں۔ یہ ہماری لاپرواہی کا نتیجہ ہے کہ ہمارے سٹیج پر جو بھی آیا نہ ہم نے اس کا خاکہ دیکھا اور جس نے جو کہا نہ اسے روکا گیا۔ جس کی بدولت آج شیعیت کی بڑھتی ہوئی کھیپ رک گئی ہے۔ میں وثوق سے کہتا ہوں کہ آپ حضرات جس مقدس مشن کے امین ہیں ایسا کوئی اور فرقہ نہیں لہٰذا اپنے مقدس مشن کے تقاضوں کو مدنظر رکھیں۔

اس شام نوجوانوں کی ایک نشست سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا۔ "ہمیں آپ کے جذبات اور احساسات کا علم ہے' جس کا ہم احترام کرتے ہیں مگر آپ کو جان لینا چاہئے کہ دشمن آپ کے جذبات سے کھیل کر اپنے مقاصد کی تکمیل چاہتا ہے لہٰذا گزارش کروں گا کہ کبھی بھی جوش میں ایسا کوئی نعرہ نہ لگائیں جس سے مخالفین کو اعتراض کا موقع ملے۔ آپ نے ایک نعرہ کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا کہ آئی۔ ایس۔ او کے نوجوان ایک خوبصورت نعرہ لگاتے ہیں۔

سن لو امریکیو　　　　ہم تمہاری موت ہیں
سن لو روسیو　　　　ہم تمہاری موت ہیں

ہم سمجھتے ہیں کہ آپ نوجوانوں کے مقاصد نیک اور نیت صاف ہوتی ہے مگر جب آپ یہ نعرہ دیگر مسلمانوں کے ہجوم کے سامنے لگائیں گے تو دشمن ان کے کانوں میں یہ بات ٹھونسنے کی کوشش کرے گا کہ یہ نوجوان امریکیو اور روسیو انہیں کہہ رہے ہیں۔ جس سے نفرت کے جنم لینے کا جواز پیدا ہو گا۔ لہٰذا آپ احباب آئندہ اس نعرہ کو یوں لگایا کریں۔

سن لو امریکہ　　　　ہم تمہاری موت ہیں
سن لے روسیہ　　　　ہم تمہاری موت ہیں

آپ نہ صرف اتحاد بین المسلمین کی دعوت دیتے تھے بلکہ اہلسنت کے وسیع النظر علماء سے محبت اور ان پر اعتماد بھی کرتے تھے۔ آپ کی زندگی میں جب ڈیرہ اسماعیل خان کے روٹ کا مسئلہ پیدا ہوا تو اس سنگین مسئلہ کے حل کے لئے ڈیرہ اسماعیل حان کا ڈپٹی کمشنر آپ کے پاس پہنچا اور گزارش کی کہ علامہ صاحب آپ ڈیرہ کے مسئلہ میں ہماری مدد فرمائیں تاکہ شیعہ سنی کشیدگی کا خاتمہ ہو۔ آپ نے واضح جواب دیا کہ یہ مسئلہ علاقائی بھی ہے لہٰذا وہاں کے مسلمانوں کو چاہئے اس مسئلہ کا حل تلاش کریں۔ آپ نے یہ بات کہہ کر ڈی۔ سی کے رونگٹے کھڑے کر دیئے کہ مجھے مولانا فضل الرحمان صاحب پر اعتماد ہے وہ اس معاملہ میں جو فیصلہ کریں گے ہم اس کا احترام کریں گے۔ جب ڈی سی واپس آیا تو ایک شیعہ وفد سے ملاقات کے دوران برملا اظہار کیا کہ علامہ سید عارف حسین الحسینی صاحب کی ملاقات سے قبل مولویوں کے بارے میں میرا نظریہ کچھ اور تھا مگر ان سے ملاقات کے بعد مجھے محسوس ہوا کہ ایک مولوی اور حقیقی عالم دین میں کتنا فرق ہوتا ہے؟ علامہ عارف حسین الحسینی نہ صرف ایک بلند پایہ عالم دین ہیں بلکہ بہت بڑے سیاستدان بھی ہیں اور پھر ان کا مولانا فضل الرحمان پر اس قدر اعتماد اس بات کی تصدیق ہے کہ وہ اس نازک مسئلہ پر بھی شیعہ سنی تضاد کے

ہرگز قائل نہیں ہیں۔

اپریل ۱۹۸۷ء کو آزاد کشمیر کے ایک اجتماع سے فرمایا کہ اس وقت ایران کے علاوہ تمام مسلمان ممالک کسی نہ کسی سپر طاقت سے وابستہ ہیں۔ اسرائیل بیت المقدس پر اور روس افغانستان پر مسلط ہے۔ جبکہ بھارت کشمیری مسلمانوں پر ستم کے پہاڑ توڑ رہا ہے۔ بھارت میں مسجدوں کو مندروں میں تبدیل کیا جا رہا ہے اور کشمیر میں عصمت دری اور خونریزی ہو رہی ہے۔ اگر غور کیا جائے تو یہ سب کچھ ہمارے باہمی اختلافات کی بدولت ہے۔ ہماری بدنصیبی ہے کہ ہماری مساجد سے اتحاد کے بیانات کی بجائے نفرتوں کے پیغامات دیئے جاتے ہیں۔ عالم اسلام کے دشمنوں سے ٹکر لینے کی بجائے ہم آپس میں دست و گریباں ہیں۔ مسلمان عوام اور علماء کرام کو چاہئے کہ وہ قبلہ اول افغانستان اور کشمیر کی آزادی کے لئے کام کریں کیونکہ مقبوضہ جموں و کشمیر کے مظلوم و محکوم مسلمان پاکستان کی جانب دیکھ رہے ہیں کہ پاکستان کے مسلمان انہیں بھارتی تسلط سے آزادی دلانے کے لئے آگے بڑھیں اور بھارتی و کشمیری مسلمانوں کا کشت و خون بند کرائیں یہی ہمارا فریضہ ہے اور اسی کا اسلام ہم سے تقاضا کرتا ہے۔

فروری ۱۹۸۶ء کو لاہور میں ملک بھر کی تمام طلباء تنظیموں کے دو روزہ سیمینار سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ آج بین الاقوامی سطح پر اسلام کو جن مشکلات کا سامنا ہے شاید ہی تاریخ اسلام میں کبھی ایسا کٹھن وقت آیا ہو۔ قبلہ اول کی مسلسل بے حرمتی، فلسطین، لبنان، افغانستان، اریٹریا، ہندوستان اور فلپائن کے مسلمانوں کی کسمپرسی اور اسلامی سلطنتوں کے مادی وسائل کا بے دریغ استحصال ایسے مسائل ہیں جو ہر ذی شعور مسلمان کے لئے باعث تکلیف ہیں۔ وقت کا تقاضا ہے کہ نوجوان نسل بلاتفریق مذہب و تنظیم اٹھ کھڑی ہو اور دنیا بھر کے مظلومین و محرومین کو اپنے ساتھ ملا کر مشرق و مغرب کی باطل قوتوں کو کرہ ارض میں سمٹ جانے پر مجبور کر دے۔

تمام طلباء تنظیموں کو چاہئے کہ وہ تعلیمی اداروں میں فاسد ماحول کے بڑھتے ہوئے طوفان کو روکیں اور معاشرے میں پھیلتے ہوئے فرقہ واریت کے اثرات کو تعلیمی اداروں میں داخل نہ ہونے دیں بلکہ آپ تعلیم یافتہ نوجوان آگے بڑھیں اور ہر اس

طوفان کا مقابلہ کریں جو اسلام اور استحکام پاکستان کے لئے مضر ہو۔

مارچ ۱۹۸۳ء کو گلزار صادق بہاولپور کے ایک عوامی اجتماع سے فرمایا۔ "میں تمام مکاتب فکر سے اپیل کرتا ہوں کہ وہ وقت کے تقاضوں کا ادراک کریں جو پکار پکار کر کہہ رہے ہیں کہ مسلمان متحد ہو کر عالمی سامراج کے خلاف اپنا کردار ادا کریں۔ سامراجی قوتوں کی کوشش ہے کہ مسلمانوں کے اندر فروعی اختلافات کو پیدا کر کے انہیں کمزور کریں لہٰذا ہمیں ان سامراجی قوتوں اور ان کے ایجنٹوں کی مذموم سازشوں سے باخبر رہنا چاہئے۔

سامراج کی یہ مذموم سازشیں کسی سنی یا شیعہ کے خلاف نہیں بلکہ اسلام اور ہمارے پیارے وطن کے خلاف ہیں کیونکہ جب فرقوں میں اختلافات بڑھیں گے تو اسلام کی روح مجروح ہو گی اور جب عوام میں انتشار پھیلے گا تو ملک کا استحکام مجروح ہو گا۔ لہٰذا جو لوگ اسلام اور پیارے وطن سے مخلص ہیں انہیں اختلافات کے جھوٹے پروپیگنڈے کی حقیقت سے آشنا ہو کر اس کا مقابلہ کرنا چاہئے۔

جون ۱۹۸۶ء میں گلگت بلتستان کے ایک اہم دورے کے موقع پر استقبالی اجتماع سے فرمایا کہ امریکہ ہمارے اتحاد کا شیرازہ بکھیر کر اس کے خلاف چلائی جانے والی جاندار تحریک کو محدود کرنا چاہتا ہے۔ آج سے قبل اسقدر اختلافات نہیں ہوا کرتے تھے۔ جب سے ہم نے امریکہ، روس اور اسرائیل کے خلاف جدوجہد کا آغاز کیا ہے اسی دن سے مسلمانوں میں اختلافات پیدا کرنے کے لئے سامراج کے گماشتوں نے بھی اپنا کام شروع کر دیا ہے۔ لہٰذا آپ تمام مسلمانوں کو اپنے ساتھ ملا کر امریکہ، روس اور اسرائیل کے خلاف تحریک میں مزید گرمی پیدا کریں اور یہ آپ کا شرعی فریضہ بھی ہے مگر خیال رکھنا کہ کسی مقام پر بھی شیعہ سنی اتحاد اور اس رشتہ کے تقدس کی پامالی نہ ہونے پائے۔

۱۹۸۶ء ایک ایسا سال تھا جس میں پاکستان کے اندر منظم طریقہ سے فرقہ واریت کو ہوا دی گئی اور ملت جعفریہ پاکستان کے خلاف ایک بازاری دماغ لوگوں کو سامراج نے استعمال کرنا شروع کیا۔ آپ نے اس بھیانک سازش کو بھانپتے ہوئے ملک کے کونہ کونہ میں مسلمانوں کو اتحاد کی دعوت دی اور ملک کے تمام مکاتب فکر کے علماء کرام

سے رابطے استوار کر کے انہیں اپنی تحریک کے مقاصد اور مستقبل میں سر اٹھانے والی سامراجی سازش سے آگاہ فرمایا۔

۶ جولائی ۱۹۸۷ء کو "قرآن و سنت کانفرنس لاہور" سے خطاب کرتے ہوئے آپ نے لاکھوں مسلمانوں پر واضح کیا تھا کہ بعض عناصر نے اپنے مفادات کی تکمیل کے لئے فتویٰ سازی کے کارخانے قائم کر لئے ہیں۔ تنگ نظری چاہے اہل تشیع میں ہو یا اہل تسنن میں اس سے فقط اسلام اور پاکستان کو نقصان پہنچے گا۔ مسلمانوں کو جان لینا چاہئے کہ ہمارے درمیان پھیلائے جانے والے اختلافات اور پروپیگنڈے بیرونی حملے سے کہیں زیادہ بدتر ہیں۔ استعمار کے ہاتھوں میں کھیلنے والے افراد کو علم ہونا چاہئے کہ مسلمانوں کے درمیان اختلافات پھیلانے والے فعل کا فائدہ صرف اور صرف سامراج کو ہو رہا ہے۔ اسلام کے نام پر انتشار پھیلانے والوں کو ذہن نشین کر لینا چاہئے کہ وہ اسلام کی نہیں بلکہ امریکہ کی خدمت کر رہے ہیں۔

لاہور میں اہلسنت کے معروف عالم دین مولانا مفتی محمد حسین نعیمی سے ملاقات کے دوران ان پر واضح کیا کہ جب سے ہم نے امریکہ اور آمریت کے خلاف جدوجہد کا اعلان کیا ہے تب سے ہمارے خلاف آمریت اور سامراج کی پوری مشینری حرکت میں آ گئی ہے۔ جوں جوں ہم مردہ باد امریکہ کے نعروں میں شدت پیدا کرتے جا رہے ہیں توں توں ہمارے خلاف نعرہ بازی اور غلیظ پروپیگنڈے میں شدت محسوس ہو رہی ہے۔ یہ سامراج کے خلاف جدوجہد کا رد عمل ہے اس سے واضح ہوتا ہے کہ ہمارے خلاف سامراج کی سازشوں کو ملک میں چند ایسے عناصر تکمیل تک پہنچا رہے ہیں جو اپنا تعلق اسلام سے ظاہر کرتے ہیں۔ ہمیں علم ہے کہ یہ علماء اسلام سے محبت رکھتے ہیں وہ مسلمانوں کے درمیان پھیلائے جانے والے انتشار سے نہ صرف رنجیدہ ہیں بلکہ اتحاد بین المسلمین کے لئے سرگرم عمل بھی۔

آپ نے مولانا مفتی محمد حسین نعیمی صاحب سے اپیل کی کہ وہ اپنے مخلص ساتھیوں سمیت اتحاد بین المسلمین کے فروغ کے لئے اپنی صلاحیتوں کو بروئے کار لائیں اور سامراج کی سازشوں کا قلع قمع کر دیں۔

۱۹۸۶ء میں کراچی کے وسیع النظر اور اسلام دوست اہل سنت علماء کے ایک وفد سے ملاقات کے دوران فرمایا کہ "میں پنجاب کے حالیہ فرقہ وارانہ فسادات کا جائزہ لے کر آیا ہوں اور ہماری مصدقہ اطلاعات کے مطابق سرکاری ایجنسیوں کے افراد کی فسادات میں واضح شرکت اور رہنمائی محسوس کی گئی ہے۔ اب یہ بات کسی ذی شعور انسان کے لئے کافی ہے کہ شیعہ سنی فسادات میں حکومت مشینری اور ایجنسیوں کا کردار ایک سوچی سمجھی سازش کا نتیجہ ہے جو ملک میں اپنے اقتدار کے تحفظ اور امریکہ کی خوشنودی کے حصول کے لئے سرگرم عمل ہیں۔ آپ احباب مجھ سے بدرجہا بہتر جانتے ہیں کہ انقلاب اسلامی ایران کے بعد اور ہماری سامراج اور آمریت دشمنی کے اعلان کے ساتھ فرقہ واریت کا طوفان برپا ہونا ایک سازش کا نتیجہ ہے۔ ہماری حکومت "لڑاؤ اور حکومت کرو" کی بنیاد پر اقتدار کو اپنے قبضے میں رکھنا چاہتی ہے جس کا ثبوت سندھ کی قومی تنظیمیں اور فسادات' پنجاب کی مذہبی انجمنیں اور فرقہ واریت ہیں۔ آپ احباب سے گزارش ہے کہ آپ اتحاد بین المسلمین کی کوششوں کو پہلے سے مزید تیز کر دیں اور عوام کو سامراج اور اس کے مفادات کے محافظ لوگوں کے عزائم سے آگاہ فرمائیں تاکہ استعمار مسلمانوں کے خلاف سازشوں میں سرخرو نہ ہو سکے"۔

فروری ۱۹۸۷ء کو ڈیرہ اسماعیل خان میں مومنین کی ایک نشست میں فرمایا کہ "ہم نے پورے پاکستان میں فرقہ واریت کے مختلف انداز کا جائزہ لیا ہے بعض مقامات پر استعمار نے یہاں تک بھی کام کیا ہے کہ ایک شب شہر کی دیواروں پر حضرت ابو بکر' حضرت عمر' حضرت عثمان اور حضرت عائشہ کے خلاف غلیظ جملے تحریر کرائے اور صبح انہیں بہانہ بنا کر احتجاجی مظاہرے کروائے اور ساتھ ہی دوسری شب حضرت امام خمینی اور شیعیت کے خلاف دیواروں پر لکھائی کی۔ ایسا ہی کراچی اور جھنگ میں ہوا ہے یہ سب کچھ کرنے والے بظاہر مسلمان ہیں جو سامراج کے اشارے پر اپنے تشخص اور مفادات کے جنوں میں ہیں۔ اگر ایسے مکروہ کردار سے آج ان کے مقاصد پورے ہو گئے تو کل یہی لوگ قرآن مجید جلانے اور فسادات برپا کرنے سے بھی گریز نہیں کریں گے۔ لہٰذا ایسے حالات میں آپ پہلے سے زیادہ محتاط رہیں ملک بھر میں پھیلے ہوئے

سامراج کے گماشتوں کو کوئی ایسا موقع فراہم نہ کریں جس کی بناء پر وہ مسلمانوں میں رخنہ ڈال سکے۔ اپنے جلوسوں اور جلسوں پر کڑی نظر رکھیں۔ کیونکہ بعض سازشی عناصر آپ کے اجتماعات میں دوسرے مسلمان بھائیوں کے خلاف نعرہ بازی کر کے آپ کو بدنام کرنے کے درپے ہیں۔ آپ اپنے قول و فعل سے ثابت کرنے کی کوشش کریں کہ آپ اسلام کی بقاء اور ملک کے استحکام کے خواہاں اور عظمت اصحابؓ رسول و اہل بیتؑ کے محافظ ہیں"۔

دسمبر ۱۹۸۶ء کو بھوانہ ضلع جھنگ کے ایک عظیم الشان جلسے سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا "حکومت ملکی مفادات کے خلاف اقدامات کر کے امریکی مفادات کا تحفظ کر رہی ہے جن میں سے ایک فرقہ واریت ہے کتنے افسوس کی بات ہے کہ فساد پھیلانے والے مذہبی عناصر حکومت کے مراعات یافتہ اور فرقہ واریت کی سرپرستی کرنے والے انتظامیہ کے افراد خصوصی عہدوں پر فائز ہیں۔ شرپسند عناصر کو جان لینا چاہئے کہ شیعہ اور سنی آپس میں بھائی ہیں بلکہ اسلام کے جسد واحدہ کے دو اعضاء ہیں جن میں کوئی اختلافات یا انتشار نہیں ہے بلکہ دونوں قرآن کے محافظ اور اسلام کے شیدائی ہیں۔

تاریخ آج بھی گواہ ہے کہ قیام پاکستان سے لے کر آج تک ہمارے بزرگوں نے باہم متحد ہو کر اسلام کی بقاء کے لئے قربانیاں دی ہیں۔ قیام پاکستان شیعہ سنی مسلمانوں کی مشترکہ جدوجہد کا ثمر ہے آج امریکہ یا اس کے حواری حکمران اور ایجنٹ کون ہوتے ہیں جو ہمیں دو مختلف اور متضاد گروہ ثابت کریں۔ جس طرح ہمارے بزرگوں نے اسلام کی بقاء کے لئے راہ حق میں مشکلات برداشت کی تھیں۔ آج ہم ان کی پیروی کرتے ہوئے امریکہ، روس، اسرائیل اور دیگر باطل قوتوں کے خلاف اپنی جدوجہد جاری رکھیں گے"۔

دسمبر ۱۹۸۶ء کو سندھ کے مختلف شہروں بدین، سانگھڑ اور جیکب آباد کے مختلف پروگراموں میں بڑے بڑے اجتماعات سے فرمایا "اگر آپ غور کریں تو آج انہی لوگوں کا ایک گروہ مذہب کی آڑ میں فرقہ واریت کو ہوا دے رہا ہے۔ جنہوں نے قیام پاکستان کے وقت بھی پاکستان کی مخالفت اور مسلمانوں میں انتشار پھیلانے کے ساتھ ساتھ ان پر

کفر کے فتوے صادر کئے تھے۔ ہمیں معلوم ہو کہ جب بھی کبھی مسلمانوں کی جانب سے استعمار کے مفادات کو کاری ضرب لگی ہے تو یہی لوگ آگے آگے استعمار کا تحفظ کرنے نکلے ہیں۔ کتنے دکھ کی بات ہے کہ ان حضرات نے کفر کا مخصوص ہتھیار کبھی بھی امریکہ یا دیگر باطل قوتوں کے خلاف استعمال نہیں کیا بلکہ یہ ہمیشہ اپنے مسلمان بھائیوں کے خلاف استعمال ہوا ہے۔

ہم تمام مسلمان بھائیوں پر واضح کر دینا چاہتے ہیں کہ جس طرح شیعہ اور سنی بھائیوں نے اپنے مقدس لہو کی قربانی دے کر اس مملکت کے حصول کی جدوجہد میں حصہ لیا تھا اسی محبت' جذبے اور یگانگت کے ساتھ آج بھی نظریاتی اور جغرافیائی سرحدوں کی حفاظت کرنے کو تیار ہیں لہٰذا تمام مکاتب فکر کے مسلمانوں کو جزوی' فروعی اختلافات کو بھلا کر فرقہ واریت' صوبائی تعصب اور گروہی سیاست سے بلند ہو کر وسیع تر مفادات کے لئے متحد ہو جانا چاہئے"۔

اپریل ۱۹۸۷ء کو آزاد کشمیر کے ایک تربیتی کنونشن سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ "عبادت گاہوں کو اختلافات کا مظہر بنانے کی بجائے اخوت و اتحاد کی درسگاہیں بنانے کی ضرورت ہے۔ تاریخ گواہ ہے کہ مسلمان جب بھی متحد ہوئے ہیں انہوں نے تاریخی کارنامے سرانجام دیئے ہیں جن میں سے قیام پاکستان ایک عظیم کارنامہ ہے۔ اگر مسلمان متحد ہو کر اپنے علیحدہ ملک کے حصول میں کامیاب ہو سکتے ہیں تو کیا اپنے اسی ملک سے سامراج کو نہیں نکال سکتے؟ یقیناً ایسا ممکن ہے مگر اس کے لئے اتحاد بین المسلمین کی اشد ضرورت ہے۔"

اسلامی نظام کی افادیت سے بے خبر اور مساجد تک محدود افراد کو سوچ لینا چاہئے کہ مسلمانوں کا وقت اسلامی نظام سے وابستہ ہے۔ دینی مدارس صاف ذہن بچوں کی اسلامی تربیت اور مساجد مسلمانوں کو قرآن و سنت کی روشنی میں متحد رکھنے کے لئے ہیں۔ ان مقامات کا تقدس اس بات کی ہرگز اجازت نہیں دیتا کہ یہاں مسلمانوں کے خلاف نفرت و انتشار کے بیج بوئے جائیں"۔

جنوری ۱۹۸۸ء کو لاہور میں علماء کرام کے ایک خصوصی اجلاس سے فرمایا

"موجودہ دور میں تشیع کا تشخص اہم ترین مسئلہ ہے ہماری دوستی اور دشمنی صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کے لئے ہے۔ ہم سب کا مقصد اور ہدف ایک ہی ہے۔ آج شیعہ یا سنی جن مصائب میں مبتلا ہیں وہ مغربی سامراج کے پیدا کردہ ہیں۔ علماء کرام کو بالخصوص شیعہ سنی اختلافات سے بالاتر ہو کر مغربی نظام حکومت، علاقائیت اور دیگر مادی مسائل سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لئے عوام کو مثبت اقدامات کی تلقین کرنی چاہئے۔ اگر ہم اپنے وطن عزیز سے امریکہ یا اس کے حواریوں کا خاتمہ چاہتے ہیں تو ہمیں اتحاد بین المسلمین کے سنہرے اصولوں پر گامزن رہنا ہو گا۔ علماء کرام کو جان لینا چاہئے کہ معاشرے میں اسلام کا تشخص ان کے دم سے ہے لہذا انہیں ہر ایسے کام سے اجتناب کرنا چاہئے جس سے اسلام کی بقاء کو ٹھیس پہنچے یا معاشرہ کے وجود کے مجروح ہونے کا خدشہ ہو۔ اسی سلسلہ میں عرض کروں گا کہ آج خانقاہوں سے نکل کر رسم شبیری ادا کرنے کا وقت ہے۔ شیعہ سنی علماء متحد ہو کر سامراج پر واضح کر دیں کہ وہ پرچم توحید کے سائے تلے ایک ہیں۔ ایسا کرنے سے ہی سامراج کی مکاریوں اور فتنہ پردازیوں کا مقابلہ کیا جا سکتا ہے"۔

مارچ ۱۹۸۸ء کو فیصل آباد میں قرآن و سنت کانفرنس کے تاریخی اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا "ہم فرقہ واریت اور فتویٰ سازی پر یقین نہیں رکھتے کیونکہ ہم جس مکتب کے پیرو ہیں وہ مکتب اخلاق، قرآن اور نظریات کا مکتب ہے۔ بدگوئی شکست خوردہ اور نظریات سے خالی افراد کا وطیرہ ہے۔ آج اگر افغانستان کے مسئلہ پر شیعہ سنی کا موقف ایک ہو سکتا ہے تو پھر ملکی معاملات میں متفقہ موقف کیوں نہیں اپنایا جاتا؟

ہم مسلمانوں کو اخوت و بھائی چارے کا پیغام دیتے ہیں۔ آج ضرورت اس امر کی ہے کہ مسلمان قرآن و سنت کے پیغام پر عمل پیرا ہو کر عالم اسلام کی سربلندی کے لئے جدوجہد کریں۔ کارکنان کو چاہئے کہ وہ رواداری، شائستگی، اخوت اور صبر کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑیں۔ ہم قرآن کا پیغام لے کر اٹھے ہیں اور اس کی بالادستی تک جدوجہد جاری رکھیں گے۔

آپ نے فرقہ واریت کے پرآشوب دور میں ۱۲ ربیع الاول سے ۱۷ ربیع الاول

کے ایام کو "ہفتہ وحدت" سے منسوب فرمایا اور اپنے تمام کارکنان سے اپیل کی کہ وہ رسول پاک ﷺ کی ولادت باسعادت کے اس مبارک موقع پر مسلمانوں کو وحدت کا پیغام دیں اور میلاد کے پروگراموں میں بھرپور شرکت کرنے کے ساتھ ساتھ وحدت المسلمین کے پروگرام منعقد کرائیں۔

اس سلسلہ میں آپ نے لاہور میں ایک پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا "آج زمانہ کو کفر اور اسلام کا مسئلہ درپیش ہے۔ چاہے کوئی شیعہ ہو یا سنی' کفر اسے مسلمان ہی تصور کرتا ہے اور اس کی جنگ ان دونوں عناصر سے ہے' مگر ہم ہیں کہ اپنے آپ کو علیحدہ تصور کرتے جا رہے ہیں۔ ہر وہ آواز یا تحریر جو مسلمانوں کے درمیان اختلافات اور بدگمانی پیدا کرے وہ شیطانی آواز تصور کی جائے گی کیونکہ "انتشار" شیطان کے جنود (لشکروں) میں سے اور "اتحاد" رحمان کے جنود میں سے ہے۔

پاکستان کا قیام سنی شیعہ ہر دو فرقوں کے اتحاد کا نتیجہ ہے۔ اس کے ثمرات میں شیعہ سنی مسلمانوں کو محروم کرنا اسلامی اصولوں کے منافی ہے۔ اس لئے ہم یہاں مسلمانوں کے حقوق کی جنگ لڑ رہے ہیں۔ جب تک سامراج ہمارے ملک سے رخصت نہیں ہو جاتا اس وقت تک ہم حقوق حاصل نہیں کر سکتے۔ لہذا مسلمانوں کو اپنے کھوئے ہوئے حقوق کی بازیابی کے لئے متحد ہو کر ظالم سامراج اور اس کی کاسہ لیسیوں سے نجات حاصل کرنا ہو گی۔

آپ سے اپنے اور چند دیگر اہل سنت احباب نے درخواست کی کہ آپ کا کردار اور آپ کی فکر پوری مسلم امہ کے لئے ہے اور آپ ملت اسلامیہ کے قائد ہیں جبکہ آپ کی تحریک کا نام تحریک نفاذ فقہ جعفریہ خالصتاً" ایک فرقہ کی ترجمانی کرتا ہے۔ تو آپ نے فرمایا "ہم اتحاد بین المسلمین کے فلسفے کے نہ صرف قائل ہیں بلکہ اس عظیم مشن پر عمل پیرا ہونے کے لئے ہر قربانی دینے کے لئے تیار ہیں۔ گذشتہ سال مولانا فضل الرحمان صاحب کی پارٹی سے اتحاد کے سلسلے میں بات چیت ہوئی تھی۔ لیکن وہ آگے نہ بڑھ سکی۔ ہم آج بھی اس پارٹی سے اتحاد کے لئے تیار ہیں جس کے مقاصد میں اسلام کی بقاء' پاکستان کا استحکام اور عوام کی بہبود شامل ہے۔

ہمارے اس اتحاد کا مقصد ہرگز یہ نہیں ہے کہ ہم سب اپنی فقہ سے منہ موڑ کر کسی پلیٹ فارم کا انتخاب کرنا چاہتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ہم میں سے ہر سنی فقہ حنفی اور ہر شیعہ فقہ جعفریہ پر پوری طرح کاربند رہتے ہوئے صرف اپنے مشترکہ دشمنوں کے خلاف ایک متحدہ محاذ تشکیل دینا چاہتا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ ہم تمام مسلمانوں کی فلاح و بہبود کے خواہشمند ہیں اور اپنے ملک پاکستان کی اندرونی فضا کو بھی آپس کی چپقلش سے پاک و منزہ رکھنا چاہتے ہیں۔

جب ہم مسلمانوں کا مقصد اسلام اور قرآن کی بالادستی ہے تو پھر چھوٹی چھوٹی باتوں کو اختلاف کا باعث نہیں بننا چاہیے۔ یہ تنظیمی نام صرف تشخص کے لئے ہیں جبکہ اصل کردار ہدف ہوتا ہے۔

اس وقت آمریت اور فرقہ واریت کی یلغار میں ہم انتہائی مشکلات کا شکار ہیں اور اپنی قوم کو اسی پلیٹ فارم سے اعتماد میں لینے کے بعد جدوجہد جاری رکھے ہوئے ہیں۔ لہٰذا ایسے میں اپنی جماعت کا نام تبدیل کرنا اور نئے سرے سے اپنی قوم کو اعتماد میں لینا مایوسی کا باعث بنے گا کیونکہ اسی نام سے ایک اور گروپ بھی موجود ہے۔ البتہ جونہی حالات کا رخ بدلا' اطمینان کی فضا پیدا ہوئی اور ہماری قوم کو مشکلات سے نجات ملی تو ہم احباب کے مشورے سے اس مسئلہ پر غور کریں گے اور مناسب وقت میں اپنی جماعت کو وسیع پیمانے پر متعارف کرائیں گے۔ ہماری تحریک چاہے فقہ جعفریہ کے نام سے ہو یا کسی اور اسلامی نام سے' ہمارا ہدف اتحاد' اسلام کی سربلندی اور ملک کا استحکام ہے۔ ہم ہر اس اسلامی تنظیم کا ساتھ دینے کے لئے تیار ہیں جو حقیقی معنوں میں اسلام کی خدمت کرنا چاہتی ہے۔ چاہے اس کا تعلق مسلمانوں کے کسی فرقہ سے ہو اور اس کا نام کچھ بھی ہو"۔

۱۹۸۷ء پشاور میں وحدت المسلمین کے ایک سیمینار میں خطاب کرتے ہوئے فرمایا "میں دوسری فقہ کے پیروکاروں پر یہ بات واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ نہ ہم آپ کے دشمن ہیں اور نہ آپ ہمارے' بلکہ ہم سب کا مشترکہ دشمن مغربی اور مشرقی استعمار ہے۔ یہ طاغوتی طاقتیں آپس کی گہری دشمنی اور عناد کے باوجود اسلام کے خلاف یکجا ہو

گئی ہیں مگر ہماری بدقسمتی ہے کہ ہم کلمہ وحدت کے باوجود باہم دست بگریباں ہیں۔ ایسے میں ضروری ہے کہ افغانستان' لیبیا' اریٹریا اور فلسطین و کشمیر کے مسلمانوں کی نجات کے لئے پرچم لا الہ لے کر اٹھیں اور طاغوتی ظالم طاقتوں کو بھگا دیں۔ اگر ہم نے خود الجھنے کی پالیسی پر عمل کیا تو پھر یہ طاغوتی طاقتیں ہمیں بھی اپنے ظلم و ستم کا نشانہ بنا کر ذلیل و خوار کر دیں گی۔

ہمیں ایک دوسرے کے احترام کے ساتھ ساتھ عقائد و مقدسات کا بھی احترام کرنا چاہئے کیونکہ ہم آپس کے جذبہ اخوت و برادری کے ذریعے ہی اسلام دشمنوں کا مقابلہ کر سکتے ہیں۔ تمام مسلمانوں کو جان لینا چاہئے کہ ان کی تمام تر مصیبتوں کا ذمہ دار امریکہ ہے جس کے گماشتے یہاں بھی مسلمانوں میں انتشار پھیلانے میں سرگرم عمل ہیں۔ مزید فرمایا جو لوگ شیعہ سنی میں اختلافات پھیلاتے ہیں وہ شیعہ ہیں نہ سنی بلکہ استعمار کے ایجنٹ ہیں اور اسلام کے دشمن۔ یہی لوگ مسلمانوں کے قاتل اور انسانیت و شرافت کے لٹیرے ہیں۔ وضاحت کرتے ہوئے فرمایا کہ جس معاشرے میں استعمار نفوذ کرنے لگتا ہے تو اس کی کوشش ہوتی ہے کہ قوم کو لسانی' علاقائی اور عقائد کی تقسیم کے لحاظ سے بانٹ دیا جائے اور پھر اتحاد کے داعی افراد کو بے اثر بنانے کے لئے ان کی مختلف طریقوں سے کردار کشی کرے اس کے ساتھ ساتھ قوم کے حقیقی مسائل سے بے خبر رکھ کر بے مقصد معاملات میں مشغول رکھے۔ اگر غور کریں تو یہی کچھ آج ہمارے معاشرے میں ہو رہا ہے۔

اے ملت محمدیہ بیدار ہو جاؤ اور سازشی ہاتھوں کو کاٹ ڈالو۔ اگر چاہتے ہیں کہ استعمار کے سر پر کاری ضرب اور اس کے دل پر نشتر چلے تو پھر لا الہ الا اللہ کا نعرہ لگا کر متحد ہو جاؤ"۔

مولانا عبدالقدوس (پشاور) نے آپ کی اتحاد بین المسلمین کی کوششوں اور خلوص پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا کہ "سید عارف حسین الحسینی برصغیر کی تاریخ میں پہلے شیعہ عالم دین اور رہنما تھے جو نہ صرف شیعہ اور سنی اتحاد کے قائل تھے بلکہ وہ دیوبندی بریلوی اور اہلحدیث کے اتحاد کے دل سے خواہاں تھے اور انہوں نے پشاور میں

کئی بار اہلسنت علماء کے درمیان صلح کرائی کیونکہ ان کی دلی خواہش تھی کہ مسلمان کسی سطح پر بھی منتشر نہ ہوں۔ وہ اکثر فرماتے تھے کہ سنی علماء کا اختلاف بھی اسلام کو کمزور کرتا ہے"۔

اپریل ۱۹۸۸ء کو کوئٹہ کے بہت بڑے جلسہ عام سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا "ہم محسوس کر رہے ہیں کہ حکومت فرقہ واریت کو پروان چڑھانے میں ایڑی چوٹی کا زور لگا رہی ہے جبکہ دوسری جانب ہمارے اسلامی سیمینار اور اتحاد بین المسلمین پر مشتمل پروگرامات کے انعقاد میں رکاوٹیں ڈالی جا رہی ہیں۔ اس سے قبل یہاں ۶ جولائی ۱۹۸۵ء کو حکومت نے ہمارے پر امن پروگرام پر وحشیانہ فائرنگ کر کے ستر افراد کو شہید کیا اور ساتھ ہی فرقہ واریت پھیلانے کی سرتوڑ کوشش بھی کی مگر یہاں کے غیور عوام اور علماء نے حالات کو بھانپ کر حکومتی سازشوں کو ناکام بنا دیا۔

میں آج بھی یہاں کے غیور عوام سے ویسی ہی توقع رکھتا ہوں کہ وہ اتحاد بین المسلمین کا پہلے سے زیادہ مظاہرہ کر کے پاکستان کی سرحدوں کی مزید حفاظت فرمائیں۔ مزید فرمایا کہ پاراچنار اور گلگت بلتستان کے خونی فسادات سے اندازہ ہوتا ہے کہ استعمار پاکستان کی سرحدوں پر قائم علاقوں کو فسادات کی زد میں لا کر پاکستانی سرحدیں کمزور کرنا چاہتا ہے لہذا تمام مسلمانوں سے اپیل ہے کہ بلا تفریق استعمار کی اس سازش کو ناکام بنائیں اور اپنی سرحدوں پر کڑی نظر رکھیں"۔

مئی ۱۹۸۸ء کو کراچی کے اہم دورے کے موقع پر انتہائی غمزدہ ہو کر فرمایا۔ "کراچی کی صورتحال کو دیکھ کر کوئی بھی باخبر مسلمان غمناک ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ یہ ہنگامہ آرائیاں اور مسلمانوں کے ہاتھوں مسلمانوں کا وحشیانہ قتل عام خصوصاً" رمضان المبارک میں بہت بڑا اور سنگین جرم ہے۔ کراچی میں جو کچھ ہو رہا ہے ایک سوچی سمجھی سازش کا نتیجہ ہے۔ اس میں کچھ اندرونی اور کچھ بیرونی عوامل کارفرما ہیں۔ ہمیں موجودہ حکومت کے بھی ایسے واقعات میں دلچسپی کے ثبوت مل چکے ہیں۔ محسوس ہوتا ہے کہ حکومت کے یہاں سیاسی مفادات وابستہ ہیں۔ مگر استعمار آج کل ایسے بھیانک کارناموں میں سرگرم عمل ہے کیونکہ اس کے لئے ایک مضبوط اور مستحکم پاکستان نقصان

وہ ہے۔ اس لئے آئے دن پاکستان کو کمزور کرنے کے لئے یہ عناصر عصبیت، فرقہ واریت اور نسلی امتیازات کو ہوا دے کر مکروہ منصوبوں کی تکمیل کا سامان کر رہے ہیں۔ ایسے میں تمام مسلمانوں کو متحد ہو کر اسلام اور پاکستان کی بقاء کی جنگ لڑنی چاہئے۔

آپ نے اپنی زندگی کے آخری 32 گھنٹوں کے دوران محرم الحرام کے حوالے سے جو طویل پیغام قوم کے نام تحریر فرمایا تھا اس میں لکھا کہ "پھر ایام عزا کی آمد ہے جہاں عزاداران امام حسینؑ پر غم کے بادل چھائے ہوئے ہیں وہاں ایسے میں ان پر کچھ ذمہ داریاں بھی عائد ہوتی ہیں کہ وہ مشن حسینؑ کی حقیقی روح کو تمام مسلمانوں تک پہنچائیں تاکہ پورے مسلمان رسول اکرم ﷺ کے نواسہ کے غم میں شریک ہو سکیں۔

اہل منبر سے بھی گزارش ہے کہ وہ شہادت حسینؑ اور مقصد امام کی حقیقی ترجمانی فرمائیں تاکہ پورے مسلمانوں تک صحیح پیغام کربلا پہنچ سکے۔ عزاداران کو چاہئے کہ وہ اپنے اجتماعات میں اخوت، بھائی چارے اور یگانگت اور مصالحت کے لئے اپنی تمام مساعی کو بروئے کار لاتے ہوئے اپنے مقدس اجتماعات میں تمام مسلمانوں کو شرکت کی دعوت دیں۔

معرکہ کربلا ایک مرتبہ پھر پوری شدت و قوت کے ساتھ برپا ہے، یزیدیت امریکہ، روس اور دوسری شیطانی قوتوں کی شکل میں خم ٹھونک کر میدان میں اتر آئی ہے اور حسینیوں کا ایک تاریخ ساز اور دلیرانہ جہاد دنیا کے مختلف ملکوں میں جاری ہے۔ میں اپنے اہل اسلام تمام بھائیوں سے بھی گزارش کروں گا کہ وہ ان ایام عزاء میں اسلام دشمن طاقتوں پر کڑی نظر رکھیں تاکہ ان غم بھرے ایام میں دشمن اپنی کسی مکروہ سازش میں کامیاب نہ ہو سکیں۔

"ہفت روزہ رضاکار لاہور" کے لئے اپنی زندگی کے آخری پیغام میں یوں رقم فرمایا کہ "چند روز بعد محرم الحرام کی آمد آمد ہے ملک دشمن قوتیں کچھ عرصہ سے ایسے غمناک ایام میں سیاہ کاریوں کی مرتکب ہو چکی ہیں اور لگتا ہے کہ پھر غلیظ پروپیگنڈا اور دیگر سازشوں سے مزید افراتفری پیدا کرنا چاہتی ہیں اگر حکومت کی جانب سے اس اہم

نوعیت کے مسئلے پر سکوت کا اظہار اور مسائل کو حل نہ کرنے کی پالیسی اپنائی گئی تو یہ ان عناصر کے عزائم کی تکمیل میں تعاون ثابت ہو گی جو انتشار برپا کرنے کی تیاریاں کر چکے ہیں۔

دشمن کو جان لینا چاہئے کہ ملت جعفریہ کی تاریخ قربانیوں سے رقم ہے۔ ان نازک حالات میں ہمارے خلاف کی گئی سازشیں یقیناً ہمیں اپنے مقاصد سے باز نہیں رکھ سکتیں بلکہ ہماری قربانیاں ہمارے مشن میں تیزی پیدا کرتی ہیں لیکن ہم سمجھتے ہیں کہ ملک ایسی فضاؤں کا متحمل نہیں ہے"۔

درج بالا چند اقتباسات سے آپ کے ہدف اور خلوص کی خوشبو آتی ہے۔ خیبر کے پہاڑوں سے کراچی کے سمندر تک اور کوئٹہ کے میدانوں سے گلگت بلتستان کے گلزاروں تک آپ جس شہر میں گئے' جس علاقہ سے گزرے آپ کا پیغام محبت اور امن رہا۔ اتحاد بین المسلمین اور اسلام دوستی کے متعلق آپ کے نظریات اور خواہشات پر جتنا بھی لکھا جائے مبالغہ آرائی نہیں ہو گا۔

علماء اہلسنّت سے ملنا' ان کی محفلوں میں بیٹھنا' ان سے اسلام کے بارے میں گفتگو کرنا آپ کی حسرت ہوتی تھی اور کئی بار دیکھا گیا کہ علماء اہلسنّت سے مل کر آپ کا چہرہ گلاب سا ہو جاتا تھا۔ پشاور میں رہتے ہوئے مولانا عبدالرحمان' مولانا جمال الدین' مولانا وحید الدین' مولانا عبدالقدوس سابق امیر جماعت اسلامی صوبہ سرحد اور مولانا اشرف علی قریشی آپ کے گہرے دوست تھے۔ آپ کے رفقاء کے بقول کہ فارغ وقت میں علماء اہل سنت سے ان کے مدارس' مساجد یا گھر میں جا کر ملنا آپ کی محبوب مصروفیت ہوتی تھی۔

اپنے بچوں کو قرآن مجید کا قاری بنانا چاہا تو آپ نے جی ٹی ایس پشاور اڈا کی مسجد کے خطیب کو منتخب فرمایا "وہ آپ کی شہادت تک بچوں کو قرآن مجید پڑھاتے رہے اہل سنت علماء کے بقول کہ ہم نے آج تک مسلمانوں میں بالعموم اور ملت جعفریہ میں بالخصوص سید عارف حسین الحسینی جیسا عالم باعمل اور اسلام کا حقیقی شیدائی نہیں دیکھا۔ وہ جب بھی اسلام پر ڈھائے جانے والے مصائب کی بات کرتے تھے تو ان کے لہجے میں

تھرتھراہٹ اور آنکھوں سے اشک رواں ہو جاتے تھے۔ فرقہ واریت کا ذکر کرتے وقت ایسے لگتا تھا جیسے آپ کا دل چکی میں پس رہا ہو۔

علماء اہلسنت فرماتے ہیں کہ "سید عارف حسین الحسینی جب تک زندہ رہے وہ رمضان المبارک میں ہماری مساجد میں تشریف لاتے تھے اور قرآن مجید کے دروس دیا کرتے تھے اور ہمارے طلبہ کو جدید اسلامی تعلیم سے آراستہ ہو کر باوقار عالم بننے کی تاکید فرماتے تھے۔ بات یہیں پر ہی ختم نہیں ہو جاتی بلکہ آپ اہلسنت کے مدارس میں مستحق طلباء کی مالی معاونت بھی فرماتے تھے۔ آپ کا معمول تھا کہ ہر اسلامی پر مسرت تہوار یا عید کے موقع پر علماء اہلسنت کے گھروں میں تحائف بھیجا کرتے تھے۔ یہ علماء اہلسنت کی آپ سے محبت کی نظیر ہے کہ انہوں نے پشاور میں اپنی کئی مساجد کے سنگ بنیاد آپ کے دست مبارک سے رکھوائے۔

آپ علمائے اہلسنت سے فرماتے تھے کہ اگر کوئی عالم دین ہماری استعمار کے خلاف چلائی جانے والی تحریک میں شامل نہیں ہوتا تو کم از کم اتنا تو ضرور کرے کہ وہ ہماری اس تحریک کی مخالفت نہ کرے۔

مولانا عبدالقدوس صاحب فرماتے ہیں کہ "میں نے سید عارف حسین الحسینی کے ساتھ زندگی کے لطیف لمحے گزارے ہیں انہیں اٹھتے بیٹھتے' سوتے اور جاگتے دیکھا ہے۔ میری زندگی میں سید عارف حسین الحسینی پہلے شخص تھے جنہیں میں نے دل سے اپنا پیر تسلیم کر لیا تھا"۔

مولانا عبدالقدوس صاحب نے سید عارف حسین الحسینی کی علماء اہلسنت سے محبت کا واقعہ کچھ یوں سنایا کہ "میں نے ان کے ساتھ کئی ایک سفر کیے۔ ایک دفعہ ہم پنڈی جا رہے تھے تو (میں گاڑی کی اگلی سیٹ پر بیٹھ گیا) آپ نے درمیان والی سیٹ پر مجھے بٹھایا اور خود شیشے کے ساتھ میرے پہلو میں بیٹھ گئے۔ میرے استفسار پر فرمانے لگے آپ ہمارے مہمان اور مسلمانوں کا عظیم سرمایہ ہیں اگر خدانخواستہ ہماری گاڑی پر دشمن کا حملہ ہو گیا تو میری خواہش ہے کہ گولی مجھے لگے۔ آپ محفوظ رہیں۔ مولانا صاحب فرمانے لگے کہ یا سید یہ کیسی بات کر رہے ہیں آپ کجا اور ہم کجا۔ خدا آپ کو

محفوظ رکھے ہماری خیر ہے مگر سید عارف حسین الحسینی نے فرمایا میری اس سے بڑی خوش نصیبی کیا ہو گی کہ میں ایک بلند فکر عالم دین کی محافظت میں گولی کا نشانہ بن کر خدا کے روبرو سرخرو ہوں"۔

آپ کا معمول تھا کہ ملک گیر دورہ جات کے دوران جس شہر میں بھی جاتے وہاں کے احباب سے اہلسنّت علماء سے خصوصی نشست کی تاکید فرماتے۔ یہی وجہ تھی کہ آپ نے ملک بھر میں علماء اہلسنّت کا ایک بہت بڑا حلقہ بنا لیا تھا اور پاکستان میں اتحاد بین المسلمین اور امریکہ کے خلاف بھرپور تحریک کا آغاز کر دیا تھا۔ دعویٰ سے کہا جا سکتا ہے کہ ملک کا ایسا کوئی شہر نہیں جہاں سید عارف حسین الحسینی نے اہلسنّت کے علماء دوست نہ بنائے ہوں اور جہاں وسیع النظر اور اسلام سے حقیقی مخلص علماء آج بھی آپ کو دل کی اتھاہ گہرائیوں سے یاد نہ کرتے ہوں۔

آپ کے بارے میں اہلسنّت عوام کے تاثرات بھی کچھ یوں ہیں کہ ایک مرتبہ آپ ڈیرہ غازی خان کی دور افتادہ تحصیل تونسہ شریف میں مدرسہ کے افتتاح کے لئے تشریف لے گئے اور وہاں شہر کے ایک چوک میں تقریر فرمائی۔ شنید میں آیا کہ تونسہ شہر کے علماء اہلسنّت' بریلوی مکتب فکر کے معروف پیر خواجگان اور ہر مکتبہ فکر کے عوام نے آپ کی تقریر سنی۔ جب ان سے تاثرات لئے گئے تو کہنے لگے "یا تو یہ شخص شیعہ نہیں ہے' اگر یہ شیعہ ہے تو پھر دیگر مولوی شیعہ نہیں ہیں"۔

راقم نے خود سنا کہ اس شہر کے ایک ہوٹل میں چند مزدور طبقہ لوگ باتیں کر رہے تھے کہ آج کے دیوبندی مولوی نے بڑی کمال کی تقریر کی ہے۔ ایک شخص نے کہا وہ تو شیعوں کا لیڈر تھا تو اس حلقہ میں دیر تک تکرار ہوتا رہا کہ وہ شیعہ نہیں تھے۔ صرف لباس ہی شیعوں والا پہنا ہوا تھا۔

ڈیرہ اسماعیل خان کی قرآن و سنت کانفرنس کے اختتام پر گراؤنڈ سے باہر کھڑے ہوئے ایک اہلسنّت رکشہ ڈرائیور نے ملک عبداللہ جان بنگش سے کہا کہ آج تقریر کرنے والے بڑے مولانا صاحب حقیقی مسلمان تھے۔ ہم تو ایسے لوگوں کا ساتھ دیں گے۔

آپ کے حقیقی چچازاد بھائی سید سعادت حسین نے بتایا کہ علامہ سید عارف حسین پشاور میں پشتو میں محرم پڑھتے تو وہاں کثیر تعداد میں اہلسنّت مجلس میں شرکت کرتے تھے۔۔ ۱۳ محرم کو میں ایک تندور سے روٹیاں لینے گیا تو وہاں پر موجود لوگ آپس میں بحث کر رہے تھے کہ شیعہ سنی میں کیا فرق ہے؟ ایک شخص نے کہا شیعہ نماز نہیں پڑھتے، حج نہیں کرتے اور داڑھی نہیں رکھتے۔ دوسرے نے برجستہ کہا کہ غلط ہے کل پرسوں ہم جس پشتو والے مولانا کی مجلس سننے گئے تھے وہ شیعہ تھا نماز پڑھ رہا تھا اور اس نے خوبصورت داڑھی رکھی ہوئی تھی۔ ان میں کسی اور نے پشتو میں "نہ ماڑا شیعہ خوندے دا سنی مولانا دے" (وہ تو ہمارا سنی مولانا تھا خواہ مخواہ اسے شیعہ بنا رہے ہو؟) جب آپ کو اس تکرار سے آگاہ کیا گیا تو آپ مسکرانے لگے مگر تھوڑی دیر بعد رنجیدہ ہو کر فرمایا کہ شیعوں کے خلاف زہریلا پروپیگنڈا کیا گیا ہے لہٰذا آپ تمام احباب ایسے لوگوں میں تھوڑی دیر بیٹھ کر شیعوں کے عقائد سے انہیں آگاہ کیا کریں۔

آپ ڈیرہ اسمٰعیل خان کے ایک احتجاجی جلسہ میں تشریف لائے اور خطاب فرمایا تو جلسہ کے اختتام پر ایک شخص نے کہا کہ میں نے سید عارف حسین الحسینی کا خطاب پہلی بار سنا ہے یہ عجیب شیعہ رہنما ہے جس نے ایک گھنٹہ کی تقریر میں صرف دو مرتبہ شیعہ کا نام لیا اور دس مرتبہ اہلسنّت کا۔

آپ سیاسی اور ذاتی حوالے سے مولانا فضل الرحمان سے کافی محبت اور اعتماد کے خواہاں تھے۔ جہاں آپ مولانا فضل الرحمان کی شخصیت کے مداح تھے وہاں مولانا صاحب سے اس بات پر اظہار خفگی بھی فرماتے تھے کہ جمعیت علماء اسلام سے منسلک کچھ علماء فرقہ واریت پھیلانے میں تمام حدود پھلانگ چکے ہیں لہٰذا جمعیت ان کے بارے واضح لائحہ عمل سامنے لائے۔ شاید یہی وجہ ہوگی کہ مولانا فضل الرحمان بھی ان لوگوں کو پسند نہیں فرماتے تھے۔ اس لئے ان لوگوں نے فضل الرحمان گروپ کو الوداع کہہ کر سمیع الحق گروپ میں شمولیت کر لی تھی۔

اس میں کسی شک، شبہ کی گنجائش نہیں کہ آپ تاریخ پاکستان میں اتحاد بین المسلمین کے عظیم علمبردار تھے۔ جتنا لکھا جائے مختصر اور جتنا کہا جائے کم ہے۔ خوبیاں تو اپنے بیان

کرتے ہی رہتے ہیں مگر سید عارف حسین الحسینی کی اس خوبی کا اعتراف مخالفین بھی کر بیٹھے۔

ایک مجلہ شیعوں کے قائدین پر تنقید کرتے ہوئے اتحاد بین المسلمین کے نظریات کے بارے میں لکھتا ہے کہ "شیعوں کے قائد علامہ عارف حسین الحسینی پر اتحاد بین المسلمین کا بھوت سوار تھا اور اس کا یہ انداز ایرانی تھا۔

آپ نے بہت کم عرصہ میں ملت مسلمہ کے لئے اپنی درد بھری صدا بلند کی۔ مظلوموں کے حامی اور محروموں کے سہارے اس سید کی یہ صدا کبھی حقوق کی بازیابی کے لئے ملک کے ایوانوں سے ٹکرائی اور کبھی اس کی اقوام متحدہ اور وائٹ ہاؤس میں بازگشت سنائی دی۔ آپ عمر بھر اسلام کی بقاء اور پاکستان کے استحکام کی جنگ لڑتے رہے۔ آپ کی وحدت المسلمین کی شبانہ روز جدوجہد کو ذی شعور مسلمان اور اسلام دوست لوگ سنہری حروف میں لکھیں گے مگر آپ کی یہی جدوجہد امریکہ اور اس کے حواریوں کی آنکھوں میں کانٹا بن گئی تھی۔ یہی وہ جرم تھا جس کی پاداش میں محبتوں کا امین اور خلوص کا پیغامبر مسلمانوں سے جدا کیا گیا۔ آج بھی آپ کا ذکر کسی محفل میں ہوتا ہے تو ہر غیور مسلمان شخص کی آنکھیں نم ہو جاتی ہیں۔

بین الاقوامی مسائل پر آپ کا نقطہ نظر

(ا) جہاد افغانستان۔

علامہ سید عارف حسین الحسینی نے قیادت کا علم سنبھالا تو نہ صرف ملکی حالات دگرگوں تھے بلکہ بین الاقوامی سطح پر ایران، عراق جنگ اور مسئلہ افغانستان جیسے سنگین مسائل درپیش تھے۔ آپ ان مسائل میں سپر طاقتوں کے کردار اور مسلم مجاہدین کی معرکہ آرائی پر پہلے ہی گہری نظر رکھے ہوئے تھے۔ مگر قیادت کے بعد آپ کی ذمہ داری اور مسئولیت کے انداز بدل گئے۔ اس سے قبل کہ آپ کا افغانستان کے انقلاب میں کردار واضح کیا جائے مناسب ہو گا کہ اس انقلاب کے پس منظر پر ایک نظر ڈالی جائے تاکہ حقائق کی روشنی میں آپ کا موقف سامنے آسکے۔

اپریل ۱۹۷۸ء میں افغانستان میں سردار داؤد کی حکومت فوجی انقلاب کی بدولت ختم ہوئی اور اس انقلاب کے نتیجے میں نور محمد ترکئی برسراقتدار آئے جنہیں پیپلز ڈیموکریٹک پارٹی کی حمایت حاصل تھی۔ انقلاب افغانستان کے وقت پاکستان اور افغانستان کے درمیان ایک اہم معاہدہ زیر غور تھا اور پاکستان کے وزیر خارجہ اس سلسلے میں کابل روانہ ہونے کی تیاریاں کر رہے تھے کہ افغانستان میں حکومت کا تختہ الٹ دیا گیا۔

ستمبر ۱۹۷۹ء کو نور محمد ترکئی کو تختہ الٹ دینے کے بعد حفیظ اللہ امین برسراقتدار آئے جس نے روس کے ساتھ ایک معاہدہ کیا اور اس معاہدہ کے تحت دسمبر ۱۹۷۹ء میں روسی فوجیں وسیع پیمانے پر افغانستان میں داخل ہوئیں۔ بعدازاں روس نے حفیظ اللہ امین کو بھی اقتدار سے الگ کر دیا اور ببرک کارمل کی حکومت قائم کروا دی۔ افغانستان میں روسی فوجوں کی جارحیت کے نتیجے میں ۳۰ لاکھ افغان مہاجرین نے پاکستان میں پناہ لی اور یوں پاکستان کی مغربی سرحدوں پر روس کی عسکری موجودگی نے پاکستان اور عوام کے مزاج بدل دیئے۔

۱۹۸۰ء میں مسلم ممالک کی تنظیم (او آئی سی) نے افغان مسئلے کے حل کے لئے

ایک قرارداد پیش کی جس میں مسئلہ کا پر امن حل، روسی فوجوں کی واپسی، افغانستان کی آزادی کی بحالی اور مہاجرین کی واپسی پر زور دیا گیا۔ پھر پاکستان اور روس کے درمیان جنیوا مذاکرات کا سلسلہ جاری ہوا جو ۱۹۸۶ء تک بے سود رہا۔ البتہ ۱۹۸۳ء میں روس نے اپنی فوجوں کے انخلاء کا عندیہ دے دیا۔ ۱۹۸۵ء کے دوران روس نے پاکستان پر دباؤ ڈالا کہ مہاجرین کا مسئلہ علیحدہ طور پر حل کیا جائے مگر پاکستان مسئلہ کے حل کے لئے مربوط سمجھوتے پر مصر رہا۔

یکم جنوری ۱۹۸۷ء کو افغانستان کی حکومت نے روس کی ایماء پر جنگ بندی کا اعلان کیا جسے سات جماعتوں پر مشتمل افغان مجاہدین کے اتحاد نے یکسر مسترد کر دیا۔ جنیوا مذاکرات کا آٹھواں دور فروری اور مارچ ۱۹۸۷ء میں ہوا اور بات مثبت حد تک آگے بڑھی تاہم ستمبر ۱۹۸۷ء میں نیویارک میں پاکستانی وزیر خارجہ صاحبزادہ یعقوب خان اور روسی وزیر خارجہ شیور ناڈزے کی ملاقات میں نتائج حوصلہ افزا رہے۔ دسمبر ۱۹۸۷ء میں روسی وزیر خارجہ نے کابل اور اپریل ۱۹۸۸ء میں امریکہ کے انڈر سیکرٹری برائے سیاسی امور آرماکوسٹ نے اسلام آباد کا دورہ کیا۔ فروری ۱۹۸۸ء میں روسی نائب وزیر خارجہ اسلام آباد آیا جس کے بعد روس کے صدر گورباچوف نے بعض اہم مطالبات قبول کرنے کا اعلان کر دیا۔ طے پایا کہ جنیوا سمجھوتہ کے بعد روس ۱۵ مئی تک اپنی فوج واپس بلا لے گا لہٰذا مارچ میں جنیوا مذاکرات کا طویل ترین اور حتمی دور ختم ہوا آخرکار ۱۴ اپریل ۱۹۸۸ء کو جنیوا سمجھوتے پر دستخط ہوئے وعدہ کے مطابق روسی فوجوں کا انخلاء شروع ہو گیا مگر پاکستان سے افغان مہاجرین کی واپسی کا مسئلہ تعطل کا شکار ہو گیا۔

جہاں پورا پاکستان مسئلہ افغانستان اور مہاجرین کی موجودگی سے متاثر ہوا وہاں پاکستان کے شمال مغربی علاقہ جات زمینی اور فضائی حملوں کی شدید زد میں آئے۔ افغان سرحد سے متصل "پیواڑ" (علامہ سید عارف حسین الحسینی کے آبائی گاؤں) پر اس جنگ نے گہرے اثرات مرتب کئے۔

پیواڑ کے قرب میں ہونے والے جہاد افغانستان میں مرد مجاہد علامہ سید عارف حسین الحسینی کے اشتیاق جہاد کو گرمایا جس کے نتیجے میں افغان مہاجرین کی مصیبت اور

سپر طاقتوں کی جارحیت آپ کے لئے مسلسل بے قراری کا سبب بنیں۔ آپ نے اکثر اظہار خیال فرمایا کہ "اگر میری مسئولیت مجھے اجازت دے تو میں سب کچھ ترک کر کے بہ نفس نفیس جہاد افغانستان میں شرکت کروں اور تائید رب العزت سے افتخار شہادت پاؤں"۔

آپ نے اپنے عوام کو تاکید فرمائی کہ وہ افغان بھائیوں کی اس قدر خدمت کریں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دور کے انصار کی یاد تازہ ہو جائے۔ چنانچہ پاراچنار کی مقامی آبادی نے افغان بھائیوں کی ہر مرحلہ اور مشکل میں بڑھ چڑھ کر مدد کی۔

آپ نے پاراچنار کے عوام کو درس دیا کہ جہاد افغانستان اس بات کا متقاضی ہے کہ کفر کی افواج کے خلاف اپنے مسلمان برادران کی مورچہ زن ہو کر مدد کی جائے۔ آپ نے اپنے علماء کرام پر بھی واضح فرمایا کہ سرحدوں پر لڑی جانے والی یہ جنگ فروع دین کے چھٹے رکن "جہاد" کے حقیقی زمرے میں آتی ہے۔ لہٰذا اس جہاد میں حصہ لینا عین واجب ہے۔ آپ نے مختلف شعبہ ہائے زندگی سے تعلق رکھنے والے افراد کو تاکید فرمائی کہ وہ اس مرحلہ میں اپنی اپنی مسئولیت انجام دیں۔ آپ نے اپنے نوجوان افغانستان کے مورچوں میں بھی بھیجے اور اپنے مدرسہ کے طالب علموں کو فرض سونپا کہ وہ جنگ افغانستان میں تبلیغاتی ضروریات کو پورا کریں تاکہ افغان مجاہدین کی روحانی کمک جاری رہے۔ آپ کی خواہشات کا احترام کرتے ہوئے آپ کے طالب علم باقاعدگی سے افغان مجاہدین کے مورچوں میں جاتے اور وہاں دعائے کمیل اور قرآن مجید کے دروس دے کر جذبہ شہادت کو اجاگر کرتے۔

آپ پاراچنار سے پشاور منتقل ہوئے تو آپ نے افغانستان کے مجاہدین کے لئے قرآن فہمی، تقویٰ، جہاد اور امام خمینی کی تعلیمات کے دروس کا اہتمام فرمایا جو ایک مدت تک جاری رہا۔ آپ مجاہدین افغانستان کے رہنماؤں سے کئی بار ملے اور مسئلہ افغانستان کے بارے میں ان کی مشکلات دریافت کرنے کے ساتھ ساتھ اپنے موقف سے آگاہ فرمایا۔ آپ افغانستان کے علماء اور قائدین سے اس قدر مربوط ہو گئے کہ پاکستان کے ملک گیر دورہ جات میں افغانستان کے چند علماء آپ کے ساتھ ہوا کرتے تھے۔ بالخصوص

جہاں اتحاد بین المسلمین کے اجتماعات ہوتے آپ ان علماء کی زبانی قوم کو جنگ کی حقیقی صورتحال سے آگاہ کرتے۔ ایسے اجتماعات میں آپ اپنے عوام کو جہاد افغانستان کی حقیقت کو سمجھنے اور حصہ لینے کی دعوت دیتے۔

آپ کی جہاد افغانستان سے وابستگی اور شوق جہاد کا ادراک کرتے ہوئے حرکت اسلامی افغانستان کے ممتاز رہنما آقای آیت اللہ آصف محسنی نے مدرسہ آیت الحکیم راولپنڈی کے طلباء کو درس اخلاق دیتے ہوئے فرمایا کہ "پاکستان میں سید عارف حسین الحسینی سے بڑھ کر جہاد شناس اور طلب شہادت کا شیدائی کوئی نہیں۔ آپ ایک مجاہدانہ عالم دین ہیں اگر پاکستان کے علماء نے ان کا ساتھ دیا تو وہ استعمار کو پاکستان سے نکال پھینکیں گے"۔ پھر اس درس میں مزید فرمایا کہ آپ طلباء سے گزارش کرتا ہوں کہ سید عارف حسین جیسے مجاہد عالم دین بننے کی کوشش کریں۔

جہاد کے ابتدائی دنوں کی بات ہے کہ ایک مرتبہ افغانستان کے ہزارہ علماء کا ایک وفد سید عارف حسین الحسینی سے ملنے آیا تو انہوں نے پاکستان میں دفاتر کے قیام میں مدد کی فرمائش کی۔ آپ نے علماء کی خواہش کا احترام کرتے ہوئے پاراچنار کے اہل ثروت احباب کے تعاون سے مجاہدین کا ایک دفتر فقیر آباد پشاور میں قائم کر دیا۔

مدرسہ جعفریہ پاراچنار میں گلبدین حکمت یار آپ سے ملنے آئے تو دونوں رہنماؤں نے جہاد کی کامیابی کے لئے باہمی یگانگت اور تعاون کی حکمت عملی طے کی۔ اس ملاقات میں آپ نے مجاہدین کے کردار کو سراہنے کے ساتھ ساتھ چند ایک مشکلات کی نشاندہی بھی کی۔ آپ نے فرمایا کہ "مجاہدین کی صفوں میں اتحاد اور مساوات برقرار رکھنا ہمارے اس جہاد کی کامیابی کی بنیادی شرط ہے۔ دیکھنے میں آیا ہے کہ وہاں کے ہزارہ اور تاجک قبائل کے باشندے بھوک کے ہاتھوں لاچار ہیں جبکہ آپ کے نزدیک بعض قبائل کے افراد نسبتاً متمول زندگی گزار رہے ہیں"۔ اس ملاقات میں دونوں رہنماؤں نے یہ فیصلہ بھی کیا کہ مستقبل قریب میں گلبدین حکمت یار اسلامی جمہوریہ ایران کا دورہ کریں اور وہاں کے قائدین سے بعض اہم امور پر تبادلہ خیال کریں۔ بعدازاں گلبدین حکمت یار کے دورہ ایران کی کامیابی میں علامہ سید عارف

حسین الحسینی نے ایک ٹھوس اور مثبت کردار ادا کیا۔

آپ نے زندگی کے نشیب و فراز میں کبھی جہاد افغانستان کو فراموش نہ کیا بلکہ اپنے ہر خطاب' قرارداد' سیمینار' پریس کانفرنس اور انٹرویو میں جہاد افغانستان کا دل کی اتھاہ گہرائیوں سے تذکرہ فرمایا اور جہاد میں حصہ لینے والے مجاہدین کی خدمت کو مسلسل خراج تحسین پیش کیا۔ آپ نے کئی بار مورچہ زن مجاہدین کو نہایت ضروری پیغامات ارسال فرمائے۔

اپریل ۱۹۸۸ء میں لاہور سے آپ نے ایک خصوصی پیغام جاری کیا جس میں یہ ارشاد فرمایا کہ "ہم اسلام کے لئے لڑنے والے مجاہدین کو یقین دلاتے ہیں کہ ہم اپنی تمام تر توانائیوں کے ساتھ آخری فتح تک ان کا ساتھ دیں گے اور ہمیں رب العزت سے مکمل امید ہے کہ وہ ہمارے مجاہدین کو فتح سے ہمکنار کرے گا۔ اسی کے ساتھ ہمیں اپنے مجاہدین سے توقع ہے کہ وہ اس اسلام و کفر کی جنگ میں دشمن اسلام کی کسی سازش کو کامیاب نہیں ہونے دیں گے"۔

آپ نے قرآن و سنت کانفرنس فیصل آباد میں افغان مجاہدین کے جذبوں کو سراہتے ہوئے فرمایا "تاریخ شاہد ہے کہ روسی فوجیں جس علاقہ میں بھی داخل ہوئیں وہ علاقہ ان کی جغرافیائی حدود کا حصہ بن گیا۔ سمرقند' بخارا' بلخ و آذر بائیجان اس کی زندہ مثالیں ہیں مگر افغانستان کے غیور مسلمانوں نے سوویت یونین کے تسلط سے چھٹکارے کے لئے اپنے خون سے جدوجہد کی جو داستان رقم کی ہے اس نے سوویت سربراہ میخائل گورباچوف کو بھی اقرار کرنے پر مجبور کر دیا ہے کہ "روسی فوجیں افغان مسلمانوں کے جذبہ جہاد کا مقابلہ کرنے میں ناکام رہی ہیں"۔

افغان عوام کی جدوجہد کے بارے میں مزید فرمایا کہ "افغان عوام نے سوویت یونین کے خلاف اپنی جدوجہد میں جس استقامت کا مظاہرہ کیا ہے اس نے دنیا کی ایک بڑی طاقت کو عوامی جدوجہد کے آگے نہ صرف گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کر دیا ہے بلکہ آج سوویت یونین کے رہنما افغانستان میں اپنی فوجی جارحیت کے فیصلے کو غلط تسلیم کرتے ہوئے افغانستان کی سرزمین سے اپنی فوجوں کے انخلاء پر مجبور ہو رہے ہیں۔ مجاہدین

کے ہاتھوں ذلت آمیز شکست کے بعد روسیوں نے جو ہزیمت اٹھائی ہے وہ پاکستان کے نام نہاد سوشلسٹوں کے لئے لمحہ فکریہ ہے"۔

آپ نے پوری شدومد کے ساتھ اس خدشہ کا اظہار فرمایا کہ افغانستان سے روسی فوجوں کے انخلاء کے بعد امریکہ یہ ہرگز برداشت نہیں کرے گا کہ افغانستان میں ایک اسلامی جمہوریہ کا قیام عمل میں آئے جبکہ ہمارے مجاہدین اسی مقصد کے لئے جہاد کر رہے ہیں۔ مجاہدین کے مختلف گروہ اس بات کا پیش خیمہ ہو سکتے ہیں کہ کامیابی کے باوجود ملت افغانستان کا شیرازہ یکجا نہ ہو سکے اور امریکہ مجاہدین کے ان دھڑوں میں اختلافات کو ہوا دے کر اسلامی حکومت کے قیام کے مقاصد کو خاک میں ملا دے۔

آپ نے ماہنامہ زنجیر لاہور کو انٹرویو دیتے ہوئے فرمایا کہ افغان عوام نے سوویت جارحیت کے خلاف جہاد امریکہ کے اشارے پر نہیں بلکہ دینی و قومی فریضہ سمجھ کر کیا ہے۔ ہمیں یقین ہے کہ افغان عوام سوویت افواج کے جانے کے بعد امریکیوں کو اپنے اندرونی معاملات میں دخل اندازی کی کھلی چھٹی نہیں دیں گے۔ امریکہ ضرور ایسا چاہے گا روس بھی پسپا ہو اور افغان عوام بھی اسلامی حکومت کا قیام عمل میں نہ لا سکیں اور ایک ایسی کمزور اور نام نہاد حکومت وجود میں آئے جس سے جہاد افغانستان کی روح' محنت اور مقصد فوت ہو جائے۔

آپ نے لاہور میں نوجوانوں کے ایک اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ "روس اور امریکہ آپس میں اختلاف یا اتفاق کر سکتے ہیں مگر یہ کبھی مسلمانوں کے دوست نہیں بن سکتے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ روس' امریکہ کسی وقت بھی اپنے مفادات کو ملحوظ خاطر رکھ کر صلح جوئی کرلیں اور افغانستان کے جہاد کو سبوتاژ کر دیں"۔

آپ نے کوئٹہ میں اپریل ۱۹۸۸ء کے ایک جلسہ عام سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ "امریکہ اور روس کبھی بھی مسلمانوں کے خیر خواہ نہیں ہو سکتے۔ بظاہر امریکہ افغانستان میں مسلمانوں کو کچھ مراعات اور اسلحہ فراہم کر رہا ہے مگر پس پردہ وہ اپنے مقاصد رکھتا ہے۔

آپ کی یہ پیش گوئی جنیوا سمجھوتہ کے وقت سچ ثابت ہوئی کیونکہ جنیوا مذاکرات

میں روس نکاراگوا میں امریکہ کو مراعات دے رہا تھا اور اس کے بدلے میں روس، امریکہ سے افغانستان میں اس قسم کی مراعات کا مطالبہ کر رہا تھا اور اس ملی بھگت کے نتیجہ میں افغانستان جہاد کا مقصد سبوتاژ کرنے کی کوشش کی جا رہی تھی۔

آپ نے مسئلہ افغانستان کے سلسلہ میں جہاں امریکہ اور اس کے مکروہ عزائم کا پردہ چاک کیا وہاں پاکستان کی حکومت کے کردار اور سطحی پالیسیوں پر بھی شدید تنقید کی۔ صدر ضیاء الحق نے جب یہ موقف اختیار کیا کہ اسے اقتدار سے ہرگز دلچسپی نہیں ہے بلکہ وہ صرف افغان جہاد کی کامیابی تک اقتدار میں رہنا چاہتا ہے۔

آپ نے حکومت کے ان حیلے بہانوں کو شاطرانہ چال سے تشبیہ دی اور فرمایا "حکومت جس طرح اسلام سے مخلص نہیں اسی طرح جہاد افغانستان کے بارے میں اسلامی نقطہ نظر سے کوئی موافقت نہیں رکھتی بلکہ حکومت کی افغانستان میں دلچسپی امریکہ کی خوشنودی کے حصول اور اپنے اقتدار کو طول دینے کا ایک سلسلہ ہے۔ وقت ثابت کر دے گا کہ ہماری حکومت کس قدر جہاد افغانستان میں مخلص ہے؟" آخر وقت آیا کہ روس امریکہ کے درمیان جینوا سمجھوتہ طے پایا جو صرف افغانستان سے روسی فوجوں کے انخلاء تک محدود تھا جسے مجاہدین نے قبول کرنے سے یکسر انکار کر دیا مگر ہماری حکومت نے امریکہ کی خوشنودی کے تابع اس معاہدہ کا خیر مقدم کیا۔

اسی سلسلہ میں حکومت پر تنقید کرتے ہوئے آپ نے کوئٹہ میں اپریل ۱۹۸۸ء کے جلسہ عام میں عوام سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ "ہماری حکومت کے اس دعویٰ کی کہ مجاہدین افغانستان سے اس کی محبت انسانیت اور اسلام کی بنیاد پر ہے کی قلعی کھل گئی ہے اب جبکہ مجاہدین جینوا مذاکرات کی مخالفت کر رہے ہیں اس کے برعکس ہماری حکومت امریکہ کو خوش کرنے کی پالیسی پر گامزن ہے اور مجاہدین کے خلاف ہونے والے معاہدہ کو قبول کر رہی ہے۔ حکومت کی اس پالیسی کے جو اثرات مرتب ہوں گے اس سے پاکستان متاثر ہوئے بغیر نہیں رہے گا۔"

آپ نے اپریل ۱۹۸۸ء کو راولپنڈی میں دو روزہ فکر شہید باقرالصدر سیمینار سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ "حکومت پاکستان نے جینوا معاہدے پر دستخط کر کے افغان

مجاہدین کے مفادات کو پس پشت ڈال دیا ہے۔ افغان مسئلے کے اصل فریق مجاہدین اور روس ہیں جبکہ پاکستان فریق نہیں ہے۔ لہٰذا افغان مجاہدین کی شرکت کے بغیر معاہدہ ناپائیدار ہے اور اسی لئے مجاہدین اسے تسلیم نہیں کرسکتے۔

حکومت پاکستان نے "جینوا معاہدہ" پر تبادلہ خیال کے لئے ملک کی معروف سیاسی جماعتوں کو ایک گول میز کانفرنس میں شرکت اور اظہار خیال کی دعوت دی تھی۔ جونیجو حکومت کی کوشش تھی کہ تمام سیاسی جماعتوں کو اعتماد میں لے کر متفقہ قومی موقف کا اظہار کیا جائے۔ حکومت کی اس گول میز کانفرنس میں تحریک نفاذ فقہ جعفریہ پاکستان کو بطور ایک سیاسی جماعت کے دعوت دی گئی جس میں تحریک کے نائب صدر علامہ سید فاضل حسین موسوی نے شرکت فرمائی۔

جہاں دیگر جماعتوں نے اپنے اپنے موقف کا اظہار کیا وہاں علامہ سید فاضل حسین موسوی نے بھی حکومت کو تحریک کے موقف سے آگاہ کیا کہ افغان مسئلے کے حقیقی فریق افغان مجاہدین اور سوویت یونین ہیں۔ پاکستان کی حیثیت ایک متاثرہ فریق کی سی ہے مگر حکومت کا جینوا معاہدہ میں شریک ہونا امریکہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے سوا کچھ بھی نہیں ہے۔ یہ سراسر جہاد اسلامی کے خلاف ایک غلط قدم ہے۔ ہماری حکومت کو روس امریکہ کی ملی بھگت سے وجود میں آنے والے اس معاہدے پر دستخط کرکے مسلمانوں کے اجتماعی مفادات کو اس قدر شدید ضرب نہیں لگانی چاہئے۔ مذاکرات کا حق صرف اور صرف مجاہدین کو حاصل ہے کیونکہ وہ اپنے مسائل اور جنگ کی وجوہات کو بہتر سمجھتے ہیں ان کی قربانیوں کا سودا کرکے اپنی سیاسی برتری قائم کرنا شہداء کے خون سے غداری کرنے کے مترادف ہوگا"

جہاد افغانستان کے سلسلہ میں علامہ سید عارف حسین الحسینی کی فکر ملکی سطح تک محدود نہیں تھی بلکہ آپ نے عالم اسلام کے اس اہم ترین مسئلہ کے بارے میں بین الاقوامی شخصیات اور قائدین سے مسلسل روابط رکھے۔ ایران کے سابق صدر اور روحانی پیشوا آیت اللہ سید علی خامنہ ای اور افغانستان کے معاملات کے لئے وزارت خارجہ حکومت ایران کے مسئول آغا نجفی، لبنان کے آغا مہدی شمس الدین، حزب اللہ

لبنان کے شہید سید عباس موسوی' عراق کی حزب الدعوۃ کے قائدین اور اسی طرح دیگر اسلامی ممالک کی اہم شخصیات کے ساتھ مربوط رہے اور مجاہدین کی ممکنہ امداد کے لئے بین الاقوامی سطح پر کوشاں رہے۔

فروری ۱۹۸۴ء میں آپ نے اسلامی کانفرنس کے سیکرٹری جنرل شریف الدین پیرزادہ کو خط لکھا جس میں آپ نے انہیں امت مسلمہ کے مسائل کے بارے میں اپنے موقف سے آگاہ فرمایا اور افغانستان کے بارے میں کہا کہ ہم افغانستان میں روس کے کھلے بندوں اسلام دشمنی پر سراپا احتجاج ہیں ہمیں بیدار مغزی کا ثبوت دیتے ہوئے بین الاقوامی سطح پر ہر دو طاقتوں کی اسلام دشمن پالیسیوں کا جائزہ لینا ہوگا اور استعمار کے خلاف ایک موقف اختیار کرنا ہوگا جس کے لئے ہمیں عربی اور عجمی کی تمیز سے بالا تر ہو کر سنت نبوی پر عمل پیرا ہونا چاہئے۔

یاد رہے کہ اسلامی جمہوریہ ایران نے عراق سے جنگ کے دوران ایک مرحلہ پر سٹنگر میزائل کا استعمال کیا تھا جس نے امریکہ اور عراق کی آنکھیں کھول دی تھیں۔ کیونکہ امریکہ سے تعلقات کے مخدوش ہونے اور اسلحہ پر پابندی کے باعث ایران میں ان میزائلوں کا ہونا ناممکن تھا جبکہ یہ میزائل اس وقت صرف افغان مجاہدین کے قبضے میں تھے جہاں سے امریکہ اور ایجنسیوں کے شکوک و شبہات کو تقویت ملی کہ امریکی سٹنگر میزائل کی ایران کو فراہمی میں سید عارف حسین کا گہرا ہاتھ ہے۔ یہ شک صرف اس بنا پر تھا کہ افغان مجاہدین اور ان کے قائدین سے آپ کے گہرے مراسم تھے۔ مگر یہ الزام یکسر بے معنی اور بے قیمت تھا کیونکہ افغان مہاجرین کی ایک خاصی تعداد ایران میں پناہ گزین تھی اور افغان قائدین کا ایران سے براہ راست رابطہ تھا۔ جن کے ذریعے سٹنگر میزائل کا ایران پہنچنا کوئی معنی خیز نہیں تھا۔ علاوہ ازیں حکومت پاکستان کا ایران سے گہرا ربط اور اسلام دوستی و ہمسائیگی بھی ایسا اسلحہ مہیا کرنے کا باعث بن سکتی تھی جس کا اظہار کئی ایک مقامات پر ہو چکا ہے بلکہ سید عارف حسین الحسینی کی سازش قتل کے سرغنہ ماجد گیلانی کے بیان میں واضح ہے کہ صدام کو ضیاء الحق سے یہ شکوہ تھا کہ وہ ایران کو وہی اسلحہ مہیا کر رہا ہے جو افغان مجاہدین کو امریکہ کی جانب سے دیا جا رہا

ہے۔

ایران کو سٹنگر میزائل کی فراہمی کے بارے میں بریگیڈیئر محمد یوسف اپنی کتاب "بیئر ٹریپ" میں لکھتے ہیں کہ انہوں نے کرنل علاؤ الدین کو ہلمند کے راستے تربیت کے لئے سٹنگرز کا قافلہ بھیجا چنانچہ وہ ہلمند دریا عبور کرنے کی خاطر ایران کی سرحدوں سے گزرنا چاہتا تھا جہاں وہ ایرانی پاسداروں کے ہاتھوں چڑھ گیا اور انہوں نے چار سٹنگر' لانچر اور چودہ میزائل چھین لئے جو انہوں نے واپس نہ کئے۔ چنانچہ مولانا خالص کو اس کے بعد یہ میزائل نہ دیئے گئے"۔

مصنف ایک اور جگہ تحریر کرتا ہے کہ "امریکہ کو پہلے دن سے ہی خدشہ تھا کہ یہ منفرد میزائل ایران منتقل ہو جائیں گے اور ایران انہی میزائل سے امریکی منصوبوں کو خاک میں ملا دے گا"۔

اس حقیقت سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ علامہ سید عارف حسین الحسینی نے جہاد افغانستان میں ایک تاریخ ساز کردار ادا فرمایا۔ یہ آپ کی جہاد افغانستان سے والہانہ وابستگی اور آخری حد تک افغان مجاہدین کی بھرپور امداد کا نتیجہ تھا کہ آپ کی شہادت کے بعد افغانستان کے رہنماؤں نے آپ کی خدمات کو زبردست خراج عقیدت پیش کیا۔

○ انجینئر احمد شاہ احمد زئی مجاہدین افغانستان کی عبوری حکومت کے سابق صدر نے کہا کہ شہید علامہ سید عارف حسین الحسینی جہاد افغانستان کے مخلص پشت پناہ تھے۔ ان کی قدر و منزلت ہمیشہ ہمارے دلوں میں زندہ رہے گی"

○ حرکت انقلاب اسلامی کے امیر مولوی نصراللہ منصور نے کہا افغان جہاد کے نڈر سپوت کی شہادت عالم اسلام کے تمام مجاہدوں کے لئے باعث رنج و الم ہے"

○ جمعیت اسلامی کے رہنما پروفیسر برہان الدین ربانی نے کہا علامہ شہید روسی جارحیت کے مقابلے میں افغان عوام کے زبردست حامی تھے اسی لئے وہ ہمیشہ "محسن افغانستان" کی حیثیت سے یاد رکھے جائیں گے"

○ مجاہدین افغانستان کے ممتاز رہنما پیر سید احمد گیلانی نے کہا شہید مظلوم جہاد افغانستان کے نڈر ساتھی تھے ان کی بے وقت شہادت ایک ناقابل تلافی نقصان ہے"۔

○ آقائے آصف محسنی رہنما حرکت اسلامی نے کہا علامہ مرحوم کی شہادت سے جہاد افغانستان کی روح کو دھچکا پہنچا ہے۔ کیونکہ آپ نے افغان مجاہدین کے ساتھ شانہ بشانہ کام کرکے اسلام کی بہت بڑی خدمت کی ہے"

(۴) انقلاب اسلامی ایران

حضرت امام خمینی کی جدوجہد سے فروری ۱۹۷۹ء میں ایران میں اسلامی انقلاب کامیابی سے ہمکنار ہوا۔ تاریخ اسلام میں صدیوں بعد اسلامی قوانین کو کسی ملک میں نافذ کیا گیا۔ بین الاقوامی سطح پر یہ دور زبردست نظریاتی کشمکش کا شکار تھا۔ ایسے میں اسلامی نظریات کے بین الاقوامی سطح پر ابھر کر سامنے آنے کی وجہ سے پوری دنیا ان کی طرف متوجہ ہوئی۔ مغرب و مشرق کے افکار بنی نوع بشر کو مادیت کی لپیٹ میں لئے روحانیت سے دور سے دور تر لے جا رہے تھے۔ انسانی زندگی محض مادہ پرستی اور صرف اس دنیا تک محدود سمجھی جانے لگی تھی۔ انسان اپنے خالق سے رشتہ توڑتا جا رہا تھا۔

بین الاقوامی استعماری قوتیں افریقہ اور ایشیا کے غریب ممالک کی دولت کو دونوں ہاتھوں سے لوٹ رہی تھیں۔ ان ممالک کے عوام کی پسماندگی اور زبوں حالی انسانیت کے لئے ننگ و عار بن چکی تھی۔ ایسے میں انقلاب کا پیغام اندھیری شب میں نور کی کرن بن کر انسانیت کی آنکھوں کے سامنے چمکا۔

اس انقلاب کو برپا کرنے کے لئے حضرت امام خمینی کے فرمان پر لاکھوں فرزندان نے جام شہادت نوش کیا۔ ان نوجوانوں کے ساتھ بلند پایہ علماء نے بھی ناقابل فراموش کردار ادا کیا۔ علامہ سید عارف حسین الحسینی بھی امام خمینی کے ایسے ہی ایک سپاہی تھے آپ نے اپنی ہر حکمت عملی میں اسلامی انقلاب اور اس کے نظام کی بھرپور حمایت کو اپنا شعار بنایا اور اسلامی انقلاب کی بدولت ایران کے نظام سلطنت میں جو تبدیلیاں لائی گئیں انہیں اخذ کرکے پاکستان میں نافذ کرنا آپ کی زندگی کا مقصد قرار پایا۔

چونکہ اسلامی جمہوریہ ایران براہ راست امام خمینی کی زیر قیادت و سرپرستی میں تھا اس لئے ایران سے آپ کی دلی وابستگی بھی ایک لازمی امر تھا۔ اس میں کسی شک و شبہ کی گنجائش ہی نہیں کہ ایران ملت تشیع کے علم اور تہذیب کا گہوارہ ہے۔ امام رضا علیہ السلام اور معصومہؑ قم کی زیارت گاہوں کے علاوہ اسلامی یونیورسٹیاں اور حوزہ ہائے علمیہ اگرچہ ایران کی جاذبیت کا سبب رہے ہیں مگر اہل نظر اور باشعور افراد کے لئے حقیقی وابستگی یا عقیدت ایران کا اسلامی نظام اور حقیقی اسلامی قیادت ہے۔

وہی ایران جس کے نظام سے آج علامہ سید عارف حسین الحسینی کو والہانہ عقیدت تھی کل آپ اسی ملک کے نظام سے بے حد متنفر تھے حالانکہ شیعہ اکثریت بھی تھی اور زیارت گاہیں بھی۔ یہی حوزہ ہائے علیہ بھی تھے اور علما بھی...... سب کچھ تھا مگر نہ اسلامی قیادت اور نہ اسلامی نظام۔

یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ علامہ سید عارف حسین الحسینی کا معیار عقیدت اور نفرت خدا کی ذات اور اس کا دین اور رسول اکرمؐ کی ذات اور ان کی شریعت تھی۔ آپ کی ایران سے وابستگی اسلامی انقلاب کا سورج طلوع ہونے کے بعد کی نہیں بلکہ جب امام خمینی نے اسلامی انقلاب کی تحریک کا آغاز فرمایا تھا تو آپ اگرچہ اس وقت ایک طالب علم تھے مگر امام خمینی کے ہر حکم کی تعمیل کرتے ہوئے انقلاب اسلامی کی اس تحریک میں دوسرے مجاہدین کے شانہ بشانہ شریک کار رہے۔ آپ نے نجف اشرف میں رہتے ہوئے شاہ ایران کے خلاف احتجاج کیا تھا جس کا ہم تفصیلاً ذکر کر چکے ہیں اور قم کے قیام کے دوران آپ انقلاب کی حمایت میں منعقدہ جلسوں اور جلوسوں میں بھی باقاعدگی سے شرکت کرتے رہے۔

آپ کی انقلاب سے وابستگی صرف ایران میں آپ کے قیام تک ہی محدود نہ رہی بلکہ جب آپ واپس پاکستان تشریف لائے تو آپ نے انقلاب اسلامی کے حق میں اور شاہ ایران کے مظالم اور غیر اسلامی اقدار کے خلاف مظاہرے کئے اور اپنی قوم کو صورتحال سے آگاہ فرمایا۔

آپ نے پاکستان میں جس دن قیادت کا علم سنبھالا تو اسی روز ایران اپنے اسلامی انقلاب کی چوتھی سالگرہ کا جشن منا رہا تھا۔ مگر المیہ یہ تھا کہ استعمار کے اشارے پر عراق کی جانب سے ایران پر جنگ مسلط ہو چکی تھی اور انقلاب کے لئے لاکھوں کی قربانیاں دینے والے خاندان ایک بار پھر اسلام دوستی کی سزا بھگت رہے تھے۔ اگرچہ آپ ایک طرف اسلامی انقلاب کے طلوع سے بے حد خوش تھے مگر دوسری جانب استعمار کی جارحیت سے کافی اداس تھے۔

آپ نے اپنے ابتدائی ملک گیر دورہ جات میں جہاں تحریک کے مقاصد اپنی داخلی

جدوجہد اور عزائم کا ذکر فرمایا وہاں بین الاقوامی سطح پر دیگر مسلمانوں کے ساتھ ہونے والی زیادتیوں کے ساتھ ساتھ اسلامی جمہوریہ ایران پر مسلط کردہ جنگ اور عراق کی جارحیت کو بھی اپنی تنقید کا نشانہ بنایا۔ آپ نے پاکستان کے غیور مسلم عوام پر واضح فرمایا کہ "اسلامی جمہوریہ ایران پر مسلط کردہ جنگ اسلام دشمنی اور شریعت محمدیؐ کے نظام کے نفوذ کو محدود کرنے کی مکروہ سازش اور زخم خوردہ استعمار کے انتقامی کاروائی کا نتیجہ ہے جسے مسلمان ممالک کے ذریعہ پایہ تکمیل تک پہنچانے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ لہٰذا صدام ایک جارح اور استعمار کا ایجنٹ ہے جس نے اپنے آقا کی خوشنودی کے لئے اپنے ہمسایہ ملک پر جارحیت کی ہے جس کی ہم پرزور مذمت کرتے ہیں"۔ اسی کے ساتھ ہی انقلاب اسلامی ایران کی حمایت کرتے ہوئے آپ نے بار بار فرمایا۔ "جہاں ہماری تحریک کا مقصد اپنے ملک میں مسلمانوں کے حقوق کی بحالی اور ہر مسلک کو اس کے عقیدے کے مطابق آزادانہ اور منصفانہ زندگی بسر کرنے کی جدوجہد کرنا ہے اسی کے ساتھ ساتھ بین الاقوامی سطح پر تمام مظلوم مسلمانوں کی حمایت اور ظالموں سے نفرت کا اعلان بھی ہمارے اہداف میں شامل ہے لہٰذا اسلام کی بقا کے تحفظ اور شریعت محمدیؐ کے پرچار کے لئے ہم ایران کے اسلامی انقلاب اور نظام کی بھرپور حمایت کرتے ہیں۔ ایران کا یہ انقلاب جو ہمارے لئے ایک نمونہ ہے۔ جیسے جیسے مڑتا جائے گا ہم ویسے ویسے اس کے پیچھے چلتے رہیں گے۔

فروری ۱۹۸۷ء لاہور میں ایک تربیتی کیمپ سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا "ہم انقلاب اسلامی ایران کے حامی ہیں۔ اس لئے کہ یہ انقلاب نہ صرف خائن شاہ کی حکومت کو ختم کرنے کے لئے برپا کیا گیا بلکہ اس انقلاب نے طاغوتی حکومت کو ختم کر کے وہاں ایک اسلامی حکومت قائم کی ہے۔

انقلاب کی سالگرہ کے موقع پر فرمایا کہ "میں اس عظیم الشان موقع پر حضرت امام خمینیؒ بت شکن کی صالح، باوقار اور باعمل قیادت کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے ملت ایران کو سلام عقیدت پیش کرتا ہوں۔ اس لئے کہ آج مظلوم قوتوں کی قیادت انقلاب اسلامی کی عظیم قیادت کے نقش قدم پر چلتے ہوئے بین الاقوامی استعماری قوتہ۔

امریکہ، روس اور اسرائیل کے خلاف کھلے بندوں نفرت کا اظہار کر رہی ہے۔ اس پرمسرت موقع پر ہم تمام مسلمانوں کو دعوت دیتے ہیں کہ اپنی ذاتی پسند و ناپسند اور مفادات سے بالاتر ہو کر اسلام اور قرآن کی سربلندی کے لئے یکجا ہو کر جدوجہد کریں تا کہ دنیا سے ظلم و تشدد، جبر و لاقانونیت اور آمریت و فسطائیت کا خاتمہ ہو سکے۔

فروری ۱۹۸۷ء کو کوہاٹ کے ایک عظیم الشان جلسے سے خطاب کرتے ہوئے انقلاب کے استحکام کے بارے میں فرمایا۔ "آج انقلاب اسلامی نے ایسا استحکام پایا ہے کہ پوری دنیا کی سیاست پر اس کے اثرات مرتب ہو رہے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آج "وائٹ ہاؤس" میں تہلکہ برپا ہے اور امریکی حکومت کو پریشانیوں کا سامنا ہے۔ یہ سب کچھ انقلاب اسلامی کی وجہ سے ہے جو تمام اسلامی ممالک میں مسلمانوں کے اندر تحریک پیدا کرنے کا باعث بنا ہے۔ اس کی وجہ سے استعماری قوتوں کے مفادات کو شدید خطرہ لاحق ہے اس لئے استعمار کی بھرپور کوشش ہے کہ کسی نہ کسی طریقہ سے اس انقلاب کو ایران کی سرحدوں تک محدود کر دے۔ مگر ہم انشاء اللہ استعمار کی ایسی تمام سازشوں کو ناکام بنا کر دم لیں گے"۔

جنوری ۱۹۸۸ء میں تحریک نفاذ فقہ جعفریہ پنجاب کی جعفریہ کونسل سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا۔ "اسلامی انقلاب دنیائے اسلام کا مقدر بن چکا ہے۔ ملوکیت، آمریت اور سامراجیت کے ہتھکنڈے انقلاب کا راستہ نہیں روک سکتے۔ مسلمانان عالم کی بیداری ان ممالک پر مسلط حکمرانوں کی آنکھیں کھول دے گی اور انہیں استعماری قوتوں کی خوشامدانہ پالیسی ترک کر کے مسلمانوں کے جذبات کا احترام کرنا ہو گا۔ استعمار کی پہلی بار عالم گیر احتجاج اور اس سے نفرت اسلامی ایران کے انقلاب کی مرہون منت ہے"۔

آپ نے اپنے اجلاس اور نوجوانوں کی تربیتی پروگرامات میں علماء اور نوجوانوں سے انقلاب اسلامی ایران کی پیروی کرنے اور اس کے تحفظ کے لئے تاکید فرمائی۔ آئی۔ ایس۔ او پاکستان کی مجلس عاملہ کے اجلاس میں فرمایا۔ "میں آپ باشعور اور تعلیم یافتہ نوجوانوں سے توقع رکھتا ہوں کہ آپ ایران کے غیور مسلمان نوجوانوں کی طرح معاشرہ

میں انقلاب برپا کریں اور انقلاب اسلامی ایران کو ہر سطح پر اپنے کردار و عمل کی روشنی سے اس قدر متعارف کرائیں کہ مسلمانان پاکستان خود بخود اسلامی انقلاب کا مطالبہ کرنے پر آمادہ ہو جائیں۔ وضاحت کرتے ہوئے مزید فرمایا کہ "عوام کو اسلام کے حقیقی روپ اور وسعت سے آشنا کرنا ہماری (علماء کرام) کی ذمہ داری ہے لہٰذا آپ برادران علماء کے زیر سرپرستی اپنی خودسازی پر توجہ دیں تا کہ آپ کے قول و فعل میں کہیں تضاد محسوس نہ ہو"۔

انقلاب اسلامی ایران کی سالگرہ کے موقع پر اپنے ایک پیغام میں کہا کہ امریکہ ایک بت ہے جسے ایران کے نہتے غیور مسلمانوں نے پاؤں کی ٹھوکروں سے پاش پاش کر دیا ہے۔ اب امریکہ اور اس کے حواریوں کی سازش ہے کہ انقلاب اسلامی ایران کو جہاں تک ممکن ہو محدود کیا جائے اور امام خمینیؒ قدس سرہ کے افکار سے مسلمانان عالم کو بے خبر رکھنے کے ساتھ ساتھ ان کی ذات گرامی کو متنازعہ بنایا جائے۔ لہٰذا میں تمام مسلمانوں بالخصوص نوجوانوں سے درخواست کروں گا کہ وہ عالم اسلام کے حقیقی پیشوا اور مستضعفین جہاں کی امید حضرت امام خمینیؒ کے افکار کو ملک کے چپہ چپہ تک پہنچائیں تا کہ زمانہ حضرت امام خمینیؒ کے افکار سے باخبر ہو کر استعمار کے ناپاک عزائم خاک میں ملا دے"۔

یہی وجہ تھی کہ آپ کی پر خلوص خواہشات کا احترام کرتے ہوئے آئی۔ ایس۔ او پاکستان کے باہمت نوجوانوں نے ملک کے کونہ کونہ میں امام خمینیؒ کی تصاویر اور افکار کو پہنچایا اور ملک کے ہر گاؤں' ہر قصبہ اور ہر شہر میں انقلاب ایران کی وڈیو فلمیں دکھا کر انقلاب کی روح اور افادیت سے مسلمانوں کو آگاہ کیا۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ پاکستانی عوام اپنے ملک میں بھی ایران جیسے اسلامی انقلاب کا تقاضا کرنے لگے اور جہاں بھی ظلم ہوا یا کسی مظلوم کی آہ نکلی تو اس نے بے ساختہ کہا کہ پاکستان کو ایک خمینیؒ کی ضرورت ہے۔

آپ نے جہاں اپنے ملک میں انقلاب ایران کو متعارف کرایا وہاں ایران کے محاذوں پر لڑنے والے سرکفت مجاہدین سے بھی رابطے استوار رکھے۔ آپ نے کئی بار

ایرانی کمانڈر انچیف کے نام خطوط بھیج کر ان کے حوصلوں کی داد دیتے ہوئے اپنی حمایت کا یقین دلوایا۔ بلکہ ایک مرتبہ پاکستان کے نوجوانوں کو جہاد کے موضوع پر درس دیتے ہوئے فرمایا کہ "جہاد کی تین اقسام ہیں"۔

(۱) جہاد بالنفس

(۲) جہاد بالسان

(۳) جہاد بالسیف

آج یہ تینوں جہاد آپ پر فرض ہو چکے ہیں۔ جہاد بالنفس جہاد اکبر ہے۔ لہٰذا آپ اپنے نفس کے ساتھ جہاد کر کے خودسازی کا عمل تیز کر دیں تا کہ جلد ہی اسلامی معاشرہ کا قیام عمل میں آئے۔ جبکہ جہاد بالسان کی ضرورت آج عروج پر ہے کیونکہ ملک میں آمریت اور ظلم کا راج ہے۔ مظلوموں کی آہیں اور ان کے حقوق کی پامالی اس بات کی متقاضی ہے کہ ظالم و جابر حکمرانوں کے خلاف کلمہ حق ادا کیا جائے۔ بین الاقوامی سطح پر امریکہ کے مظالم اور اسلام کے خلاف گھناؤنی سازشیں اس بات کا تقاضا کرتی ہیں کہ مردہ باد امریکہ کے نعرے کو شعار بنایا جائے۔

افغانستان اور ایران کی سرحدوں پر مسلمان اسلام دشمن سپرطاقتوں کے خلاف نبرد آزما ہیں۔ ایک طرف روس جیسے جارح کے خلاف افغان مجاہدین کی جنگ جاری ہے اور دوسری جانب عراق جو دراصل امریکہ کا حواری ہے' کی جارحیت کے خلاف ایرانی مجاہدین کا جہاد ہے لہٰذا آپ نوجوانوں سے توقع رکھتا ہوں کہ آپ ضرورت پڑنے پر جہاد بالسیف میں ضرور حصہ لیں گے۔

یہ آپ کی تعلیمات کا ثمر تھا کہ پاکستانی نوجوانوں نے ستمبر ۱۹۸۶ء میں کاروان کربلا تشکیل دیا اور افغانستان و ایران کے مجاہدین کے دوش بدوش جہاد میں حصہ لینے کا عزم کیا۔ آپ نے ایران کے صدر سید علی خامنہ ای کو دورہ پاکستان کے موقع پر جو خون سے رقم کردہ تحریر پیش کی تھی وہ انہی نوجوانوں کا جذبہ جہاد کا ایک عکس تھا۔

اس حقیقت سے ہرگز انکار نہیں کیا جا سکتا کہ علامہ سید عارف حسین الحسینی کے عطا کردہ خطوط پر گامزن نوجوانوں سے افغانستان اور ایران کے محاذوں پر جنگ میں

عملی حصہ لے کر جہاد بالسیف کے تقاضوں کو بھی پایہ تکمیل تک پہنچایا۔

آپ نے عرصہ قیادت کے دوران کئی بار ایران کے بین الاقوامی پروگراموں میں احباب کے ساتھ شرکت کی اور جنگ کے عروج کے دوران اگلے مورچوں کا دورہ بھی کیا۔ مصدقہ اطلاعات کے مطابق آپ مجاہدین کے ساتھ گھنٹوں مورچوں میں رہے اور جہاد میں عملی حصہ بھی لیا۔ آپ کے جذبہ جہاد و شہادت کو دیکھ کر ایک محاذ پر ایک ایرانی کمانڈر نے آپ کے احباب سے کہا تھا کہ یہ شخصیت (عارف حسین الحسینی) زیادہ دیر تک زندہ نہیں رہے گی۔ کیونکہ ان کی پیشانی اور آنکھوں سے لگتا ہے کہ وہ جست جلد شہید ہو جائیں گے"۔

قیادت سے قبل ۱۹۸۶ء میں آپ اور آئی ایس او کے سابق مرکزی صدر ملک اعجاز حسین و دیگر چند احباب خرم شہر گئے جس کا آدھا حصہ عراق قبضہ میں تھا آپ نے مورچوں میں جانا چاہا تو آپ کا آبادان سے آگے روک دیا گیا۔ مگر آپ ساتھیوں سمیت اصرار کرتے رہے جبکہ کمانڈر نے باربار وضاحت کی کہ آگے "War Zone" (جنگی علاقہ) ہے تو آپ نے فرمایا "ہم شہادت کو سعادت سمجھتے ہیں لہٰذا ہمیں جانے دیا جائے۔ آخر آپ کو ساتھیوں سمیت جنگی وردیاں اور ٹوپیاں دی گئیں اور آپ خندقوں سے گزرتے ہوئے اگلے مورچوں تک گئے جہاں سامنے عراقی فائرنگ ہو رہی تھی۔ آپ نے مجاہدین کو حوصلے دیے اور یہاں آپ کا ایک ساتھی گولی لگنے سے زخمی ہو گیا۔

آپ جہاں انقلاب اسلامی ایران کی حمایت اور ایران عراق جنگ میں براہ راست شریک رہے وہاں آپ نے عالم اسلام کے حکمرانوں اور عراق کے موقف کی تائید کرنے والے عرب حکمرانوں سے احتجاج کیا۔ اس سلسلہ میں آپ نے عالم اسلام کے تمام مسلم حکمرانوں کو خطوط لکھ کر انہیں اسلامی جمہوریہ ایران پر مسلط جارحیت کے خلاف دعوت فکر دی۔ آپ نے عرب حکمرانوں کو یہاں تک لکھا کہ اگر وہ اسلامی جمہوریہ ایران کے مظلوم مسلمانوں کی مدد کرنے سے قاصر ہیں تو پھر ظالم اور جارح صدام کی حمایت سے بھی باز رہیں"۔

آپ نے کویت کے شیخ جابر الصباح اور سعودی عرب کے فرمانروا شاہ فہد کو امام

خمینیؒ" کی یہ پیش گوئی یاد دلائی کہ اگر انہوں نے صدام جیسے جارح کی حوصلہ افزائی کا سلسلہ جاری رکھا تو پھر ایک دن یہی خونخوار بھیڑیا عرب ممالک کو بھی چیر پھاڑ دے گا۔ یاد رہے کہ ایران عراق جنگ کے دوران کویت نے صدام کو ۱۵ اور سعودیہ نے ۱۰ ارب ڈالر کی امداد سے نوازا تھا۔ بلکہ کویت نے عراق کو اسلحہ اور اشیاء ضروریات کی فراہمی کے لئے ایک شاہراہ بنوائی تھی۔ ۱۹۹۲ء میں اسی کے ذریعہ صدام نے کویت پر حملہ کیا تھا۔

علامہ سید عارف حسین الحسینی نے اپنی تحریر و تقریر میں صدام کو برملا جارح کہا اور انقلاب اسلامی ایران کی حمایت کی۔ حتی کہ جب عراق نے شکست سے بچنے کے لئے اسلامی جمہوریہ ایران پر کیمیائی گیس کا بے دریغ استعمال کیا تو آپ نے اقوام متحدہ کے سیکریٹری جنرل کے نام خط تحریر فرمایا کہ "پہلے مرحلے میں صدام نے بین الاقوامی قواعد و ضوابط کے خلاف ورزی کرتے ہوئے ایران کے مظلوم مسلمانوں پر بے دریغ کیمائی گیس کا استعمال کیا ہے۔ جس سے نہ صرف کئی جانیں ضائع ہو چکی ہیں بلکہ ہزاروں افراد مجروح اور ایران کی فضا مسموم ہو چکی ہے جس کے اثرات آئندہ نسلوں تک نفوذ کر سکتے ہیں۔ انسانی حقوق کی علمبردار اقوام متحدہ کو چاہئے کہ انسانیت کے قاتل صدام کی غیرقانونی حرکات کا تدارک کر کے اسے سزا دے اور ایران کے مظلوم مسلمانوں کو مزید نقصانات سے محفوظ رکھنے کے لئے مناسب سدباب کرے وگرنہ اقوام متحدہ کی کارکردگی کو یک طرفہ سمجھا جائے گا۔

امریکہ کی ایران کے خلاف معاشی ناکہ بندی اور ایران مسافر طیارے پر براہ راست حملے کے موقع پر آپ نے اسلامی کانفرنس کے سیکرٹری جنرل شریف الدین پیرزادہ کو ایک مکتوب کے ذریعے اپنے جذبات سے یوں آگاہ فرمایا۔ "دنیا میں موجودہ پناہ گزینوں کی تعداد کا ۹۰ فی صد مسلمان مہاجرین پر مشتمل ہے۔ مسلمانوں پر عرصہ حیات تنگ کرنے میں امریکہ اور اس کے توسیع پسندانہ عزائم کارفرما ہیں۔ مسجد اقصیٰ کی بے حرمتی، لبنان میں کشت و خون، ایران کی معاشی ناکہ بندی اور براہ راست امریکی حملے کھلم کھلا امریکی سازشوں کا ثبوت ہیں۔ جبکہ اقوام متحدہ کا کردار بھی جانبدارانہ ہے۔ لہٰذا

آپ سے اپیل ہے کہ آپ اسلامی کانفرنس کو عالمی سامراجی قوتوں کا آلہ کار بننے سے بچائیں اور اسلامی دنیا کو درپیش مسائل کے بارے میں حقیقت پسندانہ رویہ اختیار کریں کیونکہ اسلامی کانفرنس کا موجودہ رویہ اور کردار دنیا میں بسنے والے کروڑوں مسلمانوں کے جذبات کی عکاسی نہیں کرتا بلکہ امریکی سامراج کے اشاروں پر کام کرنے والا ایک ادارہ ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو اسلامی جمہوریہ ایران پر امریکہ و عراق جارحیت اور عالم اسلام کے خلاف منصوبہ بندی کے خلاف اسلامی کانفرنس کی جراتمندانہ صدا استعمار کی اس جارحیت کو روک سکتی تھی۔

ستمبر ۱۹۸۷ء میں جب امریکی فوج نے ایرانی کشتی پر امریکی میزائلوں سے حملہ کیا تو آپ نے امریکہ کے اس فعل کی بھرپور مذمت کی۔ جب ضیاء الحق نے خلیج میں امریکہ کی موجودگی کی حمایت کی تو آپ نے لاہور میں ضیاء الحق کے اس بیان پر اظہار تشویش کرتے ہوئے فرمایا۔ "جنرل ضیاء الحق نے خلیج میں امریکیوں کی موجودگی کی حمایت اور انقلاب اسلامی کے خلاف بیان دے کر پاکستانی مسلمانوں کے جذبات مجروح کئے ہیں۔ امریکہ خلیج میں جہازوں کو تحفظ دینے نہیں بلکہ خلیج کی جنگ کو وسعت دینے کے ساتھ ساتھ عراق بعثی حکومت کو تحفظ فراہم کر رہا ہے اور یوں اسرائیل کی بقا کی جنگ لڑی جا رہی ہے۔ بحری جہازوں پر حملوں کا آغاز عراق نے کیا ہے اگر وہ آج بھی اپنی دہشت گردی بند کر دے تو خلیج کے راستے محفوظ ہو سکتے ہیں۔ امریکہ کی یہ کاروائیاں عرب شیوخ کو تحفظ دینے کا اشارہ بھی ہیں۔ امریکی میزائلوں کے حملے کا مقصد یہ واضح کرتا ہے کہ امریکی فوج یہاں موجود ہے۔ لیکن ایسے مذموم عزائم کے خلاف عالم اسلام کی نفرتوں میں اضافہ ہو رہا ہے۔ امریکہ پاکستان کو خلیج کے مسئلے میں اسلامی جمہوریہ ایران کے خلاف استعمال کرنا چاہتا ہے۔ لیکن اسے جان لینا چاہئے کہ اسلامیان پاکستان اس کی ان شیطانی خواہشوں کی مزاحمت کریں گے۔

نومبر ۱۹۸۷ء میں ایران کی تنصیبات پر امریکی حملے کی مذمت کرتے ہوئے فرمایا کہ "اگر ایران عراق جنگ نہ بھی ہوتی تو امریکہ اسلامی جمہوریہ ایران پر براہ راست حملہ آور ہوتا۔ جیسا کہ وہ اب جہاں بھی عراق کی کمزوری محسوس کرتا ہے خود حملہ کر

دیتا ہے۔ ایران پر امریکی حملے کے بارے میں سعودی عرب اور اسرئیل کا موقف ایک جیسا ہے کیونکہ اسرائیل پر واضح ہے کہ ایران اس کے لئے بڑا خطرہ ہے جبکہ سعودی تخت و تاج کے تاجداروں کے ذہن میں امریکہ نے یہ بات بٹھا دی ہے کہ ایران ان کی شہنشاہیت کے لئے مستقل خطرہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ امریکہ کی خوشنودی کے حصول کے لئے اکثر مسلمان حکمران مجرمانہ خاموشی اختیار کئے ہوئے ہیں لہٰذا امریکہ کو اپنی احمقانہ حرکات کی بھاری قیمت چکانے کے لئے تیار ہو جانا چاہئے کیونکہ دنیا بھر کے مسلم انقلابی نوجوان امریکی جارحیت کا خوفناک انتقام لینے کے لئے تیار ہو چکے ہیں۔

پاکستان میں آپ کی تحریک اور انقلاب اسلامی ایران کے طرز پر انقلاب کی جدوجہد کا اندازہ لگا کر عوام آپ کو پاکستان کا "خمینی" تصور کرنے لگے۔ آپ کے بے پناہ عوامی مقبولیت اور اتحاد بین المسلمین کے حقیقی علمبردار ہونے کے ناطے آپ کو ایران میں بھی بے حد مقبولیت حاصل تھی۔ آپ ایران تشریف لے گئے تو وہاں کے ذرائع ابلاغ نے آپ کو ایک بین الاقوامی رہنما کی حیثیت سے متعارف کرایا۔

آپ کی ایران سے دلی وابستگی اور والہانہ عقیدت کو دیکھ کر آپ پر ایران سے امداد (Aid) لینے کا الزام لگایا گیا۔ یہی سوال لاہور کے ماہنامہ زنجیر کے نمائندہ نے بھی انٹرویو کے دوران کیا تو آپ نے مسکراتے ہوئے جواب دیا کہ "ہماری تحریک امام خمینی کے انقلاب سے پہلے معرض وجود میں آئی تھی۔ ہم پر ایران سے مدد لینے کا الزام سراسر غلط ہے۔ تاریخ شاہد ہے کہ ایران کے مشکل حالات میں پاکستان کے عوام نے بے پناہ مدد کی ہے بلکہ ہماری عورتوں نے اپنے زیورات تک کا نذرانہ پیش کیا ہے۔ اگر صرف امداد لینا ہی مقصود ہوتا تو شاید کسی اور ملک کی حمایت کر کے بھی لی جا سکتی تھی مگر ایران سے ہماری وابستگی صرف اسلامی حکومت اور اسلامی انقلاب کی بدولت ہے ورنہ زمانہ بہتر جانتا ہے کہ انقلاب سے قبل وہاں شیعہ اکثریت بھی تھی اور شیعہ حکومت بھی مگر ہم نے ایک لمحہ کے لئے بھی اس کی حمایت نہ کی بلکہ ہر موقع پر ڈٹ کر مخالفت کی۔ کیونکہ ہمیں معلوم تھا کہ اس حکومت کی سرپرستی براہ راست امریکہ کر رہا تھا اور وہاں امریکی خواہشات کا رواج عام تھا مگر انقلاب کے بعد ایران سے ہماری

محبت شریعت محمدیؐ اور نظام مصطفیؐ کے نفاذ کی بدولت ہے۔ ہم برملا دعویٰ کرتے ہیں کہ اگر ایسا انقلاب دنیا کے کسی اور اسلامی ملک میں رونما ہو جائے جس میں ایک فرد بھی شیعہ نہ ہو ہم ایران سے بڑھ کر اس کی حمایت کریں گے یہ ہماری خواہش بھی ہے کہ عالم اسلام کے مسلمان متحد ہو کر ایسا ہی انقلاب برپا کریں"۔

آپ نے انقلاب کی سالگرہ کے موقع پر اپنے ایک پیغام میں فرمایا کہ "ہمیں اسلامی انقلاب کی پیروی کر کے وہاں کے غیور مسلمانوں کو داد تحسین دینی چاہئے کیونکہ ایران کے نہتے مظلوم مسلمانوں نے "سپر طاقت ہے خدا" لا الہ الا اللہ" کے نعروں کو حقیقت ثابت کر دکھایا ہے۔ ورنہ اس انقلاب سے قبل سپر طاقت امریکہ اور روس کے خلاف آواز بلند کرنا موت کو دعوت دینا ہوتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ ہماری حکومتیں امریکہ یا روس کے پہلو میں پناہ لیتی تھیں مگر آج امریکہ اور روس کے غبارے سے ہوا نکل چکی ہے۔ انقلاب اسلامی ایران نے ثابت کر دیا ہے کہ مسلمان اگر متحد ہو کر استعمار کے خلاف جدوجہد کریں تو سامراج ان کا بال بیکا نہیں کر سکتا۔ ہمیں چاہئے کہ ہم بھی اپنے ہمسایہ اسلامی ملک ایران کی طرح اپنے مقدس وطن کو امریکہ کے نجس تسلط سے آزاد کرائیں اور یہاں محمدؐ عربی کا نظام نافذ کریں تاکہ ہر محب وطن مسلمان اپنے اپنے عقیدے کے مطابق آزادانہ زندگی بسر کر سکے۔

(۳) مسئلہ فلسطین و لبنان

علامہ سید عارف حسین الحسینی کا لبنان و فلسطین سے تعلق حادثاتی نہیں تھا بلکہ لبنان و فلسطین کے مظلوم مسلمانوں سے ہمدردی اور موت کے سوداگر امریکہ کے چہیتے اسرائیل سے نفرت امام خمینی کی فکر کا پہلا باب تھا جو آپ کی عرفانی لوح پر نقش ہو گیا تھا۔

یوں تو انقلاب ایران کی تحریک سے قبل کئی ایک بار نحیف تحریکوں نے سر اٹھائے مگر وہ امریکی' برطانوی اور روسی سازشوں کا شکار ہو کر دم توڑ گئیں۔ ۱۹۶۳ء میں امام خمینی کے زیر سایہ جنم لینے والی اسلامی تحریک میں نہ صرف ایران کے لئے اسلامی انقلاب کا پہلو شامل تھا بلکہ پہلے روز ہی سے امریکہ سے نفرت اور اسرائیل کے خاتمہ کا اعلان اور عزم موجزن رہا۔

امام خمینی نے اپنی تحریک کے آغاز سے قبل درک کر لیا تھا کہ مسلمانوں کی تمام تر مصیبتوں کا ذمہ دار امریکہ ہے۔ لہٰذا اسلام کی بقاء اور اسلامی انقلاب کے لئے ضروری ہے کہ امریکہ اور اس کے مفادات سے ٹکر لی جائے۔ یہ بات بڑی واضح ہے کہ امام خمینی کو جس قدر ایران میں اسلامی انقلاب برپا ہونے سے عشق تھا اس سے کہیں زیادہ آپ کو بیت المقدس (قبلہ اول) اور مسجد اقصیٰ کو خائن اسرائیل کے پنجوں سے آزاد کرانے کی ذمہ داری کا احساس بھی تھا۔ یہی وجہ تھی کہ آپ نے انقلاب کی تحریک کے دوران اسرائیل کو اپنی تنقید کا نشانہ بنایا اور پھر انقلاب کی کامیابی کے بعد اپنی تمام تر توجہ اسرائیل پر مرکوز کر دی۔۔ آپ ایک لمحہ کے لئے گوارہ نہیں کرتے تھے کہ فلسطین' لبنان اور قبلہ اول پر اسرائیل کا قبضہ رہے۔ امام خمینی کے خوف کی بدولت امریکہ نے صدام سے ایران پر حملہ کرا کے اسرائیل سے ایران کی توجہ کو منتشر کیا اور حضرت امام خمینی کو اسرائیل سے قبلہ اول اور مسجد اقصیٰ کو آزاد کرانے کی فرصت نہ ملی۔ وہ مسلمان بھائیوں کے ساتھ قبلہ اول میں نماز ادا کرنے کے خواہاں تھے۔ مگر امریکہ نے نت نئے مسائل پیدا کر کے ایران اور دیگر اسلامی ممالک کو

اسرائیل کے خاتمے کا موقع نہ دیا۔

علامہ سید عارف حسین الحسینی نے امام خمینی کی بیت المقدس کی آزادی اور لبنانی و فلسطینی مسلمانوں کے حقوق کی بازیابی کے لئے ہر ممکن جدوجہد کی۔ آپ نے اسرائیل کے خلاف نبرد آزما لبنانی مسلمانوں' حزب اللہ کے قائدین سے مضبوط روابط قائم کئے اور انہیں ہر مرحلہ اور ہر موقع پر اپنی حمایت کا بھرپور یقین دلایا۔

فروری ۱۹۸۵ء میں جب جنوبی لبنان کے غیور مسلمانوں نے اسرائیلی فوجوں کو پسپا کیا تو آپ بے حد خوش ہوئے اور آپ نے لبنانی مسلمانوں کے نام بھی ایک پیغام ارسال کیا جس میں لبنانی مجاہدین کی مثال پیش کرتے ہوئے فرمایا۔ "اے مجاہدین اسلام جس طرح لبنان کے غیور مجاہدین نے اسرائیلی فوجوں کو انخلاء پر مجبور کر دیا ہے۔ آپ بھی روسی فوجوں کو اپنے وطن سے اسی طرح مار بھگائیں اور مصلحتی صلح کے شکنجوں میں نہ آئیں"۔

جون ۱۹۸۵ء پشاور میں ایک پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ "لبنان کے جیالے مجاہد حقیقی معنوں میں اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کئے ہوئے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ وہ تن تنہا بیک وقت اسرائیل اور نام نہاد سپرطاقتوں سے نبرد آزما ہیں۔ ان مجاہدین نے جنوبی لبنان سے اسرائیل کو ذلت آمیز شکست دے کر تاریخ میں وہ مقام حاصل کیا ہے جسے سنہری حروف سے لکھا جائے گا۔ آپ نے اسی پریس کانفرنس میں آئمہ مساجد اور صحافیوں سے قدس کی آزادی اور اسرائیل کی نابودی کے لئے قلمی اور ادبی خدمات کی بھرپور اپیل کی اور فرمایا۔

"قدس کی آزادی اقوام متحدہ کی قراردادوں' مصلحتی گفت و شنید' کمزور معاہدوں اور سپرطاقتوں کے مداح خانوں کے رحم و کرم سے نہیں بلکہ ایک مسلح جہاد اور مستحکم قیام کے ذریعے ایسا ممکن ہے۔ اگر قدس کا مسئلہ مسلمان حکمران اپنے ہاتھ میں لے لیتے تو قدس کب سے آزاد ہو چکا ہوتا مگر افسوس کہ اسلامی ممالک کے سربراہان فلسطینی عوام کے دشمن ثابت ہوتے ہیں اور یہی لوگ خفیہ طور پر اسرائیل سے مربوط اور امریکہ کی اطاعت میں مشغول ہیں۔ ہم ایسے حکمرانوں کو مخلص کیسے سمجھیں جو بیت

المقدس کی آزادی کو بھی بجا سمجھتے ہیں اور امریکہ کی دوستی پر بھی فخر کرتے ہیں۔ لہذا میں تمام مسلمانوں سے قدس کی آزادی کے لئے اپنے فلسطینی و لبنانی مجاہدین برادران کی حمایت اور تعاون کی اپیل کرتا ہوں"۔

اسرائیلی فوجوں کے جنوبی لبنان سے انخلاء کے بعد تل ابیب یونیورسٹی اسرائیل میں اپریل ۱۹۸۵ء میں "شیعیت" کے موضوع پر ایک سیمینار ہوا تو اسرائیل کے وزیراعظم نے برملا اعتراف کیا کہ "ہمیں فلسطینیوں سے نہیں بلکہ شیعہ مسلمانوں سے خطرہ ہے لہذا ان کے عقائد اور جذبات پر ایک مفصل تحقیق درکار ہے اور انقلاب ایران کی وجہ سے عالم اسلام میں فلسطین اور قدس کی آزادی کے لئے جو تڑپ پیدا ہو رہی ہے اس کا موثر سدباب ہونا چاہئے"۔

اسرائیلی وزیراعظم کا یہ خدشہ حقیقت پر مبنی تھا کیونکہ اسرائیل کی نابودی ہی امام خمینی کی دلی خواہش تھی۔ آپ نے فرمایا تھا کہ "اسرائیل کو صفحہ ہستی سے مٹا دینا چاہئے"۔ اس نظریہ کے تحت امام خمینی نے ماہ رمضان کے آخری جمعہ (جمعۃ الوداع) کو القدس سے منسوب کرتے ہوئے اسے یوم القدس قرار دیا اور مسلمانان عالم سے اپیل کی کہ ہر سال اس روز اسرائیل کے خلاف منظم مظاہرے کریں اور سراپا احتجاج ہوں تاکہ بیت المقدس قبلہ اول اور مسجد اقصیٰ کی آزادی کے عزم کا اعادہ ہو سکے۔ امام خمینی کے اس اعلان کی اطاعت کرنے پر علامہ سید عارف حسین الحسینی نے پاکستان میں ملکی سطح پر یوم القدس منانے کا نہ صرف پروگرام تشکیل دیا بلکہ ہر سال ان جاندار مظاہروں میں خود بھی شرکت فرما کر اسے تاریخی حیثیت بخشی۔ پاکستان میں اسرائیل کے خلاف ایک منظم اور موثر آواز بلند کرنے کا سہرا آپ کے سر ہے۔

قبلہ اول اور مسجد اقصیٰ سے آپ کی محبت اور اسرائیل اور امریکہ سے نفرت کا اندازہ اس سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے کہ پشاور میں یوم القدس کے جلوس کی قیادت کرتے ہوئے چوک یادگار پشاور میں آپ نے اسرائیلی وزیراعظم کے پتلے اور امریکی پرچم کو خود نذر آتش کیا۔

۱۹۸۴ء میں آپ نے لاہور میں یوم القدس کے سلسلہ میں تمام علماء اور آئمہ

مساجد کو اکٹھا کیا اور یوم القدس کی اہمیت پر زور دیا۔ ان دنوں مارشل لاء کا دور تھا۔ حالات انتہائی سنگین تھے۔ پاکستان میں امریکہ کے خلاف بات کرنا ایک جرم تصور کیا جاتا تھا لہٰذا بیوروکریسی اور انتظامیہ کی دھمکیوں اور خوف سے آئمہ مساجد کی کثیر تعداد نے مظاہرہ میں شرکت سے تعامل کیا۔ جب آپ جامعة المنتظر سے مظاہرہ میں شرکت کے لئے باہر نکلنے لگے تو وہاں پر چند علماء نے حالات کی نزاکت کو زیر بحث لاتے ہوئے آپ سے استخارہ کر لینے کو کہا مگر آپ نے فرمایا "میں نے قیادت کی ذمہ داری سنبھالتے وقت استخارہ کیا تھا جس کا جواب مثبت تھا لہٰذا ہر قدم یا ہر مرحلہ پر مجھے استخارہ کی ضرورت نہیں"۔ اس موقع پر علماء' امامیہ سٹوڈنٹس آرگنائزیشن پاکستان' امامیہ آرگنائزیشن اور تحریک نفاذ فقہ جعفریہ کے پرجوش کارکنان نے آپ کا بھرپور ساتھ دیا۔ یہاں آپ نے یوم القدس کے جلوس کی قیادت کر کے اسرائیل اور امریکہ کے مکروہ عزائم کا پردہ چاک کیا البتہ پشاور واپس جاتے وقت اپ نے علماء اور آئمہ مساجد کے عدم تعاون سے سخت ناگواری کا اظہار فرمایا۔

یوم القدس کے حوالے سے ملک گیر مظاہروں اور امریکہ اور اسرائیل کے خلاف نفرت کا لاوا پھٹنے لگا تو امریکہ کی خوشنودی کے لئے حکومت پاکستان نے اکثر مقامات پر مظاہرین کو زدوکوب کیا اور گرفتاریاں عمل میں لائیں۔ ان حالات میں آپ نے فرمایا کہ یہ کیسی اسلامی حکومت ہے جو امریکہ اور اسرائیل کے خلاف نعرہ بازی یا اجتماع کرنے پر اپنے مسلمان بھائیوں کو تشدد کا نشانہ بناتی ہے۔ اس حکومت کو امریکی اور اسرائیلی وزیراعظم کا پتلا نذر آتش ہوتا دیکھ کر دکھ تو ہوتا ہے مگر انہیں مسجد اقصیٰ کی اسرائیلی فوجیوں کے ہاتھوں بے حرمتی پر غیرت نہیں آتی' آپ نے مزید فرمایا کہ مسلمانوں کو قدس کے اہم مسئلہ سے غافل رکھنے کے لئے ہر جگہ کوئی نہ کوئی مسئلہ کھڑا کیا گیا ہے جیسے امام خمینی نے مسلمانوں کو اس طرف توجہ دلائی تو ایرانیوں پر جنگ مسلط کر دی گئی۔ پاکستانی مسلمان اسرائیل کے خلاف احتجاج اور فلسطینی بھائیوں کی حمایت کا اعلان کرتے ہیں تو انہیں تشدد کا نشانہ بنایا جاتا ہے۔

آپ نے ۱۹۸۶ء کے یوم القدس کے موقع پر مسلمانوں سے اپیل کی تھی کہ بیت

المقدس تنہا عرب یا فلسطین کا مسئلہ نہیں ہے بلکہ یہ ایک اسلامی مسئلہ ہے لہٰذا تمام مسلمانوں کو اپنے وسائل کو بروئے کار لاتے ہوئے اس مسئلہ کا حل تلاش کرنا چاہیۓ۔

○ مسلمانوں کو چاہیۓ کہ وہ امریکہ اور اسرائیل کے خلاف اسلامی جہاد کے لئے صف بستہ ہو جائیں۔

○ اسرائیل کے اصل حامیوں کا اقتصادی بائیکاٹ کریں اور تیل کو اپنے ہتھیار کے طور پر استعمال کریں۔

○ صیہونیت دوست ممالک کے بنکوں سے مسلمان اپنا سرمایا نکلوالیں۔

○ اسرائیل جو ظلم کے بل بوتے پر وجود میں آیا ہے اسے طاقت کے ذریعے صفحہ ہستی سے مٹا دیں۔

○ اسرائیل سے مصالحتی کوششوں کا بائیکاٹ کریں اور وہ تمام چہرے بے نقاب کریں جو اسرائیل کو قانوناً" تسلیم کرنے کے درپے اور اس کے جرائم میں مزید اضافے کے خواہاں ہیں۔

۱۳ فروری ۱۹۸۷ء کو جامعہ المصطفیٰ لاہور میں تحریک کی تربیتی کیمپ سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا "تمام مسلمان ایک جسم کے اعضاء کی مانند ہیں ہم افغانستان لبنان' فلسطین اور کشمیر کے مسلمانوں پر ڈھائے جانے والے مظالم سے لاتعلق نہیں رہ سکتے"۔

آپ نے پاکستان کے ذرائع ابلاغ کو متنبہ کرتے ہوئے فرمایا کہ وہ لبنان کی شیعہ امل ملیشیاء تنظیم کے خلاف بے بنیاد اور غلط پروپیگنڈا کر رہے ہیں جس کا ہمیں از حد افسوس ہے ہم چاہتے ہیں کہ تصویر کے دونوں رخ سامنے لائے جائیں۔

علامہ سید عارف حسین الحسینی نے فلسطینی حریت پسندوں کی تحریک آزادی کی ہمیشہ بھرپور حمایت کی آپ نے ملک بھر میں قدس کمیٹیاں تشکیل دینے کا حکم دیا اور فرمایا کہ وقت آنے پر ہمارے نوجوان قبلہ اول کی آزادی کے لئے سرکفن نظر آئیں۔

آپ نے لبنان کے دورہ جات بھی کئے وہاں کے قائدین کو اپنی جدوجہد سے آگاہ فرمایا۔ آپ مجاہدین کے ساتھ محاذ پر خود تشریف لے گئے جہاں ایک مورچے میں ساری

رات گزاری اور وطن واپس آکر اپنے احباب کو بتایا کہ ہم لوگ قبلہ اول سے اتنا دور تھے کہ وہاں کی روشنی اور قمقمے نظر آ رہے تھے جی چاہتا تھا کہ قبلہ اول جلد آزاد ہو اور ہم اسے بوسہ دیں مگر ہمیں حسرت رہی اور ہم مورچوں میں ماتم کرتے رہے۔ ہمیں یقین ہے کہ ہمارے ماتم کی صدائیں قبلہ اول تک ضرور پہنچی ہوں گی"۔ آپ نے مزید فرمایا کہ اگر پاکستانی قوم کی قیادت کی مسئولیت میرے کندھوں پر نہ ہوتی تو میں واپس نہ آتا اور شہادت کی سعادت سے ہمکنار ہوتا"۔

آپ نے فلسطینی مسلمانوں کی مظلومیت کے بارے میں آخری بار فروری ۱۹۸۸ء کو پشاور میں پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا مقبوضہ عرب علاقوں کے نہتے اور بے گناہ فلسطینی مسلمانوں پر صابرہ اور شتیلہ کیمپ میں غاصب اور ظالم اسرائیل نے مظالم کے جو پہاڑ ڈھائے ہیں اس سے ہر غیرت مند مسلمان کے دل سے لہو رس رہا ہے۔ صیہونی درندے مظلوم مسلمانوں پر وحشیانہ مظالم کی آخری حد کو پہنچ چکے ہیں مگر مصلحت پسند مسلمان حکمرانوں پر موت کی سی خاموشی طاری ہے۔ ان مسلمان حکمرانوں کی یہ روش صریحاً" اسلامی تعلیمات اور جذبہ جہاد کے منافی ہے۔ امریکہ اور اسرائیل کو یہ بات ذہن نشین کر لینی چاہئے کہ فلسطینی عوام کی حالیہ جدوجہد اسلام کے آفاقی اصولوں کی بنیاد پر شروع ہوئی ہے جسے نام نہاد امن تجاویز سے سبوتاژ کرنا ناممکن ہے بلکہ ایسا کرنے والے ذلت سے ہمکنار ہوں گے۔ ہم واضح کرنا چاہتے ہیں کہ پاکستانی مسلمان ان دلخراش مظالم سے لاتعلق نہیں رہ سکتے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ ہمارے حکمرانوں نے رسمی احتجاجی بیانات جاری کر کے فلسطینی مسلمانوں سے یکجہتی کے اظہار کی بجائے امریکی سامراج کو تقویت دی ہے۔ ہم اس حقیقت سے بھی بخوبی آگاہ ہیں کہ سامراج کے حواری حکمران فلسطینیوں کی آزادی سے زیادہ اپنے ذاتی مفادات کو مقدم سمجھتے ہیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ تمام مسلمان فلسطین کی آزادی کے لئے سامراج کے خلاف اٹھ کھڑے ہوں تاکہ فلسطین سمیت دیگر تمام مسلم علاقہ جات کی آزادی کی جدوجہد حقیقت کا روپ دھار سکے۔

ایک موقع پر اخباری نمائندوں سے بات کرتے ہوئے فرمایا کہ صدر ضیاء الحق کا

یہ کتنا افسوس ناک ہے کہ اسرائیل کو زندہ رہنے کا حق ہے۔ مسلمانوں کی بے حسی کا اس سے بڑھ کر کیا ثبوت ہو گا کہ اسرائیلی وزیر اعظم کو دعوت دینے والا مراکش کا شاہ حسن ''القدس کمیٹی'' کا چیئرمین ہے۔

آپ نے زندگی کے آخری ایام میں ایک مرتبہ احباب کی محفل میں حسرت بھرا جملہ فرمایا کہ کیا خدا وہ دن دکھائے گا جب امام خمینیؒ کی قیادت میں قدس آزاد ہو گا اور ہم ان کی امامت میں وہاں نماز ادا کریں گے مگر افسوس کہ خدا کے ان برگزیدہ انسانوں کی خواہش پوری نہ ہو سکی۔

(۴) سعودی ملوکیت

سعودی عرب کے فرمانروا شاہ فیصل کے قتل کے بعد امریکہ نے اپنی پہلے سے طے شدہ منصوبہ بندی کے مطابق حجاز مقدس میں اپنے قدم جمانا شروع کر دیئے۔ امریکہ کی مشرق وسطیٰ اور خلیج کے متعلق پالیسی میں یکسر تبدیلی رونما ہوئی اور نئی حکمت عملی میں امریکہ نے تین اہم نکات کو اپنی پالیسی کا محور قرار دیا۔

۱۔ مسلمانوں کے ایک مرکز کو گرفت میں لینا

۲۔ خلیج کی ریاستوں اور ان کے وسائل پر اپنا تسلط مستحکم کرنا

۳۔ ایران میں اسلامی انقلاب کی بدولت احیاء اسلامی کی تحریک کا تدارک کرنا

یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ آج امریکہ اپنے ان مقاصد کے حصول میں بڑی حد تک کامیاب ہو چکا ہے اور اس نے سعودی عرب کو اپنی گرفت میں لے لیا ہے کہ آج وہاں امریکی افواج کا مستقل قیام اصولی طور پر تسلیم کر لیا گیا ہے اور امریکہ کے خلاف لب کشائی کرنا سنگین جرم تصور کیا جاتا ہے۔

علامہ سید عارف حسین الحسینی کی دوربین نگاہوں نے امریکہ کی اس پالیسی کو پہلے سے ہی جانچ لیا تھا۔ جب آپ پہلی بار ۱۹۷۵ء میں حج کی ادائیگی کے لئے مکہ معظمہ تشریف لے گئے تو اس وقت ایران میں اسلامی تحریک کی روشنی نمودار ہو رہی تھی مگر اس کی ضیاء پاشی صرف ایران تک ہی محدود تھی کیونکہ کوئی تصور ہی نہیں کر سکتا تھا کہ کبھی ایران سے امریکی تسلط کا سورج غروب ہو جائے گا۔ یہی وجہ تھی کہ اس تحریک کا کسی دوسرے اسلامی ملک میں کوئی خاص احساس پیدا نہیں ہوا تھا۔ البتہ امریکہ نے ان حالات سے باخبر ہونے کے ناطے بین الاقوامی سطح پر اس تحریک کے خلاف پروپیگنڈہ شروع کر دیا تھا۔ علامہ سید عارف حسین الحسینی نے اپنے اس حج کے دوران اپنے احباب سے فرمایا کہ "جیسا کہ امریکہ ایران اور دیگر ممالک میں اپنے ذرائع ابلاغ سے اسلامی تحریک اور علماء کے خلاف زہر اگل رہا ہے اس کے مقابلے میں ہمیں بھی چاہئے کہ مسلمانوں کو صورتحال اور ایرانی قوم کی جدوجہد و امریکہ و اسرائیل کے مظالم سے آگاہ کریں۔ میری نظر میں حج کا اجتماع تبلیغ کے لئے بہترین موقع ہے"۔

۱۹۷۷ء میں جب آپ دوسری مرتبہ ایران سے حج کی سعادت حاصل کرنے گئے تو اس وقت انقلاب ایران کی تحریک زوروں پر تھی اور امریکہ اس کے خلاف ترکش کے آخری تیر استعمال کر رہا تھا مگر اب واضح ہو چکا تھا کہ ایران کی سرزمین سے اسلامی انقلاب کا سورج ضرور طلوع ہو گا۔ اس بار سعودی عرب میں اس تحریک کا بھی کافی چرچا تھا۔ سید عارف حسین الحسینی اس پروپیگنڈہ کا جائزہ لے کر اپنے احباب سے فرمایا کہ مجھے محسوس ہو رہا ہے کہ ایران میں انقلاب کے سورج کے طلوع ہونے کے ساتھ ہی امریکہ نے سعودی عرب میں منفی رجحانات کو جنم دینا شروع کر دیا ہے جس کے مستقبل میں اثرات انتہائی بھیانک ہو سکتے ہیں۔

آپ کی یہ دوراندیش باتیں سن کر احباب آپ سے کہنے لگے اول ابھی تک تو امام خمینی جلاوطن ہیں۔ خدا معلوم ان کے ساتھ کیا ہوتا ہے' دوم شاہ ایران کے مظالم اور امریکہ کی پشت پناہی کیا رنگ لاتی ہے لہٰذا کچھ کہنا بعید از قیاس ہی ہو گا مگر آپ نے اسی لمحے فرمایا انشاء اللہ اسلامی انقلاب آ کے رہے گا اور امام خمینی بفضل خدا ایران کی سرزمین پر اسلامی انقلاب کا علم لہرائیں گے۔

آپ سعودی حکمرانوں کے مذہبی رجحانات سے آگاہی کی بناء پر اس اندیشہ کا اکثر اظہار فرمایا کرتے تھے کہ جس ملک میں آئمہؑ اور صحابہؓ کے مزارات کا تقدس نہیں وہاں اسلامی انقلاب کی تحریک کے خلاف کاروائیاں خلاف توقع نہیں ہیں۔

حکومت سعودی عرب سے آپ اس لئے بھی نالاں تھے کہ آل سعود نے اپنے نجدی نظریات کی بناء پر مدینہ منورہ میں زائرین کے لئے روضہ رسولؐ کا بوسہ لینے اور اظہار عقیدت کرنے پر پابندی عائد کی ہوئی تھی اور یہ کہ انہوں نے ۱۹۳۵ء سے جنت البقیع جہاں اہل بیتؑ عظام و صحابہؓ کرام مدفن ہیں کو پامال کر کے مسلمانوں کے دل مجروح کئے ہوئے تھے۔

۸ شوال ۱۹۸۵ء کو منائے جانے والے سالانہ یوم انہدام جنت البقیع کے ایک موقع پر آپ نے اپنے پیغام میں فرمایا "۸ شوال کا دردناک دن ایک بار پھر اپنے دامن میں غم کی ہزاروں داستانیں لئے آ رہا ہے۔ اسی مناسبت سے مسلمانوں کے دل آل

سعود کے اسی فعل پر خون کے آنسو رو رہے ہیں کہ ان کی خانوادہ رسول سے دشمنی اس قدر عروج پر پہنچ چکی ہے کہ آج شاہی محلات تو روشن ہیں مگر سرور کائنات حضرت محمد ﷺ کے لخت جگر حضرت فاطمہ الزہراء سلام اللہ علیہا کی مرقد تاریکی میں ڈوبی ہوئی ہے۔ ستم تو یہ ہے کہ آج مرقد بتول پر پرسہ دینے والوں کو تشدد کا نشانہ بنایا جاتا ہے۔ اہل بیتؑ عظام اور صحابہؓ کرام کی قبروں کو نہ صرف آل سعود کے حکم پر بلڈوزروں سے مسمار کیا گیا ہے بلکہ اب اسی جگہ سڑکوں اور عمارات کی تعمیر کی منصوبہ بندی کو آخری شکل دی جا رہی ہے۔ جس پر پورا عالم اسلام نوحہ کناں ہے۔

سعودی خاندان۔جو برطانوی استعمار کی پشت پناہی سے سرزمین حجاز مقدس اور حرمین شریفین پر قابض ہوا ہے اس نے تہیہ کر رکھا ہے کہ آثار اسلامی کو ایک ایک کر کے مٹا دیں۔ اس طرح عظمت اسلام اور تقدس رسول اکرمؐ کو مجروح کیا جا رہا ہے۔ بعید نہیں کہ یہ خاندان نبی کریمؐ کی قبر مطہر کو بھی کبھی معاف نہ کرے"۔

جہاں آپ مذہبی اور اسلامی حوالے سے آل سعود کے نظریات سے اختلاف رکھتے تھے وہاں آپ نے سیاسی حوالے سے بھی سعودی نظام کو اپنی تنقید کا نشانہ بنایا اور مسلمانوں پر واضح کیا کہ "سعودی عرب میں اس دور میں ملوکیت کا راج ہے اور جمہوریت کا تصور بھی نہیں۔ یہاں نہ عوامی رائے کا احترام ہے اور نہ انتخاب کا رواج، بلکہ آل سعود کے بدمست شہزادوں کی رضا یہاں کا دستور اور آئین ہے۔ بات صرف یہاں تک ہی محدود نہیں بلکہ یہاں کے علماء بھی اسی خاندان کے منظور نظر ہیں جو جمعہ اور عید کے خطبات سے قبل شاہی خاندان کی بے جا مدح سرائی اور خوشامد کے پل باندھتے ہیں۔

علامہ سید عارف حسین الحسینی کو سعودی عرب کی اس پالیسی سے ہمیشہ اختلاف رہا کہ انہوں نے پاکستان میں فرقہ وارانہ تنظیموں کی کھلے عام حمایت کی اور انقلاب اسلامی ایران کے حامی مسلمانوں کو نفرت کی نظر سے دیکھا۔

حکومت سعودی عرب ایک عرصہ سے جماعت اسلامی پاکستان سے ہر ممکنہ تعاون کرتی چلی آ رہی تھی مگر جب مولانا سید ابو اعلیٰ مودودی مرحوم نے انقلاب اسلامی اور

حضرت امام خمینی کے افکار کو پاکستان سے خوش آمدید کہا تو اس وقت سے حکومت سعودی عرب نے جماعت اسلامی کے بارے اپنی پالیسی پر نظرثانی کی اور جماعت کی بجائے دیگر متشدد عناصر کو اپنی کفالت میں لیا۔ اپنے مقاصد کے لئے سعودی عرب نے اپنی اعانت سے پاکستان میں کئی ایک مدارس اور مساجد تعمیر کرائیں۔ متعدد فرقہ وارانہ ذہنیت کے مالک افراد کو عمرے اور حج کے لئے دعوت دی اور انہیں انقلاب اسلامی ایران کی مخالفت کے لئے مامور کیا۔

اسلامک یونیورسٹی اسلام آباد میں نہ صرف یہ کہ اہل تشیع طالب علموں کے داخلہ پر پابندی لگا دی گئی بلکہ اس کے ساتھ ساتھ بریلوی طلباء کی گہری چھان بین کی جانے لگی۔ یہاں تک کہ پروفیسر سید ذاکر حسین کے علاوہ ایک اور پروفیسر کہ جن کا تعلق بریلوی مکتب فکر سے تھا' کو انقلاب اسلامی ایران کے مداح ہونے کی پاداش میں یونیورسٹی سے نکال دیا گیا۔

کراچی کے فرقہ وارانہ فسادات میں بعض اہم افراد ملوث پائے گئے جب ان کے خلاف قتل کے مقدمات قائم ہوئے تو سعودی عرب کی براہ راست مداخلت سے حکومت پاکستان کو انہیں رہا کرنا پڑا۔ علامہ سید عارف حسین الحسینی نے حکومت وقت کی ان پالیسیوں کو بھی تنقید کا نشانہ بنایا جس کے تحت وہ غیر ملکی اشاروں پر فرقہ واریت جیسے جرائم کے مرتکب افراد کو رہا کر رہی تھی۔

اسلامی انقلاب ایران کی ترویج' اتحاد بین المسلمین کے حصول' فلسفہ حج کی تعلیمات اور مناسک حج کی صحیح ادائیگی کے مقاصد پورے کرنے کے لئے علامہ سید عارف حسین الحسینی نے ہر سال ایام حج سے قبل ملک کے مختلف شہروں میں پرشکوہ حج سیمینار کے انعقاد کا اہتمام کیا۔ ۱۹۸۴ء سے ۱۹۸۸ء تک یہ سیمینار لاہور' اسلام آباد' راولپنڈی' پشاور اور کراچی میں باقاعدہ منعقد ہوئے جن میں بین الاقوامی معروف شخصیات اور دانشوروں کے علاوہ ملک کے ممتاز علماء کرام اور سکالرز نے شرکت کی اور حج کی مناسبت سے انتہائی پرمغز اور دقیق مقالہ جات پیش کئے۔ ان سیمینارز میں حکومت سعودی عرب کی مذہبی پالیسی اور حج پر لگائی گئی مختلف پابندیوں کو ہدف تنقید بنایا گیا۔

۱۹۸۷ء اسلام آباد ہوٹل' اسلام آباد میں منعقد ہونے والے حج سیمینار کی بازگشت سعودی عرب کے ایوانوں میں سنی گئی اور حکومت سعودی عرب نے حکومت پاکستان سے باقاعدہ احتجاج کیا کہ اسلام آباد میں سیمینار کے موقع پر ان کی پالیسیوں اور حکومت کو تنقید کا نشانہ بنایا گیا ہے۔

اسی سیمینار میں دیگر قراردادوں کے علاوہ یہ قرارداد بھی منظور کی گئی کہ حجاز مقدس پر آل سعود کی اجارہ داری ختم کی جائے۔ مکہ معظمہ اور مدینۃ النبیؐ کو کھلا شہر قرار دیا جائے اور مسلمانوں کو اپنے اپنے مسلک کے مطابق مناسک حج ادا کرنے کی مکمل آزادی دی جائے۔

۱۹۸۷ء میں حکومت سعودی عرب کا گھناؤنا ترین جرم جو مسلمانان عالم کے دلوں کو زخمی کر گیا وہ ایرانی حجاج پر فائرنگ کا تھا۔ علامہ سید عارف حسین الحسینی نے اس عظیم سانحہ کی خبر اور حضرت امام خمینیؒ کا شدید ردعمل سنا تو آپ نے اس پر گریہ کیا اور حضرت امام کی خدمت میں تعزیت پیش کی۔ اس کے ساتھ ہی آپ نے پاکستان میں سعودی نظام حکومت اور آل سعود کے خلاف زبردست تحریک چلائی۔ آپ نے ملک کے ہر بڑے شہر میں احتجاجی سیمینار' ملک گیر احتجاجی جلوس اور جلسے منعقد کرائے اور یوں دیکھتے ہی دیکھتے ملک کے قریہ قریہ میں آل سعود آل یہود کے نعرے رواج پکڑ گئے۔

آپ کی حقیقت پسندانہ تحریک کے باعث بریلوی مکتب فکر کی اکثریت نے آل سعود کے خلاف اس جنگ میں شرکت کی جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ آپ سعودی فرمانروا کی آنکھ میں کانٹا بن کر چبھنے لگے۔

آپ نے راولپنڈی' لاہور' پشاور' کراچی' کوئٹہ اور ملک کے تمام اہم شہروں میں ایرانی حجاج پر سعودی فائرنگ کے خلاف ہر جگہ اپنا موقف یوں پیش کیا۔ "امریکہ کی خوشنودی اور ظلم کے خلاف اٹھنے والی آواز کو خاموش کرنے کی خاطر حرم امن الٰہی میں آل سعود کے ظالم و جابر حکمرانوں نے مظلوم اور نہتے حجاج بیت اللہ پر جو مظالم ڈھائے ہیں اس سے تاریخ میں ایک وحشت ناک باب کا اضافہ ہوا ہے۔ یہاں تک کہ اس

سانحہ میں معذور و بے دست و پا حاجیوں پر بھی رحم نہیں کیا گیا۔ یہ وہ معذور افراد تھے جو پہلے بھی ایران عراق جنگ میں امریکہ اور صدام کے مظالم سے اپنے اعضاء سے محروم ہو چکے تھے اور وہ اپنے اوپر ڈھائے جانے والے ستم کا شکوہ خدا کے گھر کرنے آئے تھے لیکن انہیں کیا معلوم تھا کہ یہاں تو صدام سے بھی زیادہ سفاک حکام مسلط ہیں جو انہیں زندگی سے بھی محروم کر دیں گے۔ دنیا کا کوئی مذہب بھی خواتین پر ظلم کی اجازت نہیں دیتا مگر نہ جانے سعودی حکومت نے کن بنیادوں پر مسلمان حجاج خواتین کو شہید کیا ہے۔

تاریخ اسلام میں اس سے بھیانک مثال نہیں ملتی۔ افسوس یہ ہے کہ جو لوگ اپنے آپ کو خادم حرمین شریفین کہلواتے ہیں وہ آج اپنی جھوٹی انا اور شان و شوکت کو قائم رکھنے کے لئے مظلوم مسلمانوں کا بیت اللہ شریف میں خون بہا رہے ہیں۔

بیت اللہ کو خدائے بزرگ و برتر نے امن کا مقام قرار دیا مگر سعودی حکمرانوں نے حرم کعبہ کی حرمت کو پامال کرنے اور خانہ خدا میں مسلمانوں کے قتل عام سے دریغ نہیں کیا۔ آخر یہ سب کچھ کیوں ہوا؟ ایرانی حجاج کا جرم کیا تھا؟ ہاں یہی کہ وہ شیطان بزرگ اور عالم اسلام کے سب سے بڑے دشمن امریکہ اور اسرائیل کے خلاف صدائے احتجاج بلند کر رہے تھے۔

اپریل ۱۹۸۸ء کو راولپنڈی میں شہید باقر الصدر سیمینار سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا۔ "برطانیہ کے لوگ ہائیڈ پارک میں اپنے دل کا درد ظاہر کر سکتے ہیں مگر مسلمان جب اپنے اجتماعی پلیٹ فارم حج بیت اللہ کے موقع پر اپنے مسائل پر گفتگو کرنا چاہتے ہیں تو سامراج کی نوکر نجدی حکومت نہتے حاجیوں پر گولیوں کی بوچھاڑ کر دیتی ہے"۔

آپ نے جون ۱۹۸۸ء کو "فلیٹیز ہوٹل" لاہور میں دو روزہ حج سیمینار سے خطاب کرتے ہوئے برائت از مشرکین کے عنوان پر فرمایا "حج کے موقع پر مشرکین کی مذمت قرآنی حکم ہے۔ امریکہ' روس اور اسرائیل عہد حاضر میں شرک کے عالمی مظہر ہیں۔ دنیائے انسانیت بالعموم اور دنیائے اسلام بالخصوص ان ممالک کی غنڈہ گردی' استحصال اور مظالم کا شکار ہے۔ ان مسلم کش اور خدا دشمن طاقتوں کے خلاف آواز بلند

کرنے کے لئے خانہ خدا سے بہتر جگہ اور کون سی ہو سکتی ہے؟ اور مسلمانوں کو ان کے عالمی مسائل سے آگاہ کرنے کے لئے بہتر اجتماع کہاں میسر آ سکتا ہے؟ لہٰذا اسی ضمن میں ایرانی مسلمان حجاج کا ظالموں کے خلاف احتجاج ایک شرعی وظیفہ تھا مگر انہیں کیا معلوم کہ سعودیہ میں شریعت کا کوئی پاس نہیں"۔

انہی حالات اور جذبات کے ساتھ آپ نے سعودی شہزادوں کے ہاتھوں سے خانہ خدا آزاد کرا کے عالم اسلام کی ایک مشترکہ کمیٹی کے حوالے کرنے کا مطالبہ کیا کیونکہ آپ کا نظریہ تھا کہ آل سعود صرف حرمین شریفین کی آڑ میں اپنے چہرے چھپائے ہوئے ہے اور امریکی مفادات کا تحفظ اور احترام انہیں اسلامی روح سے زیادہ عزیز ہے۔

سانحہ مکہ کے خونین حادثہ کے بعد جب سعودی عرب نے ایرانی حجاج کی تعداد مقرر کرنے اور ان کی پابندی کے بارے میں فیصلہ کیا تو آپ نے فرمایا "اگر سعودی حکام آج ہمارے ایرانی مسلمان بھائیوں کو حج سے روک رہے ہیں تو کل پاکستان یا کسی اور ملک کے مسلمانوں کو بھی روک سکتے ہیں' آل سعود جو پوری دنیا میں اپنے اخلاقی فساد' عیاشی اور بدکرداری کی وجہ سے بدنام ہیں کسی طرح اہلیت نہیں رکھتے کہ وہ حرمین شریفین پر قابض رہیں۔ حرمین شریفین کا تقدس اس بات کی ہرگز اجازت نہیں دیتا کہ وہ فاسق و فاجر حکمرانوں کے زیر تسلط رہے۔

مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ متحد ہو کر اٹھیں اور اپنے عقیدے اور مقدسات کی حفاظت کے لئے کمربستہ ہوں کیونکہ آل سعود کے پنجوں سے حرمین شریفین کو آزاد کرانا سب مسلمانوں کا دینی فریضہ بن چکا ہے۔ حرمین شریفین کی نگرانی صالح اور متقی افراد پر مشتمل کمیٹی کے سپرد ہونی چاہئے۔ تاکہ حج کا مقدس فریضہ صحیح طور پر انجام دینے میں کوئی رکاوٹ نہ ہو اور عاشقان رسولؐ آزادی کے ساتھ زیارت قبر مطہر رسولؐ اور اہل بیتؑ سے مشرف ہو سکیں"۔

لاہور سے جاری کردہ ایک پیغام میں فرمایا "سعودی عرب کی جانب سے حجاج کرام کی تعداد متعین کرنا صریحاً" ناجائز ہے اس لئے کہ جب خداوند نے مسلمانوں پر حج واجب قرار دیا ہے تو آل سعود کی جانب سے تعداد متعین کرنا شیطانی فعل بھی ہے اور

احکام الٰہی میں مداخلت بے جا بھی"۔

۱۹۸۸ء جب ایران نے احتجاجاً" اپنے حجاج کو روک لیا تو امام خمینی کا برائت از مشرکین (مردہ باد امریکہ' روس' اسرائیل) کا پیغام پہنچانے کے لئے علامہ سید عارف حسین الحسینی نے اپنے بعض پاکستانی احباب سے درخواست کی کہ وہ امام خمینی کے اس روح پرور پیغام کو حج کے موقع پر پہنچانے کا فریضہ سرانجام دیں۔ آپ کے حکم کی اطاعت کرتے ہوئے آپ کے دست راست تحریک نفاذ فقہ جعفریہ کے نائب صدر علامہ فاضل حسین موسوی آپ کے انتہائی قریبی رفیق ڈاکٹر محمد علی نقوی اور سید اعجاز حسین نقوی نے امام خمینی کا پیغام مسلمانوں تک پہنچایا اور وہ اسی پاداش میں مناسک حج ادا کرتے ہوئے سعودی عرب میں گرفتار کر لئے گئے جن سے تفتیش کے دوران علامہ سید عارف حسین الحسینی کی مصروفیات اور ان کی پرزور انقلابی تحریک کے بارے میں بیسیوں سوالات کئے گئے۔ مزید برآں سعودی پولیس نے ان پر وحشیانہ تشدد کے بعد علامہ سید عارف حسین الحسینی کے مزید احباب کے نام بھی دریافت کرنے کی کوشش کی تاکہ وہ ان ناموں کو پاکستانی حکومت کے علم میں لا کر خصوصی کاروائی کی درخواست کرے۔

(۵) امریکی سامراجیت

دوسری جنگ عظیم کے بعد بین الاقوامی سیاست میں امریکہ اور روس دو بڑی طاقتیں ابھر کر دنیا کے سامنے آئیں چونکہ سیاسی اور مادی مفادات کے علاوہ ان قوتوں کے مابین اصل جنگ اپنے اپنے نظریات کے پھیلاؤ کی تھی اس لئے افریقہ اور ایشیاء کے پسماندہ ممالک بین الاقوامی سیاست کے اس گرداب میں الجھ کر رہ گئے۔ ان کے لئے لازم ہو گیا کہ مشرق یا مغرب کسی ایک قوت سے اپنی وابستگی کا اظہار کریں اور اسی سے اپنی اقتصادی اور دفاعی ضروریات کے لئے دست نگر رہیں بصورت دیگر ان پسماندہ ممالک میں سیاسی عدم استحکام اور خانہ جنگی کی کیفیت پیدا ہو جاتی۔

عالمی سیاست میں ان مجبوریوں کے باعث بیسویں صدی کے وسط میں دنیا کے

اکثر ممالک مضبوط دفاعی معاہدہ جات میں منسلک ہوتے گئے ان معاہدوں میں نیٹو (NATO) واسا پیکٹ (WASA PACT) سیٹو (SETO) سینٹو (SENTO) اور دیگر کئی ایک معاہدہ جات دوستی (FRIENDSHIP TREATIES) کا قیام وجود میں آیا جسے دیکھ کر یوں لگتا تھا جیسے دنیا دو متحرک گروہوں میں تقسیم ہو کر رہ گئی ہے۔

اس صورتحال کے پیش نظر عالمی سیاست برسوں تک سرد جنگ کی لپیٹ میں رہی اس سرد جنگ کے سب سے بڑے متاثرین افریقہ اور ایشیاء کے پسماندہ اقوام جنہیں اپنی وابستگیوں کی تبدیلی پر بڑی طاقتیں کڑی سے کڑی سزا دیتی رہیں۔ جنگ ویتنام' فلپائن کی اقتصادی تباہ حالی' لاؤس اور انڈونیشیاء کی خانہ جنگی تھائی لینڈ کی اخلاق باختگی' برما کی زبوں حالی' سری لنکا کی خوفناک خانہ جنگی' پاکستان کا دو لخت ہو جانا اور بنگلہ دیش کے قیام پر مسلمانوں کا بے دریغ قتل عام' افغانستان میں پے در پے حکومتوں میں تبدیلیاں' خلیج کی ریاستوں میں عدم استحکام' اخلاقی بے راہ روی اور اسلامی اقدار کی تہ و بالی' مشرق وسطی کے قلب میں اسرائیل کے ناسور کا قیام' نائجیریا اور دیگر متعدد افریقی ممالک میں دیدہ دانستہ قحط سالی' خونریز مقامی لڑائیاں' الجزائر کی طویل خانہ جنگی' چلی میں صدر آلنڈے کا قتل اور بین الاقوامی سیاسی افق پر ان نام نہاد سپر طاقتوں کے ہاتھوں انسانیت پر مظالم کی ایسی ہزاروں داستانیں ابھر کر سامنے آئیں۔

افریقہ اور ایشیاء کے مظلومین ان بڑی طاقتوں کے تسلط سے نجات کے لئے تڑپتے رہے' مختلف ممالک میں چھوٹی بڑی تحریکیں سر اٹھاتی رہیں مگر ان کے رہنماؤں کو یا تو قتل کرا دیا گیا یا عمر بھر کے لئے پابند سلاسل کر دیا گیا۔ اسی جدوجہد میں ان غریب ممالک میں ہزار ہا حریت پسندوں نے اپنے اپنے وطن پر جاں نچھاور کی مگر دنیا کے کسی رہنما' دانشور یا پیشوا کو یہ جرات نصیب نہ ہوئی کہ وہ ان دونوں طاقتوں کے خلاف بروقت موثر صدا بلند کر کے قیام کرتا۔

بیسویں صدی کی ساتویں دہائی کے آخر میں ایک جلیل القدر روحانی شخصیت نے ابھر کر سسکتی ہوئی انسانیت کو نجات کا پیغام دیا۔ انہوں نے لاشرقیہ لاغربیہ کا نعرہ اس شدومد کے ساتھ بلند کیا جس سے مشرق و مغرب کے طلسم کی گرفت شکستہ ہو کر رہ

گئی۔ یہ آواز ایران کے عظیم الشان روحانی پیشوا آیت اللہ العظمیٰ حضرت امام خمینی کی تھی جنہوں نے بیک وقت مشرق و مغرب کی قوتوں کو باطل قرار دیا اور عالمی برادری کو بیسویں صدی میں اسلامی نظام سلطنت اور عدل کے تصور کی طرف دعوت دی۔ انہوں نے مظلومین جہان کی آزادی کے لئے آواز بلند کی جو پوری دنیا میں ایک گونج بن کر سنائی دی۔ ایران میں لاکھوں فرزندان توحید کی شہادت کے ثمر میں اڑھائی ہزار سالہ شہنشاہت کا بت پاش پاش ہو گیا۔ اس کے ساتھ ہی ایران میں امریکہ اور روس کے مفادات یکسر دفن ہو گئے یوں ایران دنیا کا واحد ملک ثابت ہوا جس نے بڑی طاقتوں کے استبداد سے مکمل آزادی حاصل کی۔

یوں تو امام خمینی کی نظر میں امریکہ اور روس دونوں انسانیت دشمن قوتیں تھیں مگر امریکہ اپنی پیہم ریشہ دوانیوں اور مختلف ممالک میں گھناؤنی سازشوں کا مرتکب ہونے کی بناء پر آپ کی نظر میں شیطان بزرگ ٹھہرا۔

امام خمینی نے امریکہ کے سیاسی ظلم و استبداد اور اقتصادی غارت گری کو للکارا اور غریب اقوام کو پیغام دیا کہ وہ امریکہ کے خلاف اٹھ کھڑے ہوں اور امریکہ کی آلہ کار حکومتوں کے تختے الٹ دیں۔ آپ کی اس آواز نے پوری دنیا میں ایک تاثیر پیدا کر دی جس کے نتیجے میں افریقہ و ایشیاء کے بیشتر ممالک میں امریکہ کے خلاف نفرت کی لہر اٹھی اور ایسی تحریکوں نے جنم لیا جن کا ہدف اپنے ملک سے امریکی مفادات کو ختم کرنا تھا۔

پاکستان میں امام خمینی کے اس طرز تفکر کے امین علامہ سید عارف حسین الحسینی ہوئے۔ اس جوانمرد مجاہد عالم دین نے پاکستان میں کھل کر امریکہ کی ریشہ دوانیوں، شاطرانہ چالوں اور سازشوں سے پردہ چاک کیا۔ انہوں نے ملت اسلامیہ پاکستان کو پیغام دیا کہ وہ اپنے ملک کی سالمیت اور اسلامی اقدار کے تحفظ کے لئے مغربی ثقافت اور امریکی اثر و رسوخ کا قلع قمع کریں، ملک کے حکمرانوں کو عبرتناک شکست دیں جو امریکہ کے آلہ کار ہیں اور اس کی حاشیہ برداری میں ملکی مفادات پر ذاتی مفادات کو ترجیح دیتے ہیں۔

آپ نے فرمایا "امریکہ کی اسلام دشمنی کسی ثبوت کی محتاج نہیں بلکہ دنیا کا ہر اہل نظر مسلمان اس بات سے بخوبی آگاہ ہے کہ امریکہ عالم اسلام کا بدترین دشمن ہے اور دور حاضر میں اس حقیقت کو تسلیم نہ کرنا اپنے ضمیر سے غداری ہے"۔

علامہ سید عارف حسین الحسینی کی امریکہ کے خلاف تحریک کا آغاز اس وقت ہوا جب آپ نجف اشرف میں زیر تعلیم تھے اور امام خمینی سے اسلوب جہاد پر درس لیتے تھے جس کا ثبوت نجف اشرف اور قم المقدس میں امریکہ کے خلاف چلائی جانے والی تحریکوں میں آپ کا بھرپور کردار اور بار بار کی گرفتاریاں ہیں۔ جب آپ پاکستان تشریف لائے تو آغاز ہی میں امریکہ کے عزائم کے خلاف کرم ایجنسی کے عوام کو باخبر کیا۔

۱۹۶۵ء اور ۱۹۷۱ء کی جنگوں میں پاکستان کا اتحادی ہونے کے باوجود امریکہ کے گھناؤنے کردار کی بناء پر عوام میں امریکہ کے خلاف پہلے ہی سے نفرت کی ایک فضاء قائم تھی مگر آپ نے اسے ایک نیا رخ دیا اور مادی مفادات کی جنگ کی بجائے امریکہ کی اسلام دشمنی اور عالم اسلام کے خلاف کی گئی سازشوں سے عوام کو آگاہ کیا۔ عوام کو بین الاقوامی سیاست کے اس تناظر کو اسلامی نقطہ نظر سے دیکھنے کی ترغیب دی اور امریکہ کے خلاف اپنی تحریک کے لئے ایک مضبوط اساس قائم کرلی۔

۱۰ فروری ۱۹۸۴ء کو بھکر میں قیادت کی ذمہ داری قبول کرنے سے قبل ہی پاکستان کے اندر علامہ سید عارف حسین الحسینی امریکہ کے سخت مخالف سمجھے جاتے تھے مگر قیادت سنبھالنے کے ساتھ ہی آپ نے اپنی تحریک کو دو رخ عطا کئے۔ ایک ملک میں اپنے حقوق کی بازیابی اور آمریت کے خاتمہ کے لئے جدوجہد' دوسرے بین الاقوامی سطح پر مسلمانان عالم کی حمایت اور عالمی استبدادی قوتوں بالخصوص امریکہ سے نفرت کا پیغام۔

ایران میں اسلامی انقلاب سے قبل ہی پاکستان کے عوام' علماء اور سیاستدان امریکہ کو اپنے ملک کا خیرخواہ نہیں سمجھتے تھے مگر امریکہ کی اسلام دشمنی کے خلاف منظم جدوجہد کا فقدان تھا۔ اس حقیقت سے بھی انکار ناممکن ہے کہ کوئی ایک جماعت چاہے وہ کتنی ہی طاقتور کیوں نہ ہو' پاکستان سے امریکی تسلط کے خاتمے کے لئے اس وقت تک

کامیاب نہیں ہو سکتی جب تک وہ پوری قوم کو اعتماد میں لا کر انقلابی تحریک نہ چلائے۔

ملک کی بدقسمتی یہ ہے کہ اکثر سیاسی جماعتوں کا ہدف حصول اقتدار ہے یہی وجہ ہے کہ وہ نظام کی تبدیلی کے لئے سنجیدہ نہیں رہیں۔ چونکہ علامہ سید عارف حسین الحسینی بنیادی طور پر ملک میں نظام کی تبدیلی کے خواہاں تھے اس لئے آپ نے استعمار کے مروجہ نظام کو چیلنج کیا اور اپنی جدوجہد کو امریکہ کے خلاف استوار کیا۔

پاکستان میں پہلی بار امریکہ کے خلاف زوردار اور منظم تحریک کا آغاز کرنے کے بعد آپ نے پہلے مرحلہ میں اپنے علماء' عوام اور نوجوانوں کو اعتماد میں لیا۔ آپ نے علماء کرام سے امام خمینی کے رفقاء کا کردار ادا کرنے اور عوام کو عالمی دہشت گرد اور اسلام دشمن امریکہ کے مکروہ عزائم سے آگاہ کرنے کی اپیل کی۔ آغاز میں صرف نوجوان علماء نے اپنی بلند فکری' حالات حاضرہ سے دلچسپی اور موجودہ دور کے تقاضوں سے آشنائی کی بدولت لبیک کہا اور آہستہ آہستہ مروجہ سیاست سے لاتعلق بزرگ علماء بھی اسی تحریک میں شامل ہو گئے۔

آپ اور آپ کے رفقاء نے نوجوانوں کو استعمار کے خلاف شب و روز درس دیئے اور عوام کو ہر جلسہ جلوس اور محفل میں امریکی عزائم سے روشناس کرایا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ مسجدوں سے لے کر سڑکوں تک مردہ باد امریکہ کا نعرہ سنائی دینے لگا۔ حالات یہاں تک پہنچ گئے کہ اگر ملت جعفریہ کے کسی بچے کے سامنے بھی کوئی مردہ باد مردہ باد کہتا تو اس کا جواب ملتا امریکہ' امریکہ۔

آپ نے امریکہ کی عالمی سازشوں کے خلاف ایک موثر صدائے احتجاج بلند کرتے ہوئے ۱۹۸۶ء میں صوبائی جعفریہ کونسل پنجاب کے ایک اہم اجلاس سے فرمایا کہ بعض غیر ملکی کمپنیاں اور ادارے مختلف منصوبوں کی آڑ میں پاکستان کے اندر اپنی حکومت کے لئے جاسوسی کر رہے ہیں۔ اسکولوں' ہسپتالوں اور رفاہی اداروں کی آڑ میں لادینی نظریات کا پرچار کر کے سادہ لوح انسانوں کو گمراہ کیا جا رہا ہے۔ حکمران طبقہ امریکہ کی ان سازشوں میں مکمل طور پر جکڑا ہوا ہے وہ سمجھتے ہیں کہ امریکہ انسانیت کی خدمت کے لئے تعاون کر رہا ہے حالانکہ حقیقتاً انسانی حقوق کی پامالی ہو رہی ہے۔ یہاں

لادینی نظریات کی ترویج اور اشاعت پر پابندی نہیں ہے بالخصوص ہمارا نوجوان معاشرہ اس آزادی کی بدولت بے راہ روی کا شکار ہے۔ امریکہ اور دیگر اسلام دشمن قوتوں کا یہ زہر ہمارے معاشرہ کی رگوں میں سرایت کر رہا ہے۔ ایسے میں لازم ہے کہ علمائے اسلام اٹھیں اور اسلامی اقدار کی پاسبانی کے لئے امریکہ کی سازشوں کو خاک میں ملا دیں۔

فروری ۱۹۸۶ء کو امام بارگاہ علمدار حسینی پشاور میں ایک خطاب کے دوران فرمایا۔ "مسلمانوں کے زوال اور تباہی کا باعث ہمیشہ ملوکیت رہی ہے۔ آج عرب ممالک میں ملوکیت کا راج مسلمانوں کے لئے لمحہ فکریہ ہے۔ یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ امریکہ مسلم ممالک میں ان اقدامات کی سرپرستی کرتا ہے جو مسلمانوں کی تباہی کا باعث ہوں۔ جمہوریت کا دعویدار امریکہ آج ملوکیت کی حمایت اس لئے کر رہا ہے کہ اس سے مسلمانوں کے حقوق کی پامالی ہوتی ہے"۔

آپ نے ۱۴ مئی ۱۹۸۶ء کو یوم مردہ باد امریکہ منانے کا اعلان کیا اور مسلمانان پاکستان پر واضح کیا کہ ۱۴ مئی وہ دن ہے جس دن امریکہ نے چالیس سال قبل اسرائیل کے نجس وجود کو جنم دیا تھا۔ آپ کے اس اعلان پر ملک بھر میں پہلی بار یوم مردہ باد امریکہ منایا گیا۔ آپنے بذات خود اسی موقع پر چوک یادگار پشاور میں امریکی پرچم نذر آتش کر کے امریکہ سے نفرت کا برملا اظہار فرمایا۔

امریکہ کے خلاف آپ کی جدوجہد کا یہ اثر ہوا کہ جب بھی کوئی امریکی وفد پاکستان آتا یا امریکہ پاکستان میں اپنی مداخلت کی نئی راہ اختیار کرتا تو اس کے خلاف ملک گیر سطح پر احتجاجی مظاہرے ہوتے۔ یہاں تک کہ ۱۹۸۵ء میں امریکہ کا وائس پریذیڈنٹ جارج بش (جو بعد میں امریکی صدر بنا) سرکاری دورے پر پاکستان آیا تو لاہور ایئرپورٹ پر چند انقلابی نوجوانوں نے صدر پاکستان کی موجودگی میں امریکہ مردہ باد کے نعرے لگائے۔ اس کی گاڑی کے سامنے امام خمینی کی تصاویر اور (DOWN WITH U.S.A) کے پلے کارڈ بلند کئے جس پر انتظامیہ سخت برہم ہوئی اور ان نوجوانوں پر وحشیانہ تشدد کیا۔

۱۹۸۶ء کے اوائل میں جب کراچی کے ساحل پر امریکی بیڑا خصوصی مشن کے لئے لنگر انداز ہوا تو علامہ سید عارف حسین الحسینی نے پوری قوم پر واضح کیا کہ امریکی بیڑے کی اچانک آمد ہماری سلامتی کے منافی ہے۔ امریکی بیڑے کی آمد کے پس پردہ کئی ایک مقاصد پوشیدہ ہو سکتے ہیں ورگرنہ امریکی بیڑے ۱۹۷۱ء کی جنگ میں ہمارے حکمرانوں سے وعدے کے باوجود بھی نہیں آئے تھے بلکہ ۱۹۶۰ء کے عشرے میں امریکہ نے ہمیں فروخت شدہ اسلحہ جو ان کی بندرگاہوں پر تھا ہندوستان کو بیچ دیا تھا۔ آپ کی ایک آواز پر اس بیڑے کے خلاف احتجاج شروع ہوئے جس کی بناء پر حکومت پاکستان کو مجبوراً امریکی بحریہ کے افراد کی خصوصی حفاظت کرنا پڑی۔

پاکستان کے مسلم نوجوانوں بالخصوص امامیہ اسٹوڈنٹس آرگنائزیشن کا یہ وطیرہ بن گیا کہ ہر نماز، ہر جلسہ اور ہر میٹنگ کے بعد "تکبیر" کا مخصوص نعرہ لگاتے جس کے الفاظ یوں تھے "اللہ اکبر اللہ اکبر اللہ اکبر نعرہ حسینی رہبر خمینی مردہ باد امریکہ مردہ باد روسیہ مردہ باد اسرائیل"۔

جب یہ نعرہ مسجدوں سے شاہراؤں تک مسلسل بلند ہوا تو امریکہ نے چند مخصوص افراد کے ذریعے اس نعرہ کو روکنے کی ہر ممکن کوشش کی۔

ایک مرتبہ پشاور امام بارگاہ میں مجلس کے اختتام پر جب یہ نعرہ بلند ہوا تو چند افراد نے نوجوانوں کو اس نعرہ سے منع کیا بات بڑھتے بڑھتے انتظامیہ تک جا پہنچی۔ انتظامیہ نے تحریک نفاذ فقہ جعفریہ پشاور کے عہدیداروں کو بلا کر صورتحال سے آگاہ کیا۔ تحریک کے عہدیداروں نے انتظامیہ پر واضح کیا کہ جب تک انہیں علامہ سید عارف حسین الحسینی اس نعرہ سے منع نہیں کرتے اس وقت تک یہ نعرہ برملا فضاؤں میں گونجتا رہے گا۔ جب علامہ سید عارف حسین الحسینی کو معلوم ہوا کہ انتظامیہ تحریک کے عہدیداروں سے مذاکرات کر رہی ہے تو آپ نے انہیں بلایا اور اسی شام محلہ اخوند آباد میں ہونے والی مجلس میں خود منبر پر تشریف لاتے ہی یہی نعرہ "تکبیر" بلند کیا اور ساتھ ہی جواب میں اللہ اکبر اللہ اکبر نعرہ حسینی رہبر خمینی مردہ باد امریکہ مردہ باد روسیہ مردہ باد اسرائیل کے الفاظ دہرائے۔ آپ کے اس فعل نے قول کی تصدیق فرما کر

نوجوانوں کے حوصلوں کو مزید توانا بنا دیا۔

بین الاقوامی سطح پر آپ ایران عراق جنگ اور دیگر اس طرح کی اسلامی ممالک میں امریکہ کی طرف سے کی جانے والی سازشوں کے سخت مخالف تھے۔ آپ نے ایران عراق جنگ کے حوالے سے پاکستانی عوام پر واضح کیا کہ عراق کی اسلامی ایران پر جارحیت خالصتاً" امریکی اشاروں کی بدولت ہے۔ امریکہ کی اسلامی ایران سے دشمنی صرف اور صرف اسلام اور اس کے نظام کے حوالے سے ہے وہ ہرگز نہیں چاہتا کہ ایران کا اسلامی انقلاب دیگر مسلم ممالک میں نفوذ کرے اور مسلمان اسے نمونہ بنا کر امریکہ کے خلاف نبرد آزما ہوں۔

امریکہ نے جب عراق کو اسلحہ کی فراہمی کی تو علامہ سید عارف حسین الحسینی نے اقوام متحدہ کو ایک خط تحریر فرمایا جس میں امریکہ کے اس غیر قانونی فعل اور خلیج کے معاملات میں کھلی مداخلت کی شدید مذمت کی۔ اسی طرح جب عراق نے اسلامی جمہوریہ ایران پر کیمیائی گیس کا بے دریغ استعمال کیا تو آپ نے اقوام متحدہ کو ایک خط ارسال کیا جس میں واضح کیا کہ عراق کے غیرانسانی جرم پر اقوام متحدہ کی مجرمانہ خاموشی بین الاقوامی قوانین کی صریحاً" خلاف ورزی ہے۔ محسوس ہوتا ہے کہ اقوام متحدہ امریکہ کی رضا کو ملحوظ خاطر رکھے ہوئے ہے امریکہ کا ایک طرف حقوق انسانیت کا علمبردار بننا اور دوسری جانب ایسے گھناؤنے جنگی جرائم کی اعانت کرنا مسلمانان عالم کے لئے باعث مذمت ہے۔

جنوری ۱۹۸۶ء میں امریکہ کی لیبیا پر واضح جارحیت کے بارے میں فرمایا۔ "امریکہ مسلمانوں کے بڑھتے ہوئے اتحاد اور اتفاق سے خائف ہو کر اوچھے ہتھکنڈوں پر اتر آیا ہے۔ لیبیا پر امریکی جارحیت کی واضح وجہ یہ ہے کہ وہ امریکی مفادات کا تحفظ اور امریکی خواہشات کا احترام نہیں کرتا۔ ہم انسانیت کا دم بھرنے والے امریکہ سے پوچھنا چاہتے ہیں کہ کیا لیبیا میں انسان نہیں بستے؟ کیا امریکہ کی بمباری سے لیبیا کے معصوم بچے ملبے تلے دب کر سسک سسک کر دم نہیں توڑ گئے۔؟ کیا لیبیا میں انسانیت خون میں غلطاں اور ملبوں تلے دفن نہیں ہو گئی؟ امریکہ کو جان لینا چاہئے کہ مسلمانان عالم اس کی

جارحیت کے مقاصد سے آگاہ ہیں اور اس کا جواب دینے کی صلاحیت بھی رکھتے ہیں"۔

۱۹۸۷ء کے جمعتہ الوداع کے موقع پر یوم القدس کے ایک احتجاجی جلوس سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ اقوام متحدہ کا کردار امریکہ کی حاشیہ برداری ہے۔ مسجد اقصیٰ اور بیت المقدس کی یہودی سپاہیوں کے ہاتھوں بے حرمتی نے ہمارے دلوں کو زخمی کر دیا ہے۔ اقوام متحدہ میں امریکہ اور اس کے حامیوں کا مسجد اقصیٰ کی بے حرمتی کے خلاف مسلمان ممالک کی قرارداد کو ویٹو کے ذریعے مسترد کرنا عالم اسلام پر انتہائی ظلم ہے۔

آپ نے اس موقع پر مسلم ممالک کے دانشور احباب سے اپیل کی کہ وہ اپنے حکمرانوں کو مجبور کریں کہ وہ اقوام متحدہ کا بائیکاٹ کریں اور امریکی تحفظ ترک کر دیں امریکی ویٹو پاور کا مقابلہ کرنے کے لئے مسلمانان عالم کو چاہئے کہ امریکی بینکوں سے اپنا سرمایہ نکال کر اسے گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کریں۔

امریکہ کی کھلی جارحیت کے خلاف آپ نے اسلامی کانفرنس کو ایک خط کے ذریعے متنبہ کیا کہ اگر امریکہ کی دہشت گردی کو روکنے کے لئے موثر اقدامات نہ کئے گئے تو عالم اسلام کا اعتماد ان تنظیموں سے اٹھ جائے گا۔ اس موقع پر آپ نے پاکستانی حکومت پر واضح کیا کہ وہ امریکہ کی پاسداری سے باز رہے اور امریکی پابندیوں کو بالائے طاق رکھ کر برادر مسلم ملک لیبیا کی ہر ممکنہ امداد کرے۔

ستمبر ۱۹۸۷ء میں جب امریکہ نے ایرانی کشتیوں پر میزائل سے حملہ کیا تو آپ نے مذمت کرتے ہوئے فرمایا "امریکی میزائلوں کے حملہ نے ثابت کر دیا ہے کہ امریکہ براہ راست خلیج کی جنگ میں ملوث ہے وہ عراق کی جس حکومت جو درحقیقت اسرائیل کی بقاء کی جنگ لڑ رہی ہے کو تحفظ دینا چاہتا ہے امریکہ کو جان لینا چاہئے کہ اب مسلمان اس کی جارحیت کا منہ توڑ جواب دیں گے"۔

نومبر ۱۹۸۷ء میں امریکہ نے ایران کی تنصیبات پر حملہ کیا تو آپ نے ایک احتجاجی جلوس سے خطاب کے دوران فرمایا "امریکہ اور دیگر اسلام دشمن قوتیں اب بے بس ہو گئی ہیں اور اسلام کے مقابلہ میں ان کی سازشیں دم توڑ رہی ہیں" لہٰذا اب

امریکہ خود بین الاقوامی اصولوں کو پامال کرتے ہوئے میدان جنگ میں اتر آیا ہے۔ امریکہ کے براہ راست حملوں سے اس کی غیر جانبداری کا بھرم کھل گیا ہے۔ آپ نے افسوس کرتے ہوئے فرمایا کہ ایران پر حملے کے بارے میں سعودی عرب اور اسرائیل کا موقف ایک ہے امریکہ کو جان لینا چاہئے کہ دنیا بھر کے انقلابی نوجوان اس کی جارحیت کے جواب کے لئے پر تول رہے ہیں اور وہ اپنی جان پر کھیل کر اس سے ہر ممکنہ انتقام لیں گے۔

۱۹۸۸ء میں امریکہ نے ایران کے مسافر بردار طیارہ پر حملہ کر کے ۲۹۰ مسافروں کو موت کے گھاٹ اتارا تو آپ نے اقوام متحدہ کے سیکرٹری' حقوق انسانی کی تنظیموں اور عالم اسلام کے سربراہوں کے نام خطوط تحریر کئے کہ امریکہ کا ایرانی مسافر بردار طیارہ پر حملہ عالمی ضوابط کی خلاف ورزی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ امریکہ اسلامی جمہوریہ ایران سے براہ راست جنگ کا خواہشمند ہے۔ لہٰذا ہم امریکہ پر واضح کر دینا چاہتے ہیں کہ مسلمانوں کو ختم کرنے کا اس نے یہی راستہ اختیار کیا تو پھر مسلمان نوجوان دنیا بھر میں اس کے باشندوں کی نقل و حرکت کو محدود کر دیں گے۔

آپ نے سعودی عرب میں ایرانی حجاج پر چلائی جانے والی گولی اور اس کی پاداش میں سینکڑوں ایرانی حجاج کے قتل کا ذمہ دار امریکہ کو ٹھہرایا کیونکہ آپ نے واضح فرمایا کہ ایرانی حجاج حسب معمول اس سال بھی اپنے اجازت نامہ اور تجویز شدہ راستوں پر امریکہ اور اسرائیل کے خلاف جلوس نکالنے کا عزم لے کر نکلے تو سعودی پولیس نے ان کے سینے گولیوں سے چھلنی کر دیئے۔ یہ وحشیانہ اور بھیانک ظلم امریکہ مردہ باد اور اسرائیل مردہ باد کہنے کی پاداش میں ہوا۔ کیونکہ ایرانی حجاج کے برائت از مشرکین کے فلسفہ سے کروڑوں مسلمانوں کے سامنے امریکہ کے عزائم کی نقاب کشائی ہوئی ہے اس لئے امریکہ نے اپنی رسوائی سے بچنے کے لئے ایسا کرنے کا حکم دیا جس پر سعودی حکومت نے عمل پیرا ہو کر اپنی سیاہ کاریوں میں اضافہ کیا ہے"۔

آپ نے جہاد افغانستان میں امریکہ کی دوغلی پالیسی کی مذمت کرتے ہوئے فرمایا کہ "روس کی جارحیت کے خلاف افغان مجاہدین کا جہاد تاریخ اسلام کا درخشاں باب ہے

مگر امریکہ کی بڑھتی ہوئی مداخلت ایک بہت بڑا خطرہ ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اگر روس افغانستان سے نکل جانے پر مجبور بھی ہو گیا تو امریکہ ہرگز افغانستان میں اسلامی حکومت قائم نہیں رہنے دے گا کیونکہ وہ جنگ کے دوران ہی مجاہدین کے مختلف گروہوں میں اختلاف کا باعث ہے اور یوں ایک بار پھر امریکہ مسلمانوں کے خون سے آنے والے انقلاب کے سبوتاژ کرنے کی ہر ممکن کوشش کرے گا"۔

فلسطینی اور لبنانی مسلمانوں پر ہونے والے امریکی مظالم کے خلاف آپ تڑپ اٹھے اور "فلسطینی اور لبنانی یکجہتی کانفرنس" میں درد دل کا اظہار یوں فرمایا "دنیا جانتی ہے کہ اسرائیل میں یہ جرات ہی نہیں کہ مسلمانوں کا بے دردی سے قتل عام کرے۔ درحقیقت اس کی دہشت گردی امریکہ کی ایماء پر ہے۔ ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ اسرائیل کا فلسطینی اور لبنانی مسلمانوں کے خون سے ہولی کھیلنا امریکی عزائم کا تسلسل ہے۔ عالم اسلام کو چاہئے کہ وہ امریکہ کے ان جرائم کے خلاف میدان عمل میں نکلیں اور اس کے مفادات کو تہہ و بالا کر دیں"۔

پاکستان میں امریکہ کے خلاف آپ کے بیانات' تقاریر' دروس اور تحریک نے امریکی عزائم کا پردہ چاک کیا۔ آپ نے اپنے ملک کے ہر فرد کو امریکہ مردہ باد کہنے کی جرات بخشی اور امریکہ کو پاکستان میں ذلیل و رسوا کیا۔ جس کا ثبوت کویت عراق جنگ پر پاکستانیوں کا امریکہ کے خلاف برملا اظہار نفرت تھا۔ خلیج کی اس جنگ میں پاکستان کے ہر گاؤں' ہر قصبہ' ہر شہر اور ہر چوک پر امریکہ کے پرچم نذر آتش ہوئے اور امریکی تابوتوں پر جوتوں کی بارش ہوئی۔ مسلمانوں کا یہ انداز نفرت دیکھ کر عیاں ہو گیا کہ علامہ سید عارف حسین الحسینی کی جدوجہد ثمرآور ہوئی۔

سید عارف حسین الحسینی اور عملی سیاست

پاکستان ۱۹۴۷ء میں دو قومی نظریہ کی بنیاد پر معرض وجود میں آیا۔ مسلمانان برصغیر نے اقوام عالم کے سامنے اس عزم کا اظہار کیا کہ اس خطہ ارض پر اسلامی قوانین کو رائج کر کے دنیا کے نقشے پر ایک ایسی اسلامی ریاست کی تشکیل کریں گے جس کا مکمل نظام اسلامی قوانین پر مبنی ہو گا۔ مگر آزادی کے بعد پاکستان میں نظام حکومت کی بنیاد ایکٹ آف ۱۹۳۵ء پر رکھی گئی۔ ہندوستان جو کہ ایک سیکولر ریاست تھی اس کی بنیاد بھی اسی قانونی ڈھانچہ پر قائم کی گئی۔ چنانچہ مسلمانان برصغیر کا یہ عزم کہ پاکستان میں نظام حکومت اسلام کی بنیاد پر ہو گا' کی کوئی واضح شکل یا اس کا تشخص بین الاقوامی سیاست میں ابھر نہ سکا۔

بانی پاکستان حضرت قائداعظم محمد علی جناحؒ حصول آزادی کے بعد اپنی صحت برقرار نہ رکھ سکے اور ۱۱ ستمبر ۱۹۴۸ء کو اس جہان فانی سے انتقال کر گئے۔ قدرت نے انہیں موقع نہ دیا کہ وہ پاکستان کے اسلامی تشخص کے خدوخال کو واضح کر سکتے۔

پاکستان میں دس سال تک آئین کی تکمیل نہ ہو سکی۔ بصد مشکل پہلا آئین ۱۹۵۶ء میں بنا جسے ۱۹۵۸ء میں کالعدم قرار دے دیا گیا اور ملک میں پہلا مارشل لاء لگایا گیا۔ ۱۹۶۲ء میں دوسری مرتبہ آئین کا نفاذ کیا گیا جسے اسی حکومت نے ۱۹۶۹ء میں منسوخ کر دیا اور اسی طرح ۱۹۷۳ء میں تیسری مرتبہ ملک کو نیا آئین دیا گیا جس کی حتمی شکل ابھی تک قوم پر واضح نہیں ہے۔ یہ تمام آئین "برٹش اور دیگر کانٹینینٹل کانسٹیٹیوشن (Constitution Continantal) سے مکمل مطابقت رکھتے تھے اور انہیں سے مستعار تھے جبکہ تمام آئین کی بنیاد "مانٹسکو کے نظریہ تقسیم اختیارات" (Theory of Seperatian of Powers) پر ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ "انسان اپنی طینت میں ظالم ہے اور دوسروں پر ہمیشہ تسلط کا خواہاں ہے۔ لہٰذا اختیارات کا ارتکاز معاشرے کے لئے نقصان دہ ہے اور ان اختیارات کو تقسیم کیا جانا چاہئے لہٰذا ہر ملک میں انتظامیہ مقننہ اور عدلیہ کے اختیارات میں ایک واضح اور ٹھوس تقسیم ہونی چاہئے"۔

اس کے برعکس اسلامی فلسفہ سیاست میں اختیارات قدرت کی طرف سے بنی نوع بشر کی خدمت کے لئے ایک اعلیٰ فریضہ ہیں جس کا بنیادی مقصد معاشرہ کے افراد کی زندگیوں کی اس طرح ترتیب و تشکیل کرنا ہے کہ انھیں زیادہ سے زیادہ رضائے الٰہی حاصل ہو سکے اور ان کی دنیاوی فلاح اور اخروی نجات کا باعث بن سکے۔

پاکستان کے کسی بھی آئین میں قوانین کی اساس نظریہ اسلام پر نہیں رکھی گئی بلکہ خالصتاً" مغربی نظریہ سیاسی کو اپنایا گیا اور اسی پر نظام سلطنت چلانے کی کوشش کی گئی۔

بدقسمتی سے پاکستان کے اندر موجود دینی قوتیں ۴۷ سال میں اپنی تگ و دو کے باوجود ملکی سیاست کے افق پر اسلامی تشخص کے کوئی واضح نقوش مرتب نہ کر سکیں۔ بلکہ ملک کی سیاسی اور ثقافتی اقدار مسلسل روبہ تنزل رہیں جس کی وجہ سے عامتہ الناس مجبوراً مذہب سے بیگانہ اور خالق حقیقی سے دور تر ہوتے چلے گئے۔

پاکستان کی تشکیل اور قیام پر ملت جعفریہ کا ذہن' سرمایہ اور خون دوسرے مسلمان بھائیوں کے ساتھ صرف ہوا مگر اہل تشیع نے من حیث القوم ملک میں قانون سازی یا سیاسی معاملات میں حصہ نہ لیا بلکہ قیام پاکستان کے بعد وہ عزاداری اور دیگر مذہبی رسومات کو ملکی سیاسی امور پر ترجیح دیتے رہے۔

قیام پاکستان کے بعد اس ملک کی پارلیمنٹ میں اہل تشیع کی معقول تعداد موجود رہی مگر دیگر اراکین پارلیمنٹ اور سیاسی جماعتوں کے قائدین کی طرح انھوں نے بھی دین کو ملکی سیاست کا محور قرار نہ دیا۔ یہی وجہ ہے کہ نظریہ پاکستان کا وہ خواب پورا نہ ہو سکا جس کی اساس پاکستان کا مطلب کیا لا الہ الا اللہ کی گونج تھی اور جسے لاکھوں فرزندان توحید نے بے بہا قربانیوں کے عوض حاصل کیا تھا۔

خدا کے فضل و کرم سے ۱۹۷۹ء میں ہمسایہ ملک ایران میں حضرت امام خمینیؒ کی ولولہ انگیز اسلامی تحریک کی کامیابی کے بعد اڑھائی ہزار سالہ شہنشاہیت کا بت پاش پاش ہوا اور اس کے ساتھ ہی امریکی اور دیگر مغربی استعماری قوتوں کے پنجہ استبداد سے ملت ایران نے چھٹکارا حاصل کیا۔ انقلاب کی اس کرن سے نہ صرف ملت ایران منور ہوئی

بلکہ پوری ملت مسلمہ ان اسلام دشمنوں کے سامنے سرخرو ہوئی جو اسلام کو محدود اور کمزور تصور کرتے تھے۔

فطرتاً اس کامیابی کا انعکاس پاکستان کے دینی اور روحانی حلقوں پر پڑا اور ہر مکتب فکر کے علماء اور دانشور اس کی طرف متوجہ ہوئے۔ ایران کے اسلامی انقلاب کے اثرات سے جہاں براہ راست دیگر مسلم ممالک بہرہ مند ہوئے وہاں قم میں تعلیم حاصل کرنے والے طلباء بھی امام خمینی کے پیرو اور ان کے نظریہ کے زبردست قائل ہو گئے۔ یہ طلباء کسب علم کے بعد عالم دین بن کر جب اپنے اپنے وطن واپس پلٹے تو انہوں نے اپنے ملکوں میں دینی سیاست متعارف کرانے کا سلسلہ شروع کر دیا۔ اس سلسلہ میں ایک کڑی علامہ عارف حسین الحسینی کی ذات گرامی ہے جو امام خمینی کے سچے عاشق اور ان کے نظریات کے حقیقی ترجمان تھے۔ آپ امام خمینی کے نظریات کی کرنوں کو جذب کر کے اپنے وطن پاکستان واپس آئے تو امام خمینی کے خط کو شعار زندگی بنا لیا۔

اسے تاریخ کا ایسا رخ تصور کریں یا ملت جعفریہ کی خوش بختی کہ انہیں علامہ سید عارف حسین الحسینی جیسا قائد نصیب ہوا جو پاکستان میں امام خمینی کا پرتو تھا اور جس کی سوچوں کا سرچشمہ اور محور فقط امام خمینی کی فکر تھی۔ ایسے نامساعد حالات میں جہاں ملت جعفریہ ایک کڑی آزمائش سے دوچار تھی آپ کی قیادت کا میسر ہونا اس خطہ ارض پر بسنے والے انسانوں کے لئے یقیناً ایک عظیم نعمت خداوندی تھی۔

آپ نے فریضہ قیادت کو سنبھالنے کے بعد اپنی شہادت تک مسلسل جدوجہد اور اس میں بے پناہ ریاضت کی۔ آپ مصائب و آلام کی گردش سے گزرتے گئے مگر اپنی قوم کو سرنگوں نہ ہونے دیا اور پوری ملت کے لئے اس پر آشوب دور میں تعاون کی طرف سفر کی راہ متعین فرما گئے۔

آپ کی قائدانہ صلاحیتوں کا یہ عنصر قابل افتخار ہے کہ آپ ہر کام کو مرحلہ وار تکمیل تک پہنچاتے اور پھر انتہائی منطقی انداز میں اگلے مرحلے کا آغاز فرماتے۔ قوم کو عملی سیاست کے میدان میں وارد کرتے وقت بھی آپ نے اسی حکمت عملی کو اپنا شعار

بنائے رکھا۔ سب سے پہلے آپ نے قوم کو بیدار کیا اور اپنے اعتماد میں لیا اور اسے حالات کے تقاضوں اور نزاکتوں کا احساس دلایا۔ بعدازاں اپنی قوم کو امام خمینی کی فکر سے روشناس کرا کے انھیں اسلامی حکومت کے قیام کی راہ دکھلائی۔

آپ نے دین و سیاست کی ضرورت کو ثابت کرنے کے لے درج ذیل وجوہات اپنے استدلال کے طور پر پیش کیں۔

(۱) حصول آزادی کے باوجود وطن عزیز میں باطل نظام حیات اور نظام سلطنت اس طرح برقرار ہے کہ جس میں عدل و انصاف کے امکانات مسدود ہیں اور یہ کہ ہماری قومی زندگی میں مغربی ثقافت اور اقدار اس طرح نفوذ کر چکی ہیں کہ اسلامی نظام حیات اور معاشرت کے تصور مفقود ہیں۔ حالانکہ ایک اسلامی ریاست ہونے کے ناطے سے ہمارا یہ اولین فرض ہے کہ ہم اپنی قومی زندگی کو "قرآن و سنت" کی واضح ہدایات کے مطابق استوار کریں اور باطل نظریات کو اس ملک سے اکھاڑ پھینکیں۔

(۲) پاکستان میں امریکہ اور مغربی دنیا کا اثر و نفوذ اس قدر تجاوز کر گیا ہے کہ ہمارے صاحبان اقتدار ہر معمولی سے معمولی مسئلہ پر بھی امریکی حکومت کی منشاء کی ٹوہ میں ہوتے ہیں۔ حالانکہ امریکی مفادات واضح طور پر امت مسلمہ کے مفادات سے متصادم ہیں۔ امریکی دانشور مسلم ممالک میں "احیائے اسلام" کے لئے اٹھنے والی ہر تحریک کے شدت سے مخالف ہیں۔ ان کا نظریہ ہے کہ اگر امت مسلمہ نے اسلام کے حقیقی روح کو اپنا لیا اور اسلامی اقدار کو اپنا شعار بنا لیا تو مغربی تہذیب اور اس کے زیراثر بین الاقوامی نظام سیاست تہہ و بالا ہو سکتا ہے۔

(۳) سیاست میں عمل دخل کے لئے تیسری وجہ جو آپ نے اپنی قوم کے سامنے پیش کی وہ ہمسایہ ملک ایران میں اسلامی انقلاب کی کامیابی اور اس سے مذہبی اور فطری طور پر ہم آہنگ ہونے کی ضرورت تھی۔ آپ نے قوم کو احساس دلایا کہ صدیوں بعد بین الاقوامی سیاست کے افق پر اسلامی نظام حیات ابھر کر سامنے آیا ہے۔ وہاں کے علماء کی مدبرانہ قیادت' دانشوروں اور سیاستدانوں کا حسن عمل اور نوجوانان ملت کی اسلام کے لئے جاں فروشی ہمارے لئے ایک شمعِ فروزاں ہے۔ اگر وہ شہنشاہیت کے بت سے

ٹکرا کر اسلام کی اس اعلیٰ پیمانے پر خدمت کر سکتے ہیں تو امت مسلمہ پاکستان کیونکر پیچھے رہے۔ خدا اور رسولؐ کی جانب سے دنیاوی زندگی میں ہم پر جو فرض عائد ہوتا ہے ہم اسے اپنی قومی زندگی کی سطح پر پورا کر کے آخرت میں سرخرو ہوں۔

(۴) آپ نے چوتھی دلیل پیش کرتے ہوئے فرمایا کہ اب وقت آ گیا ہے کہ پوری دنیا کے درماندہ اور پسماندہ طبقات مراعات یافتہ طبقہ کے خلاف اٹھ کھڑے ہوں اور اپنے حقوق کے حصول کے لئے سردھڑ کی بازی لگائیں۔ آپ نے مزید فرمایا کہ "کارل مارکس نے تاریخ انسانی کی جو مادی تعبیرات پیش کی ہیں اس میں محدودیت ہے اور انسانی حیات کے صرف مادی پہلو کو اجاگر کیا گیا۔ جبکہ اسلام اور تعلیمات رسول کریمؐ مستضعفین کے لئے پیغامبر ہیں کہ وہ نہ صرف اپنے حقوق کے لئے جہاد کریں بلکہ رضائے رب العزت کے حصول کے لئے ان پر یہ شرعی اور اخلاقی فریضہ عائد کیا گیا ہے۔ مذہب ظالم کے ساتھ زندہ رہنے اور اس کے ظلم کو سہتے رہنے کی قطعاً" اجازت نہیں دیتا۔

(۵) پاکستان کے ایوان نمائندگان (پارلیمنٹ) میں آج تک کوئی شیعہ رکن ایسا نہیں پہنچا جو پارلیمنٹ کے اندر شیعہ مکتب فکر کی ترجمانی کر سکے اور ملت جعفریہ کے حقوق کی نگہبانی کرتے ہوئے ملک کے تمام سیاسی، اقتصادی، معاشی اور معاشرتی مسائل پر شیعہ نکتہ نظر کو پیش کرے۔ لہٰذا ضروری ہے کہ پوری ملت جعفریہ متحد ہو کر ایوان میں اپنے نمائندگان منتخب کر کے بھیجے اور من حیث القوم اس ملک میں اپنا بھرپور سیاسی کردار سرانجام دے۔

انہی استدلال کی بنیاد پر آپ نے سیاست میں قدم رکھا اور آغاز ہی میں ضیاء الحق کے صدارتی ریفرنڈم کی دھجیاں بکھیریں۔

میدان سیاست میں آپ کا اگلا موثر قدم ۲۰ دسمبر ۱۹۸۴ء کو تحریک نفاذ فقہ جعفریہ کی مرکزی کابینہ کا وہ یادگار اجلاس ہے جس کے ایجنڈے پر پاکستان کی سیاست میں تحریک نفاذ فقہ جعفریہ کا کردار نمایاں تھا۔ جامعۃ المنتظر لاہور میں ہونے والے اس اجلاس میں اس موضوع پر سیر حاصل بحث کی گئی۔ ملتان کے جناب زمان

جعفری صاحب (مرحوم) نے اجلاس میں ایک مفصل تحریری رپورٹ پیش کی اور موضوع کے ہر پہلو پر روشنی ڈالی۔ انہوں نے اس وقت کی حکومت اور اس کے خلاف چلنے والی ایم۔ آر۔ ڈی کی تحریک کے خدوخال کو واضح کیا اور اس سیاسی تناظر میں تحریک کے سیاسی کردار کے لئے تجاویز پیش کیں۔ انہوں نے رائے دی کہ تحریک کو ایم۔ آر۔ ڈی میں شامل ہو کر ایک بھرپور کردار ادا کرنا چاہئے۔ اس کے بعد تمام شرکاء اجلاس نے فرداً فرداً اپنی رائے کا اظہار کیا اور اکثریت نے زمان جعفری صاحب کی اس تجویز سے اتفاق کیا کہ تحریک ایم۔ آر۔ ڈی کے ساتھ مکمل الحاق کرے اور حکومت کے خلاف چلائی جانے والی اس تحریک میں موثر کردار ادا کرے۔

اس امر کا یہاں ذکر کرنا ضروری ہے چونکہ اگلے روز جناب افضل حیدر ایڈووکیٹ کی رہائش گاہ گلبرگ لاہور میں ایم۔ آر۔ ڈی کے اکابرین کے ساتھ اہم بات چیت ہونا قرار پا چکا تھا۔ لہٰذا شرکاء اجلاس کے سامنے یہ پہلو بھی درپیش تھا کہ ایم۔ آر۔ ڈی کے ان اکابرین سے تحریک نفاذ فقہ جعفریہ کس حد تک معاونت کے لئے آمادہ ہوگی۔

اجلاس میں تمام شرکاء کی آرا کے بعد قائد علامہ سید عارف حسین الحسینی کو اپنی حتمی رائے اور نکتہ نظر کے اظہار کی دعوت دی گئی۔ آپ اس سے پہلے پورے اجلاس میں صمیم قلب کے ساتھ ہر ایک کے دلائل کو ہمہ تن گوش ہو کر سماعت فرماتے رہے مگر اپنی رائے کا کسی مقام پر بھی عندیہ نہ دیا۔

جب آپ کو دعوت دی گئی تو آپ نے حمد و ثنا کے بعد موضوع گفتگو پر ایک جامع خطاب فرمایا۔ "ہم یقیناً سیاست میں وارد ہوں گے مگر اس کے لئے دین مبین کی طرف سے جو تقاضے اور ضروریات عائد ہوتی ہیں ہم انہیں ہر صورت پورا کرنے کے پابند ہوں گے۔ ہماری سیاست کا دارومدار درج ذیل چار اصولوں پر ہو گا۔

(۱)۔ ہم جو بھی سیاست کریں گے وہ آیت العظمیٰ حضرت امام خمینی کے خط کے عین مطابق ہو گی۔

(۲)۔ ہم میدان سیاست میں ہمیشہ اپنے شیعی تشخص کو برقرار رکھیں گے۔

(۳)۔ ہم ملکی سیاست میں وارد ہونے سے پہلے ملکی سطح پر ان اصلاحات کو منضبط کریں گے جن کا نفاذ اس ملک کی فلاح و بہبود کے لئے لازم ہو گا۔

(۴)۔ ہم سیاست میں عملی کردار اختیار کرنے سے قبل اپنی قوم کو منظم کریں گے اور اسے سیاسی شعور دیں گے تاکہ ہماری قوم سیاست کے ہر پہلو میں ہمارا ساتھ دے تاکہ کوئی سیاسی موڑ مڑنے پر ہماری قوم ہم سے پیچھے نہ رہ جائے۔ اگر اس کے بغیر ہم میدان سیاست میں وارد ہوں گے تو ہم اس قدر ہلکے پھلکے ہوں گے کہ نہ تو حکومت ہماری بات کا اثر لے گی اور نہ اپوزیشن والوں کے ہاں کوئی اہمیت ہو گی۔

آپ کے ان ارشادات اور اصولوں کے پیش کئے جانے کے بعد شرکاء اجلاس کو ایک نئی فکر اور راہ مل گئی۔

اگلے روز پروگرام کے مطابق جناب افضل حیدر ایڈووکیٹ کی رہائش گاہ پر ایم۔ آر۔ ڈی کے اکابرین نوابزادہ نصراللہ خان' راؤ عبدالرشید' ملک محمد قاسم اور سید افضل حیدر سے تحریک نفاذ فقہ جعفریہ کا وفد جو علامہ سید ساجد علی نقوی' علامہ سید افتخار حسین نقوی' علامہ آغا علی موسوی' سید وزارت حسین نقوی اور ڈاکٹر محمد علی نقوی پر مشتمل تھا' نے گفت و شنید کی۔ تحریک کی جانب سے ایم۔ آر۔ ڈی کے اکابرین کو مطالبہ پیش کیا گیا کہ اگر ایم۔ آر۔ ڈی کامیابی کے بعد شیعہ حقوق کے مکمل تحفظ کی ضمانت دے تو تحریک نفاذ فقہ جعفریہ ایم۔ آر۔ ڈی میں شامل ہونے اور حکومت کے خلاف اپنا موثر کردار ادا کرنے کے لئے آمادہ ہے۔ نوابزادہ نصراللہ خان نے جواباً" کہا کہ "ایم۔ آر۔ ڈی میں شامل جماعتیں چار نکات پر اشتراک عمل رکھتی ہیں"۔

(۱) ملک میں مارشل لاء کا خاتمہ

(۲) ۱۹۷۳ء کے آئین کی بحالی

(۳) جمہوریت کی بحالی اور انتخابات کا انعقاد

(۴) سیاسی اسیران کی رہائی

اگر آپ (اکابرین تحریک) اس سے اتفاق کرتے ہیں اور اسے ملکی مفادات کے لئے ضروری سمجھتے ہیں تو ہم آپ کے تعاون کے خواہاں ہیں۔ آپ کی ایم۔ آر۔ ڈی

میں شمولیت ہمارے لئے تقویت کا باعث ہو گی چونکہ ایم۔ آر۔ ڈی میں شامل جماعتیں اپنی تحریک کی کامیابی کے بعد انتخابات کے لئے مشترکہ لائحہ عمل نہیں رکھتیں اور یہ واضح نہیں ہے کہ انتخابات کے نتیجے میں کون سی جماعت برسراقتدار آئے گی اور آپ کے مطالبات کو کس حد تک تسلیم کرے گی للذا آپ کے مطالبات پر غور و خوض کی ضرورت ہے۔

اجلاس میں دیگر اکابرین نے کافی بحث کی اور آخرکار یہ طے پایا کہ تحریک کے مطالبہ کو ایم۔ آر۔ ڈی کے چار نکاتی اشتراک عمل میں شامل نہیں کیا جانا چاہئے البتہ ایم۔ آر۔ ڈی میں شامل تمام جماعتیں تحریک نفاذ فقہ جعفریہ کو تحریرا" یہ قول و اقرار دیں گی کہ انتخابات کے بعد جو جماعت یا جماعتیں برسر اقتدار آئیں گی وہ تحریک کے اس مطالبہ کو پورا کریں گی۔

اسی شام علامہ سید عارف حسین الحسینی نے پریس کلب لاہور میں ایک پرہجوم پریس کانفرنس سے خطاب کیا اور اعلان کیا کہ آج ایم۔ آر۔ ڈی کے اکابرین کے ساتھ ہماری گفت و شنید کے نتیجہ میں طے پایا ہے کہ ہم حکومت کے خلاف ان کی جدوجہد میں بھرپور معاونت کریں گے البتہ ہم یہ واضح کرتے ہیں کہ فی الوقت ہم ایم۔ آر۔ ڈی میں باقاعدہ شمولیت اختیار نہیں کر رہے۔

آپ کی اس پریس کانفرنس کے بعد ایم۔ آر۔ ڈی کے تحت سیاسی فعالیت میں تحریک کے کارکنان کا کردار قابل تحسین رہا۔ حتی کہ ملک کے معروف صحافی وارث میر مرحوم نے روزنامہ نوائے وقت میں شائع ہونے والے اپنے ایک مضمون میں تحریر کیا کہ "ایم۔ آر۔ ڈی کے دامن میں تحریک نفاذ فقہ جعفریہ پاکستان کے کارکنان کے سوا کچھ بھی نہیں"۔

۱۸ جنوری ۱۹۸۵ء کو تحریک کی مرکزی کونسل کا اجلاس گمبٹ سندھ میں منعقد ہوا جس میں یہ فیصلہ کیا گیا کہ تحریک موجودہ غیر آئینی اور غیر جمہوری حکومت کے خلاف جدوجہد میں ہر اس جماعت کا ساتھ دے گی جو ملک میں جمہوریت کی بحالی کے لئے کوشاں ہو گی اور ہمیں اپنے حقوق کے تحفظ کا یقین دلائے گی۔

اس اجلاس میں یہ فیصلہ بھی ہوا کہ حکومت کی طرف سے منعقد ہونے والے انتخابات تحریک کے نزدیک غیر قانونی اور غیر آئینی ہیں لہٰذا ہم ایسے انتخابات کو عوامی مسائل کا حل نہیں سمجھتے۔

علامہ سید عارف حسین الحسینی ملت جعفریہ پاکستان کے پہلے قائد تھے جو اس ملک میں سامراجی نظام کے خاتمے اور اسلامی نظام کے نفاذ کے لئے عملی طور پر کوشاں تھے۔ آپ کی تحریک چند فقہی مطالبات تک محدود نہ تھی بلکہ آپ ملت اسلامیہ کے تمام مسائل کا حل چاہتے تھے۔ ایک طرف آپ جمہوریت کی بحالی کے خواہاں تھے اور دوسری جانب حکومت کے غیر قانونی اقدامات کے سامنے سینہ سپر بھی۔

ضیاء ریفرنڈم کا مسئلہ پیش آیا تو آپ نے دلائل سے رد کیا' ضیاء الحق نے ۱۹۸۵ء میں غیر جماعتی انتخابات کی راہ اختیار کی تو آپ نے اس غیر آئینی حرکت کی کھل کر مخالفت کی۔ اس سلسلہ میں ٹنڈو الہ یار سندھ کے ایک جلسہ سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا "غیر جماعتی انتخابات آئین کی صریحاً" خلاف ورزی' عوامی جذبات اور حقوق کا قتل ہیں۔ ان سے معرض وجود میں آنے والی اسمبلیوں کی کوئی اخلاقی حیثیت نہیں ہو گی اور نہ ارکان اسمبلی عوامی نمائندگان کہلوانے کا حق رکھتے ہیں۔ ایسی اسمبلیاں ذاتی مفادات کو اجتماعی مفادات پر ترجیح دیں گی اور ملک میں وہی کچھ رائج کریں گی جس کا صدر مملکت اشارہ دیں گے۔ جس روز بھی ان کا آمر حکمران کے مزاج کے خلاف کوئی قدم اٹھا اسی روز اسمبلیوں کا خدا حافظ ہو گا"۔

آخر زمانے نے دیکھا کہ ۲۹ مئی ۱۹۸۸ء کو اسمبلیاں بلاجواز کالعدم کر دی گئیں۔ یوں مارشل کے اندھیرے میں چلنے والی جمہوریت کی نحیف شمع گل ہو گئی۔ جہاں ملک بھر کے دیگر سیاستدانوں نے صدر کے اس فعل کی مذمت کی وہاں شہید حسینی نے پشاور میں ایک کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا "ہم نے بہت پہلے واضح کر دیا تھا کہ چیف آف آرمی سٹاف کی دوہری حیثیت ملک و قوم اور جمہوریت کے لئے نقصان دہ ہے جب بھی صدر چاہیں گے اپنے مفادات کی تکمیل کے لئے خوش فہم اراکین اسمبلی کی چھٹی کرا دیں گے بالآخر وقت نے ہمارے موقف کی سچائی ثابت کر دی ہے۔

جونیجو حکومت کی برطرفی فرد واحد کی حکومت کو طول دینے کی خواہش کا نتیجہ ہے۔ موجودہ حکومت کی بنیادیں مارشل لائی نظام پر استوار کی گئی ہیں۔ اس لئے ہماری تحریک ضیاء الحق کے غیر آئینی اور غیر قانونی اقتدار کو قبول نہیں کرتی اور نہ ہی ہم ان کے جارحانہ فیصلوں کو تسلیم کرتے ہیں۔

ضیاء الحق کا یہ کہنا کہ جونیجو حکومت اسلام کے نفاذ میں کامیاب نہیں ہو سکی یا باعث رکاوٹ رہی ہے تو ہم صدر مملکت سے پوچھنا چاہیں گے کہ اس سے قبل آٹھ سال تک وہ بلاشرکت غیرے سیاہ و سفید کے مالک رہے۔ انہوں نے کہاں تک اسلام نافذ کیا ہے۔ بلکہ ہماری نظر میں انہوں نے اسلام کو ناقابل برداشت حد تک نقصان پہنچایا ہے جس کا مسلمانان پاکستان کو شدید دکھ ہے۔ اب اسلامیان پاکستان، اسلام کی مزید تضحیک برداشت نہیں کر سکتے جس کے پیش نظر وہ آمریت کے خاتمے کے لئے کمربستہ ہو چکے ہیں۔

رفتہ رفتہ ----- راہ سیاست پر ----- تحریک کا ارتقائی سفر جاری رہا۔ ۲۲، ۲۳ مارچ ۱۹۸۷ء کو جامعۃ المنتظر لاہور میں وفاق علماء شیعہ پاکستان کا سالانہ اجتماع ہوا۔ جس میں حالات کے تقاضوں کے پیش نظر ملک گیر کنونشن کا موضوع زیر بحث آیا۔ یہاں ملک بھر کے علماء نے انتہائی غور و خوض کے بعد کنونشن کے انعقاد پر اتفاق کیا اور "قرآن و سنت کانفرنس" کے نام سے یہ کنونشن منعقد کروانے کا فیصلہ کیا گیا۔ ۲۳ مارچ کے اس اجلاس کی آخری نشست میں علامہ سید عارف حسین الحسینی نے اس فیصلہ کا اعلان فرمایا۔

یہاں اس حقیقت کا اظہار بھی اشد ضروری ہے کہ پاکستان کے نظام سلطنت میں اسلامی اصولوں کے تحت ضروری تبدیلیاں اور اصلاحات کرنے اور اسے منصفانہ بنانے کے لئے علامہ سید عارف حسین الحسینی نے علماء اور دانشور حضرات پر مشتمل ایک کمیٹی تشکیل دی۔ انہیں خاطرخواہ سہولیات بہم پہنچائیں تاکہ وہ اس اہم قومی نظریاتی مسئلہ کو حل کریں اور ان کے کام میں ذاتی طور پر گہری دلچسپی لی۔ مگر افسوس کہ آپ کی زندگی نے وفا نہ کی اور یہ اہم ترین کام سرتکمیل تک نہ پہنچ سکا۔

قرآن و سنت کانفرنسیں

قرآن و سنت کانفرنسوں کو ملت جعفریہ پاکستان کی تاریخ میں ایک سنگ میل کی حیثیت حاصل ہے۔ یہ کانفرنسیں علامہ سید عارف حسین الحسینی کی اسلامی و انقلابی فکر کا مظہر ہیں۔ یوں تو اہل تشیع کے بڑے بڑے اجتماعات' مجالس اور اس قسم کے مناظر تاریخ کے دامن میں محفوظ ہیں مگر یہ قرآن و سنت کانفرنسیں ماضی سے قدرے مختلف اور پر شکوہ تھیں۔ یہ خالصتاً" نظریاتی اور سیاسی اجتماعات تھے جو بلاشک و شبہ پاکستان میں اسلامی جمہوریہ کے قیام کی جدوجہد میں نشان منزل تھے۔

علامہ سید عارف حسین الحسینی کی قیادت اور ان کے ملک گیر دورہ جات کے بعد بے پناہ عوامی شعور پیدا ہو چکا تھا اور مختلف حلقوں سے یہ تقاضا کیا جا رہا تھا کہ ایک ملک گیر کنونشن طلب کیا جائے جس میں ملت جعفریہ ایک پلیٹ فارم پر جمع ہو کر اپنی سیاسی بیداری اور قائد سے وابستگی کا ثبوت دے۔ یہ رائے آہستہ آہستہ پختہ ہوتی گئی حتیٰ کہ ۲۵ جولائی ۱۹۸۶ء کو مرکزی کونسل کے اجلاس میں ایک کنونشن کمیٹی کا قیام عمل میں آیا جس میں ملک بھر سے ۱۳ افراد کو اس کمیٹی میں نامزد کیا گیا۔ البتہ یہاں یہ طے پایا کہ یہ کنونشن لاہور یا بھکر میں ہو گا۔

آغاز میں اس کنونشن کے انعقاد کے تقاضے سطحی تھے مگر وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ یہ تقاضے بڑھتے گئے اور کنونشن کی اہمیت کے احساس میں بھی اضافہ ہوتا گیا۔ ملکی سیاسی عمل میں تحریک کی دلچسپی' ضیاء ریفرنڈم اور غیر جماعتی انتخابات کا بائیکاٹ' بحالی جمہوریت کی تحریک (ایم۔ آر۔ ڈی) میں کردار' فرقہ واریت کے انسداد کے بعد شدت سے محسوس کیا گیا کہ تحریک نفاذ فقہ جعفریہ پاکستان میدان سیاست میں ابھر کر سامنے آئے جس کے لئے لازم ہے کہ اس ملک گیر کنونشن کا انعقاد کریں۔

ابتدا میں یہ تجویز کیا گیا کہ یہ کانفرنس تحریک نفاذ فقہ جعفریہ' وفاق علماء شیعہ' امامیہ آرگنائزیشن' امامیہ اسٹوڈنٹس آرگنائزیشن اور جمعیت طلبہ جعفریہ کی طرف سے مشترکہ طور پر بلائی جائے گی جبکہ تمام انتظامات اور روابط کی نگرانی حجتہ الاسلام

والمسلمین علامہ سید صفدر حسین نجفی فرمائیں گے۔

۹' ۱۰ اپریل ۱۹۸۷ء کو حید آباد میں سالانہ تنظیمی اجلاس میں انتہائی شدو مد کے ساتھ یہ بحث ہوئی کہ قرآن و سنت کانفرنس صرف تحریک کے زیر اہتمام ہونی چاہئے۔ بصورت دیگر مختلف تنظیموں کی طرف سے مشترکہ کانفرنس سے عوام اور حکومت یہ تاثر لیں گے کہ ملت جعفریہ کا کوئی متفقہ پلیٹ فارم اور متفقہ قیادت نہیں ہے چنانچہ فیصلہ ہوا کہ یہ کانفرنس صرف تحریک کے پلیٹ فارم سے منعقد ہو گی۔

۲۳ اپریل ۱۹۸۷ء کو چنیوٹ کے اجلاس میں قرآن و سنت کانفرنس کے تمام حوالوں پر تفصیلی بحث کے بعد علامہ سید عارف حسین الحسینی نے اعلان فرمایا کہ "قرآن و سنت کانفرنس انشاء اللہ ۶ جولائی کو لاہور میں منعقد ہو گی" اس کانفرنس کی تفصیلات طے کرنے کے لئے تحریک کی مرکزی کابینہ کا ۲۸ اپریل ۱۹۸۷ء کو راولپنڈی میں اجلاس ہوا۔

اپریل ۱۹۸۷ء چنیوٹ کے اجلاس میں منشور کمیٹی کا تعین کیا گیا اور اس کمیٹی کے ذمہ لگایا گیا کہ وہ اس وقت تک کی گئی پیش رفت کی جمع آوری کرے اور منشور کو حتمی شکل دے تاکہ اسے قرآن و سنت کانفرنس میں قوم کے سامنے پیش کیا جائے۔ اس منشور کمیٹی میں درج ذیل افراد شامل کئے گئے۔

(1) علامہ سید صفدر حسین نجفی (2) علامہ شیخ محسن علی نجفی (3) علامہ سید ساجد علی نقوی (4) علامہ سید شرف الدین موسوی (5) سید وزارت حسین نقوی ایڈووکیٹ (6) میجر جنرل ریٹائرڈ سید تصور حسین (7) ایم ایچ حسنی (8) سید شمیم عباس بخاری (9) سید علی نقی' ثاقب نقوی۔

اس کمیٹی نے شب و روز کی محنت کے بعد منشور کا ایک ابتدائی خاکہ تیار کیا جسے ۵ جون ۱۹۸۷ء کو بھکر میں تحریک کی سپریم کونسل کے اجلاس میں جائزہ کے لئے پیش کیا گیا اور قرآن و سنت کانفرنس کے موقع پر پیش کرنے کی حتمی منظوری لی گئی۔ اس موقع پر اس کانفرنس کی کامیابی کے لئے جامع لائحہ عمل بھی تیار کیا گیا۔

قرآن و سنت کانفرنس کے اس اعلان کے بعد اسلامیان پاکستان میں جوش و

خروش کی لہر دوڑ گئی۔ علامہ سید عارف حسین الحسینی کے حکم کی تعمیل کے لئے ملت جعفریہ کا ہر فرد اس لہر کا ایک حصہ بن گیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے ملک کے تمام درودیوار پر "چلو چلو لاہور چلو' ٦ جولائی قرآن و سنت کانفرنس" لکھا ہوا دکھائی دیا۔

اس کانفرنس کی تشہیر کے لئے تحریک اور امامیہ اسٹوڈنٹس آرگنائزیشن کے کارکنان نے شب و روز ایک کر دیا۔ ان نوجوانوں کے مختلف وفود سینکڑوں میلوں کی مسافت طے کر کے اس کانفرنس کے پیغام کو ملک کے شہر شہر' قریہ قریہ پہنچاتے چلے گئے۔ انہیں اس کام کی انجام دہی میں ایک مخصوص روحانی لطف کا احساس ہوا۔ ان باشعور نوجوانوں کو دینی اور سیاسی زندگی کی یکجہتی کی لذت سے آشنائی ہوئی اور انہوں نے عزم کیا کہ سرزمین وطن پر احکامات خداوندی کی ترویج کے لئے ایسے ہی سرگرم عمل رہیں گے۔ اس کانفرنس کی کامیابی ان کی زندگی کا ایک خوشگوار موڑ تھا لہٰذا خلوص نیت اور محنت شاقہ سے ان کے فرائض کی بجاآوری رنگ لائی اور خیبر سے لے کر کراچی تک سیاسی بیداری کی یہ لہری امنڈتی چلی گئیں۔

نوجوانوں کے ساتھ ساتھ علماء' خطباء اور ذاکرین نے بھی قابل فخر کردار ادا کیا۔ وہ جہاں بھی گئے انہوں نے اس کانفرنس کے انعقاد' اس کے پروگرام اور غرض و غایت سے عوام کو آگاہ کیا اور انہیں تاکید فرمائی کہ اس کانفرنس میں پوری گرمجوشی کے ساتھ شریک ہونا نہ صرف ایک دینی فریضہ ہے بلکہ ملت کے وقار کا مسئلہ اور وطن عزیز میں حقیقی اسلام کے نفاذ کی طرف ایک اہم قدم ہے۔

٣ جولائی ١٩٨٧ء کو خود علامہ سید عارف حسین الحسینی اپنے تمام معتمد رفقاء کے ساتھ لاہور پہنچ چکے تھے۔ یہاں انہوں نے کانفرنس کے تمام انتظامات کا جائزہ لیا۔ طے شدہ پروگرام کے مطابق قرآن و سنت کانفرنس کا انعقاد لاہور کے تاریخی موچی دروازہ گراؤنڈ میں ہونا تھا مگر ملک بھر سے خواہشمند شرکاء کے بارے میں موصول ہونے والی اطلاعات کے بعد کانفرنس کو "یونیورسٹی گراؤنڈ" میں منتقل کرنے کی تجویز سامنے آئی۔ لیکن آخری دو دن عوام کی وسیع پیمانے پر متوقع آمد کے پیش نظر علامہ سید عارف حسین الحسینی نے کانفرنس کا انعقاد کے لئے مینار پاکستان لاہور کا انتخاب فرمایا۔

۶ جولائی ۱۹۸۷ء کو پاکستان کی تاریخ میں ایک عجب منظر نظر آیا۔ پورے ملک سے قافلے قرآن و سنت کانفرنس میں شرکت کے لئے لاہور کی طرف رواں دواں تھے۔ بلوچستان' گلگت' بلتستان' سرحد' سندھ اور کشمیر کے دور دراز علاقوں سے فرزندان قرآن و سنت اپنے محبوب قائد کا خطاب سننے کے لئے مینار پاکستان کی طرف پورے جوش و خروش کے ساتھ کھنچے چلے آ رہے تھے۔ دیکھتے ہی دیکھتے مینار پاکستان کا وسیع و عریض میدان انسانوں سے بھر گیا۔ ہر طرف سر ہی سر نظر آنے لگے۔ مینار پاکستان کا دامن تنگ محسوس ہوا تو لوگ بادشاہی مسجد تک پھیل گئے۔

مینار پاکستان کا منظر دیدنی تھا۔ اس روز وہاں پاکستان کے سبز ہلالی پرچم کے ساتھ علم عباسؑ علمدار لہرا رہا تھا۔ اور بار بار یہ نعرہ لگ رہا تھا "غازی کا علم لہرائے گا' طاغوت کا دل گھبرائے گا"۔ مینار پاکستان پر ایسے بینر لہرا رہے تھے جن پر تحریر تھا "ہم امریکہ کے دشمن ہیں۔ یہ بات بتا دو ایوانوں میں"۔ اس روز مینار پاکستان امریکی سامراج اور مغربی استبداد سے نجات حاصل کرنے کا عزم کئے ہوئے تھا اور یہی قرارداد پاکستان ۱۹۴۰ء کی حقیقی تعبیر تھی۔

کانفرنس کا آغاز ٹھیک نو بجے تلاوت کلام پاک سے ہوا۔ اس اجتماع میں ملک کے اہم سیاستدان بھی تشریف آور تھے۔

ملکی اور غیر ملکی صحافیوں کی بڑی تعداد نے شرکت کی۔ اجتماع سے بزرگ علماء' ذاکرین اور مقررین نے خطاب کیا جنہوں نے آمریت اور فرقہ واریت کو للکارا اور قرآن و سنت کی عظمت کو اجاگر کیا۔ مقررین نے اپنے قائد علامہ سید عارف حسین الحسینی کی قیادت پر بھرپور اعتماد کا اظہار کیا۔ صورتحال اس وقت بہت دیدنی ہو گئی جب علامہ سید آقا علی موسوی نے اپنے مخصوص انداز میں خطاب کے دوران فرمایا "زمانہ گزر گیا جب شیعہ عزاداری تک محدود ہوتے تھے' اب ہمیں وزارت بھی چاہئے اور اب ہمیں صدارت بھی چاہئے۔ اب ہم مسلمان اپنے فیصلے خود کریں گے۔ نہ کوئی واشنگٹن سے حکم آئے اور نہ ماسکو سے۔ ہم قرآن و سنت کے پیروکار ہیں اور اس کا نظام لائیں گے"۔

اگرچہ سامعین مقررین کے خطاب سے لطف اندوز ہو رہے تھے مگر ہر آنکھ اپنے محبوب قائد کی زیارت کے لئے بے تاب تھی۔ وقفہ وقفہ سے اعلان ہو رہا تھا کہ چند لمحوں بعد آپ سب کے دل کے چین عارف حسین آپ کے درمیان آنے والے ہیں۔ بے قراری بڑھتی جا رہی تھی' دل کی دھڑکنیں بے ربط تھیں کہ انتظار کے لمحات ختم ہوئے۔ لاکھوں کے اجتماع میں لہروں کی سی حرکت آئی' فلک شگاف نعرے بلند ہونے لگے "پوری قوم کے دل کا چین' عارف حسین عارف حسین' پوری قوم کا نعرہ ہے عارف قائد ہمارا ہے"۔ سٹیج سے اعلان ہو رہا تھا کہ پاکستان کے مظلوموں اور محروموں کی امید مسلمانوں کے دل کے چین سید عارف حسین الحسینی تشریف لا رہے ہیں۔ یہ اعلان سنتے ہی سامعین میں ارتعاش آیا اور ہر ایک خیر مقدم کے لئے اٹھ کھڑا ہوا اور ایک ہی نعرہ ہوا میں گونجنے لگا "جیوے جیوے' عارف جیوے" پرستاروں کے جھرمٹ میں علامہ سید عارف حسین الحسینی مکمل متانت کے ساتھ سٹیج کی جانب بڑھ رہے تھے جبکہ ان کے گرد ان کے پروانے خوشی سے جھوم رہے تھے۔ آپ سٹیج پر تشریف لائے' لاکھوں کے اجتماع کو ہاتھ اٹھا کر سلام کیا۔ لاکھوں افراد نے اپنے محبوب کو ہاتھ اٹھا کر سلام کا جواب دیا۔ ایک منظر تھا جس نے دیکھا.... اسے عمر بھر یاد رہے گا۔

طے شدہ پروگرام کے تحت علامہ سید افتخار حسین نقوی نے تحریک نفاذ فقہ جعفریہ پاکستان کا سیاسی و اسلامی منشور پیش کیا۔ جو ملک بھر کے مسلمانوں کے لئے آزادی اور خوشحالی کی نوید تھی۔ منشور کا اعلان ختم ہوا' عوام نے تائید کی' نعرے بلند ہوئے اور "تحریک نفاذ فقہ جعفریہ پاکستان" کے سیاسی میدان میں بحیثیت ایک سیاسی جماعت کے وارد ہو گئی۔

آخر عظیم قائد کو سٹیج پر آنے کی دعوت دی گئی' انہوں نے اس عظیم الشان اجتماع میں تاریخ ساز خطاب فرمایا۔

٦ جولائی ۱۹۸۷ء کا تاریخ ساز خطاب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بعد از حمد و ثنا

السلام علیکم و رحمتہ اللہ و برکاتہ۔ برادران! سب سے پہلے بانی تحریک نفاذ فقہ جعفریہ پاکستان حضرت علامہ مفتی جعفر حسین اعلیٰ اللہ مقامہ، شہداء تحریک بالخصوص شہید محمد حسین شاد، شہداء کوئٹہ، شہداء ایران و لبنان اور افغانستان و پاکستان، شہداء کشمیر اور شہداء تحریک پاکستان جنہوں نے اس وطن عزیز کے حصول کی خاطر خون کا نذرانہ پیش کیا ان تمام کے لئے سورہ فاتحہ پڑھ لیں۔

اے فرزندان قرآن! آپ کے اس عظیم اجتماع نے ثابت کر دیا ہے کہ آپ قرآن مجید جو مسلمانوں کے درمیان موجود ہے اور حضرت محمد ﷺ پر نازل ہوا ہے، پر یقین رکھتے ہیں اور اس میں کسی قسم کی تحریف کے قائل نہیں ہیں۔ لہٰذا قرآن کے متعلق آپ پر لگائے گئے بہتان جھوٹے اور غلط ہیں۔

اے فرزندان سنت! آج آپ نے یہ بھی ثابت کر دیا ہے کہ آپ سنت رسولؐ کے منکر نہیں ہیں بلکہ آپ کا یہ عظیم اجتماع اس بات کا گواہ ہے کہ آپ کو سنت نبیؐ سے عشق ہے اور آپ اسے ایمان اور اسلام کی نشانی سمجھتے ہیں۔ سنت رسولؐ کے ساتھ ساتھ آپ سنت آئمہ اطہارؑ کو بھی حجت سمجھتے ہیں۔

اے فرزندان قرآن و سنت! تاریخی شہر لاہور کے مینار پاکستان کے سائے تلے آپ کے اس اجتماع نے جمہوریت کے دعویدار حکمرانوں پر واضح کر دیا ہے کہ اگر وہ ملک میں جمہوریت کے خواہاں ہیں تو پھر آپ فرزندان قرآن و سنت کو اعتماد میں لئے بغیر وہ جمہوریت قائم نہیں کر سکتے۔ آپ کے قرآن و سنت کے اس عظیم اجتماع نے اسلامی نظام کے علمبردار حکمرانوں پر ثابت کر دیا ہے کہ اگر وہ پاکستان میں اسلامی نظام چاہتے ہیں تو پھر وہ آپ کو نظر انداز نہ کریں۔ قسم بخدا اگر انہوں نے تنگ نظری کا مظاہرہ کرتے ہوئے قرآن و سنت کے ان فرزندوں کو نظرانداز کیا تو وہ اپنی مہم میں کامیاب

نہیں ہوں گے۔

اے قرآن و سنت کے غیور فرزندو! آپ نے قرآن و سنت کے نام پر جمع ہو کر الزام تراش مخالفین پر ثابت کر دیا ہے کہ آپ قرآن و سنت کے ہرگز منکر نہیں بلکہ حقیقی عاشق ہیں۔ کیونکہ یہ آپ کا قرآن و سنت سے عشق ہے کہ دو یا تین دن کی مسافرت کرنے کے بعد بھی صبح سے لے کر اب (شام) تک اس بلا کی گرمی میں قرآن و سنت کا پیغام سننے کے لئے زحمت اٹھا رہے ہیں۔ آپ کا یہ عظیم اجتماع اقتدار کے نشے میں بدمست حکمرانوں کو مزید غداری اور وعدہ خلافی کی اجازت نہیں دے سکتا۔

اے قرآن و سنت کے فرزندو! تاریخ گواہی دیتی ہے کہ آپ نے سابقہ ہندوستان میں جس مقصد کے لئے بیش بہا قربانیاں دی تھیں وہ قیام پاکستان کا حصول اور پھر اس مملکت میں اسلام کے نفاذ کا مطالبہ تھا (آپ کا پہلا مقصد تو بانی پاکستان حضرت قائداعظمؒ کی قیادت میں پورا ہو گیا تھا جس کے نتیجے میں آپ کو خداداد مملکت پاکستان نصیب ہوئی تھی مگر دوسرا ہدف (اسلام کا نفاذ) ابھی تک تشنہ ہے۔ آج آپ نے اس عظیم اجتماع میں یہ عہد کرنا ہے کہ جس طرح ماضی میں حصول مملکت کے لئے آپ نے قربانیاں دی تھیں آج اسلام کے نفاذ کے سلسلے میں بھی اپنی وہی خون رنگ جدوجہد جاری رکھیں گے۔ ہم اسلام کے نفاذ کی جدوجہد کرنے والے حضرات کو بتا دینا چاہتے ہیں کہ اگر وہ اسلام کے نفاذ میں مخلص ہیں تو پھر کروڑوں شیعان حیدر کرار کو اعتماد میں لے لیں۔ بصورت دیگر وہ کامیاب نہیں ہو سکیں گے۔

اے برادران و بزرگان! مجھے گرمی کی شدت کا احساس ہے' میں نے یہاں بہت سے ضعیف چہرے دیکھے ہیں جن کے نحیف اجسام گرمی برداشت کرنے سے قاصر ہیں' مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ آپ حضرات نے دو تین دن کی مسافرت کی ہے اور اتنی ہی زحمت پھر اٹھانی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ ضعیف بزرگان کسی مجبوری کی بنا پر بھی اتنا طویل سفر نہ کرتے۔ گرمی کی شدت میں ان کی شرکت اس بات کی غماز ہے کہ انہیں قرآن و سنت سے حد درجہ عشق ہے اور وہ اس ملک میں قرآن و سنت کی حکومت کے خواہاں ہیں۔ خدا آپ حضرات کی توفیقات میں اضافہ فرمائے۔

اے برادران عزیز! ہماری موجودہ حکومت مارشل لاء کے ذریعے ہمارے سروں پر مسلط ہوئی ہے۔ انہیں معلوم تھا کہ پاکستان کے عوام حقیقی مسلمان اور اسلام سے محبت رکھنے والے ہیں تو انہوں نے اپنے مفادات کی خاطر ہمارے جذبات سے کھیلنے کی کوشش کی اور نظام اسلام کا نعرہ بلند کیا۔ ہم نے روز اول سے ہی واضح کر دیا تھا کہ مارشل لائی حکومت اسلام کے نفاذ میں قطعاً" مخلص نہیں ہے مگر ہمیں افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ ہمارے چند مسلمان ساتھیوں نے ان کے وعدوں پر اعتبار کر کے ان کا ساتھ دیا لیکن دس سال گزر جانے کے بعد آج وہ بھی حکومت کو غدار کہہ رہے ہیں۔ ہم ان احباب پر واضح کر دینا چاہتے ہیں کہ اگر آج وہ اور ان کی جماعتیں اسلامی نظام کے لئے مخلص ہیں تو تمام مسلمان بھائیوں کو اعتماد میں لیں جس کے نتیجے میں ہماری مشترکہ جدوجہد سے بہت جلد اسلامی انقلاب کا سورج طلوع ہو جائے گا۔

موجو حکومت نے آغاز میں فقہ حنفی کا نظام نافذ کرنے کا اعلان کیا تو اہل تشیع جو فقہ اہل بیت علیہم السلام کے ماننے والے ہیں' نے اپنے لئے فقہ جعفریہ کے نفاذ کا مطالبہ کیا جو کہ ردعمل کے طور پر تھا۔ حضرت علامہ مفتی جعفر حسین مرحوم نے ضعیف سالی میں اپنے فقہی حقوق کے تحفظ کے لئے جو جدوجہد کی ہم انہیں سلام پیش کرتے ہیں۔ یہ ان کی محنتوں کا نتیجہ تھا کہ حکومت کے ساتھ ۶ جولائی ۱۹۸۰ء کو معاہدہ اسلام آباد طے پایا مگر ہمیں افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ جہاں ہماری حکومت نے سیاسی میدان میں پاکستان کے باشندوں سے وعدہ خلافی کی وہاں شیعیان حیدر کرار کے ساتھ بھی ایسا ہی کیا۔

جب ہمارے ساتھ معاہدہ کے بعد وعدہ خلافی کی گئی تو ہم نے ۶ جولائی کو یوم فقہ جعفریہ قرار دیا اور ہر سال حکومت کو معاہدہ یاد دلوایا یہاں تک کہ ۱۹۸۵ء میں ہم نے یہ یوم کراچی کے سوا ملک کے تمام صوبائی دارالخلافہ میں منعقد کرنے کا اعلان کیا۔ مگر ہمیں افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ کوئٹہ میں انتظامیہ نے ہمارے کارکنان کو شہید کر دیا' علماء کو تشدد کا نشانہ بنایا اور دس ماہ تک انہیں قید و بند میں رکھا۔ یہ ایک ایسا سانحہ تھا جس نے مسلمانوں کے دلوں کو آزار پہنچائی۔ اس کے باوجود بھی ہم نے اپنے حقوق کی

جنگ جاری رکھی یہاں تک کہ حکومت نے اقرار کیا کہ وہ اسلام کے نفاذ میں ناکام ہو چکی ہے۔

حکومت کے اس اعلان کے بعد ہم کیا کرتے؟ کیا ہم یہ سوچ کر اپنے مطالبات سے دستبردار ہو سکتے تھے کہ جب حکومت نے اسلام کے نفاذ کا اعلان کیا تھا تو ہم نے فقہ جعفریہ کے حقوق کی آواز بلند کی تھی اب جبکہ حکومت اپنی ناکامی کا برملا اعلان کر چکی ہے تو ہم بھی اپنے مطالبات کی تکرار چھوڑ دیں۔ نہیں نہیں...... ہرگز نہیں...... یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ہمارے نوجوانوں نے اپنے حقوق کے حصول کے لئے علماء کی قیادت میں جو سفر شروع کیا تھا ہم اسے ترک کر دیتے۔ حکومت کے اس اعلان کے بعد ہماری ذمہ داریوں میں اضافہ ہو گیا جب حکومت اسلام کے نفاذ سے راہ فرار اختیار کر رہی ہے تو ہم ملک کے تمام مسلمانوں کے لئے اسلام کے نفاذ کا مطالبہ کرتے ہیں۔ ایک ایسا اسلامی نظام جس میں تمام مکاتب فکر کو آزادانہ زندگی بسر کرنے کا اختیار حاصل ہو اس سلسلے میں ہم نے قوم کے نوجوانوں اور علمائے اسلام کی خدمت میں عرض کی ہے کہ اب ان کی ذمہ داریوں میں اضافہ ہو گیا لہٰذا وہ اپنی تمام توانائیاں اسلامی نظام کے نفاذ کے لئے صرف کر دیں چنانچہ ہم نے اپنے پروگرام کو وسعت دی۔

ہم اتحاد بین المسلمین کا علم لے کر میدان میں نکلے اور ہم نے اسلامی نظام کے نفاذ کے مطالبے کے ساتھ ساتھ عالمی استعمار سے بھی اعلان جنگ کیا۔ پس ہم نے محسوس کیا کہ ایسے میں ہمارے سیاسی مسائل ہمارے مذہبی مسائل پر اثرانداز ہونے لگے۔ لہٰذا جب ہمارا عقیدہ ہے کہ دین سیاست سے جدا نہیں تو ہم نے اعلان کر دیا کہ اس ملک میں رہتے ہوئے ہم ملک کے سیاسی نظام سے لاتعلق نہیں رہ سکتے۔ آپ خود اندازہ فرمائیں کہ ایک ملک جس کے نظام کے تحت امیر امیر تر اور غریب غریب تر ہوتا رہے' عریانی فحاشی اور برائیوں میں اضافہ ہوتا رہے اور عالمی سامراج امریکہ اور روس ہمارے ملک کو اکھاڑہ سمجھ کر یہاں نعرہ بازی کرتے رہیں' ہم اسلام کے پیرو وہاں لب سی کر خاموش کیسے بیٹھ سکتے ہیں؟ جہاں اسلام ہمیں نماز روزہ کا حکم دیتا ہے وہاں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی تاکید بھی کرتا ہے۔ لہٰذا ان حالات میں جہاں سامراج

مسلمانوں کے ملک کو اپنی ریاست سمجھنے لگے اور ہمارے سروں پر ایسا نظام مسلط کرے جس میں مغربی تہذیب نمایاں ہو تو ہم اسے کیسے برداشت کرلیں؟

ہم نے اس سلسلہ میں غور کیا کہ ہم انفرادی سطح پر چاہے جتنی محنت کیوں نہ کر لیں مگر اس نظام کو بدلنے میں کامیاب نہیں ہو سکتے۔ پس یہ طے پایا کہ اب ہمیں اجتماعی جدوجہد کے سہارے فرسودہ نظام کو بدل کر محمدؐ عربی کا نظام لانا ہوگا۔ ہماری سپریم کونسل اور مرکزی کونسل نے فیصلہ کیا کہ ہم یہاں کے مسلمانوں کے لئے اسلامی نظام پیش کریں اور پھر تمام مسلمان اس نظام کی روشنی میں اپنی جدوجہد کو اجتماعی طور پر منزل تک پہنچائیں۔ ہم کب تک برداشت کرتے رہیں گے کہ ہماری قسمت کے فیصلے واشنگٹن یا ماسکو میں ہوتے رہیں ہماری خواہش ہے کہ ہمارے پیارے ملک کے فیصلے اسلام آباد میں ہوں۔

برادران اسلام! آج آپ دیکھ رہے ہیں کہ ہمارے ملک کے تمام تر شعبہ جات چاہے وہ تعلیمی میدان ہو یا سیاسی' فوجی مسئلہ ہو یا اقتصادی' تمام پر امریکہ کا قبضہ ہے۔ امریکی ہمارے ملک میں اس قدر آزادی سے کام کرتے ہیں جیسے پاکستان ان کی ریاست ہو بلکہ ہمارے ملک میں امریکی سفیر ایسے بیان دیتا ہے جن سے ہمارے اسلامی جذبات مجروح ہوتے ہیں۔

آج ہمیں افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ ہمارے ملک کی ایک اہم ذمہ دار شخصیت نے یہاں تک اجازت دی ہے کہ امریکہ پاکستان کا کوئی بھی ہوائی اڈہ استعمال کر سکتا ہے۔ لہٰذا آج ہم واضح کر دینا چاہتے ہیں کہ اگر پاکستان کے کسی اڈے کو استعمال کر کے امریکہ نے اسلامی جمہوریہ ایران کو نقصان پہنچانے کی کوشش کی تو پھر یہاں کے مسلمان امریکہ کو آرام کی نیند نہیں سونے دیں گے ہم اپنے حکمرانوں پر بھی واضح کر رہے ہیں کہ اگر انہوں نے کوئی ایسا قدم اٹھایا جس سے ہمارے برادر اسلامی ملک ایران کو نقصان پہنچنے کا خدشہ ہوا تو پھر وہ سن لیں کہ پاکستان کے غیور مسلمان ان سے اقتدار چھین کر انہیں ذلیل و خوار کر دیں گے۔

اے برادران اسلام! آپ خود فیصلہ کریں کہ ہم ان حالات میں ملک کے سیاسی

مسائل سے کسی طرح لاتعلق ہو جائیں۔ سامراج کی تو خواہش ہے کہ ہم ایسے حالات سے بے خبر اور آپس میں دست و گریباں ہوں۔ اس لئے وہ کہیں قومیت کا بت کھڑا کرتا ہے اور کہیں لسانیت کا طوفان...... آپ کو جان لینا چاہئے کہ جہاں فرقہ واریت کا مسئلہ ہو اس میں امریکہ اور جہاں لسانیت کا مسئلہ ہو اس میں روس کا ہاتھ ہوگا۔ ہم بلوچی' پنجابی' سرحدی اور سندھی نہیں بلکہ ہم مسلمان ہیں اور ہمیں مسلمان ہونے پر فخر ہے۔

اے فرزندان قرآن و سنت! قومیت کے بت توڑ دو اور فرقہ واریت کا خاتمہ کر دو۔ میں پورے وثوق سے کہتا ہوں کہ قومیت اور فرقہ واریت کو ہوا دینا روس اور امریکہ کی خدمت کرنے کے مترادف ہے۔ یاد رکھئے فرقہ واریت اور آپس کی تنگ نظری سے جو نقصان ہمارے پیارے ملک کو پہنچ سکتا ہے وہ بیرونی دشمن سے نہیں۔ یہ ہماری قوم کی بدقسمتی رہی ہے کہ یہاں کے چند تنگ نظر افراد نے قیام پاکستان سے لے کر آج تک اپنے پاکستانی مسلمان بھائیوں پر تکفیر کے فتوے لگائے ہیں اور اب حالت یہاں تک پہنچ گئی ہے کہ کوئی مسلمان بھی یہاں اپنے آپ کو کفر کے فتویٰ سے محفوظ نہیں سمجھتا۔

اے برادران اسلام! ذرا حوصلہ سے سوچ لیں' اپنے ملک کے استحکام کو مدنظر رکھ کر غور کریں کہ بیرونی قوتیں ہماری سرحدوں پر بم پھینک رہی ہیں اور ہم مسلمان داخلی طور پر کمزور ہوتے جا رہے ہیں۔ ایسے میں سرحدوں کی حفاظت اور ملکی استحکام کا تحفظ کون کرے گا؟ آج میں کلمہ توحید کے فرزندان چاہے وہ شیعہ ہوں یا سنی' دیوبندی ہوں یا بریلوی' اہلحدیث ہوں یا اہل کتاب تمام سے ایک سوال پوچھتا ہوں کہ اے کلمہ توحید کے پرستارو! آپ کے عقائد کی جنگ اور معمولی سے فقہی اختلافات کی محاذ آرائی سے کس کو فائدہ پہنچتا ہے۔ شیعہ کو یا سنی کو...... نہیں قسم بخدا ہمارے اختلافات سے کفر کو فائدہ پہنچتا ہے۔ لہٰذا ہمیں چاہئے کہ ہم کفر کی خدمت نہ کریں بلکہ اپنی توانائیاں باہم متحد رہ کر راہ اسلام میں صرف کریں۔

اگر آپ صحیح معنوں میں شیعہ اور سنی ہیں تو خدا را اسلام کی خدمت کریں ایک

دوسرے کے مقدسات کا احترام کریں۔ میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ دنیا بھر میں مسلمانوں کے فرقوں کے علاوہ اور فرقے اور گروہ نہیں ہیں؟...... یقیناً ہیں مگر آج تک سننے میں نہیں آیا کہ غیر مسلم گروہ آپس میں دست و گریباں ہوں' ایک دوسرے کے مقدسات کا احترام نہ کرتے ہوں ایک دوسرے کے احساس و جذبات مجروح کرتے ہوں۔ پس آپ خدا را ان غیر مسلمانوں سے سیکھیں آپ کا دین اسلام تو اخوت و برادری کا سبق دیتا ہے۔ چاہئے تو یہ تھا کہ غیر مسلمان آپ سے درس اخوت لیتے مگر افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ مسلمان غیروں کے اشاروں پر بھائیوں کے دشمن بن بیٹھے ہیں۔ قسم بخدا اگر آج مسلمان متحد ہوتے تو کشمیر و فلسطین آزاد ہو چکے ہوتے' افغانستان میں اسلامی حکومت قائم ہوتی' بھارت میں مسلمانوں کا بے دردی سے قتل عام نہ ہوتا' اسلامی ایران پر سامراج کے اشارے پر جنگ مسلط نہ ہوتی' ترک اور انڈونیشیا میں اسلامی تعلیمات پر پابندی نہ ہوتی' مصر' تیونس' اور دیگر اسلامی ملکوں میں مسلمانوں کو مصائب درپیش نہ ہوتے۔

ہم اسلام کرتے ہیں افغانستان کے غیور مسلمانوں کو جو سپر طاقت روس کے خلاف مورچہ زن ہیں' ہم سلام کرتے ہیں فلسطین و لبنان کے باہمت نوجوانوں کو جو اسرائیل کے خلاف سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن چکے ہیں' ہم سلام کرتے ہیں بھارت اور کشمیر کے مسلمانوں کو جو کفر کا مقابلہ کر رہے ہیں' ہم سلام کرتے ہیں مصر کے مسلمانوں کو جو اسلام کی حمایت کی بدولت جیلوں میں ہیں' ہم سلام کرتے ہیں عراق کے ان مظلوم و محروم مسلمانوں کو جو صدام سے آزادی کی خاطر مصیبتیں برداشت کر رہے ہیں' ہم سلام کرتے ہیں ایران کے ان غیرت مند مسلمانوں کو جو امام امت' امید مستضعفین جہاں" آیت اللہ العظمیٰ حضرت امام خمینی کی قیادت میں شیطان بزرگ امریکہ اور اس کے پٹھوؤں کے خلاف نبرد آزما ہیں۔

اے برادران اسلام! مجھے آپ کی تھکاوٹ کا احساس ہے مگر میرا دل چاہتا ہے۔ کہ آپ سے مزید کچھ باتیں کروں۔ آپ کے سامنے ہماری جماعت جو خالصتاً" دینی جماعت ہے نے اپنا سیاسی منشور پیش کیا ہے۔ ہم دین کو سیاست سے ہرگز جدا نہیں

سمجھتے بلکہ دین کل ہے اور سیاست اس کا ایک جزو..... البتہ ہماری سیاست دین کے تابع ہوگی۔ لوگوں کا دین ان کی سیاست کے گرد گھومتا ہے مگر ہماری سیاست کا محور ہمارا دین ہے۔ لہٰذا میں اس سلسلے میں قوم کے ذمہ دار افراد سے عرض کروں گا کہ وہ ہمارا بھرپور ساتھ دیں..... میری قوم کے ذمہ دار افراد میں سب سے پہلے اہل منبر حضرات آتے ہیں۔ میں ان سے اپیل کروں گا کہ اے مشن حسینیؑ کو آگے بڑھانے والو! امام حسین علیہ السلام نے اپنے نانا کی امت کی اصلاح کے لئے وطن چھوڑا تھا اور کربلا کے میدان میں آئے تھے۔ پس اگر تم صحیح معنوں میں حسینی ہو تو پھر اپنے منبر سے ایسی بات نہ کہو جو حسینؑ کے نانا کی امت کی اصلاح کے منافی ہو۔

۱۔ اے ذاکرین عظام

آپ کے قوم اور مذہب پر بڑے احسانات ہیں کہ آپ نے ملک کے چپے چپے میں حسینیت کا پرچار کیا ہے۔ آپ کی ان خدمات سے کوئی انکار نہیں کر سکتا لہٰذا آپ سے گزارش ہے کہ اے شہید انسانیت کے منبر پر بیٹھنے والو انسانوں کے خلاف دل آزار باتیں نہ کرو۔

۲۔ اے علماء کرام

آپ معاشرے کو راہ ہدایت دکھانے والے اور انبیاء کے وارث ہیں۔ آپ کے لئے نہج البلاغہ میں حضرت علی علیہ السلام کا فرمان ہے کہ "ہمارے علماء ظالم کے ظلم و جور اور مظلوم کی آہ و فغاں کو سن کر آرام سے نہیں بیٹھیں گے"۔ آج وقت آگیا ہے کہ آپ عالمی استعمار کے ظلم کے خلاف میدان عمل میں نکل آئیں اور نوجوانوں کی صحیح معنوں میں اسلامی تربیت کریں۔

۳۔ اے نوجوان

تو قوم کا سرمایہ ہے۔ قوم کے مستقبل کی امیدیں آپ سے وابستہ ہیں کل آپ نے ملک کی باگ ڈور کو سنبھالنا ہے لہٰذا آپ سے گزارش ہے کہ گرد و پیش کے حالات کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے خود کو حالات کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار کر لیں۔ آپ اپنی توانائیاں اسلام کی خدمت میں صرف کرنے کا عہد کر لیں۔

۴۔ اے میری بہنو!

تاریخ اسلام کا مطالعہ کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ خواتین نے پیغمبر اسلام کے زمانہ میں بیش بہا قربانیاں دی تھیں۔ لہٰذا اگر آپ حضرت خدیجہؓ حضرت زہراؑ اور حضرت زینب سلام اللہ علیہا کی سیرت پر عمل کر کے میدان عمل میں آئیں تو آپ اسلام کی گراں قدر خدمت کر سکتی ہیں۔ آپ کی سب سے بڑی ذمہ داری گود میں پلنے والے بچوں کی اسلامی تربیت کی ہے کیونکہ آپ کی گود ابتدائی درسگاہ ہے۔ پس آپ سے اپیل کرتا ہوں کہ اپنی گود میں پرورش پانے والے بچوں کی ایسی تربیت کریں کہ چند سالوں بعد معاشرے کا رنگ تبدیل ہو جائے اور اسلامی معاشرہ دیکھنے میں آئے۔

۵۔ اے صحافیان محترم

آپ ملک و قوم کا عظیم سرمایہ ہیں' آپ کا قلم اور فکر قوم کی راہیں متعین کرتا ہے۔ آپ قوم کو جو خط بھی دیں گے وہ اسی پر چل نکلے گی۔ آپ خود بھی مسلمان ہیں اور آپ کی قوم بھی مسلمان' پس آپ سے دلی گزارش ہے کہ آپ اپنی قوم کو قرآن و سنت کی تعلیمات کے مطابق خط دیں۔ خدارا ایسے خط یا راستہ دینے سے گریز کریں جس پر عمل کرنے سے نوجوان گمراہی کی طرف چل پڑیں۔ مجھے یقین ہے کہ آپ سے بڑھ کر قوم کی خدمت کوئی اور نہیں کر سکتا۔

۶۔ اے صاحب ثروت بھائیو!

آپ کو خدا نے مال و دولت سے نوازا ہے' آپ کو سکون بخشا ہے۔ آپ معاشرے کے خوش نصیب افراد میں سے ہیں۔ لہٰذا آپ سے میری ایک خواہش ہے یہ مال و دولت مقصد حیات نہیں بلکہ خدا نے آپ کو موقع بخشا ہے کہ آپ اس سے اسلام کی خدمت کریں' خدا کی راہ میں غربت اور نادار افراد کو مستفید کریں اور اپنے سرمایہ کو اسلام کی سربلندی اور اسلام دشمنوں کے خلاف استعمال کریں۔

۷۔ اے زمیندار بھائیو!

خداوند کریم نے آپ کو زمینیں دے کر اپنی نعمتوں سے نوازا ہے۔ آپ پر بھی چند ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں۔ ۶ جولائی ۱۹۸۰ء کے معاہدہ کے تحت حکومت آپ سے

زکوۃ وصول نہیں کرتی۔ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ آپ زکوۃ دینا ہی بند کر دیں۔ نہیں نہیں.... آپ جعفری ہیں.... فقہ جعفریہ میں زکوۃ کا منکر کافر ہوتا ہے۔ آپ پر زکوۃ فرض ہے مگر آپ اپنی زکوۃ سے فقراء' غرباء' یتا کی' بیوگان اور دینی مدارس کی خدمت کریں۔

میری ایک گزارش قوم کے دیگر تمام افراد کے حضور ہے کہ ہمارے امام اول حضرت علی علیہ السلام کا نہج البلاغہ میں ارشاد ہے کہ "اے خدا کے بندو تقویٰ اختیار کرو"۔ اسی طرح امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ "لوگوں کو ہمارے دین کی دعوت دو مگر کردار کے ساتھ"۔ لہذا آپ اپنے کردار سے دنیا پر ثابت کریں کہ آپ اپنے آئمہؑ کے حقیقی پیرو ہیں۔

اس کے ساتھ میں قوم کے تمام افراد کا شکریہ ادا کرتا ہوں بالخصوص علماء کرام اور ذاکرین عظام کا جن کی محنتوں سے قرآن و سنت کانفرنس کامیاب ہوئی ہے۔ میں ممنون ہوں مختلف شعبہ زندگی سے تعلق رکھنے والے ہر فرد اور ہر تنظیم کا جنہوں نے اس کانفرنس کی کامیابی کے لئے شب و روز محنت کی' سرمایہ خرچ کیا یا کسی سطح پر بھی کام کیا۔ خدا انہیں اجر عظیم عنایت فرمائے۔ ایک بار پھر آپ حاضرین کا تہہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں کہ آپ نے کانفرنس کو کامیاب کر کے ہم پر عظیم احسان کیا ہے۔ ہم آپ کے ممنون احسان رہیں گے۔

والسلام علیکم و رحمتہ و برکاتہ

قرآن و سنت کانفرنس ملتان میں آپ کے خطاب سے اقتباسات

آپ نے فرمایا کہ "ہم ملک میں وہ نظام چاہتے ہیں جو خدا اور اس کے رسولؐ کا عطا کردہ ہے لہٰذا ہم موجودہ حکمرانوں کا دیا ہوا نظام ہرگز تسلیم نہیں کرتے جس نے نہ صرف نوجوانوں کو گمراہ کیا ہے بلکہ اسلام کا تمسخر اڑایا ہے۔ ہم محمد عربیؐ کا نظام چاہتے ہیں کیونکہ اسلام ہی نے دنیا کو ظلم کے خلاف بیدار کیا اور دیگر ملحدانہ نظریات کے جھوٹے دعووں کی قلعی کھول کر رکھ دی۔ یہ اسلام کی طاقت تھی جس نے روسیوں کو افغانستان سے نکلنے پر مجبور کیا اور امریکہ کو خلیج فارس میں شکست دی اور آج اسلام کے نام پر فلسطینی و لبنانی عوام متحد ہیں۔

آج کا مسلمان بیدار ہو چکا ہے۔ مسلمانوں کو معلوم ہونا چاہئے کہ ہمارا مرکز اور ہماری بقاء صرف اور صرف اسلام سے ہے۔ ہمیں اتحاد بین المسلمین کے جھنڈے تلے جمع ہو کر روسی اور امریکی گماشتوں کی سازش کو ناکام بنانا ہے۔ ہمیں سازشی عناصر پر نہ صرف نظر رکھنی ہو گی بلکہ فسادات برپا کرنے والے عناصر کے ہاتھ کاٹنا ہوں گے۔ جب ہم سب کا مقصد قرآن و سنت کی بالادستی ہے تو پھر چھوٹی چھوٹی باتوں کو اختلاف کا باعث نہیں بنانا چاہئے لہٰذا آج کے دن ہم عہد کریں کہ ہم اپنا پیغام اخوت عام کریں گے۔

ملت جعفریہ کے خلاف امریکہ کی ایماء پر پروپیگنڈا کیا جا رہا ہے۔ امریکہ صرف اہل تشیع کا مخالف نہیں بلکہ پورے عالم اسلام کا بدترین مخالف ہے جس کا مقابلہ اتحاد بین المسلمین سے ہی ممکن ہے۔ یاد رکھئے اگر اسلام چند عبادات کا نام ہوتا تو آج اس میں اس قدر جاذبیت نہ ہوتی۔ مسلمان لادینی نظریات اور ان کے فریب کو جان چکے ہیں۔ اب وقت آگیا ہے کہ ہم اسلام کے دامن میں پناہ حاصل کریں کیونکہ اسلام انسانوں کے حقوق اور مراعات کا تحفظ کرتا ہے جبکہ اس کے مقابلے میں دیگر نظریات صرف زبانی جمع خرچ ہیں۔

جمہوریت کے جو خطوط حضرت علی علیہ السلام نے واضح کیے ہیں۔ وہ نظام اسلام

کی بنیادی اساس ہیں اگر ہم دیگر قوموں کے درمیان باوقار قوم بننا چاہتے ہیں تو پھر ہمیں اسلام کو مکمل طور پر اپنانا ہو گا۔ آپ دیکھ رہے ہیں کہ ہمارے حکمران اسلام کے مقدس نام کو اپنے اقتدار کے تحفظ کے لئے استعمال کر رہے ہیں اور ان کے اس عمل سے قوم کے حقوق کا استحصال ہو رہا ہے۔ جسے پاکستان کے عوام زیادہ دیر تک برداشت نہیں کر سکتے۔

جو لوگ سمجھتے ہیں کہ اسلامی نظام میں ان کے مسائل کا حل موجود نہیں ہے تو وہ اسلام کی حقیقی روح سے نابلد ہیں۔ اسلام تو ایک مکمل ضابطہ حیات ہے۔ سیاست اور دوسرے شعبہ ہائے زندگی اس کی جزو ہیں۔ اسلام اخوت کا درس دیتا ہے' نفرتوں کا نہیں۔ ہم کسی مخصوص طبقہ کی خوشنودی کے لئے اپنے مطالبات سے دستبردار نہیں ہو سکتے اور نہ ہی یہ چاہتے ہیں کہ کوئی مکتب فکر ہماری خواہش پر اپنی عبادات ترک کر دے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ مسلمانوں کا اتحاد اور قرآن و سنت سے حقیقی وابستگی ان کے حقوق کی بقاء کی ضامن ہے"۔

قرآن و سنت کانفرنس فیصل آباد کے خطاب سے اقتباسات

آپ نے فرمایا۔

"پاکستان کا قیام نظام اسلام کے نفاذ کے لئے عمل میں آیا تھا مگر پاکستان کے قیام کے بعد قائم ہونے والی حکومتوں نے امریکہ روس اور دیگر لادینی قوتوں سے خوشگوار تعلقات استوار کرنے کے لئے بنیادی مقاصد سے انحراف کیا جس کے نتیجے میں چالیس برس کے دوران پاکستان کے مسلمان نہ صرف اپنے بنیادی حقوق اور نظام اسلام کی بدولت ملنے والی آزادی سے محروم ہیں بلکہ ایک سازش کے ساتھ ان کے جذبہ جہاد کو ختم کرنے کی بھرپور کوشش کی جا رہی ہے۔ مگر آج کا مسلمان بیدار ہو چکا ہے اور وہ سپر طاقتوں کی خوشنودی اور حکمرانوں کی کاسہ لیسی کا شکار ہونے کو تیار نہیں ہے۔

جنیوا مذاکرات پر منعقد ہونے والی گول میز کانفرنس میں تحریک نفاذ فقہ جعفریہ پاکستان نے اپنے موقف سے حکومت کو آگاہ کر دیا ہے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ افغان مسئلہ کے حقیقی فریق سوویت یونین اور مجاہدین ہیں پاکستان کی حیثیت ایک فریق کی ہے جبکہ حکومت امریکی خوشنودی کے حصول کے لئے جنیوا مذاکرات میں شرکت کر کے غلطی کر رہی ہے۔ لہٰذا حکومت کو اس معاہدہ پر دستخط نہیں کرنے چاہئیں بلکہ حکومت کا فرض ہے کہ وہ عوام کو مسئلہ افغانستان کی حقیقت سے آگاہ کرے اور انہیں اعتماد میں لے۔

افغان عوام نے سوویت یونین کے خلاف اپنی جدوجہد میں جس استقامت کا مظاہرہ کیا ہے اس کی دنیا میں نظیر نہیں ملتی۔ انہوں نے روس کو نہ صرف گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کیا ہے بلکہ آج روس اپنی جارحیت کو غلط تسلیم کرنے کے بعد افغانستان کی زمین سے رخصت ہو رہا ہے۔ اس شکست سے نہ صرف روس کو شرمندگی کا سامنا کرنا پڑا ہے بلکہ پوری دنیا پر مسلمانوں کا جذبہ جہاد واضح ہو گیا ہے۔

بھارت، کشمیر کے مظلوم مسلمانوں پر ظلم کے پہاڑ توڑ رہا ہے، دن بدن اس کے مظالم میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے جبکہ کشمیر کے مسلمان پاکستان کی جانب دیکھ رہے ہیں۔ لہٰذا پاکستان کے مسلمانوں اور بالخصوص حکمرانوں پر فرض ہے کہ وہ آگے بڑھیں اور

اپنے مظلوم بہن بھائیوں کو ظلم سے نجات دلائیں۔ ہندوؤں کی یہ پالیسی کہ مسلمانوں کی مساجد کو مندروں میں تبدیل کیا جائے' ہمارے لئے ناقابل برداشت ہے۔ لہٰذا حکمرانوں کو چاہئے کہ وہ اقوام متحدہ کی قراردادوں سے آگے بڑھیں اور مسلم امہ میں اپنا کردار واضح کریں۔

اسی طرح فلسطین و لبنان کا مسئلہ بھی رسمی بیانات اور قراردادوں سے حل نہیں ہو سکتا بلکہ اسرائیل کے خلاف مسلح جہاد کی ضرورت ہے لہٰذا اس سلسلہ میں فلسطینی عوام کی عملی امداد ہمارا فریضہ ہے۔ ایران عراق جنگ میں عرب قومیت کا نعرہ لگا کر بعثی درندوں کی مدد کرنے والے عرب حکمران اب فلسطینی مسلمانوں پر ڈھائے جانے والے مظالم پر خاموش کیوں ہیں کیا فلسطینی عرب مسلمان نہیں؟

ہمیں معلوم ہے کہ مسئلہ عرب قومیت کا نہیں بلکہ امریکی غلامی کا ہے' امریکی' نجدی' سعودی و یہودی اندر سے ایک ہیں۔ لہٰذا عالم اسلام کو چاہئے کہ وہ ان کے خلاف اپنا لائحہ عمل اور مشترکہ موقف اختیار کریں۔

ہم ملک کی داخلی صورتحال پر قطعاً" خاموش نہیں رہ سکتے۔ یہاں امریکی تسلط ہمارے لئے ناقابل قبول ہے اور اس کے دیئے گئے نظام ہمارے لئے بہتر نہیں ہیں۔ ملت جعفریہ نے قیام پاکستان سے استحکام پاکستان تک بیش بہا قربانیاں دیں لہٰذا حکمرانوں کا ملت جعفریہ کو نظرانداز کرنا' ریڈیو' ٹیلی ویژن پر ماہ صیام کے دینی پروگرامات میں شامل نہ کرنا صریحاً" زیادتی ہے۔ ہم ٹی وی پر فقط سحری اور افطاری کا وقت بتانے پر اکتفا نہیں کر سکتے ہیں۔ جب ہم اس ملک میں ٹیکس ادا کرتے ہیں۔ ہمارے نوجوان ملک کی سرحدوں کی حفاظت کرتے ہیں تو ہمیں ہمارے حقوق دینا اور ان کا تحفظ کرنا حکومت کی ذمہ داری ہے۔

حکومت کا ۶ جولائی ۱۹۸۰ء کے معاہدہ کی خلاف ورزی کرنا ہمارے لئے ناقابل برداشت ہے۔ اگر حکومت نے ہمارے ساتھ زیادتی کا سلسلہ جاری رکھا تو پھر سنگین نتائج کی ذمہ داری بھی حکومت پر ہو گی۔ ہم واضح کر دینا چاہتے ہیں کہ ہم ملک میں فرقہ واریت کو برداشت نہیں کر سکتے۔ ہم پاکستان کی سیاست کو حقیقی دین کے تابع

کرنے کے خواہشمند ہیں اور اس ملک میں قرآن و سنت کے نظام کے داعی ہیں جس میں بلاتفریق ہر مسلمان کے مسئلہ کا حل موجود ہے۔

عزاداری سید الشہداء ہماری شہ رگ حیات ہے اس میں رکاوٹیں اور اس کے عوض ہمارے نوجوانوں پر حکومتی مظالم ناقابل برداشت ہیں۔ یہ ظلم' یہ جبر ہماری جدوجہد کا راستہ نہیں روک سکتے۔ہم اتحاد بین المسلمین کا علم لے کر اٹھے ہیں اور اپنا پیغام اخوت پہنچا کے رہیں گے۔ ہمارے خلاف پروپیگنڈا سامراجی قوتوں کے ایجنٹوں کی طرف سے ہے جو مسلمانوں کے اتحاد سے خائف ہیں۔ ہم فرقہ واریت' فتویٰ بازی اور مسلمانوں کے انتشار پر ہرگز یقین نہیں رکھتے۔ ہم مکتب اہلبیتؑ کے پیرو ہیں ہمارا دین ہمیں اخوت اور اخلاق کا درس دیتا ہے جبکہ بدگوئی اسلام کے دشمنوں اور شکست خوردہ عناصر کا وطیرہ ہے۔

آج مسئلہ شیعہ سنی کا نہیں بلکہ مسئلہ کفر اور اسلام کا ہے۔ جب سنی اور شیعہ مسئلہ افغانستان پر ایک موقف اختیار کر سکتے ہیں تو پھر اپنے ملکی معاملات میں متفقہ موقف اختیار کیوں نہیں کر لیتے؟ مسلمانوں کو جان لینا چاہئے کہ ان کے اختلافات سے غیر مسلم طاقتوں کو فائدہ پہنچے گا۔ لہٰذا تمام مسلمانوں سے اپیل کرتا ہوں کہ وہ قرآن و سنت کا پیغام لے کر اٹھیں اور اپنی جدوجہد کو جاری رکھیں تاوقتیکہ سامراج اور عالمی استکبار کا خاتمہ ہو جائے"۔

قرآن و سنت کانفرنس ڈیرہ اسماعیل خان کے خطاب سے اقتباسات

آپ نے فرمایا۔

"حکومت کی جانب سے شریعت آرڈیننس دین کے نام پر شخصی اقتدار کو مستحکم بنانے اور ۱۱ کروڑ عوام کو بنیادی حقوق سے محروم کرنے کی سازش ہے۔ ہم بحیثیت مسلمان نفاذ شریعت سے انکار نہیں کرتے لیکن کسی ایسے شخص کو جس کی آئینی اور اخلاقی حیثیت کچھ نہ ہو کسی قسم کے قانون کے نفاذ کی اجازت نہیں دے سکتے۔ جنرل محمد ضیاء الحق عوام کے نمائندے نہیں بلکہ طاقت کے بل بوتے پر خود کو گیارہ برس سے ملک و قوم پر مسلط کئے ہوئے ہیں۔ ان کے دور اقتدار میں اسلامی قدروں کو جس طرح سے پامال کیا گیا ہے اس کی مثال ملکی تاریخ میں کہیں نہیں ملتی۔

بیرونی طائفوں کے رقص دیکھنے اور ان کے بے ہودہ پروگرامات میں شرکت اور اظہار مسرت کرنے والوں کو شریعت نافذ کرنے کا حق نہیں پہنچتا۔ مسلمان ایک قسم کے ہیں مگر دنیا میں اسلام دو اقسام کے.... ایک اسلام حضرت محمد ﷺ کا ہے اور دوسرا امریکہ اور روس کے مفادات کا تحفظ کرنے والا۔ شریعت آرڈیننس کے علمبردار حضرات نے اسلام اور قرآن کی بالادستی کی بجائے امریکی نظریات سے قریب خود ساختہ اسلام کو مسلمانوں پر مسلط کرنے کی سازش کی ہے۔ کیونکہ امریکہ کو وہ اسلام قطعاً" قابل قبول نہیں جس میں اس کے مفادات کا تحفظ نہ ہو۔

ہمارے لئے اسلامی اصول و قانون مقدم ہیں۔ ہم ایک ملک میں نفاذ اسلام کے لئے جدوجہد کر رہے ہیں لیکن ہماری جدوجہد کسی فرد واحد یا کسی حکومت کی خوشنودی کے لئے نہیں بلکہ قرآن و سنت کی بالادستی کے لئے ہے۔ پاکستان برصغیر کے مسلمانوں کی طویل جدوجہد کے نتیجہ میں معرض وجود میں آیا تھا لیکن گذشتہ ادوار میں اسلام اور جمہوریت کے نام پر قائم ہونے والی آمرانہ حکومتوں نے ملک و قوم کو فرقہ واریت اور لسانی و علاقائی تعصب کے ساتھ بدحالی کے سوا کچھ بھی نہیں دیا جس سے پاکستان کے حقیقی مقاصد کی تکمیل نہ ہو سکی۔ موجودہ صدر نے

جمہوریت کی شمع کو گل کر دیا ہے ہم نے پہلے کہہ دیا تھا کہ جنرل ضیاء الحق کی دوہری حیثیت ملک و قوم اور جمہوریت کے لئے ہرگز بہتر نہیں ہے انہوں نے جونیجو حکومت کی چھٹی کرا کے ہمارے موقف کو سچ ثابت کر دیا ہے۔

گذشتہ گیارہ سالوں میں فرقہ واریت' لسانی تعصبات' اقربا پروری' رشوت اور لوٹ گھسوٹ کی بدترین مثالیں سامنے آئی ہیں ان حالات میں جونیجو حکومت کو بدعنوانیوں کا مرتکب قرار دے کر خود کو بری الذمہ سمجھنا عوام کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کے مترادف ہے۔

گلگت میں مسلح افراد کا سینکڑوں کلومیٹر کا فاصلہ طے کر کے نہتے مسلمانوں پر حملہ آور ہونا اور ان کا قتل عام کرنا یہ سب کچھ حکمرانوں کے اشارے پر ہو رہا ہے جس کے ثبوت موجود ہیں۔ ہم تمام مکتب فکر کے افراد کا احترام کرتے ہیں اور ان سے اپیل کرتے ہیں کہ مسلمان قانون خداوندی کی حاکمیت اور قرآن و سنت کی بالادستی کے لئے متحد ہو جائیں۔

عزاداری سید الشہداء ہماری شہ رگ حیات ہے۔ ہم اسے عبادت سمجھ کر ادا کرتے ہیں لہٰذا ہم اپنی عبادت میں کسی قسم کی مداخلت اور رکاوٹ قبول نہیں کرتے۔ ہم دوسروں کے عقائد میں مداخلت نہیں کرتے اور ہم دوسروں کو اپنے عقائد میں مداخلت کرنے کی اجازت بھی نہیں دیتے۔ ہم تمام مسلمان بھائیوں کے احساس و جذبات اور مقدسات کا احترام کرتے ہیں اور ان سے ایسا کرنے کی توقع رکھتے ہیں۔

ہمارے درمیان سطحی اور معمولی اختلافات کی اہمیت نہیں ہے ہم مسلمانوں کے اصل مسائل تو کشمیر و فلسطین ہیں۔ ہمیں متحد ہو کر عالمی سامراج سے برسرپیکار ہونا چاہئے جو تمام مسلمانوں کا مشترکہ دشمن ہے"۔

حضرت امام خمینیؒ سے عشق

یہ حسن اتفاق ہی ہے کہ نجف اشرف میں زمانہ طالبعلمی کے دوران علامہ سید عارف حسین الحسینی کو حضرت امام خمینیؒ سے جو عقیدت ہوئی وہ روحانی باپ بیٹے کی صورت اختیار کر گئی۔ اس وقت کسے خبر تھی کہ اس وقت کا جلاوطن عالم دین آیت اللہ روح اللہ خمینیؒ انقلاب اسلامی برپا کر کے پورے عالم کفر پر لرزہ طاری کر دے گا اور اس وقت کا ایک طالب علم سید عارف حسین الحسینی پاکستانی مسلمانوں کی قیادت سنبھال کر نمائندہ امام خمینیؒ کی حیثیت سے اپنے ملک میں دین شناسی کا احساس اجاگر کرے گا۔

گزشتہ صفحات کے دامن میں علامہ سید عارف حسین الحسینی کی زمانہ طالب علمی اور نجف اشرف میں قیام کے دوران حضرت امام خمینیؒ سے عقیدت کا تذکرہ موجود ہے۔ اسلام سے بے پناہ محبت اور باہمی اخلاص کی بناء پر جب عارف حسین الحسینی نے پاکستان میں قیادت کی عظیم ذمہ داری قبول کی تو حضرت امام خمینیؒ نے ان کو پاکستان میں نمائندہ ولی فقیہ کی سند عطا فرمائی۔

حضرت امام خمینیؒ نے ایران میں اسلامی حکومت کے قیام کے بعد عالم اسلام کے تمام ممالک میں اسلامی حکومت کے قیام اور استعمار کے خاتمے کے لئے اپنے نمائندگان مقرر فرمائے جنہیں ولی فقیہ کی حمایت اور اعتماد حاصل تھا۔ عوام ان نمائندگان کو نمائندگان ولی فقیہ کے نام سے پکارتے مگر امام خمینیؒ ان نمائندگان کو فرزندگان تصور فرماتے تھے۔ جیسا کہ علامہ سید عارف حسین الحسینی کی شہادت پر امام خمینیؒ نے فرمایا تھا "میں اپنے عزیز بیٹے سے محروم ہو گیا"۔

علامہ سید عارف حسین الحسینی زمانہ طالبعلمی سے ہی حضرت امام خمینیؒ کے مقلد تھے جس کے ناطے آپ حضرت امام خمینیؒ کے ہر حکم کی تائید واجب سمجھتے تھے۔ جب عراق کی حکومت امام خمینیؒ کو کیمونسٹ اور ایک جنگجو مولوی سے تشبیہہ دیتی تھی۔ اس وقت عراق میں علامہ سید عارف حسین الحسینی ایک غیر ملکی

طالبعلم ہونے کے باوجود حضرت امام خمینیؒ کی ذات میں جذب ہو گئے تھے۔ آپ نے حضرت امام خمینیؒ کے ہر حکم کی بجاآوری اور اطاعت کے لئے جو شب و روز جدوجہد کی اسے تاریخ صدیوں تک اپنے دامن میں محفوظ رکھے گی۔

امام خمینیؒ کے افکار اور نظریات سے آپ کی محبت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ آپ نے حضرت امام خمینیؒ کی ہر کتاب کو کئی بار پڑھا اور یہاں تک کہ آپ کو امام خمینی کی تصانیف اور ان کے افکار پر مکمل عبور حاصل ہو گیا۔ آپ نے ہمیشہ اپنے احباب کو تاکید فرمائی کہ وہ حضرت امام خمینیؒ کی تصانیف کا مطالعہ کریں۔ آپ نے ملک کے ممتاز مترجمین اور مصنفین کو حضرت امام خمینیؒ کی تصانیف کے تراجم اور ان کی ذات پر کتب تحریر کرنے کی فرمائش کی۔

قیادت سنبھالنے کے بعد جب آپ نے ملک گیر دورہ جات کئے تو آپ نے نوجوانوں اور عوام کو وسیع پیمانے پر حضرت امام خمینیؒ کے افکار عالیہ سے آشنا کیا اور اس فکر کی ترویج کے لئے پاکستانی معاشرہ میں ایک قومی لائحہ عمل اختیار فرمایا۔ آپ اپنے خطبات میں اکثر فرمایا کرتے تھے کہ "آج عالم اسلام کے مسائل کے لئے واحد حل حضرت امام خمینیؒ کی راہ پر گامزن ہونا ہے"۔

آپ نوجوانوں کی محافل اور عوام کے بڑے بڑے اجتماعات میں یہاں تک فرماتے کہ حضرت امام خمینیؒ کی اطاعت ہم سب پر واجب ہے۔ پاراچنار کے ایک اجتماع میں آپ نے مکمل دلائل کے ساتھ فرمایا کہ "آج ہم سب پر حضرت امام خمینیؒ کی اطاعت واجب ہو چکی ہے کیونکہ حضرت امام خمینیؒ امام آخر الزمان حضرت مہدی علیہ السلام کے نائب اور ولی فقیہ ہیں لہٰذا جس نے امام خمینیؒ کی اطاعت نہ کی گویا اس نے امام زمانہؑ کی اطاعت سے انکار کیا"۔

پشاور میں اپنے احباب کے جھرمٹ میں بیٹھے ہوئے فرمانے لگے "عزیز دوستو! حضرت امام خمینیؒ اس وقت معیار حق ہیں لہٰذا ان کے خط پر چلنا اور اسی پر قائم رہنا ہی درحقیقت حق کا ساتھ دینا ہے"۔

ایک مرتبہ گلگت بلتستان کے عوام نے امام خمینیؒ کو خط تحریر کیا کہ پاکستان

میں اسلامی حکومت نہیں ہے جبکہ شمالی علاقہ جات میں اہل تشیع اور آپ کے مقلدین کی کثیر تعداد آباد ہے۔ آپ اپنی طرف سے شرعی حاکم کا تعین فرمائیں جن سے ہم احکامات شرعیہ میں رجوع کر سکیں۔ حضرت امام خمینیؒ کے دفتر نے اس خط میں فرمایا کہ آپ سید عارف حسین الحسینی سے رجوع فرمائیں اور ساتھ ہی علامہ سید عارف حسین الحسینی کو بھی مراسلہ تحریر فرمایا کہ آپ شمالی علاقہ جات میں جس شخصیت کو بہتر سمجھیں امور شرعیہ کے لئے شرعی حاکم مقرر فرمائیں۔ آپ نے حضرت امام خمینیؒ کے فرمان کی بجاآوری کرتے ہوے ۱۹، ۲۰ جون کو شمالی علاقہ جات کا دورہ کیا اور وہاں کے عوام کے لئے حجتہ الاسلام مولانا شیخ غلام محمد کو شرعی حاکم مقرر فرمایا۔

آپ نے ہر مشکل سے مشکل وقت میں بھی امام خمینیؒ کے افکار کی ترویج اور حکم کی تعمیل میں کوئی کمی نہ چھوڑی۔ پاکستان میں یوم القدس کے سالانہ جلوس، یوم خواتین کے پروگرام، ہفتہ وحدت اور حج بیت اللہ کے سیمینار، اتحاد بین المسلمین کے جلوسوں میں امریکہ کے خلاف اعلان جہاد کیا اور امام خمینیؒ کے احکامات کی تکمیل کی۔

آپ شہید باقر الصدرؒ کے اس فرمان کی عملی تفسیر تھے کہ امام خمینیؒ کی ذات میں اس قدر ضم ہو جائیں جیسے وہ اسلام میں ضم ہو چکے ہیں۔ آپ نے ملتان شیعہ میانی میں آئمہ مساجد کی ایک اہم کانفرنس میں فرمایا کہ "ہم سب پر فرض ہے کہ امام خمینیؒ کی اطاعت کریں اور ان کے افکار کی ترویج میں اپنی توانائیاں صرف کر دیں۔ علماء سیاست میں امام خمینیؒ کی پیروی کریں، آئمہ مساجد اور خطباء کو چاہئے کہ وہ اپنے محسن رہنما کے افکار کو عوام تک پہنچائیں کیونکہ امام خمینیؒ نے اسلام کے دشمنوں سے ٹکر لے کر ثابت کر دیا ہے کہ نام نہاد سپرطاقتوں کا وجود بے بنیاد ہے اور اصل حاکمیت خالق حقیقی کی ہے"۔

آپ نے انقلاب کے بعد امام خمینیؒ سے کئی ملاقاتیں کیں عالم اسلام اور اس کے مسائل کے بارے میں امام خمینیؒ سے ہدایات حاصل کیں۔ البتہ آپ امام خمینیؒ

سے اپنی ملاقاتوں کا عموماً ذکر نہیں کیا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ علامہ شیخ علی مدد صاحب خطیب پاراچنار کو شہید حسینی نے بتایا کہ ایک مرتبہ وہ امام خمینیؒ سے شرف ملاقات کے لئے گئے تو امام خمینی اپنے گھر کے صحن میں ٹہل رہے تھے۔ آپ کو دیکھتے ہی آگے بڑھے آپ کا ہاتھ پکڑا اور علیحدہ کمرے میں لے گئے۔ آپ اس ملاقات پر بے حد خوش تھے۔

جنرل ریٹائرڈ سید تصور حسین نے بیان فرمایا ۱۹۸۷ء میں ایک بین الاقوامی کانفرنس میں وہ علامہ سید عارف حسین الحسینی کے ساتھ ایران گئے تو وہاں اہم شخصیات کی جماران میں امام خمینیؒ سے ملاقات ہوئی۔ اس ملاقات میں امام خمینیؒ اپنی جگہ مثل مہتاب اور ان کے گرد ان کے نمائندگان اور اعلیٰ روحانی شخصیات اپنے اپنے انداز میں تشریف فرما تھیں۔ جبکہ علامہ سید عارف حسین الحسینی سر جھکائے اور اپنے چہرے پر اشکوں کی لڑیاں سجائے امام خمینی کی زیارت میں مصروف تھے۔ ان کی ایک نظر امام خمینی کے چہرے پر اٹھتی اور پھر سر جھکا کر اشکبار ہو جاتے۔ یہاں تک کہ امام خمینی کا خطاب اختتام کو پہنچا مگر آپ کے اشک نہ تھم سکے۔ جب آپ سے آپ کی اس حالت کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمانے لگے جب فرزند امام زمانہؑ اس قدر جمال و جلال رکھتے ہیں تو خدا معلوم امام زمانہؑ کا جمال و جلال کیسا ہو گا؟ پھر دعائیہ جملہ فرمایا "خدا امام زمانہؑ کے ظہور تک امام خمینی کو عمر دراز عطا فرمائے اور ہمیں امام خمینی کے ساتھ امام زمانہؑ کے لشکر کا سپاہی بنائے"۔

حضرت امام خمینیؒ کے ساتھ بین الاقوامی نمائندگان کی ملاقات کے بعد ایک نہایت متقی عالم دین نے دعا دی کہ خدا امام کے ان نمائندگان کو سلامت رکھے اور یہ دشمن کی نظر بد سے محفوظ رہیں۔ مگر افسوس کہ امام خمینیؒ کی زندگی ہی میں امریکہ کی خفیہ ایجنسیوں نے ان اعلیٰ روحانی شخصیات کی قدر و قیمت کو جانچ لیا اور ان کے وجود کو مستقبل میں مغربی مفادات کے لئے خطرہ قرار دیا اور یکے بعد دیگرے مختلف ممالک میں اجرتی قاتلوں کے ذریعے ان میں سے اکثر کو شہید کروا دیا۔

آپ نماز شب میں اپنی شہادت اور امام خمینیؒ کی درازی عمر کی دعا مانگا کرتے

تھے۔ ایک مرتبہ آپ امام خمینیؒ سے ملاقات کر کے واپس پشاور تشریف لائے تو احباب نے امام خمینیؒ کی صحت کے بارے دریافت کیا تو کہنے لگے کہ دعا کریں اس مرتبہ امام خمینیؒ کافی نحیف لگ رہے تھے۔ مگر اس بات کا تذکرہ کسی سے نہ کریں بلکہ خصوصی دعائیں فرمائیں کہ خدا ہمارے سروں پر نائب امام کا سایہ قائم و دائم رکھے۔

آپ کا دل امام خمینیؒ کے دل کے ساتھ ہی دھڑکتا تھا اور آپ کی نبضیں امام خمینیؒ کی نبضوں کی رفتار پر قائم تھیں۔ آپ پوری زندگی میں ظاہراً اس روز پریشان دکھائی دیے جب امام خمینیؒ نے عراق سے جنگ بندی کا اعلان کرنے کے بعد فرمایا تھا کہ انہوں نے زہر کا پیالہ پی لیا ہے"۔ آپ امام خمینیؒ کا یہ فرمان سن کر کافی دیر تک اشکبار رہے اور اپنے احباب سے گلوگیر لہجے میں استفسار کرتے رہے کہ آخر میرے امام کو کیا مجبوری پیش آئی ہے کہ انہوں نے جنگ بندی کے اعلان کو زہر کا پیالہ پینے سے تشبیہہ دی ہے۔

آپ اہم معاملات میں امام خمینیؒ سے رجوع فرماتے تھے ایک مرتبہ رات کو کسی اہم مسئلہ پر آپ کا امام خمینیؒ سے ٹیلی فون پر رابطہ ہوا۔ امام کے سلام کا جواب دینے کے بعد آپ کے چہرے کے تاثرات میں تبدیلی آگئی۔ آپ انتہائی مودب ہو کر زانو کے بل سمٹ کر بیٹھ گئے اور پھر ایک مودب و تھرتھراتے لہجے میں بات کرتے رہے۔ آپ باہر نکلے اور گاڑی میں بیٹھے ہی تھے کہ وہاں پر موجود مظفر علی اخوندزادہ نے تجسس بھرے انداز میں پوچھا آقا صاحب آپ کس شخصیت سے محو گفتگو تھے۔ آپ تھوڑی دیر خاموش رہے پھر فرمایا "الحمدللہ حضرت امام خمینی سے گفتگو کا شرف حاصل ہوا ہے مگر یہ کسی پر واضح نہیں کرنا"۔

آپ کا معمول تھا کہ عالم اسلام کو پیش آنے والی ہر مصیبت اور حضرت امام خمینیؒ کو استعمار کی جانب سے دی گئی ہر تکلیف کے موقع پر آپ حضرت امام خمینیؒ سے اپنے غم کا اظہار فرماتے۔ عراق میں آقای محسن الحکیمؒ کے خاندان کا قتل، ایرانی پارلیمنٹ کے ارکان کی دردناک شہادت، خود آقای مهدی الحکیمؒ کا وحشیانہ قتل اور اس قسم کے دوسرے واقعات میں آپ امام خمینیؒ کی تعزیت پیش کرتے اور گھر میں بھی

فرصت ملتی تو امام خمینیؒ کے خطبات کی ویڈیو فلم دیکھتے۔ جونہی امام خمینیؒ کی تصویر سامنے آتی آپ کی آنکھوں میں چمک آ جاتی۔

ایک مرتبہ آپ پشاور میں تشریف فرما تھے کہ وہاں بیٹھے ہوئے چند افراد نے امام خمینیؒ کی صحت اور اخباروں میں شائع ہونے والی خبروں پر تبصرہ کرنا شروع کیا تو آپ نے فرمایا اخبار کی خبروں میں امام خمینیؒ کی صحت کے بارے میں کوئی صداقت نہیں ہے۔ استعمار اور اس کے ایجنٹوں کے پروپیگنڈے ہیں۔ البتہ امام خمینیؒ ضعیف العمر ضرور ہیں مگر ہم قیاس آرائیوں پر یقین نہیں رکھتے۔ اسی دوران کسی نے کہہ دیا کہ آقا صاحب امام خمینیؒ کی وفات سے عالم اسلام کو بہت بڑا دھچکا پہنچے گا۔ امام خمینیؒ کی موت کا جملہ سنتے ہی آپ کا چہرہ زرد ہو گیا اور فرمایا خدا مجھے وہ دن نہ دکھائے کہ جب مجھے ایسی خبر سننے کا اتفاق ہو"۔ آخر ایسا ہی ہوا کہ آپ خود امام خمینیؒ کی زندگی میں ہی اس دار فانی کو الوداع کہہ کر اپنا وعدہ وفا کر گئے۔

آپ کو جس قدر امام خمینیؒ کی ذات گرامی سے والہانہ عقیدت تھی اسی طرح امام خمینیؒ کے نمائندگان سے بھی آپ گہری عقیدت رکھتے تھے۔ حضرت آیت اللہ سید علی خامنہ ای دامت برکاتہ سابق صدر اسلامی جمہوریہ ایران کا دورہ پاکستان اگرچہ سفارتی سطح پر تھا مگر علامہ سید عارف حسین الحسینی اور ملت جعفریہ پاکستان نے ان کا استقبال امام خمینیؒ کے نمائندے کی حیثیت سے کیا تھا۔ حضرت آیت اللہ آقائے سید علی خامنہ ای کا تاریخ ساز استقبال علامہ سید عارف حسین الحسینی کی محنتوں اور عقیدت کا نتیجہ تھا۔

۱۳ جنوری ۱۹۸۶ء میں جب حضرت آیت اللہ آقائے سید علی خامنہ ای پاکستان تشریف لائے تو علامہ سید عارف حسین الحسینی نے ہزاروں پرستاروں کے ساتھ اسلام آباد ایئرپورٹ کے باہر ان کا فقید المثال استقبال کیا۔ پاکستان کی تاریخ کا کسی غیر ملکی صدر کے لئے یہ دوسرا بڑا عوامی استقبال تھا۔ یاد رہے کہ پہلا استقبال عوامی جمہوریہ چین کے صدر کا ہوا تھا مگر اس استقبال کی نوعیت قدرے مختلف تھی کیونکہ چینی صدر کا استقبال کرنے والے حکومت کی ایماء اور اخراجات پر آئے تھے جبکہ ایرانی صدر کا

استقبال خالصتاً" عوامی امنگوں کا مظہر تھا۔ حضرت آیت اللہ آقائے سید علی خامنہ ای کا استقبال جہاں انہیں خوش آمدید کہنے پر مبنی تھا وہاں امریکہ سے کھلم کھلا نفرت، دشمنان اسلام سے بیزاری اور ان کے خلاف جہاد کا اعلان بھی تھا۔

حضرت آیت اللہ آقائے سید علی خامنہ ای کی ایئرپورٹ پر آمد کے موقع پر ضیاء الحق نے اپنی بیوروکریسی اور ایجنسیوں کے ذریعے لاکھ جتن کیے کہ وہ علامہ سید عارف حسین الحسینی کے ساتھ کھڑے ہو کر ایران کے صدر کا استقبال کرے مگر آپ نے ضیاء الحق کی ان تمام کوششوں کو ٹھکرا کر اس کی سازشوں کو خاک میں ملا دیا اور فرمایا کہ مجھے ضیاء کے عزائم کا بخوبی علم ہے۔ دوسرا میں اس آمر اور جابر کے ساتھ کیسے کھڑا ہوں جس کے ہاتھ میری بے گناہ قوم کے خون ناحق سے رنگین ہیں اور ہمارے بیسیوں کارکنان اور جید علماء کرام کوئٹہ میں تاحال جیل کی صعوبتیں برداشت کر رہے ہیں۔

اسی موقع پر ضیاء الحق نے ایرانی سفیر کی منت سماجت تک بھی کی کہ وہ علامہ سید عارف حسین الحسینی کو ایئرپورٹ کے اندر لے آئیں مگر آپ نے فرمایا تھا کہ "میں حکومتی نمائندہ نہیں ہوں نہ حکومتی سطح پر استقبال کرنے آیا ہوں۔ میں امام خمینیؒ کے نمائندہ اور رفیق کو عوام کے ساتھ خوش آمدید کہوں گا"۔

آخر ایسا ہی ہوا کہ آپ نے پہلے اسلام آباد اور پھر لاہور میں اپنے عوام کے ساتھ نمائندہ امام خمینی کا والہانہ اور تاریخی استقبال کیا۔ اور پھر دوسرے روز آپ علامہ سید صفدر حسین نجفی مرحوم کے ساتھ ایرانی سفیر کی قیام گاہ پر ایک دعوت میں تشریف لے گئے جہاں آپ نے حضرت آیت اللہ سید علی خامنہ ای کو بالمشافہ خوش آمدید کہنے کے بعد ایئرپورٹ کے اندر استقبال نہ کرنے کی وجہ اور اصل صورتحال سے بھی آگاہ فرمایا۔ آپ کے احباب کے بقول زندگی میں پہلی بار آپ کو اس وقت بے حد خوش ہوتے ہوئے دیکھا گیا جب آپ نے نمائندہ امام خمینیؒ کا اپنے عوام کے ساتھ کامیاب استقبال کیا۔

آپ کی دلی خواہش تھی کہ حضرت امام خمینیؒ کے افکار کی روشنی میں پاکستان سے امریکہ کا تسلط ختم ہو اور یہاں کے مسلمان جسد واحدہ کی طرح اسلام کی بقاء اور

سربلندی کے لئے سرگرم عمل ہوں۔ یہی وجہ تھی کہ آپ نے امام خمینی کے ہر فرمان کو مسلمانان پاکستان تک کماحقہ پہنچایا اور خاطرخواہ ثمرات حاصل کئے۔

آپ کے مجاہدانہ انداز' اتحاد بین المسلمین کے حقیقی درد' انقلاب اسلامی کے قیام کی مخلصانہ جدوجہد' حضرت امام خمینیؒ سے روحانی عشق اور استعمار سے دلی نفرت کی بدولت اسلامیان پاکستان نے آپ کو نائب خمینی قرار دیا اور ہر طرف ایک ہی نعرہ گونجتا سنائی دیا۔

اے عارف حسینی — تو نائب خمینی
اے عارف حسینی — تو روح خمینی

ملازمین سے رویہ

زہد و تقویٰ و عبادت و ریاضت انسان کو قرب خداوندی کی عظیم منزلت اور سکون قلبی کی حقیقی لذت سے آشنا کر دیتی ہے۔ اس کے ساتھ حسن اخلاق اور انسانیت سے محبت انسان کو گوہر یکتا بنا دیتا ہے۔ تاریخ شاہد ہے کہ انبیاء اور آئمہ کی تبلیغ دین میں جس جس پہلو نے انسانوں کو مسخر کیا وہ ان کا حسن اخلاق تھا۔ اخلاق ایک ایسی خداداد صلاحیت اور الہی نعمت ہے جو اپنے تو کجا غیروں اور دشمنوں کے پتھر نما دلوں کو موم بنا دیتی ہے چونکہ علامہ سید عارف حسین الحسینی آئمہ اطہار کی سیرت کا حقیقی نمونہ تھے اس لئے جہاں وہ تقویٰ و ریاضت کے عظیم درجہ پر فائز تھے۔ وہاں اخلاق کی بلندیوں کو سر کرنے کی بنا پر کروڑوں دلوں کو فتح کر چکے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ ان کے ہجر میں اپنے پرائے سب نوحہ کناں رہے۔ تاریخ نے یہ بات اپنے دامن میں محفوظ کر لی ہے کہ اس ملکوتی انسان کی مظلومانہ شہادت پر نہ صرف گریبان چاک اور ماتم ہوئے بلکہ چاہنے والوں نے پتھروں سے اپنے سر پھوڑے، کچھ کے اعصاب جواب دے گئے اور چنداں نے ان کے بغیر زندگی کو بے مقصد گردان کر خودکشی کی کوشش کی۔

دلوں پر ان کی فتح کی اس سے بڑی نظیر کیا ہو سکتی ہے کہ ان کے ذاتی محافظ نے اپنے جسم پر خود گولی چلا دی اور ان کا قاتل کہہ چکا ہے کہ مجھ سے کوئی وقت کا پیغمبر قتل کرایا گیا ہے۔ تفتیشی افسر کے سامنے تنہائی کے لحات میں جہاں قاتل نے تمام حقائق سے پردہ اٹھایا وہاں روتے ہوئے اس نے انکشاف کیا کہ اگر وہ ان کے نورانی چہرے کو گولی چلانے سے پہلے دیکھ لیتا تو ان پر قطعاً گولی نہ چلاتا۔

جس شخص کو اس کا قاتل روئے نہ جانے ان کی قربت میں بیٹھنے اور ان کی خدمت کی سعادت نصیب کرنے والوں پر کیا بیت گئی ہو گی؟ جب شہید حسینیؒ کے بارے میں استفسار کیا تو شہید کا نام سنتے ہی ہر ملازم اپنے انداز میں رویا کسی نے سر پیٹا، کسی نے سینہ زنی کی، کوئی اشکبار ہو کر سسکیاں لیتا رہا اور بستر مرگ پر موت کے منتظر کی نبضیں بے ربط ہو گئیں۔ غرضیکہ ہر ملازم نے رقت انگیز احساسات میں ڈوب کر شہید کے رویہ کی قابل تقلید داستانیں سنائیں۔

○

آپ کی خدمت کا شرف حاصل کرنے والے پہلے ملازم حسین علی نے آپ کے حسن اخلاق کا یوں تذکرہ کیا کہ جب آپ نے دو تین ملازمین کے ساتھ صدر بازار پشاور میں تحریک کے دفتر کا آغاز کیا تو غربت کا یہ عالم تھا کہ نہ چارپائی تھی اور نہ قالین...... معمولی سی دری پر دو چار بوسیدہ گدے پڑے رہتے تھے جن پر ملازمین اور شہید علامہ سید عارف حسین الحسینی سویا کرتے تھے۔ آپ ملازمین کے ساتھ دن بھر کام کرتے اور رات کو ملازمین کے ساتھ ایک طرف نیچے سو جاتے۔ ایک شب آپ نماز شب کے لئے رات کے کسی پہر نیند سے بیدار ہوئے اپنے بستر سے اٹھے اور دوسرے کمرے میں نماز شب ادا کی۔ جب واپس آئے تو ضامن علی جو آپ کے پاس سویا ہوا تھا' کی ٹانگیں آپ کے بستر پر تھیں۔ آپ نے ضامن علی کو نیند سے بیدار کرنا گوارا نہ کیا بلکہ خود میلی سی دری پر اخبار بچھا کر اوپر اپنی عبا ڈال دی اور بازو سر کے نیچے رکھ کر سو گئے۔

حسین علی نے بتایا کہ جب رات کے پچھلے پہر میری آنکھ کھلی تو آپ کو اس حالت میں دیکھ کر ندامت سے آنسو چھلک پڑے۔ ہم نے علامہ صاحب سے صبح معافی مانگی تو آپ نے فرمایا ضامن حسین نے ایسا ارادتاً" نہیں کیا بلکہ نیند میں ایسا ہو ہی جاتا ہے دوسرا آپ بھائی مجھ سے کبھی معافی نہ مانگا کریں کیونکہ میں آپ کا چھوٹا بھائی ہوں۔

○○○

عبداللہ چوکیدار نے بتایا کہ ایک مرتبہ مجھے پشاور کسی اہم شخصیت سے کام پڑ گیا تو آقا عارف حسین سے سفارشی رقعہ لکھوایا۔ میں بند لفافہ لے کر اس شخص کے پاس پہنچا جس سے کام مقصود تھا۔ اس نے خط کھولنے سے قبل مجھ سے میرا تعارف چاہا تو میں نے واضح کیا کہ میں آقا عارف حسین کا باورچی اور چوکیدار ہوں۔ پھر اس نے لفافہ چاک کیا آقا صاحب کا رقعہ پڑھا تو مجھے کرسی پر بٹھا کر بتایا کہ سید علامہ عارف حسین صاحب نے خط میں تمہیں بھائی لکھا ہے اس لئے تم میرے لئے قابل احترام ہو۔ آپ

کا دستور تھا کہ کسی کو ملازمین کی سفارش کا خط لکھتے، فون کرتے یا مہمانوں سے تعارف کراتے تو تمام ملازمین کے بارے میں فرماتے کہ یہ میرے بھائی ہیں۔

○○○

عبداللہ نے اشکبار آنکھوں اور لرزتے ہونٹوں کے ساتھ ایک واقعہ یوں بیان کیا کہ آقا عارف حسین کے کچھ روزے ماہ رمضان میں قضا ہو گئے تو آپ نے قضا کی ادا کا ارادہ کیا۔ رات کو سوتے وقت انہیں بتایا کہ مجھے تین بجے شب چائے اور سحری تیار کر دینا۔ عبداللہ نے عرض کی آقا صاحب کھانے کے لئے تو کچھ بھی نہیں آپ دن کو مطلع فرماتے تو کچھ سحری کا بندوبست ہو جاتا۔ آپ نے پوچھا شام کے دسترخوان سے کچھ بچا کھچا؟ تو عبداللہ نے بتایا روٹیوں کے چند ٹکڑے رومال میں پڑے ہوئے ہیں۔ تو آپ نے فرمایا بس ٹھیک ہے صرف چائے تیار کر دینا۔

ٹھیک تین بجے آپ نے عبداللہ کو چپکے سے جگایا اور اشارہ کیا کہ تین بج چکے ہیں۔ عبداللہ بستر سے اٹھا چائے تیار کی اور پھر سو گیا۔ صبح ہوئی تو عبداللہ باورچی خانے میں برتن صاف کرنے کی غرض سے گیا دیکھا تو باورچی خانے کے تمام برتن صاف تھے۔ جو یقیناً آپ نے روزہ رکھنے کے بعد صاف کئے تھے۔ یوں تو اپنی چائے وغیرہ خود بنا لیتے تھے مگر روزہ رکھنے سے قبل مصلیٰ عبادت پر بیٹھتے تو پھر نہ اٹھتے اس لئے روزہ کے دنوں میں باورچی کو تکلیف دیتے تھے۔

○○○

ایک مرتبہ پشاور میں ایرانی کونسلیٹ کے مسئول نے سید عارف حسین الحسینی سے اس خواہش کا اظہار کیا کہ وہ انہیں ایک قابل اعتماد باورچی تلاش کر دیں۔ تو آپ نے عبداللہ سے کہا کہ عبداللہ بھائی آپ کونسلیٹ صاحب کے ہاں چلے جائیں ایک تو وہاں تمہیں سہولیات میسر ہوں گی دوسرا آپ کو معقول تنخواہ مل جائے گی۔ سید عارف حسین الحسینی کی یہ بات سن کر عبداللہ آبدیدہ ہوا اور آپ کی خدمت میں عرض کی "آقا صاحب اگر آپ مجھ سے تھک گئے ہیں تو پھر مجھے اجازت عطا فرمائیں میں واپس

گھر چلا جاتا ہوں۔ آپ کے ہوتے ہوئے میں کسی اور کی خدمت نہیں کر سکتا"۔ آپ نے عبداللہ کو گلے لگایا اور کہا "عبداللہ بھائی میں تو آپ کی بہتری اور اعتماد کے لئے وہاں بھیجنا چاہتا تھا اگر آپ کو میری یہ بات ناگوار گزری ہے تو میں معذرت چاہتا ہوں"۔

OOO

ایک بار آپ ملکی دورہ پر تھے کہ آپ کے بچوں کی کسی شرارت پر عبداللہ نے بچوں کو تھپڑ رسید کر دیئے۔ آپ دورہ سے گھر واپس تشریف لائے تو آپ کے بڑے بیٹے محمد نے ماجرا سنایا اور ساتھ یہ بھی کہا کہ عبداللہ ہمیں تھپڑ مارنے والا کون ہوتا ہے۔ آپ نے دونوں بچوں کو پکڑا اور عبداللہ کے پاس لے آئے۔ عبداللہ سے وجہ پوچھے بغیر اپنے بچوں سے کہا کہ عبداللہ سے معافی مانگو آخر بچوں نے عبداللہ سے معافی مانگی اور آپ نے عبداللہ سے فرمایا عبداللہ بھائی مجھے یقین ہے کہ آپ نے میری عدم موجودگی میں میرے بچوں کو بہتری کے لئے ڈانٹا اور پیٹا لہٰذا آئندہ بھی خیال رکھا کریں۔

OOO

بچوں پر سختی کرنے کا ایک واقعہ آپ کے محافظ ضامن علی نے یوں سنایا کہ ایک بار آقا صاحب کے بچوں کو سکول سے لینے کے لئے وہ پانچ دس منٹ سکول گیٹ پر دیر سے پہنچا تو آپ کے بچوں کو وہاں موجود نہ پایا۔ اس خیال سے کہ کہیں ڈرائیور مشرف حسین نہ لے گیا ہو گھر واپس آیا تو بچے گھر بھی نہیں پہنچے تھے۔ تذبذب اور غضب کی صورت میں ضامن ایک بار پھر سکول کے گیٹ پر پہنچا مگر صورتحال وہی تھی۔ ضامن کی کیفیت اس لئے بھی پریشان کن تھی کہ اتنی بڑی شخصیت کے بچوں کو کسی نے اغواء نہ کر لیا ہو؟ پھر ضامن نے قریبی بازار میں چکر لگائے تو بچے مل گئے۔ اتنے میں گاڑی پر ڈرائیور مشرف حسین بھی پہنچ گئے بچوں کو گاڑی میں بٹھایا مدرسہ لے گئے۔ ضامن علی اور مشرف حسین نے محمد اور علی کو ایک کمرے میں بند کیا اور انتہائی سزا دی۔ یہاں تک کہ بچوں کے نحیف و نازک اجسام پر داغ پڑ گئے۔ بچوں نے آخر معافی مانگ کر

جان چھڑائی۔ بچے بلبلاتے گھر پہنچے۔ آقا صاحب گھر آئے تو بچوں نے رو رو کر تمام داستان سنائی ادھر ضامن و مشرف کو اپنی سختی کا بھی احساس تھا اور آقا صاحب کا بھی مگر آپ نے کئی ماہ تک اشارتاً بھی بات نہ کی البتہ ایک دن تمام سٹاف کو باقاعدہ درس اخلاق دیتے ہوئے صلح اور رحم دلی کے بارے میں گفتگو کی۔

OOO

ایسا ہی ایک واقعہ اس وقت پیش آیا جب آقا صاحب کے ایک مہمان رشتہ دار سے ضامن علی نے لڑائی کی۔ آپ کے رشتہ دار نے فوراً گھر جاکر آپ سے ضامن علی کی زیادتی کا شکوہ کیا۔ آپ نے انہیں تسلی دی اور گھر سے باہر آ گئے مگر آپ نے ضامن سے شکوہ تک نہ کیا۔ البتہ مغربین کی نماز کے بعد درس اخلاق میں مہمانوں کی عزت اور تقدس پر دوچار فقرے ملازمین کے گوش گزار کئے۔

یہ دو چار جملے ضامن کے احساس ندامت میں اضافہ کر گئے۔ درس ختم ہوا تو ضامن کی آنکھوں سے شہید سید عارف حسین نے چھلکتے آنسو بھی دیکھے۔ ضامن فوراً سر جھکائے اپنے کمرے میں آیا اس نیت سے کہ اس کے محسن اور عظیم قائد کو اس سے شکوہ کا موقع ملا اپنا سامان سمیٹنا شروع کیا۔ کپڑے رکھ ہی رہا تھا کہ اتنے میں ہی آپ نے ضامن کا کندھا ہلاتے ہی پوچھا "ضامن یہ کیا کر رہے ہو"؟ ضامن احتراماً" کھڑا ہوا مگر سر جھکا کر دل کا مدعا بیان کیا کہ آقا صاحب میں نے آپ کو شکوہ کا موقع دیا۔ میں شرمسار ہوں اس لئے میرا ضمیر مزید یہاں رہنے سے مجھے ملامت کرتا ہے۔ آپ نے ضامن کو گلے لگایا اور فرمایا "ضامن بھائی میں نے آپ سے شکوہ تو نہیں کیا۔ میں نے تو درس میں مہمان کی عظمت اجاگر کی اگر میرے الفاظ آپ کو ناگوار گزرے ہیں تو میں معافی چاہتا ہوں"۔

OOO

مدرسہ کی تعمیر شروع ہوئی تو آپ نے اپنے ملازمین کو تاکید فرمائی تھی کہ مستری مزدور آپ کے بھائی ہیں انہیں مدرسہ کا ملازم سمجھیں اور ان کی خاطر تواضع کیا کریں۔

بالخصوص آپ نے عبداللہ پر زور دیا کہ وہ ان کے خورد و نوش سے کوتاہی نہ کرے۔

ایک مرتبہ آپ گھر سے باہر تھے اور گرمی عروج پر تھی۔ مزدوروں نے پانی کا استعمال کیا حتی کہ مدرسہ میں منگوائی گئی برف ختم ہو گئی۔ مزدوروں نے عبداللہ سے مزید ٹھنڈے پانی کا مطالبہ کیا تو عبداللہ نے نہ صرف ٹال دیا بلکہ ایک کمرے میں آرام سے سو گیا۔ گرمی اور پیاس کی شدت نے مزدوروں کو تنگ کیا ہی تھا کہ اچانک آپ پہنچ گئے۔ گھر جانے سے قبل دھوپ میں کام کرنے والے مزدوروں کے پاس پہنچے۔ ان کی خیریت دریافت کی تو انہوں نے ٹھنڈے پانی کی عدم فراہمی کا شکوہ کیا آپ فوراً دفتر پہنچے' فریج سے برف اور ٹھنڈا پانی اکٹھا کیا اور خود بالٹی اٹھا کر فرداً فرداً مزدوروں کو پانی پلایا' اور ساتھ ہی ان کی تکلیف پر معذرت کی۔

یہ آپ کے اخلاق کا نتیجہ تھا کہ تمام مزدور دن رات مدرسہ کی تعمیر میں مصروف رہتے تھے۔

○○○

مدرسے کی تعمیر شروع تھی تو اس کے صحن کو خوبصورت بنانے کے لئے سبزہ اور چھوٹے پودے لگا دیئے گرمی کا موسم تھا آپ اپنے کمرے میں موجود تھے اور آپ کا محافظ ضامن علی دھوپ میں پودوں کو پانی دینے لگا۔ وہ کافی دیر تک دھوپ میں کھڑا ہو کر پانی دیتا رہا اور آپ شاید یہ منظر کھڑکی سے دیکھتے رہے۔ آخر آپ کمرے سے باہر نکلے ضامن علی کے پاس گئے اس سے پانی کا پائپ لیا اور اسے آرام کرنے کو کہا مگر ضامن علی نے عرض کی آقا صاحب کون سا مشکل کام ہے؟ لیکن آپ نے فرمایا کام مشکل نہیں مگر آپ کو دھوپ میں کھڑے ہوئے کافی وقت گزر گیا ہے لہٰذا کچھ دیر پنکھے کے نیچے آرام کر لو میں پانی دیتا ہوں اور آپ نے ایسا ہی کیا۔

○○○

ایک مرتبہ سفر کے دوران آپ کی گاڑی کا ٹائر پنکچر ہو گیا تو ڈرائیور سمیت آپ گاڑی سے نیچے اتر آئے۔ ڈرائیور غلام عباس نے آپ کو درخت کے سائے میں آرام

کرنے کو کہا اور وہ خود پہیہ کھولنے بیٹھ گیا۔ آپ نے اس دوران گاڑی کی ڈِگی سے اور وہاں پڑا ہوا اضافی پہیہ نکالا اور غلام عباس کے پاس لے آئے۔ غلام عباس نے آپ کے تکلیف اٹھانے پر معذرت کی تو آپ نے فرمایا "ہم دو بھائی ہمسفر ہیں لہٰذا آدھا کام آپ اور آدھا مجھے کرنا پڑے گا"۔ اور پھر ڈرائیور نے اضافی پہیہ فٹ کیا تو آپ نے پنکچر والا پہیہ اٹھا کر ڈگی میں رکھ دیا۔

غلام عباس ڈرائیور نے مزید بتایا کہ اگر گاڑی چلانے کے دوران کبھی فروٹ کھانے کا موقع ملتا تو آپ فروٹ کاٹ کر میرے منہ میں دے دیتے تھے۔ کئی بار معذرت کی مگر آپ فرماتے تھے کہ "آپ کے دونوں ہاتھ مصروف ہیں اس لئے ایسا کرنا ہمارا فریضہ ہے"۔

○○○

ایک دفعہ یوم القدس کے مظاہرے کے لئے پاراچنار کوہاٹ اور پشاور کے گرد و نواح کے علاقہ جات سے لوگ مدرسے میں اکٹھے ہوئے اور رات کو مدرسے کے ہال میں سو گئے اور آپ نے بھی مہمانوں کے ساتھ اسی کمرے میں سونے کا ارادہ کیا۔ آپ ہال کے ایک کونے میں ایک معمولی سی چٹائی پر ایک معمولی سی دری بچھا کر سو گئے۔ ہجوم کے باعث ہال میں تل دھرنے کی جگہ نہ تھی کہ رات کو اسی دوران تحریک کا پریس سیکرٹری انور زیب آگیا۔ آپ نے اسے بلایا اور اپنی دری پر ساتھ سونے کی پیشکش کی۔۔۔ آخر وہ آپ کے ساتھ سو گیا اور یوں آپ کو شب بھر ایک پہلو کی بل سونا پڑا۔ انور زیب نے آپ کو تمام رات ایسی حالت میں دیکھ کر محسوس کیا کہ صبح آپ سے تکلیف کی معذرت چاہے گا۔ مگر آپ نے صبح اٹھتے ہی انور زیب سے کہا "میرے بھائی آپ کو تکلیف اٹھانی پڑی ہے میں معذرت خواہ ہوں"۔ انور زیب نے کہا "آقا صاحب تکلیف تو آپ کو ہوئی ہے"۔ مگر آپ نے فرمایا "آپ چھوٹے بھائی اور تحریک کے کارکن ہیں اس لئے مجھے آپ کی تھکاوٹ اور تکلیف کا احساس ہے"۔

○○○

اکثر ملازمین نے بتلایا ہے کہ شہید مظلوم حضرت علامہ سید عارف حسین الحسینی ان کے ساتھ باورچی خانہ اور دفتر کے کام میں برابر کا حصہ لیتے تھے حالانکہ کئی بار ملازمین نے معذرت کی مگر آپ اکثر فرمایا کرتے تھے۔ "یہ میرے لئے بہتر ہے"۔ بعض اوقات ایسا بھی ہوتا تھا کہ ملازمین بازار سے سودا سلف لے کر آتے تو آپ کبھی برتن دھو رہے ہوتے، کبھی دفتر کی صفائی کر رہے ہوتے۔ بعض اوقات ایسا بھی ہوا کہ جو کام دن یا رات کو ملازمین سے رہ جاتا اور ملازمین آرام کے لئے سو جاتے تو آپ چپکے سے اٹھتے اور کام کو پایہ تکمیل تک پہنچا دیتے۔

علاوہ ازیں اگر ملازمین سو رہے ہوتے اور کوئی مہمان آ جاتا تو آپ خود مہمانوں کی خدمت کرتے۔

برادر سجاد میکن سابق ڈویژنل صدر سرگودھا ڈویژن نے اس بات کی تصدیق کی کہ ایک مرتبہ رات کے پچھلے پہر آئی۔ ایس۔ او کے چند احباب آپ کے مدرسہ پشاور پہنچے تو تمام ملازمین سو رہے تھے۔ علامہ عارف حسین الحسینی خود گھر گئے جو کچھ باورچی خانہ اور گھر میں تھا نوجوانوں کو پیش کیا۔ نوجوان کھانے سے فارغ ہوئے تو آپ نے انہیں گرم چائے پیش کی جو آپ نے خود تیار کی تھی۔ نوجوان چائے سے لطف اندوز ہو چکے تو آپ نے مہمان خانہ میں سونے کی دعوت دی اور تمام بستر خود بچھا کر دیئے۔

○○○

سید اقرار حسین نقوی سابق مرکزی صدر آئی ایس او جو آپ کے دفتری امور میں معاون تھے نے بتایا کہ ایک مرتبہ آپ نے دفتر اور لائبریری کی صفائی کرنے کی خواہش ظاہر کی اور تھوڑی دیر بعد فرمایا "سید اقرار حسین آیئے آپ اور میں دونوں بھائی صفائی کر لیتے ہیں"۔ گرمی کا موسم تھا پنکھے بند کر دیئے اور صفائی شروع کر دی۔ آپ نے سید اقرار حسین کے ساتھ برابر کا کام کیا۔ کتابیں اور دریاں جھاڑیں، فرش صاف کیا، الماریاں ترتیب سے رکھیں۔ غرضیکہ آپ نے اتنا کام کیا کہ آپ کے کپڑے پسینے سے شرابور اور چہرہ و بال گرد آلود ہو گئے۔

○○○

ایک مرتبہ آپ راولپنڈی سے پشاور آ رہے تھے رات کافی ڈھل چکی تھی۔ سید اقرار حسین نقوی بھی آپ کے ساتھ گاڑی میں پچھلی سیٹ پر بیٹھے ہوئے تھے جبکہ اس سفر میں آپ کا بیٹا علی بھی ساتھ تھا۔ علی کو نیند آ گئی تو آپ نے اپنے بیٹے کو اپنی گود میں لے لیا چونکہ آپ بھی دن بھر کے امور کی وجہ سے کافی تھک چکے تھے اس لئے آپ کو اونگھ آ گئی جس کی وجہ سے آپ کا عمامہ سر سے سیٹ پر گر گیا۔ سید اقرار حسین نے جلدی سے آپ کی گود سے علی کو لینا چاہا تو آپ نے فرمایا ''اقرار بھائی آپ بھی تھکے ہوئے ہیں آرام فرمائیں یہ میرا بیٹا ہے اس کے لئے تکلیف برداشت کرنا میری ذمہ داری ہے آپ کی نہیں''۔

○○○

ایک دفعہ مدرسہ کے لئے لکڑیاں لائی گئیں۔ ٹرک والے لکڑیاں مدرسہ کے گیٹ کے باہر پھینک کر چلے گئے۔ آپ گھر سے نکلے دیکھا تو ایک ادھیڑ عمر مگر نحیف مزدور دن کی گرمی میں لکڑیاں اٹھا کر مدرسہ میں ڈال رہا تھا۔ آپ نے دریافت کیا تو وہ کہنے لگا دوسرے مزدور اور ملازمین آرام کر رہے ہیں۔ آپ نے آستینیں چڑھائیں اور خود لکڑیاں اٹھانے لگے۔ آپ بڑی اور وزنی لکڑیاں اٹھانے لگے تو مزدور نے کہا ''شاہ صاحب آپ لکڑیاں نہ اٹھائیں اگر تکلیف کرنی بھی ہے تو ہلکی سی لکڑیاں اٹھائیں''۔ مگر آپ نے فرمایا ''آپ میرے جسم کے مقابلے میں نہایت کمزور اور عمر کے مقابلے میں کافی بزرگ ہیں اس لئے انصاف کا تقاضا یہی ہے کہ میں آپ سے زیادہ بوجھ اٹھاؤں''۔ آخر آپ نے ایسا ہی کیا۔

○○○

عبداللہ چوکیدار سارا دن مدرسہ کے کام کرتا اور رات کو چوکیداری کے فرائض سرانجام دیتا تھا۔ تھکاوٹ کی وجہ سے وہ کبھی کبھار رات کو سو بھی جاتا تھا جس کی دیگر

ملازمین نے علامہ سید عارف حسین الحسینی سے شکایت بھی کی کہ وہ رات کو کماحقہ نگرانی نہیں کرتا۔ آپ نے بھی عبداللہ کو احباب کے شکوہ سے آگاہ کیا مگر عبداللہ نے اپنا دفاع کیا۔

ایک مرتبہ آپ رات کے وقت سفر سے گھر آئے ڈرائیور نے گیٹ پر سوئے ہوئے عبداللہ پر گاڑی کی لائٹس دیں تاکہ آقا صاحب دیکھ سکیں کہ عبداللہ اپنی نگرانی سے غافل سویا ہوا ہے مگر آپ نے اپنے ڈرائیور کو لائٹس بند کرنے کا حکم دیا اور فرمایا کہ ایسا نہ کریں۔ عبداللہ اگر جاگ پڑا تو اسے شرم آئے گی کیونکہ وہ مجھ سے کہہ چکا ہے کہ وہ رات کو نہیں سوتا۔

آخر اپنے محبوب اور مظلوم قائد کے ہجر میں ملازمین کیسے ماتم نہ کریں انہیں تو اس ملکوتی انسان کا ایک ایک انداز یاد ہے۔ کوئی کہتا ہے وہ میرے ساتھ دفتر کی صفائی کرتے تھے.... کوئی کہتا ہے میرے ساتھ دفتر کے برتن دھوتے تھے.... کوئی کہتا ہے وہ گرمی کی شدت میں کام کرتے تھے.... کوئی کہتا ہے وہ ہماری معمولی سی ناراضگی پر معافی مانگ لیتے تھے.... وہ بہت کچھ کرتے تھے مگر کچھ نہ کہتے وہ عیدوں پر ملازمین کو نئے کپڑے خرید کر دیتے.... وہ حج سے واپس آتے تو ہر ملازم کو اپنے لباس جیسا لباس تحفہ دیتے.... کوئی ملازم بیمار ہو جاتا تو آپ اس کے سرہانے بیٹھ کر سر دباتے.... یہی وجہ ہے کہ آج اس گلستان سے بچھڑا ہوا ہر عندلیب زندگی بھر کے لئے اداسی اپنے دامن میں لئے ہوئے ہے۔

اقتصادی حالت

علامہ سید عارف حسین الحسینی کا تعلق پیواڑ کے متوسط اور معزز گھرانے سے تھا۔ زمانہ طالب علمی میں تقویٰ کے باعث آپ نے معمولی اور سادہ زندگی گزاری اور پاراچنار میں بطور مدرس منظر عام پر آنے کے بعد آپ کی سادگی میں مزید اضافہ ہو گیا۔ بطور مدرس آپ کو ماہانہ تقریباً بارہ سو روپے تنخواہ ملتی تھی۔ جس میں سے آپ گھر کے اخراجات کے علاوہ تنخواہ کا کچھ حصہ مستحق طلباء اور نادار لوگوں میں بھی تقسیم کر دیتے تھے۔

قائد بنے تو ذمہ داریوں میں اور بھی اضافہ ہو گیا۔ مسائل بڑھتے گئے مگر وسائل وہی رہے یہاں تک کہ پشاور میں تحریک کے دفتر کا اجراء کیا تو آپ کے پاس الماریاں اور فرنیچر لینے کی رقم نہ تھی۔ آپ ابتدائی ایام میں دو رضاکار ملازمین کے ساتھ معمولی سی دری پر سوتے اور کام کرتے تھے۔ آخر چند احباب نے آپ کے دفتر کو بہتر بنانے میں آپ کی مالی معاونت فرمائی۔ آغاز میں مالی مسائل کے باعث آپ پر کیا بیتی؟ کس کس نے امداد کی؟ مفصلاً" گزشتہ صفحات میں تذکرہ ہو چکا ہے۔ البتہ یہاں کچھ احباب کے نقل کردہ واقعات زیر قلم لانا مقصود ہیں تاکہ ملت اسلامیہ پر واضح ہو سکے کہ دلوں پر حکمرانی کرنے والا شہنشاہ' بظاہر خوش لباس اور خوبصورت عبا و عمامہ سجا کر چلنے والے قائد غربت کی کن کن تنگ، کٹھن اور تکلیف دہ وادیوں کا مسافر رہا۔

پشاور میں دفتر کا اجراء کیا تو ذاتی حلقہ احباب نے حسب استطاعت امداد کرنا شروع کر دی۔ دو قیادتوں کے وجود اور زیادہ متعارف نہ ہونے کے حوالے سے قوم طویل عرصہ تک آپ کی طرف توجہ نہ کر سکی۔ دفتر کی حالت یہ تھی کہ مکان کے تین کمرے یوں تقسیم ہوئے ایک کمرہ دفتر' ایک کمرہ مہمان خانہ اور ایک کمرے میں شہید کے بچے رہا کرتے تھے۔

ایک مرتبہ غالباً" حاجی کمال حسین شلوازان نے عرض کی کہ یہ ماحول اور بچوں کو دن رات ایک کمرے میں محبوس رکھنا مناسب نہیں تو آپ نے فرمایا میں بچوں کے

لئے علیحدہ مکان کا کرایہ کہاں سے لاؤں؟ مدرسہ سے آپ کی تنخواہ کا سلسلہ جاری رہا اور آپ نے اپنی اہلیہ کو سختی سے تاکید فرمائی تھی کہ وہ اسی تنخواہ میں گھر کے اخراجات پورے کریں۔ کیونکہ آپ اپنے گھر کے لئے دفتر کی کوئی چیز استعمال نہیں کرتے تھے۔ دفتر کی تمام چیزوں کو مال امام سمجھتے اور ان کے استعمال کے بارے میں دوستوں کو انصاف برتنے کی سختی سے تاکید فرماتے تھے۔

○○○

عبداللہ نے واقعہ نقل کیا کہ ایک بار پشاور میں سردی زوروں پر پڑی تو تحریک کے عملہ نے دفتر میں انگاروں کی انگیٹھیاں جلائیں اور ایسی ہی ایک انگیٹھی علامہ سید عارف حسین الحسینی کے بچوں کو دے دی تاکہ وہ سردی کی شدت سے محفوظ رہیں۔ صبح جب آپ نے بچوں کے کمرے میں انگیٹھی دیکھی تو عبداللہ کو سختی سے ڈانٹا۔ عبداللہ نے عرض کی آقا صاحب ہم بھی تو استعمال کر رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا آپ تحریک نفاذ فقہ جعفریہ کے ملازم ہیں یہ مال امام میرے بچوں کے لئے ہرگز جائز نہیں کیونکہ میرے بچے تحریک کے ملازم نہیں۔ آج ہی بازار سے میرے حساب میں کوئلے لائیں اور اتنے ہی تحریک کے دفتر میں ڈال دیں جتنے رات میرے بچوں کے لئے استعمال ہوئے ہیں۔

○○○

قیادت کے ایک سال بعد جب آپ کی مشکلات کے پیش نظر دوبئی کے مومنین نے آپ کو کار بھیجی تو آپ نے اپنے ملازمین اور احباب سے کہا کہ کوئی شخص تحریک کے کام کے بغیر اسے ہرگز استعمال کرنے کا نہ سوچے۔ آپ حج پر جاتے یا ملک میں کہیں دورے پر جاتے تو ڈرائیور کو سختی سے منع کرتے کہ "میرے کسی دوست، رشتہ دار یا اہل خانہ کو ذاتی استعمال کے لئے گاڑی ہرگز نہ دی جائے"۔

ایک مرتبہ آپ دورے سے واپس آئے تو گاڑی کو موجود نہ پایا۔ عبداللہ سے پوچھا تو معلوم ہوا کہ آپ کے انتہائی قریبی رفیق ڈرائیور کے ہمراہ راولپنڈی گئے ہوئے

ہیں۔ آپ کا رفیق اس قدر اہم تھا کہ اسے روکنا ملازمین کے بس کی بات نہ تھی۔ للذا آپ خاموش ہو گئے جب گاڑی واپس آئی تو آپ نے اپنے رفیق سے فرمایا "میرے بھائی کیا تم بھی مجھے جہنم کے شعلوں میں دھکیلنا چاہتے ہو"؟ اس کے بعد کسی کو گاڑی استعمال کرنے کی جرات نہ رہی۔ حتی کہ ایک بار آپ حج پر تشریف لے گئے اور آپ کی عدم موجودگی میں آپ کے سگے بھائی نے عبداللہ سے گاڑی کی چابیاں مانگیں مگر عبداللہ نے دینے سے انکار کر دیا۔ آپ حج سے واپس آئے تو آپ کے بھائی نے آپ سے شکوہ کیا اور عبداللہ کی سرزنش کرنے کو کہا۔ مگر آپ نے نہ صرف عبداللہ کی حمایت کی بلکہ عبداللہ کو داد دی۔

○○○

جب آپ ملت جعفریہ پاکستان کے محبوب لیڈر بن کر ظالموں کے سامنے سینہ سپر ہوئے تو حکمرانوں نے آپ کو نت نئے مسائل میں الجھانے کی کوشش کی۔ فسادات' گھیراؤ جلاؤ' قتل و مقدمات جیسے مسائل ابھرے تو قوم نے ایسے میں آپ کی ذات پر اعتماد کرتے ہوئے کروڑوں روپے آپ کے قدموں میں نچھاور کئے بعض اوقات بعض شخصیات اور اکابرین ملت لاکھوں روپے لے کر پشاور پہنچے اور انہوں نے مال امام پیش کیا۔ آپ کا معمول تھا جب تک مال امام متاثرین اور مستحقین تک پہنچ نہ جاتا آپ چین سے نہ بیٹھتے۔

ایک مرتبہ دس ہزار روپے کے حساب میں سو ڈیڑھ سو روپے کا فرق آیا تو آپ نے رقم دینے اور پھر لے آنے والے سیکرٹری سے بار بار استفسار کیا۔ آپ نے اس وقت تک اطمینان کا سانس نہ لیا جب تک مکمل اخراجات کو صحیح نہ پایا۔ یوں تو آپ کے ہاتھوں میں کروڑوں روپے آئے اور کروڑوں روپے تقسیم ہوئے۔ مگر یہ سب کچھ قوم کا تھا۔ آپ نے ایک امین کی حیثیت سے قوم تک پہنچایا۔

ایک دفعہ آپ نے برادر اقرار نقوی کو کچھ رقم دے کر راولپنڈی روانہ کیا تاکہ وہ اس رقم سے سلائی مشینیں خرید کر بیوہ گان تک پہنچائے۔ برادر اقرار نقوی نے بازار

سے مشینیں خرید کر ناصر بیوگان تک پہنچائیں اور رسیدات کے ساتھ پشاور لوٹے۔ آپ کو رسیدیں پیش کرنے کے ساتھ تقریباً ایک سو روپے بھی واپس کیا جو امانت سے بچ گیا تھا تو آپ نے پیار بھرے لہجے میں فرمایا "اقرار بھائی اس سو روپے کو میں کیا کروں یہ بھی ان بیوگان کا ہے لہٰذا اب جب راولپنڈی جائیں تو براہ کرم ان تک یہ سو روپے پہنچا دینا یا سو روپے کے دھاگے بٹن یا سلائی کے دیگر لوازمات خرید کر دے دینا۔

○○○

پاراچنار کے ایک دوست نے بتایا کہ ایک مرتبہ ان کے گھر والے علامہ سید عارف حسین الحسینی کے گھر پشاور گئے۔ ان کا خیال تھا کہ قائد کے گھر کی حالت پاراچنار کے گھر سے کافی مختلف ہوگی مگر وہی صورتحال دیکھ کر وہ کافی حیران ہوئے اور انہوں نے آپ کی اہلیہ سے استفسار کیا..... آپ کی اہلیہ نے فرمایا کہ "ہمارے گھر میں بیش بہا قیمتی قالین، برتن، کپڑے اور دیگر تحفے آتے ہیں مگر علامہ صاحب یہ تمام تر تحفے ایک کمرہ میں رکھ دیتے ہیں اور قوم کی غریب بچیوں کو شادی کے موقع پر دے دیتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جو کچھ پاراچنار میں ہمارے گھر میں تھا وہی اب بھی موجود ہے۔

○○○

آپ کے بچپن کے دوست حاجی زائر حسین پیواڑ نے آپ کی غربت کا واقعہ یوں سنایا کہ ایک مرتبہ عید کے موقع پر آپ نے انہیں ۸۰۰ روپے دیئے اور فرمایا کہ بچوں کے لئے مناسب جوتے خرید لائیں۔ آپ کے بچے بھی حاجی زائر حسین کے ساتھ چل دیئے صدر بازار پشاور میں گھومتے گھومتے سید محمد اور علی "سروس شوز" کی دکان میں گھس گئے اور اپنی پسند کے جوتے چن لئے اور آپ کی چھوٹی صاحبزادی سیدہ فاطمہ نے بھی اپنے لئے خوبصورت جوتے کا انتخاب کر لیا۔ حاجی زائر حسین نے جب قیمت پوچھی تو وہ آپ کی دی گئی رقم سے ڈیڑھ گنا زیادہ تھی۔ حاجی زائر حسین نے بچوں سے معذرت کی تو سید علی کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور فاطمہ بھی جوتے واپس کرنے پر رضامند نہ ہوئی۔ چنانچہ ایسے میں حاجی زائر حسین کا دل بھر آیا اور انہوں نے بچوں کو

ان کے پسندیدہ جوتے خرید کر دے دیئے۔ بچے خوشی خوشی گھر پہنچے تو آپ نے حاجی زائر حسین سے جوتوں کی قیمت پوچھی۔ انہوں نے حقیقت حال بتائی تو آپ برہم ہوئے اور فرمانے لگے "پہلے کم مقروض ہوں کہ تم نے مجھے اور مشکل میں ڈال دیا ہے"۔ ایسے میں حاجی زائر حسین کہنے لگے آقا صاحب کیا میں آپ سے رقم کا مطالبہ کر رہا ہوں تو آپ نے جواب دیا کہ تم میرے بچوں کے کفیل نہیں ہو۔ یہ تمہارا قرضہ ہے میں تمہیں واپس کروں گا البتہ آئندہ میرے بچوں کے رونے پر ترس نہ کھایا کرو۔ میری استطاعت کو مدنظر رکھا کرو۔ میرے بچوں کے مزاج نہ بدلو تاکہ مشکل سے مشکل وقت میں انہیں زندگی بسر کرنے میں عار یا تکلیف نہ ہو۔

○○○

برادر برکت علی کراچی نے اپنا چشم دید واقعہ یوں بیان کیا کہ ایک مرتبہ وہ مدرسہ کے ایک کمرے میں بیٹھے مدرسہ کی تعمیر کا کام کر رہے تھے کہ اچانک ان کی نظر آپ کے گھر کے دروازے پر بیٹھے ہوئے کباڑیے پر پڑی۔ برکت بھائی نے سوچا کہ قائد کے دروازے پر بیٹھنے والا یہ شخص کون ہو سکتا ہے۔۔ ان کے دل میں طرح طرح کے شبہات جنم لینے لگے کہ ایسے میں انہوں نے دیکھا کہ صاحبزادی فاطمہ اپنے گھر کا تھوڑا سا کباڑ لے کر آئیں اور کباڑیے کو دے دیا جس کے بدلے کباڑیے نے انہیں پانچ روپے دیئے اور بچی یہ رقم لے کر گھر چلی گئی۔ برادر برکت علی نے جب اس کباڑیے سے اس دروازہ پر آنے کی وجہ پوچھی تو اس نے بتایا کہ وہ پہلے بھی یہاں آتا ہے اور یہ بچی چار پانچ روپے کا کباڑ لا کر دیتی ہے۔ یہ جان کر برکت بھائی نے آہ لی کہ وائے قسمت کیا اتنے بڑے قائد کے اہل خانہ اس قدر محتاط گزر اوقات کرتے ہیں"۔

○○○

مولانا شیخ علی مدد پاراچنار نے آپ کی اقتصادی صورتحال کے بارے میں بتایا کہ بطور مدرس انہیں جو تنخواہ ملتی تھی اس میں بڑی مشکل سے گزارا فرماتے تھے۔ ان کی یہ حالت جان کر کچھ عرصہ بعد تنخواہ میں اضافہ کر دیا گیا۔ قیادت سے قبل تو محدود

وسائل میں گزارہ کر لینا کافی صبر آزما تھا مگر قیادت کے بعد ذاتی مہمانوں اور دیگر امور میں اس قدر اخراجات بڑھے کہ آپ مقروض ہو گئے۔ ان کے مقروض ہونے کی اطلاع بھی شہادت کے بعد معلوم ہوئی اور یوں وہ قرض جلد ہی قوم نے ادا کر دیا۔

○○○

شہید کے ۸۰ سالہ معمر دوست نذیر حسین کربلائی نے ماتم کرتے ہوئے ایک واقعہ نقل فرمایا کہ ایک مرتبہ وہ علامہ سید عارف حسین الحسینی کے ساتھ مدرسہ میں بیٹھے ہوئے تھے کہ آپ نے کہیں جانے کی تیاری کی اور الماری سے اپنا عمامہ نکال کر مخصوص انداز میں باندھنے لگے۔ وہ (کربلائی) بھی اس مخصوص انداز کو غور سے دیکھنے لگے انہوں نے دیکھا کہ عمامہ انتہائی بوسیدہ اور درمیان سے پھٹا ہوا تھا۔ جبکہ عمامہ کا بالشت بھر آخری حصہ اسی قدر تار تار اور بوسیدہ تھا کہ آپ نے اسے پھاڑ کر عمامہ سے جدا کر دیا۔ جسے فرمائش پر کربلائی صاحب نے حاصل کیا اور یہ ٹکڑا آج بھی ان کے کفن میں موجود پڑا ہے۔

انہوں نے بتایا کہ رونا اس لئے آتا ہے اتنا بڑا عظیم رہنما اور اس کے خوبصورت عمامہ کی یہ صورتحال؟

○○○

سردار علی جوائنٹ سیکرٹری تحریک نفاذ فقہ جعفریہ پشاور نے آپ کے گھر کی صورتحال کو یوں واضح کیا کہ علامہ سید عارف حسین الحسینی سے ان کے گھریلو مراسم تھے۔ جب علامہ سید عارف حسین الحسینی کی شہادت کے بعد ان کے اہل خانہ ایران جانے لگے تو انہوں نے چابیاں ہمارے حوالے کر دیں اور ساتھ تاکید بھی کی کہ ان کے گھر کا خیال رکھا جائے۔

شہید کے بچے ایران چلے گئے تو ہمارے دل میں خیال آیا کہ شہید کے گھر کا قیمتی سامان احتیاط سے اپنے گھر لے آتے ہیں تاکہ نظروں کے سامنے محفوظ رہے۔ سردار علی نے بتایا کہ ہم اس نیت سے شہید کے گھر گئے کہ اندازہ لگا سکیں کہ کتنا

سامان ہے اور اس کے منتقل کرنے میں کیا انتظام کرنا پڑے گا۔

انہوں نے شہید کے گھر کا جونہی دروازہ کھولا تو ان کی حیرت کی انتہا نہ رہی کہ کمروں میں موجود اثاثہ "چند چٹائیوں" دو تھرماس' چھ مختلف رنگوں کی پیالیوں' چار عدد گلاس' ایک الماری' ایک بوسیدہ قالین کا ٹکڑا' ایک کرسی' ایک میز' ایک ریڈیو' ایک بریف کیس' دو تین دیگچے' تین چار سٹیل کی پلیٹیں' دو چار چمچ' شہید کے چار معمولی جوڑے' چار چپل' دو اٹیچی' ایک صندوق اور چار معمولی بستروں پر مشتمل تھا۔ واللہ عالم ! جسے دیکھ کر وہ کافی دیر تک گریہ کرتے رہے کہ شہید کے دفتر میں تو قالین بھی تھے' ایئرکنڈیشنڈ اور فریج بھی مگر گھر کی یہ حالت؟.... لوگ آپ کی خدمت میں انتہائی قیمتی تحائف پیش کرتے تھے مگر آپ وہ تمام تر تحائف ملت کی بیٹیوں کو جہیز میں دے دیتے....

○○○

روحانیت (کشف و کرامات)

علامہ سید عارف حسین الحسینی کی قائدنہ صلاحیتوں، ریاضت، خلوص، تقویٰ، روحانیت، علم و حلم اور افکار و اظہار سے ان کے احباب یا ملت جعفریہ کے افراد بخوبی آشنا ہوں گے مگر یہ سب کچھ تصویر کا ایک رخ تھا جو عوام کی نظروں کے سامنے رہا۔ لیکن اسی کے ساتھ تصویر کا دوسرا رخ تاحال سربستہ رہا بلکہ سربستہ رکھا گیا جس کے پس پردہ کچھ ایسے واقعات پوشیدہ تھے جن کے اظہار پر خود علامہ سید عارف حسین الحسینی کے حکم کے باعث پابندی تھی۔ اس کی کیا وجوہات تھیں؟ ہر صاحب عقل خود فیصلہ کر سکتا ہے لیکن آپ کی شہادت کے بعد یہ راز بھی راز نہ رہے اور شاید پہلی مرتبہ منظر عام پر لائے جا رہے ہیں۔

تصویر کا دوسرا رخ روحانی کشف و کرامات کا امین تھا جو وقت کی دبیز تہوں میں لپٹا رہا۔ مگر یہاں چند ایک واقعات کی روشنی میں اس ملکوتی شخصیت کا عکس ضرور ابھرے گا اور پھر یہ احساس نشتر بن کر دل میں اترنے لگے گا کہ "جب قومیں کسی نعمت خداوندی کا پاس نہیں کرتیں تو خدا ان سے اپنی نعمتیں سلب کر لیتا ہے"۔

○○○

حسین علی آف پاراچنار کے بقول کہ جب آپ پاراچنار میں مدرس تھے تو آپ نے حکومت کے خلاف ایک تحریک کا آغاز کیا تھا جس کا تذکرہ تفصیل کے ساتھ گذشتہ صفحات میں ہو چکا ہے۔ چند احباب نے کرم ایجنسی کے حالات کے پیش نظر آپ کو اس تحریک پر نظرثانی کی اپیل کی تو آپ نے اسی دوران ایک شب خواب میں دیکھا کہ آپ قبلہ رو ہو کر دنبہ ذبح کر رہے ہیں۔ صبح آپ نے احباب کو بلا کر فرمایا "میں دعویٰ سے کہتا ہوں کہ ہماری تحریک کامیاب ہو گی"۔ پھر وقت کو آپ کے دعویٰ کی حقیقت کو تسلیم کرنا پڑا اور کرم ایجنسی کی تاریخ میں پہلی بار حکومت کے خلاف آپ کی تحریک کامیابی ہوئی۔

○○○

جب آپ نے قیادت سنبھالی اور پشاور صدر میں تحریک کے مرکزی دفتر کا قیام فرمایا تو آپ کے پاس صرف دو ساتھی حسین علی اور ایک محافظ ضامن حسین ہوا کرتے تھے۔ آپ شب کے پچھلے پہر عبادت کے لئے اٹھتے اور کمرے سے باہر تشریف لے جاتے تھے۔ ایک مرتبہ ان دونوں افراد نے گزارش کی کہ جب آپ باہر جانا چاہیں تو انہیں آگاہ فرمایا کریں تاکہ پہلے ماحول کا جائزہ لے لیا جائے۔ آپ نے ان دونوں احباب سے فرمایا "یاد رکھنا جب موت آئی تو میرے گرد چوکیدار اور محافظ کے دائرے ٹوٹ جائیں گے" اور پھر ویسا ہی ہوا کہ ۵ اگست ۱۹۸۸ء کی صبح چوکیدار اور محافظ چند لمحوں کے لئے آپ کے گرد سے ہٹے اور شہادت نے آپ کو سینے سے لگا لیا۔

○○○

قیادت کے دوران آپ نے دوبئی میں مقیم اپنے قریبی اور بااعتماد ساتھی حاجی زائر حسین کو ایک قیمتی وائرلیس سیٹ لانے کو کہا۔ زائر حسین نے دوبئی ایئرپورٹ پر پہنچنے سے قبل آپ کو پشاور فون کیا کہ چیز تو انہوں نے خرید لی ہے مگر ایئرپورٹ پر اس کا لانا انتہائی مشکل ہے اگر وہ یہاں لانے پر کامیاب ہو بھی گیا تو اسلام آباد پاکستان ایئرپورٹ سے محفوظ رہنا مزید مشکل ہو جائے گا۔ آپ نے فون پر انہیں ایک آیت بتائی کہ دس مرتبہ پڑھ کر بے خوف و خطر آ جائیں اور اسلام آباد ایئرپورٹ پر آپ کی غیبی مدد ہو گی۔ چونکہ زائر حسین آپ کے معتقد تھے انہوں نے ایسا کیا اور دوبئی ایئرپورٹ پر پہنچ گئے۔ وہ بتاتے ہیں کہ ان کے سامنے دیگر لوگوں کا سامان کمپیوٹر سے چیک ہو رہا تھا اور بکس میں موجود ایک ایک چیز کمپیوٹر بتائے جا رہا تھا۔ جب اس کا بکس کمپیوٹر کی گرفت میں آیا تو کمپیوٹر نے ایک ایک چیز بتانا شروع کر دی لیکن عین اسی لمحہ کمپیوٹر آپریٹر کو عرصہ سے بچھڑے ہوئے کسی دوست نے قریب سے آواز دی تو وہ بے اختیار اٹھ کر دوست کے گلے لپٹ گیا اور اس نے حاجی زائر حسین سے سامان لے جانے کو کہا اور حاجی صاحب پورے اعتماد کے ساتھ وائرلیس سیٹ والی اٹیچی کیس لے کر جہاز میں سوار ہو گئے۔ جب حاجی زائر حسین اسلام آباد پہنچے تو جہاز سے اترنے کے فوراً بعد ایک

شخص ان کے قریب آیا اور فرمایا کہ گھبرائیے نہیں۔ اس شخص نے حاجی زائر حسین کا ہاتھ پکڑا اور انہیں گیٹ پر لے آیا اور خدا حافظ کہا۔ حاجی زائر حسین کے بقول کہ تھوڑی دیر نظر آنے کے بعد یہ شخص اچانک غائب ہو گیا۔ انہوں نے اس شخص کو تلاش کرنے کی کافی کوشش کی تاکہ کوئی تحفہ دے سکیں مگر وہ شخص نہ جانے کہاں گم ہو گیا تھا۔ حاجی زائر حسین نے علامہ سید عارف حسین الحسینی کو ان کی مطلوبہ چیز فوراً پہنچا دی اور سارا ماجرا سنایا آپ نے تاکید فرمائی کہ اس واقعہ کو اپنے تک محدود رکھیں۔

○○○

غلام عباس ڈرائیور جو تاوقت شہادت آپ کے ساتھ رہے روحانی رازوں سے یوں پردہ اٹھاتے ہیں کہ جب وہ آپ کے پاس بطور ڈرائیور آئے تو آغاز میں ایک دن علامہ صاحب نے انہیں اپنے کمرے میں بلایا اور دیگر باتوں کے علاوہ اس بات کی سختی سے تاکید فرمائی کہ اگر وہ آپ کی قربت میں کوئی راز پائیں تو اسے ہر حال میں دیگر لوگوں سے پوشیدہ رکھیں۔ انہوں نے آپ کی شہادت تک ایسا ہی کیا مگر اب وہ بتاتے ہیں کہ آغاز میں آپ کے ساتھ کثرت سفر سے وہ کچھ اکتا چکا تھا مگر جب آپ کی قربت میں اس نے کچھ پایا تو پھر زندگی وقف کر دینے کا عزم کر لیا۔

بقول ان کے کہ ایک مرتبہ علامہ سید عارف حسین الحسینی جنرل سید تصور حسین' آپ کا محافظ اور وہ ڈیرہ اسماعیل خان جا رہے تھے عین مغرب کے وقت ڈیرہ سے تقریباً چالیس کلومیٹر دور "ہیرو" کے مقام پر گاڑی کا "کراس" دھماکہ کے ساتھ ٹوٹ گیا اور گاڑی کڑ کڑ کرتی رک گئی۔ اب ہر طرف اندھیرا چھانے لگا نہ کوئی واقف شخص اور نہ ٹریفک کی فراہمی.... حساس علاقہ میں علامہ سید عارف حسین الحسینی کچھ لمحات کے لئے سوچوں میں گم ہو گئے اور تھوڑی دیر بعد فرمایا "عباس گاڑی چلاؤ" انہوں نے کہا آقا صاحب گاڑی چلنے کے قابل نہیں ہے آپ نے دوسری بار جنرل تصور حسین سے فرمایا جنرل صاحب عباس پریشان ہو رہا ہے آپ بسم اللہ کریں جنرل

صاحب نے گاڑی چلائی تو گاڑی نے رینگنا شروع کر دیا اور آہستہ آہستہ رفتار پکڑنے لگی اور یوں یہ افراد ڈیرہ پہنچ گئے۔

ڈیرہ پہنچنے کے فوراً بعد عباس ورکشاپ پہنچا اور مستری نے معائنہ کرنے کے بعد پوچھا کہ گاڑی اس حالت میں کہاں سے لائے ہو؟ چالیس میل دور سے جب اس کا کراس ٹوٹا تھا عباس نے برجستہ جواب دیا.... مستری نے کہا کراس ٹوٹ جانے کے بعد گاڑی کا ایک فرلانگ رینگنا بھی ناممکن ہے۔ عباس نے آخر علامہ سید عارف حسین الحسینی کا ذکر کیا اور ماجرا سنایا تو مستری نے بے اختیار کہا پہلے مجھے اس ولی کی زیارت کراؤ پھر میں گاڑی ٹھیک کروں گا۔ آخر وہ مستری آپ سے ملنے آیا دعا کی اپیل کی اور گاڑی مفت ٹھیک کر کے دی۔

○○○

آپ کا معمول تھا کہ اکثر رات ڈھلنے کے بعد سفر کرتے اور طویل مسافتوں کو طے کر کے صبح پروگرام کے مطابق جہاں پہنچنا ہوتا پہنچ جاتے۔ آپ کے احباب کے بقول آپ سولہ سے اٹھارہ گھنٹہ تک بھی متواتر سفر کرتے رہتے تھے۔ آپ کے معمول اور حالات و خدشات کے پیش نظر کئی مرتبہ ڈرائیور اور احباب نے رات کی تاریکی میں سفر ترک کرنے کی اپیل کی۔ ایک مرتبہ ڈرائیور کے تکرار پر آپ نے فرمایا "یاد رکھو اور مطمئن رہنا کہ ہمیں سفر میں کوئی تکلیف نہیں آئے گی اور نہ کوئی دشمن دوران سفر ہم پر حملہ آور ہو گا"۔ آخر ایسا ہی ہوا کہ آپ نے ملک بھر میں لاکھوں میل سفر کیا مگر ایک پل بھی مصیبت دامن گیر ہوئی نہ کوئی دشمن راستے میں حائل ہوا۔

○○○

ایک مرتبہ عید قربان سے دو دن قبل آپ ملک کے کسی شہر کا دورہ کر کے پشاور گھر تشریف لائے تو عباس ڈرائیور کو بلا کر پانچ صد روپے دیئے کہ وہ آپ کی والدہ محترمہ کے لئے کچھ چیزیں لائے کیونکہ آپ کو اگلے روز عید کے لئے اپنے آبائی گاؤں پیواڑ جانا تھا۔ آپ رقم دے کر گھر کی بالائی منزل پر سونے چلے گئے۔ عباس نے بتایا کہ

"میں رقم لے کر تھوڑی دیر کے لئے مدرسہ میں بیٹھ گیا اور بازار جانے سے قبل کچھ مایوس ہوا کہ ایک تو آقا صاحب نے دو ماہ سے تنخواہ نہیں دی دوسرا آج عید کے لئے بھی کچھ عطا نہیں کیا جو کہ خلاف توقع تھا۔

مایوسی اور خیالات میں گم آپ کے گھر کی سیڑھیوں پر بیٹھا یہی سوچ رہا تھا کہ پرسوں عید ہو گی آقا صاحب نے مجھے بچوں کے لئے کچھ بھی نہیں دیا اور اب میں کس سے جا کر قرض مانگوں اور کس سے اپنی مجبوری کا اظہار کروں؟ پھر خیال آیا کہ مدرسہ کے سیکرٹری سے دو ہزار روپے قرض لے لوں اور اسے تنخواہ ملنے کے بعد واپس لوٹا دوں گا"میں سوچوں میں گم ہی تھا کہ سیڑھیوں پر آہٹ محسوس ہوئی پیچھے مڑ کر دیکھا تو علامہ عارف حسین الحسینی اپنے قمیض کے جیب میں ہاتھ ڈالے نیند سے بیدار ہو کر آ رہے ہیں۔ میں احتراماً" اٹھ کھڑا ہوا۔ آپ نے جیب سے کچھ رقم نکالی اور مجھے دیتے ہوئے فرمایا "جاؤ بازار سے اپنے بچوں کے لئے بھی چیزیں خرید لو" میں نے احتراماً" عرض کی "آقا صاحب میرے پاس رقم ہے"۔ میرا یہ جملہ سن کر آپ نے نظروں میں نظریں ڈالتے ہوئے فرمایا "اگر آپ کے پاس رقم تھی تو پھر یہاں بیٹھے کیا سوچ رہے تھے؟"

آپ رقم دے کر واپس گھر چلے گئے عباس نے رقم گنی تو اتنی ہی تھی جتنی وہ اپنی ضروریات پوری کرنے کے لئے سوچ رہا تھا۔ بقول عباس کے وہ مسجد میں گیا توبہ کی کہ آئندہ وہ ایسے ملکوتی انسان کے بارے میں کبھی ایسا نہیں سوچے گا۔

○○○

عباس مزید انکشافات کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ عید منانے کے لئے علامہ سید عارف حسین الحسینی اور آپ کے بچے پاراچنار جا رہے تھے کہ بارشوں کی وجہ سے کرم ایجنسی میں سیلاب آیا ہوا تھا۔ پاراچنار سے کچھ میل دور ایک بڑا نالہ بہہ رہا تھا جس کی وجہ سے پوری ٹریفک معطل تھی اور کناروں کے دونوں اطراف سینکڑوں ویگنیں اور ٹرک کھڑے تھے اور سینکڑوں لوگ کناروں پر مایوس بیٹھے اپنی اپنی منزل تک پہنچنے کی

سوچ رہے تھے۔ یہ منظر دیکھ کر عباس ڈرائیور بھی مایوس ہو گئے مگر اسی اثناء میں آپ نے عباس سے فرمایا "نیچے اتریں اور پانی کی گہرائی اور تیزی کا اندازہ کریں"۔ عباس نے جائزہ لینے کے بعد عرض کی "آقا صاحب اس حالت میں عبور کرنا ناممکن ہے"۔ آپ نے تھوڑی دیر سوچا اور پھر حکم دیا کہ "عباس بسم اللہ کرو اور گاڑی پانی میں ڈال دو"۔ عباس نے عرض کی "آقا صاحب گاڑی سے پانی بلند بھی ہے اور تیز بھی"۔ مگر آقا صاحب نے پھر وہی جملہ دہرایا کہ "تم بسم اللہ کرو" عباس کہتے ہیں کہ میں نے حکم کی تعمیل کی گاڑی کنارے پر لایا تو کناروں پر موجود لوگ چیخنے لگے کہ خدا را ایسا نہ کرو گاڑی لہروں میں بہہ جائے گی۔ مگر عباس نے گاڑی پانی میں ڈال دی۔ چند قدم چلنے کے بعد انہوں نے محسوس کیا کہ گاڑی لہروں کی سمت بہنا شروع ہو گئی اور اس دوران مایوس ہو کر اس نے آپ کے چہرے پر نظر ڈالی دیکھا کہ آپ آنکھیں بند کر کے کچھ تلاوت فرما رہے تھے۔ بقول عباس کے اسی لمحے انہیں ایسے محسوس ہوا کہ گاڑی کو کسی نے اٹھایا اور دوسرے کنارے پر رکھ دیا۔ یہ منظر دیکھ کر درجنوں لوگ گاڑی میں براجمان شخصیت کی زیارت کرنے کے لئے دوڑے مگر آپ نے حکم دیا "عباس رکو مت" پلک جھپکنے میں آپ لوگوں کے دائرے کو توڑ کر نکل گئے مگر آپ کے اس روحانی منظر کو آج بھی وہ لوگ اپنے حلقوں میں دہراتے ہیں۔

ایک مرتبہ آپ اپنے گاؤں پیواڑ میں تشریف لے گئے تو عباس ڈرائیور کے گھر والوں نے ان سے کہا کہ آپ نے آج تک آقا صاحب کی دعوت نہیں کی تو عباس نے کہا "آقا صاحب کے ساتھ کافی افراد ہوتے ہیں اہتمام کرنا مشکل محسوس ہوتا ہے"۔ گھر والوں نے کہا کہ آپ آج جائیں آقا صاحب کو ناشتہ کی دعوت دے کر آئیں۔ عباس کہتے ہیں کہ "میں آقا صاحب کے ڈیرہ پر گیا آپ بیسیوں افراد کے درمیان براجمان تھے۔ دل میں خیال آیا کہ جب یہ تمام لوگ اٹھ جائیں گے پھر ناشتہ کی دعوت دوں گا مگر کچھ لمحات بعد آقا صاحب نے وہاں پر بیٹھے ہوئے معززین سے کہا کہ کل صبح عباس کے گھر ناشتہ ہو گا آپ کو دعوت دی جاتی ہے۔ عباس کہتے ہیں کہ آقا صاحب کی یہ بات سن کر میرے حواس اڑ گئے کہ ابھی تک یہ راز تو میرے دل میں ہی تھا مگر آقا صاحب پر کیسے افشاں ہو گیا؟ پھر خیال آیا کہ ایسا تو پہلے بھی کئی بار مشاہدہ کر چکا ہوں کہ یہ شخصیت دلوں کے راز سے بھی واقف ہے۔

○○○

انور زیب (جو کسی زمانہ میں اہل حدیث تھا اور علامہ سید عارف حسین الحسینی کی قربت کی بدولت شیعہ بن گیا تھا) نے بتایا کہ اس کے شیعہ بننے کے بعد علاقہ کے اہلحدیث نہ صرف اسے برا بھلا کہا بلکہ دیگر گھریلو مشکلات سے دوچار کرنے کے بعد وہ انور زیب کی جان کے دشمن بن گئے ساتھ یہ الزام بھی عائد کیا کہ یہ شخص شیعہ عالم دین مولانا عارف حسین الحسینی کا ایجنٹ ہے۔ علاقہ کے چند جنونی مذہبی لوگوں نے یہ طے کیا کہ اگر اسے کبھی علامہ عارف حسین الحسینی کے ساتھ دیکھ لیا گیا تو قتل کر دیا جائے گا۔

ایک مرتبہ علامہ سید عارف حسین الحسینی راولپنڈی جا رہے تھے تو آپ نے انور زیب سے کہا چلیں پنڈی چلتے ہیں" انور زیب نے حکم کی تعمیل کی اور روانہ ہو گئے۔ انور زیب گاڑی میں شیشے کے ساتھ اور علامہ سید عارف حسین الحسینی درمیان میں بیٹھے تھے۔ راستہ میں نوشہرہ کے قریب برلب سڑک انور زیب کا گاؤں واقع تھا۔

جب گاڑی نوشہرہ سے تین میل کے فاصلے پر پہنچی تو انور زیب کے دل میں ایک خوف نے جنم لینا شروع کر دیا کہ آج گاؤں والے یقیناً اسے عمامہ والے مولوی کے ساتھ دیکھیں گے اور اس تصدیق کے بعد اس پر حملہ کریں گے۔ وہ کہتے ہیں کہ گاؤں جوں جوں قریب آتا گیا خوف توں توں بڑھتا گیا۔ مگر وہ آپ سے یہ عرض کرنے کی جرات نہیں کر رہا تھا کہ آپ عمامہ یا عبا اتار دیں۔ لیکن انور زیب کے گاؤں سے دو فرلانگ دور علامہ سید عارف حسین الحسینی نے آہستہ سے اپنی عبا اور عمامہ اتار کر سیٹ پر رکھ دیا اور سر پر ٹوپی لے لی اور پھر انور زیب کے گاؤں سے دو تین فرلانگ دور جا کر عبا اور عمامہ دوبارہ سجا لیا۔

جب انور زیب نے اپنے گھر والوں کو آپ کی روحانیت اور دیگر علم و حلم کی داستانیں سنائیں تو تمام گھر والوں نے بھی مذہب شیعہ اختیار کر لیا۔

OOO

۴ جولائی ۱۹۸۷ء کو آپ لاہور میں امامیہ آرگنائزیشن کے سابق چیئرمین احمد رضا خان کے گھر لاہور تشریف لائے تو آپ نے گاڑی گلی میں کھڑی کر دی اور کافی دیر گھر میں بیٹھے رہے جبکہ اسی دوران احمد رضا خان کا کم سن بھانجا ایک فطری عقیدت کے باعث آپ کی گاڑی کے قریب بیٹھا رہا۔ جب آپ باہر نکلے تو اس چھوٹے سے بچے کو اپنی گاڑی کا محافظ پایا۔ اتفاق سے اس بچے کے منہ پر کچھ بدنما دانے نکلے ہوئے تھے جو لاعلاج ثابت ہو چکے تھے۔ آپ نے بچے کے منہ کی جانب دیکھا اور تھوڑی دیر بعد اپنی انگشت پر اپنا لعاب لے کر بچے کے منہ پر لگا دیا۔ ٹھیک ایک ہفتہ میں یہ لاعلاج مرض ہمیشہ کے لئے ختم ہو گیا اور یوں ننھے سے محافظ کو بدنما بیماری سے نجات مل گئی۔

OOO

سردار سجاد حسین مکین سرگودھا نے بتایا کہ ۶ جولائی ۱۹۸۷ء کی تاریخ ساز قرآن و سنت کانفرنس لاہور کے موقع پر جب اجتماع کے لئے جگہ مقرر کرنے کا مسئلہ پیش آیا تو تحریک کے تمام سرکردہ رہنماؤں نے فیصلہ کیا کہ یہ اجتماع موچی دروازہ یا یونیورسٹی

گراؤنڈ میں ہو گا مگر علامہ سید عارف حسین الحسینی نے ۴ جولائی کو فیصلہ فرمایا کہ ہمارا اجتماع انشاء اللہ مینار پاکستان کے سائے تلے ہو گا۔ آپ کا فیصلہ سن کر تمام احباب گھبرا گئے اور دلائل دینے لگے کہ ملت شیعہ کا پہلا اجتماع ہے اگر ہم مینار پاکستان کا پیٹ نہ بھر سکے تو پھر قیادت اور ملت کے وقار پر ضرب کاری لگے گی۔ تمام احباب نے کئی دلائل دیئے مگر آپ نے بارہا فرمایا کہ "اجتماع مینار پاکستان کے سائے تلے ہو گا اور دنیا دیکھے گی کہ ہمارا اجتماع کس قدر کامیاب ہوتا ہے"۔ آخر سب کو حکم کی تعمیل کرنا پڑی مگر یہ خدشہ ذہن پر سوار رہا کہ اجتماع مینار پاکستان کی وسعت کا بھرم نہیں رکھ سکے گا۔

تحریک کے احباب شب و روز مینار پاکستان کے چکر لگانے میں مصروف تھے آخر ۶ جولائی کی شب علامہ سید عارف حسین الحسینی پچھلے پہر مصلیٰ عبادت پر بیٹھے اور صبح تک عبادت میں مصروف رہے۔ تحریک کے پرستاروں کے دل دھڑک رہے تھے کہ اجتماع کامیاب ہو۔ صبح دس بجے تک مینار پاکستان کی وسعت میں تنگی محسوس ہونے لگی تو احباب خوشی سے آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی "آقا صاحب" مینار پاکستان عوام سے بھر گیا ہے تو آپ نے انتہائی انکساری سے فرمایا "تھوڑی دیر تک یہ اجتماع بادشاہی مسجد تک پہنچ جائے گا"۔ آخر ایسا ہی ہوا کہ ایک بجے تک مینار پاکستان' بادشاہی مسجد اور ان کے گرد ایک فرلانگ تک تل دھرنے کی جگہ نہ رہی بلکہ لوگ جگہ کی تنگی کے باعث درختوں پر سوار ہو گئے۔ جس کا اعتراف ملک کے تمام اخبارات نے بھی کیا۔ ایک مشکل اور کڑے وقت میں آپ کی روحانیت نے ملت کا بھرم رکھ لیا اور آپ کی بات سچ ثابت ہوئی۔

○○○

۱۹۸۸ء کو حج کی ادائیگی کے بعد جب سعودی پولیس نے تحریک کے نائب صدر علامہ فاضل حسین موسوی' ڈاکٹر محمد علی نقوی اور سید اعجاز علی شاہ صاحب کو گرفتار کر لیا تو یہ بات زبان زد عام ہو گئی کہ سعودی حکومت ایران اور شیعت دشمنی کی بناء پر ان تمام حضرات کو تختہ دار پر لٹکا دے گی۔ اسی دوران ڈاکٹر محمد علی نقوی کی اہلیہ نے علامہ

سید عارف حسین الحسینی کو صورتحال سے آگاہ فرمانے کی گزارش کی تو آپ نے سجاد حسین میکن کے ہاتھوں ڈاکٹر صاحب کے گھر پیغام بھجوایا کہ "ڈاکٹر صاحب ہر حال میں واپس آئیں گے لہٰذا آپ بے فکر رہیں"۔

شب شہادت آپ نے اپنے آفس سیکرٹری احسان جعفری صاحب سے پوچھا "جعفری صاحب کیا ایران مکہ کو سعودی عرب والے چھوڑ دیں گے"؟ انہوں نے کہا آقا صاحب میں کیا کہہ سکتا ہوں۔ آپ نے فرمایا میں وثوق سے کہتا ہوں کہ وہ ضرور وطن واپس آئیں گے"۔ پھر ایسا ہی ہوا یہ ایران تو وطن لوٹ آئے مگر خود قائد عظیم الشان نے اپنی جان کا فدیہ دے دیا۔

○○○

ایک مرتبہ آپ لاہور تشریف لائے تو ایک شخص آپ کی خدمت میں آیا اور امامبارگاہ کی تعمیر اور اراضی کے بارے میں اپنی مشکلات سے آگاہ کر کے آپ کی مدد کا طالب ہوا۔ حال دل بتاتے بتاتے وہ شخص رو پڑا آپ نے انہماک سے اس کی باتوں کا جائزہ لیا اور حوصلہ دے کر اسے رخصت فرمایا۔ اس شخص کے چلے جانے کے بعد آپ نے آئی ایس او کے عہدیدار سید صفدر رضا سے کہا کہ اس شخص پر کڑی نظر رکھیں کیونکہ اس کے زبان و دل میں مطابقت نہیں ہے۔ آخر تحقیق کرنے کے بعد معلوم ہوا کہ اس شخص نے کسی کی اراضی پر ناجائز قبضہ کر کے امامبارگاہ کا شور برپا کیا ہوا تھا تا کہ وہ قوم اور رہنماؤں کا تعاون حاصل کر سکے حالانکہ وہ یہاں اپنا مکان بنانے کا ارادہ رکھتا تھا۔ دوم اس شخص کا مذہب سے دور کا بھی تعلق نہیں تھا بلکہ وہ غیر اسلامی حرکات کا ارتکاب کرتا تھا۔

○○○

ایک اعلیٰ تعلیم یافتہ نوجوان پشاور آپ کے پاس آیا اور تحریک کی خدمت اور آپ کی قربت میں زندگی وقف کرنے کا اظہار کیا۔ آپ نے اس کی خدمات قبول فرمائیں اور اسے تحریک کے سٹاف میں شامل کر لیا۔ ایک روز عصر کے وقت یہ نوجوان

مدرسہ کی دیوار کے سائے تلے چارپائی پر بیٹھا اپنی تعلیم' مستقبل اور ضعیف والدین کی مالی معاونت کے بارے میں گہری سوچوں میں گم ہی تھا کہ ایسے میں آپ کا گزر ہوا آپ اس نوجوان کے پاس ٹھہرے اور فرمایا "زندگیاں وقف کرنے والے پیسوں کے چکر میں نہیں پڑتے' اٹھو نماز ادا کرو"۔ آپ کا یہ جملہ سن کر وہ نوجوان مچھلی کی طرح تڑپا' معذرت کی اور پھر ایسا نہ سوچنے کا دل میں تہیہ کیا۔

○○○

برادر انجم رضا لاہور نے واقعہ نقل کیا کہ کبیر والا ضلع ملتان کے ایک خطیب مسجد' شوق زیارت کی غرض سے آپ سے پشاور ملنے گئے تو کسی نے ان کی جیب سے رقم نکال لی۔ وہ بڑی مشکل سے آپ کے مدرسہ پہنچے آپ کے استفسار پر انہوں نے علاقہ کے حالات اور وجہ آمد بتائی مگر گفتگو کے دوران مولانا صاحب کرایہ کے بارے میں سخت پریشان رہے۔ ایسے میں علامہ عارف حسین الحسینی نے فرمایا "مولانا صاحب آپ حالات سکون اور تفصیل سے بتائیں میں آپ کی موجود مشکل سے آگاہ ہوں"۔

جب مولانا صاحب نے رخصت ہونے کے لئے خدا حافظ کہا تو آپ نے جیب سے تین سو روپے نکال کر مولانا کے حوالے کئے اور فرمایا کہ "یہ آپ کا کرایہ ہے"۔

○○○

سید اقرار حسین نقوی میانوالی نے واقعہ نقل کیا کہ پشاور میں آپ کا مدرسہ زیر تعمیر تھا اور مستری و مزدور بڑی تیزی سے کام کرنے میں مصروف تھے۔ ایک روز آپ ایک مستری جو اہلسنت مسلک سے تعلق رکھتا تھا کے پاس گئے دو اینٹیں لیں اور ان پر بیٹھ گئے۔ مدرسہ کی دیگر چیزوں کے بارے میں گفتگو کرتے کرتے قریب کھڑے ہوئے "کرنا" کے ایک پودے کے بارے میں پوچھا یہ خوشبو نہیں دیتا" مستری نے جوابا" عرض کی آقا صاحب اس پر پھول لگنے اور خوشبو پھیلانے تک کچھ عرصہ درکار ہے۔ تو آپ نے اطمینان سے فرمایا یہ بہت جلد خوشبو سے ماحول معطر کرے گا"۔

آپ کی شہادت کے ایک دن بعد اس پودے پر دو تین پھول لگ گئے جن کی

بھینی بھینی خوشبو سے پورا مدرسہ معطر ہونے لگا۔ جب مستری کی نظر اس پودے پر پڑی تو وہ دھاڑیں مار کر رونے لگا کہ چند دن قبل اس پودے کے بارے میں شہید عارف حسین الحسینی نے خوشبو کا ذکر فرمایا تھا اور آج بھی یہ شخص دھاڑیں مار کر کہتا ہے کہ کاش وہ اس عظیم سید سے فیضیاب ہوتا' کاش وہ آپ کی روحانیت کا ادراک کر لیتا۔

○○○

آپ کے ایک قریبی رفیق اور مدرسہ کی تعمیر کے مسئول شبیر علی سے یہ واقعہ نقل ہے کہ ایک دفعہ آپ دس پندرہ دن کے دورے پر پشاور سے باہر چلے گئے۔ اس دوران مستریوں' مزدوروں اور سامان دینے والوں نے رقم کے لئے شبیر صاحب کو تنگ کیا ہوا تھا۔ جب قائد محترم واپس تشریف لائے تو شبیر نے حالات سے آگاہ کیا اور مودبانہ کچھ رقم مرحمت کرنے کے لئے عرض کیا۔ آپ نے فرمایا کہ رات گزرنے دو' کل شام تک آپ کو مطلوبہ رقم مبلغ پچاس ہزار روپے مل جائے گی۔

بعد میں شبیر علی نے اتفاقاً" ڈرائیور سے پوچھا کہ کیا آقا صاحب کے پاس اس قدر رقم ہے؟ تو اس نے کہا کہ میرے پاس آقا صاحب کا بریف کیس ہے جس میں صرف پندرہ سو روپے ہیں نہ جانے اتنی رقم کہاں سے لائیں گے؟

صبح ہو گئی رقم نہ ملی' دوپہر کے لمحات بیت گئے رقم نہ ملی عصر کے سائے ڈھلنے لگے مگر رقم نہ ملی' مغرب کا اندھیرا چھانے لگا مگر رقم نہ پہنچی۔ قائد محترم پرسکون نماز میں مصروف ہو گئے۔ دن بیت گیا تو سارے لوگ پریشان ہوئے کہ آج رقم نہیں ملی۔ اس طرح کی باتیں ہو رہی تھیں مگر آپ انتہائی پرسکون عبادت میں مصروف تھے۔ آپ نے عشاء کی نماز ختم ہی کی تھی کہ فون کی گھنٹی بجی ڈرائیور عباس نے فون سنا تو ایک شخص کراچی سے عربی میں بات کر رہا تھا۔ ڈرائیور نے آپ کو فون کے بارے میں آگاہ کیا تو آپ مصلی پر ہی مسکرانے لگے' اٹھے فون سنا اور ڈرائیور سے کہا کہ چند گھنٹوں بعد ایک معزز مہمان تشریف لانے والا ہے کھانے کا بندوبست اور ایئرپورٹ پر ان کا استقبال کریں۔

چند گھنٹوں بعد وہ شخص مدرسہ میں تشریف لایا مدرسہ کی تعمیر کو غور سے دیکھا۔ آپ سے ملت کے حالات پر سیر حاصل بحث کی اور جاتے وقت تقریباً ایک لاکھ روپے آپ کے سپرد کیے کہ یہ ان کا خمس ہے۔ آپ جہاں مناسب سمجھیں خرچ کریں۔ آپ نے مہمان کے جانے کے بعد اپنے رفیق کو بلایا اور کہا کہ یہ رقم لیں اور وعدہ کے مطابق متعلقہ افراد کے قرض اتاریں۔

○○○

آپ اپنی اکثر نمازوں اور دعاؤں میں شہادت کی دعا طلب فرمایا کرتے تھے بلکہ ہر سفید ریش عالم دین اور ہر زائر امام حسین علیہ السلام سے اکثر شہادت کی دعا کی اپیل کرتے تھے۔ آپ کے بہنوئی سید ذاکر حسین نے بتایا کہ ایک مرتبہ آپ گھر میں تشریف فرما تھے کہ آپ کی والدہ ماجدہ مصلی عبادت پر دعا مانگ کر خدا کی بارگاہ میں گریہ کر رہی تھیں کہ آپ کی نظر اپنی والدہ کی اس حالت پر پڑی۔ آپ جلدی سے اٹھے والدہ ماجدہ کے پاؤں پکڑتے ہوئے عرض کی ایسے میں ان کے لئے شہادت کی دعا کریں۔ والدہ مزید اشکبار ہو گئیں کہ عارف بھلا اس عمر میں بھی کوئی موت کی دعائیں طلب کرتا ہے؟ آپ مایوس ہوئے مگر ماں نے آپ کے لئے شہادت کی دعا مانگی تو آپ نے پر سکون ہو کر فرمایا "اب یہ سعادت مجھے ضرور نصیب ہو گی" یہی وجہ تھی کہ لاہور میں علماء کے ایک اہم اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے آپ نے انتہائی وثوق سے فرمایا تھا کہ "میں نے اپنے رب سے شہادت کی دعا طلب کی ہے مجھے یقین ہے کہ میری دعا قبول ہو چکی ہے"۔

ایک مرتبہ دو شیعہ قیادتوں کے اتحاد کے لئے ضلع جہلم میں ایک کوشش ہوئی جس میں آپ وقت پر پہنچ گئے مگر موسوی صاحب تشریف نہ لا سکے۔ کافی انتظار کے بعد آپ میرپور آزاد کشمیر میں ہونے والی کانفرنس میں شرکت کے لئے چلے گئے واپسی پر اپنے احباب سے فرمایا کہ جہلم کے راستے چلیں مجھے محسوس ہوتا ہے کہ تحریک کی کامیابی کے لئے کوئی قدم اٹھنے والا ہے"۔ آپ اسی علاقہ میں واپس آئے تو وہاں کی بااثر معزز شخصیات سے سینکڑوں افراد سمیت موسوی صاحب کی قیادت کو ٹھکرا کر آپ

کی قیادت کا ساتھ دینے کا عزم کیا۔ انھوں نے بتایا کہ ایک وفد آپ سے پشاور ملنے جا رہا تھا الحمدللہ کہ آپ تشریف لے آئے۔

○○○

اپنی شہادت سے ایک ہفتہ قبل کراچی میں درس ارشاد فرماتے ہوئے اچانک اپنے سامعین سے یہ جملہ فرمایا۔ "آپ تصور کریں کہ میں مرجاتا ہوں" سامعین اس وقت آپ کے اس جملہ کی حقیقت نہ پا سکے۔

○○○

آپ کے برادر نسبتی آقا انصار حسین نے بتایا کہ آقا عارف حسین کے قائد بننے کے بعد علاقہ کے چند مخالف لوگ آپ پر ایرانی ایجنٹ کا الزام لگایا کرتے تھے۔ یہاں تک کہنے سے بھی گریز نہیں کرتے تھے کہ عارف حسین کروڑوں روپے جمع کر رہے ہیں۔ مخالفین کے چرچے عام ہوئے تو ان کے دل میں بھی خیال آیا کہ اپنے بہنوئی سے اس بات کی تصدیق کرنی چاہئے۔ آخر ایک دن ایسا ہوا کہ آقا انصار حسین آپ کے گھر پشاور آئے۔ جب دسترخوان پر کھانا کھانے بیٹھے تو انصار حسین نے دل میں سوچا کہ تنہائی کے یہ لمحات سوالات کے لئے موضوع ہیں۔ مگر وہ یہ سوچ کر خاموش تھے کہ کہیں آپ برا نہ منائیں کہ انصار حسین تم بھی میرے بارے میں یہی سوچتے ہو؟

ابھی یہ خیال ان کے ذہن تک محدود ہی تھا کہ آپ انصار حسین سے یوں مخاطب ہوئے "آقا انصار آپ کیا سمجھتے ہیں کہ ہمیں ایران سے امداد ملتی ہے۔ آپ کا کیا خیال ہے کہ قیادت سے قبل میرے پاس زیادہ رقم تھی یا قیادت کے بعد"؟

انصار حسین آپ کا یہ سوال سن کر ششدر ہوئے اور کہنے لگے "صاف ظاہر ہے کہ قیادت کے بعد" مگر آپ نے فرمایا پھر اپنے اندازے کا جواب اپنی بہن سے لے لو۔ جب انصار حسین نے اپنی بہن سے اپنا تجسس دہرایا تو انھوں نے جواب دیا کہ "سید عارف حسین کی قیادت سے قبل کبھی ہمارے گھر میں فاقہ نہیں ہوا تھا جبکہ قیادت کے بعد ہم کئی بار فاقوں سے دوچار ہو چکے ہیں"۔

○○○

دلوں کے رازوں سے آگاہی پر آپ کی قدرت رکھنے کا واقعہ انصار حسین یوں بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ وہ آپ کے گھر پشاور میں مقیم تھے کہ آپ اپنے احباب سمیت راولپنڈی کے لئے عازم سفر ہوئے۔ بقول انصار حسین کہ ان کے دل میں یہ خیال آیا کہ اگر آقا عارف حسین الحسینی انہیں بھی ساتھ لے چلتے تو مناسب ہوتا۔ گاڑی روانہ ہونے لگی تو آپ نے ڈرائیور سے کہا کہ انصار حسین کو بلاؤ اور انہیں بھی ساتھ لے چلو۔

دوسری بار آپ پشاور سے لاہور جانے لگے تو انصار حسین کے دل میں خیال آیا کہ آقا صاحب انہیں لاہور لے جاتے تو سیر ہو جاتی۔ پھر ایسا ہی ہوا کہ آپ نے انصار حسین کو بلا کر اپنے ساتھ چلنے کو کہا اور ساتھ یہ بھی فرمایا کہ "آپ نے راولپنڈی کی سیر کرلی ہے لاہور بھی دیکھ لو۔ زیادہ سوچا نہ کرو برملا خواہش کا اظہار کر دیا کرو"۔

○○○

آپ کے مدرسہ کی تعمیر کے مسئول برادر نے حلفاً اقرار کیا کہ وہ وقت شہادت مدرسہ میں تھے جونہی فائر کی آواز اور پھر ماتم و گریہ کی آوازیں بلند ہوئیں تو وہ بھی اپنے قائد کی طرف دیوانہ وار دوڑے۔ جب مقتل پر پہنچے تو آقا سید جواد ہادی صاحب اور دیگر طلباء شہید کو ہاتھوں پر اٹھائے ہوئے تھے اور سینہ سے خون مسلسل بہہ رہا تھا۔ شبیر علی نے فوراً زمین پر بہنے والے بے گناہ خون پر ہاتھ مارے اور اپنے منہ پر مل لئے۔ بقول ان کے کہ شہید کی اسی تازہ لہو سے مہکتے پھولوں کی منفرد خوشبو محسوس ہوئی۔

○○○

عبداللہ چوکیدار باتیں کرتے کرتے جب ضبط کا بندھن توڑ بیٹھا تو سسکیاں لے کر کہنے لگا کہ عارف حسین زندہ ہیں۔ وہ خواب میں ملتے ہیں جو کہتے ہیں وہی ہوتا

ہے۔ پھر اس نے آپ کے زندہ ہونے کی مثال یوں دی ہے کہ "علامہ عارف حسین الحسینی کی اچانک شہادت کے بعد پولیس نے شبہ کی بناء پر مجھے گرفتار کر لیا اور ایک ماہ کی مسلسل تفتیش کے بعد کسی کی طرف سے ضمانت نہ دینے کی وجہ سے جیل بھیج دیا۔ جب میں جیل چلا گیا تو میرے خلاف پروپیگنڈا ہوا کہ عبداللہ قاتل ہے جس کی وجہ سے کوئی شخص بھی مجھے جیل ملنے نہ آیا۔ حالت یہ تھی کہ جیب میں ایک روپیہ تک نہ تھا۔ سارا دن جیل میں روتے گزرتا اور رات کو طرح طرح کے خیالات ذہن کو مرتعش کر دیتے۔

آخر سزائے موت کے ایک قیدی نے ایک دن مجھ سے بے قراری کی داستان پوچھ لی۔ جب اس نے سنا کہ میں سید عارف حسین الحسینی کا باورچی اور خادم ہوں تو اس نے بے ساختہ کہا تم نے ولی کی غلامی کی ہے۔ آئندہ کھانا میرے ساتھ کھایا کرو۔ کھانے کا مسئلہ تو حل ہو گیا مگر میں رقم نہ ہونے کے باعث ضرورت کی کوئی چیز بھی نہیں لے سکتا تھا۔ انتہائی اداس تھا کہ روتے روتے آنکھ لگ گئی۔ دیکھا کہ شہید قائد تشریف لائے اور پوچھا "عبداللہ اداس کیوں ہو"؟ میں نے مجبوری ظاہر کی تو آپ نے اپنی جیب سے پانچ سو روپے کا نیا نوٹ نکالا اور مجھے تھما دیا۔ میری آنکھ کھلی تو خالی ہاتھ جیل تھا۔ روتے روتے پھر سو گیا۔ صبح ہوئی کوئی دس بجے کا وقت تھا کہ ایک قیدی نے اطلاع دی کہ تمہارے ملاقاتی آئے ہیں۔ خوشی خوشی گیٹ پر آیا تو سید امجد علی کاظمی ایڈووکیٹ اور مظفر علی اخوندزادہ آئے ہوئے ہیں انہوں نے خود مجھے پانچ سو روپے کا نوٹ دیا اور بالکل ویسا ہی تھا جیسا شہید نے خواب میں تھمایا تھا"۔

○○○

عبداللہ نے مزید انکشاف کیا کہ "جب جیل میں کافی دن گزر گئے اور کوئی شخص میری ضمانت کے لئے نہ آیا تو میں ایک دن اداسی کے عالم میں گم تھا کہ اچانک میری بچی کا خط آیا۔ جس میں تحریر تھا کہ "ابا جان تمہارے خلاف چند لوگوں نے پروپیگنڈہ کیا ہوا ہے کہ تم علامہ عارف حسین الحسینی کے قاتل ہو اگر ایسا ہے تو خدا تمہیں معاف

نہیں کرے گا۔ یہ باتیں سن کر امی دماغی توازن کھو بیٹھی ہیں' اکلوتا بھائی سخت بیمار ہے اور تمہاری ضمانت کرانے کے لئے کوئی شخص بھی تیار نہیں"۔

یہ خط پڑھ کر مجھ پر قیامت ٹوٹ پڑی۔ میں بے پناہ رونے کے بعد سو گیا دیکھا کہ شہید قائد پھر آ گئے۔ اداسی کی وجہ پوچھی میں نے گھر کے حالات بتائے تو آپ نے تسلی دیتے ہوئے کہا "فکر نہ کرو میں کل کسی کو تمہاری ضمانت کے لئے بھیجوں گا"۔

صبح ہوئی تو پولیس والے نے مجھے اطلاع دی کہ تمہارا ملاقاتی ہے۔ میں گیٹ پر آیا تو احسان اللہ ہزارہ آیا ہوا تھا۔ اس نے مجھ سے کیس کی نوعیت پوچھی پھر بیس ہزار پر میری ضمانت کرائی اور میں دوسرے روز جیل سے باہر آ گیا"۔

○○○

محبت علی حیدری آفس سیکرٹری (جس سے قاتلوں نے پہلی ملاقات کی تھی اور فقیر گل اور بدرے نے مدرسے کا داخلہ فارم وصول کیا تھا) نے اپنا خواب یوں بیان کیا کہ "قائد کی شہادت کے بعد حسرت تھی کہ کبھی وہ خواب میں ملیں مگر ایک ماہ گزر گیا۔ میری حسرت تشنہ لب رہی۔ ایک ماہ بعد ایک رات مجھے شہید خواب میں ملے اور صرف اتنا کہا کہ "محبت علی جلدی سے فون اٹھاؤ"۔ بس یہ کہہ کر آپ غائب ہو گے۔ میں ملنے کے لئے جلدی سے اٹھ بیٹھا مگر خواب کی بات سمجھ سے بالاتر رہی۔

صبح ہوئی میں تحریک کے دفتر آیا جونہی آفس میں پہلا قدم رکھا تو سامنے پڑے ہوئے فون کی گھنٹی بجی۔ میں نے جلدی سے فون اٹھایا تو تفتیشی ٹیم کے پولیس افسر ایس پی زیدی صاحب مخاطب تھے۔ انہوں نے بتایا کہ "محبت علی آپ کے قائد کا قاتل جمیل اللہ ساکن خویشگی رات گرفتار ہو گیا ہے اور اس نے جرم کا اعتراف کر لیا"۔ بس یہ سن کر مجھے خواب کی تعبیر مل گئی"۔

○○○

جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ربانی ہے کہ "شہید زندہ ہوتے ہیں مگر تم ان کا ادراک نہیں رکھتے" کے مصداق شہید عارف حسین الحسینی آج بھی زندہ ہیں مگر

نظروں سے اوجھل..... آج بھی تحریک کے مسائل کے حل کے لئے انتہائی معتمد ساتھیوں کو خواب میں مل کر ہدایات جاری کرتے ہیں اور بالخصوص اپنے گھر کے بارے میں اہل خانہ کی ہر مرحلہ پر رہنمائی فرماتے ہیں۔

انتہائی مصدقہ اطلاع کے مطابق آپ اپنے دوسرے بیٹے علی حسینی جو قم میں زیر تعلیم ہیں کے بارے میں کئی ایک متقی دوستوں سے سفارش کرتے ہیں اور کئی بار قم میں مقیم پاکستانی طلباء سے اس خواہش کا اظہار کر چکے ہیں کہ وہ علی کو فلاں فلاں عالم دین کے دروس میں لے جائیں۔

○○○

برادر محمد علی ڈیرہ غازی خان نے آپ کی روحانیت کا ذکر کرتے ہوئے واقعہ سنایا کہ "میں نے آئی۔ ایس۔ او کے اجتماعات میں کئی بار سید عارف حسین الحسینی کو دیکھا' کئی بار ان کے قریب بیٹھا مگر کبھی بات کرنے کا موقع نہ ملا کیونکہ آپ کے رعب اور نورانی جلال سے کبھی جسارت نہ ہوئی۔ آپ کی شہادت کے بعد اچانک میں بیمار ہو گیا۔ یہاں تک کہ میرا مرض لاعلاج تصور کیا گیا۔ جب زندگی کی کوئی امید نظر نہ آئی تو میں ایک دن یہی سوچتا رہا کہ میں شاید اس دنیا سے چلا جاؤں گا۔ آئی۔ ایس۔ او کے محبوب دوستوں سے بچھڑ جاؤں گا۔ آئی۔ ایس۔ او کے خوب صورت اور دلکش اجتماعات ہوں گے مگر میں نہیں ہوں گا۔ یہی سوچتے سوچتے اور اشک بہاتے بہاتے رات کو سو گیا۔ اچانک خواب دیکھا کہ علامہ سید عارف حسین الحسینی میرے پاس آئے مجھ سے پریشانی کی وجہ دریافت فرمائی۔ میں نے اشک بار آنکھوں سے داستان غم سنائی تو انہوں نے اپنے سر سے عمامہ اتارا اور میرے جسم پر پھیر دیا اور یہ کہہ کر چلے گئے کہ بے فکر رہو۔ بس صبح ہوئی طبیعت سنبھلنے لگی' مرض کافور ہونے لگا اور نئی زندگی کے ساتھ میں آج بھی آئی۔ ایس۔ او کے اجتماعات سے لطف اندوز ہوتا ہوں"۔

○○○

آپ کے ڈرائیور غلام عباس نے آپ کے آخری سفر کی داستان سناتے ہوئے

ایک منظر کی طرف اشارہ کیا انہوں نے بتایا کہ "جب ۴ اگست ۱۹۸۸ء کو دوپہر آپ اپنے چچا کی ہسپتال سے عیادت کر کے نکلے تو پاراچنار میں ظہرین کی اذانیں ہو رہی تھیں۔ آپ کا معمول تھا کہ جہاں اذان کی آواز آپ کے کانوں سے ٹکراتی آپ گاڑی روک کر نماز ادا فرماتے مگر آج خلاف معمول ایسا نہیں کر رہے تھے۔ غلام عباس نے سوچا کہ شاید آگے علاقہ "شبلان" میں اپنے دوست حاجی کمال حسین کے ڈیرہ پر نماز ادا کریں گے۔ مگر پاراچنار کا علاقہ ختم ہو گیا اور آپ نے نماز کے لئے گاڑی نہ رکوائی۔ آج کی یہ ادا غلام عباس کی سمجھ سے بالاتر تھی۔ آپ "ٹل" کے مقام پر پہنچے تو غلام عباس کو گاڑی میں تیل ڈلوانے اور نماز ادا کرنے کے لئے کہا جب کہ آپ نے پٹرول پمپ کے قریب ایک صاف جگہ پر مصلیٰ بچھایا اور نماز ادا کرنے لگے۔

غلام عباس نے سوچا کہ کسی مسجد میں نماز پڑھ لیتے تو بہتر ہوتا۔ کیونکہ علاقہ خطرناک ہے۔ آپ نماز سے فارغ ہوئے وہاں پر کھڑے ہو کر طویل دعا مانگی اور پھر چل پڑے۔ بقول غلام عباس کے شہید کا خلاف معمول دیر سے اور پر خطر علاقہ میں برلب سڑک نماز پڑھنے کا منطق سمجھ نہیں آ رہا تھا۔ آپ کی شہادت کے کچھ عرصہ بعد جب غلام عباس کا اس سڑک سے گزر ہوا تو اسے وہ وقت یاد آیا جب فرزند حسین نے یہاں ظہرین کی آخری نماز ادا کی تھی۔ جونہی غلام عباس نے اس نماز والی جگہ کو دیکھا تو اسے وہاں ایک خوبصورت مسجد دکھائی دی۔ اس سے رہا نہ گیا اس نے مسجد کے بارے استفسار کیا تو معلوم ہوا کہ پٹرول پمپ کے مالک کو خواب میں بار بار یہ تاکید کی گئی کہ وہ اس جگہ مسجد تعمیر کرائے۔ یہ مسجد آج بھی راہ کربلا کے مسافر کے سجدہ ظہر کی نشانی ہے۔ جس کی حقیقت سے لوگ ناآشنا ہیں مگر

روشنی تیرے "سفیروں" کا نشاں باقی ہے
دامن شب میں چراغوں کا دھواں باقی ہے
مسکرائیں بھی کسی رت میں تو کیسے عارف
آنکھ میں تیری جدائی کا سماں باقی ہے

شہید کے آخری ایام زندگی

۶ جولائی کا تاریخی اجتماع ملت جعفریہ پاکستان کے لئے اگرچہ ایک تاریخی اہمیت کا حامل تھا مگر اس کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے کہ ۷ جولائی ۱۹۸۷ء کو شائع ہونے والے انگریزی و اردو اخبارات امریکی سفارتخانے میں کثیر تعداد میں منگوائے گئے اور ۶ جولائی کی بیسیوں ویڈیو کیسٹیں امریکہ بھجوائی گئیں۔ جس کی تصدیق ملک کے ایک ممتاز صحافی نے کی۔

۶ جولائی ۱۹۸۷ء سے ۵ اگست ۱۹۸۸ء کے گیارہ ماہ کے دورانیہ میں شہید علامہ سید عارف حسین الحسینی کی شخصیت' اہل اقتدار کی آنکھوں میں کانٹا بن کر رہ گئی سازشوں کے سامنے چٹان کی مانند ڈٹے رہنے کی صلاحیت اور فیصل آباد' ملتان اور ڈیرہ اسماعیل خان کی یکے بعد دیگرے عظیم اور بے نظیر قرآن و سنت کانفرنسوں نے حکمرانوں اور ان کے آقاؤں کے احساس ستم کو ضرورت میں بدل دیا۔

یہ راز کہ سازش کی تیاری میں کتنا وقت صرف ہوا اور کن کن شخصیات نے حصہ لیا ابھی تک پوشیدہ ہے البتہ اس کی تکمیل میں سابق صدر ضیاء الحق کی خصوصی حفاظتی ٹیم کا ایک فوجی افسر باعث تکمیل ثابت ہوا۔

آپ کی شہادت سے تقریباً ایک ماہ قبل جب آپ مظفر علی اخوندزادہ کے ساتھ مدرسہ میں محو گفتگو تھے تو کراچی سے ایک فون آیا۔ آپ نے اٹھ کر فون سنا اور باہر بیٹھے ہوئے احباب کی طرف بار بار یہ کہتے ہوئے لوٹے کہ "بابا ہمیں کون قتل کرے گا' ہم نے کسی کو کیا تکلیف دی ہے"۔ مظفر علی کے استفسار پر آپ نے فون کا مدعا یوں بیان فرمایا کہ "کسی قریبی دوست نے کراچی سے اطلاع دی ہے کہ آپ کے قتل کی سازش مکمل ہو چکی ہے لہذا ہر پل محتاط رہیں"۔ یہ بات سن کر مظفر علی نے بھی آپ سے التماس کی کہ یقیناً ایسا ممکن ہے کیونکہ موجودہ حکمرانوں اور ان کے آقاؤں کے لئے پاک سرزمین پر آپ کا وجود آنکھ کا کانٹا بن چکا ہے۔ اس سے قبل کئی احباب آپ کو اس خطرے سے بارہا آگاہ کر چکے تھے۔ مگر آپ تھے کہ ہر بار جواب دیتے "دوستو بھائیو مجھے شہادت جیسی نعمت سے ڈراتے کیوں ہو"؟

آپ کی شہادت سے تقریباً ایک ماہ قبل ایک شیعہ فوجی افسر کئی بار پشاور آیا اور آپ کے ایک انتہائی قریبی دوست سے ملا اور آپ سے بالمشافہ ملنے کی خواہش کا اظہار کیا۔ وہ ہر بار ملنے کی خواہش لے کر آیا مگر آپ سے ملنے میں ہچکچاہٹ محسوس کر کے واپس چلا گیا جبکہ آپ کی شہادت کے بعد وہ فوجی افسر پھر کبھی پشاور نہیں آیا۔ اس کے اس انداز سے اندازہ لگایا جاتا ہے کہ شاید اسے سازش کا بخوبی علم تھا وہ مذہبی اور فطرتی جذبات کے پیش نظر آپ کو سازش سے آگاہ کرنا چاہتا تھا مگر ہر بار اپنی ذمہ داری اور نوکری کا احساس اس کے اور شہید کے درمیان حائل رہا۔

آغا مرتضیٰ پویا صاحب نے مئی ۱۹۸۸ء میں ایک ملاقات کے دوران آپ پر خدشہ واضح کیا تھا کہ ''ضیاء الحق کے خلاف اپنے موقف پر نرمی اختیار کریں بصورت دیگر آپ کے خلاف سازش تیار ہو رہی ہے''۔

علامہ سید عارف حسین الحسینی نے زندگی کے آخری ماہ میں صرف کراچی اور اپنے آبائی گاؤں پاراچنار کا دورہ کیا۔ پہلی بار جب ماجد گیلانی نے قاتلوں سے رابطہ کیا اور انہیں آپ کے مدرسہ کے سامنے اتار کر نشاندہی کی تو آپ کراچی کے دورے پر تھے۔ اسی دوران قاتل وقتاً فوقتاً آتے رہے آخر آپ کراچی سے واپس آئے تو فقیر گل اور بدرے نے آپ سے پہلی ملاقات کی اور ایک خط لکھوایا جس کا مفصل ذکر آئندہ صفحات کے دامن میں موجود ہے۔

جب آپ کراچی کے آخری دورے پر تھے تو وہاں بھی آپ کو خدشات سے آگاہ کیا گیا مگر آپ نے زیادہ توجہ نہ دی۔ کراچی سے پشاور واپس آئے تو فوراً پاراچنار چلے گئے کیونکہ آپ کے بڑے چچا سید آثار الحسین شدید علیل تھے جن کی وجہ سے آپ کے اہل خانہ بھی پاراچنار گئے ہوئے تھے۔ آپ نے پاراچنار ہسپتال میں چچا کی عیادت کی پھر پیواڑ تشریف لے گئے دو چار روز اپنے بچوں کے ہمراہ گزارے اسی دوران اپنے تمام رشتہ داروں سے ملے۔ ۳ اگست ۱۹۸۸ء کو آئی۔ایس۔او پاراچنار کے زیر اہتمام ایک جلسہ میں شرکت فرمائی اور پھر اسی شام اپنی بڑی بہن کو ملنے بستی ملانہ چلے گئے۔ مغربین کی نماز تک اپنی بہن کے گھر رہے وہاں تمام رشتہ داروں سے ملے اور اجازت

لے کر پاراچنار واپس آ گئے۔

ملانہ سے واپسی پر راستہ میں ڈرائیور سے کہا کہ مدرسہ جعفریہ پاراچنار کی روٹی کھانے کو جی چاہتا ہے لہٰذا سیدھا مدرسہ چلیں۔ آپ نے رات مدرسہ میں قیام فرمایا۔ اسی رات آپ کی بڑی بہن نے جسے آپ شام کو مل کر واپس آئے تھے' اذان صبح سے کچھ لمحات قبل ایک خواب دیکھا کہ دو حملہ آور شخص ان پر حملہ کرتے ہیں اور وہ شوہر کو بلاتی ہیں مگر شوہر کے پہنچنے سے قبل ان کا دایاں بازو کٹ جاتا ہے۔ اسی ڈراؤنے خواب کی بدولت وہ تڑپ کر بیدار ہوئیں تو ان کے شوہر سید ذاکر حسین الحسینی ان کے سرہانے کھڑے ڈرنے کی وجہ پوچھ رہے تھے۔ انہوں نے سید ذاکر حسین کو اپنے خواب سے آگاہ فرمایا اور ساتھ ہی تاکید فرمائی کہ نماز پڑھنے کے فوراً بعد وہ پاراچنار چلے جائیں اگر سید عارف حسین وہاں موجود ہوں تو انہیں پشاور جانے سے روک دیں۔

سید ذاکر حسین نماز صبح سے فارغ ہوتے ہی پاراچنار روانہ ہو گئے۔ پاراچنار مدرسہ پہنچے تو علامہ سید عارف حسین الحسینی کو کسی علاقائی فیصلے میں مصروف پایا۔ اپنے بہنوئی کو مدرسہ میں دیکھ کر آپ خود کمرے سے باہر نکل آئے اور آنے کی وجہ دریافت کی۔ سید ذاکر حسین نے آپ کو آپ کی بہن کے خواب اور گذارش سے آگاہ کیا آپ نے یہ بات سن کر سر جھکا لیا اور تھوڑی دیر کے لئے خاموش کھڑے رہے۔ پھر سر اٹھایا سید ذاکر حسین کی طرف دیکھا اور لمبی آہ بھرتے ہوئے الحمدللہ پڑھا اور پھر خاموش ہو گئے۔ ایک دو لمحے بعد اپنے بہنوئی سے گزارش کی کہ وہ یہ خواب ان کی والدہ صاحبہ کو نہ سنائیں لیکن اب وہ پشاور ہر حال میں جائیں گے۔

یہ ۴ اگست کی صبح تھی سید ذاکر حسین چلے گئے علامہ عارف حسین الحسینی پھر فیصلہ کرنے میں مصروف ہو گئے فیصلہ سے فارغ ہوئے تو اپنے تمام احباب اور مدرسہ کے تمام طلباء کو نہایت شفقت سے ملے۔ پاراچنار سے رخصت ہونے لگے تو آپ نے اپنے دونوں بیٹوں محمد اور علی کو بھی ساتھ لے لیا۔ ظہرین کی نماز سے کچھ پہلے پاراچنار کے ہسپتال گئے اپنے چچا کی عیادت کی اور ان سے اجازت طلب کی اور ہسپتال سے باہر نکل آئے جہاں پر موجود تمام لوگوں نے آپ کو رخصت کیا۔

آپ روانہ ہونے لگے تو پاراچنار میں ظہرین کی اذانیں بلند ہونے لگیں بقول ڈرائیور عباس کہ آپ کا معمول تھا کہ جہاں اذان سنتے وہیں پر نماز ادا کرتے مگر یہ پہلا موقع تھا کہ آپ نے ظہرین کی آخری نماز پاراچنار سے کافی دور ٹل کے مقام پر ادا کی۔

نماز کی ادائیگی کے بعد روانہ ہوئے پشاور کے قریب ایک مقام پر گاڑی رکوائی اور وہاں سے تربوز لئے۔ پشاور مدرسہ پہنچے تمام ملازمین سے ملے خیریت دریافت کی اور کمرے میں بیٹھ گے۔ کچھ دیر بعد مظفر علی اخوندزادہ آئے اور وہ بھی آپ سے گھر کے حالات اور خیریت دریافت کرنے بیٹھ گئے۔ ابھی آپ مصروف گفتگو ہی تھے کہ ملزم فقیر گل اکیلا مدرسہ میں داخل ہوا۔ ملازمین سے علیک سلیک کرتا سیدھا علامہ صاحب کے کمرے میں چلا گیا۔ یہ اس کی دوسری ملاقات تھی علامہ سید عارف حسین الحسینی نے فقیر گل سے آنے کی وجہ دریافت کی تو اس نے اپنے روایتی مکارانہ انداز میں مظلومانہ روپ دھارا اور کہنے لگا ”علامہ صاحب مجھ سے آپ کا پہلا خط کہیں جیب سے رومال نکالتے وقت گر گیا ہے لہٰذا مجھے آپ کا دوسرا خط درکار ہے“۔ آپ نے آفس سیکرٹری محبت علی حیدری کو بلوایا اور ان سے کاغذ قلم طلب فرمایا اور اس مہمان کی تواضع کے لئے چائے لانے کو کہا۔ آپ نے فقیر گل کو چائے پلائی اور دو خط لکھ دیئے تھوڑی دیر بعد فقیر گل نے اجازت طلب کی تو آپ نے ایک گلاس شربت منگوایا اور اپنے ہاتھوں سے اسے پیش کیا۔ یہ شخص جلدی میں رخصت لے کر نکلا تو اس کی چادر کمرے میں رہ گئی پھر چادر لینے کے لئے واپس لوٹا اور چادر اٹھا کر چلا گیا۔ مظفر علی اخوندزادہ نے اس شخص پر شک کیا تو آپ نے فرمایا ”اسے کچھ نہ کہیں.....“ مظفر علی نے کہا آقا صاحب ان کے ارادے درست نہیں ہیں تو آپ نے بھرپور جواب دیا ”خدا اس سے پوچھ لے گا“۔

فقیر گل چلا گیا..... شام ہو گئی آپ نے تمام ملازمین کے ساتھ نماز مغربین باجماعت ادا کی۔ یہ شب جمعہ تھی آپ کا معمول تھا کہ ہر شب جمعہ دعائے کمیل ملازمین اور مدرسہ کے طلباء کے ساتھ پڑھتے مگر یہ پہلا موقع تھا کہ آپ نے دعائے کمیل ملازمین و طلباء کے ساتھ نہ پڑھی بلکہ بقول ضامن علی کہ رات کے پچھلے پہر اس نے

آپ کو دعائے کمیل اور دعائے توسل پڑھتے دیکھا۔
آپ نماز سے فارغ ہوئے تو مدرسہ کے صحن میں تھوڑی دیر کے لئے آ گئے اور پھر کمرے میں چلے گئے۔ جہاں آپ کے ساتھ علامہ سید محمد جواد ہادی صاحب بھی کافی دیر تک بیٹھے اہم امور پر تبادلہ خیال کرتے رہے۔
کچھ دیر بعد علامہ محمد جواد ہادی صاحب اپنے کمرے میں سونے کے لئے چلے گئے آپ نے صبح بروز جمعہ لاہور میں کسی سیمینار میں شرکت کے لئے جانا تھا۔ ضامن علی نے کپڑے استری کرنے کے بارے میں پوچھا تو آپ نے جواب دیا فی الحال اپنے کپڑے استری کر لو میرے کپڑے رہنے دو۔ پھر ضامن علی سے آفس سیکریٹری محبت علی کے بارے استفسار کیا۔ معلوم ہوا کہ وہ پشاور کینٹ میں گھر گیا ہوا ہے تو آپ نے فرمایا کہ محبت علی کو جلدی سے لے آؤ اور میری ڈاک مجھے دے دو۔ آپ نے ملک بھر سے آئے ہوئے خطوط کے جوابات دیئے۔ محبت علی آیا تو ان سے مدرسہ کا تمام حساب لیا اور ایک ایک حساب کو خود چیک کیا۔ چند لوگوں کی موجود امانتوں کے بارے تاکید فرمائی کہ صبح ہی انہیں لوٹا دیں پھر پونے پانچ لاکھ روپے کی کثیر رقم جو دوبئ کے مومنین نے سانحہ گلگت کے متاثرین کے لئے بھیجی تھی ضامن علی کے حوالے کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ متاثرین گلگت کی امانت ہے لہٰذا اسے ابھی رات کے ڈھائی بجے پاک ہوٹل میں دے کر آئیں۔ تاکہ یہ کل ہی مولانا شیخ علی مدد پاراچنار کو پہنچ جائے کیونکہ وہی گلگت کے امور کے مسئول تھے۔
امانتیں لوٹا کر تمام حساب چیک فرما کر آپ اپنے کمرے میں چلے گئے اور عبادت خدا میں مصروف ہو گئے۔ حفاظت پر مامور ضامن علی نے بتایا کہ جب وہ رات کو قائد کے کمرے کے قریب گیا تو دروازہ تھوڑا سا کھلا تھا اور عبادت خدا کے دوران آپ کے گریہ کی آوازیں آ رہی تھیں۔ غالباً" آپ دعائے کمیل پڑھ رہے تھے۔ ضامن علی نے مزید بتایا کہ آپ ایک آدھ بار کمرے سے باہر بھی آئے مدرسہ کے صحن میں کھڑے ہو کر مدرسہ کی در و دیوار کو بڑے غور سے دیکھا اور پھر کمرے میں چلے گئے۔
آپ کے ڈرائیور غلام عباس نے بتایا کہ جب رات کے آخری پہر قائد کے

کمرے کے قریب سے گزرا تو اس وقت بھی دروازہ کھلا تھا اور آپ سجدہ کی حالت میں گریہ کرتے بار بار یہی ورد کر رہے تھے۔ "تَوْبَةً قَبْلَ الْمَوْتِ وَرَاحَةً عِنْدَ الْمَوْتِ وَمَغْفِرَةً بَعْدَ الْمَوْتِ"

آخر ۵ اگست کی منحوس صبح کی پو پھوٹی، صبح ہوئی تو آپ کا محافظ ضامن علی چلا گیا۔ جبکہ طلباء کو نماز کے لئے اٹھایا جا رہا تھا۔ عبداللہ مین گیٹ پر جاگ رہا تھا۔ آپ اپنے کمرے سے نکل کر ساتھ مسجد میں آ گئے نماز ادا فرمائی تلاوت کی اور مصلی سے اٹھ کر بالائی منزل پر چلے گئے۔ جہاں علامہ سید جواد ہادی صاحب بھی وضو کرنے پہنچ گئے۔

آپ کے مصلی سے اٹھنے اور بالائی منزل تک جانے کے دوران مین گیٹ سے عبداللہ بھی بستر لپیٹ کر اندر آ گیا۔ اسی اثنا میں وقت کا ابن ملجم جمیل اللہ اور بدرے چلے آئے۔ عبداللہ نے کمرے میں نماز پڑھنا شروع کی اور یہ دونوں قاتل آپ کے کمرے تک پہنچ گئے۔ جمیل اللہ نے کمرے میں جھانکا مگر آپ کو موجود نہ پایا۔ عجیب اتفاق تھا کہ اس سے قبل جمیل اللہ نے آپ کو دیکھا تک نہ تھا جبکہ بدرے، فقیر گل کے ساتھ ایک بار پہلے آپ سے مل چکا تھا اور وہی جمیل اللہ کی رہنمائی کر رہا تھا۔ چونکہ آپ کا کمرہ سیڑھیوں کے بالکل قریب تھا۔ جمیل اللہ ابھی بدرے کو بتا ہی رہا تھا کہ کمرے میں مولانا صاحب نہیں ہیں اتنے میں سیڑھیوں سے اترتے دکھائی دیئے۔ بدرے نے جمیل اللہ کو اشارہ دیا اور جمیل اللہ نے آپ کے سینہ پر فائر کر دیا۔ بقول جمیل اللہ کہ وہ دوسرا فائر کرنا چاہتا تھا مگر اس کا ہاتھ جواب دے گیا جو آج تک شل ہے۔

یہ دونوں قاتل مختلف راستوں سے بھاگ گئے۔ مدرسہ کے ایک طالب علم سید توصیف حیدر نے جمیل اللہ کو فرار ہوتے بھی دیکھا مگر تمام لوگ فائر کی آواز سن کر جلدی جلدی اس طرف بھاگے جہاں سید جواد ہادی خون میں لت پت محبوب قائد کو اٹھائے ماتم کر رہے تھے۔

ڈرائیور گاڑی لایا آپ کو لیڈی ریڈنگ ہسپتال لے جایا گیا مگر آپ راستے میں

ہی اپنے خالق کے حضور سرخ چہرہ لئے سرخرو ہو گئے۔ اسی دوران قاتل فرار ہونے میں کامیاب ہو گئے۔ ضامن علی واپس آیا تو مدرسہ کے گیٹ پر شہید قائد کے دو یتیم بیٹوں محمد و علی کو روتے دیکھا۔ ضامن علی نے رونے کی وجہ پوچھی تو جواب ملنے پر اس کا دل بھی پھٹ گیا۔ وہ موٹر سائیکل پر سیدھا ہسپتال آیا۔ شہادت کی خبر سن کر واپس لوٹا۔ مدرسہ آتے ہی کلاشنکوف تھامی اور اپنے دل میں گولی اتار دینے کی کوشش کی کہ ایسے میں ساتھ کھڑے ہوئے ایک شخص نے کلاشنکوف کو پکڑنے کی کوشش کی تو گولی دل میں اترنے کی بجائے ۳ انچ دور لگ گئی اور یوں ضامن علی اپنے قائد سے اکٹھے چلنے کا وعدہ تو وفا نہ کر سکا مگر آج بھی اپنے گھر میں شل جسم کے ساتھ انتہائی کربناک لمحات میں اپنی زندگی کے بے مقصد دن پورے کر رہا ہے۔ اس کی چارپائی کے سامنے شہید قائد کی مسکراتی تصویر آویزاں ہے۔ جسے سارا دن تکتے تکتے ضامن علی کی آنکھیں پتھرا جاتی ہیں۔ ضامن علی کی زندگی کا ایک ایک لمحہ موت سے زیادہ دردناک ہے۔

ضامن حسین کے بقول شہید کی شہادت کے بعد آٹھ سال تک وہ جس دردناک کیفیت سے دوچار رہا ہے وہ ناقابل بیان ہے مگر شہید حسینی سے توسل کے صدقے میں آج اسے ہر تکلیف و درد سے نجات مل چکی ہے اور اس نے آج تک شہید حسینی سے جس خواہش کا بھی اظہار کیا ہے اس کی تکمیل ہوئی ہے۔

عبداللہ چوکیدار کی طرف سے چمکنی پشاور میں نامعلوم ملزمان کے خلاف ایف۔ آئی۔ آر درج کرا دی اور اتحاد بین المسلمین کے عظیم علمبردار کی شہادت کی خبر نے پورے ملک کو ماتم کدہ بنا دیا۔

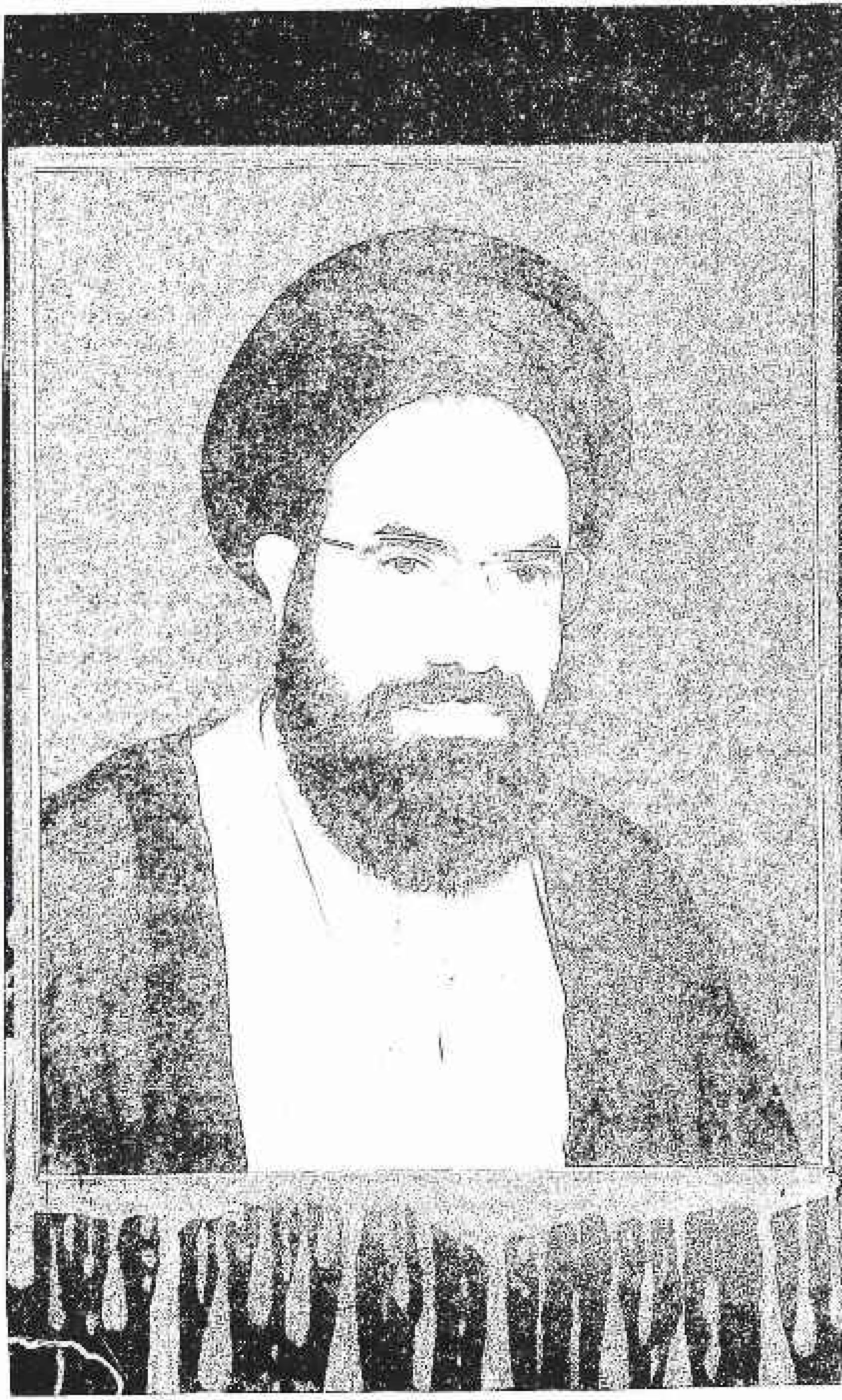

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حصہ دوم

مقتل کے پس دیوار سے
خون کے سر بازار آنے تک

فہرست

حصہ دوم

نمبر شمار		صفحہ نمبر
۱	قتیل سحر	۳۲۷
۲	قاتلوں کا سراغ	۳۳۴
۳	قاتل جمیل اللہ کی گرفتاری	۳۴۰
۴	قاتل گروہ کے ڈرائیور کا بیان	۳۵۳
۵	ماجد گیلانی کے ڈرائیور رمضان کا بیان	۳۶۲
۶	دوبا ہوٹل کے منیجر کا بیان	۳۶۶
۷	قاتلوں کے باہمی تعلقات	۳۶۷
۸	وعدہ معاف گواہ کے انکشافات	۳۶۹
۹	ماجد گیلانی کا پس منظر اور کردار	۳۸۹
۱۰	ماجد گیلانی کا فرار	۳۸۹
۱۱	عبدالعلی بنگش کی شہادت	۳۹۰
۱۲	ہاشم خان کا عدالت سے فرار	۳۹۳
۱۳	فضل حق کا فرار اور گرفتاری کا منظر	۳۹۵
۱۴	بدرے کی گرفتاری اور اعترافی بیان	۳۹۹
۱۵	فضل حق کی رہائی	۴۱۲
۱۶	فقیر گل کی گرفتاری اور اس کا بیان	۴۲۱
۱۷	حکومتوں کا ردو بدل اور عدالتوں کا تزلزل	۴۳۱

قتیلِ سحر

علامہ سید عارف حسین الحسینی ۵ اگست ۱۹۸۸ء کی صبح اپنے مدرسہ جامعہ المعارف الاسلامیہ پشاور میں شقی القلوب حکمرانان وقت کے ستم کا نشانہ بن کر شہید ہوئے۔ اگرچہ آپ نے شہادت کی عظیم سعادت اور قربت خداوندی حاصل کر لی مگر ملت اسلامیہ پاکستان ایک حقیقی عاشق اسلام اور ایک بابصیرت، صالح اور خدا رسیدہ قیادت سے محروم ہو گئی۔

آپ نماز صبح کی ادائیگی کے بعد مدرسہ کی بالائی منزل پر گئے کہ اتنے میں وقت کا ابن ملجم مسجد کو فرزند علیؑ کے خون سے رنگین کرنے پہنچ گیا۔ آپ بالائی منزل سے نیچے آ رہے تھے کہ سیڑھیوں کے قریب گھات میں کھڑے ہوئے قاتل نے آپ کے سینہ نور پر ۳۲ بور کے پستول سے فائر کر دیا۔ آپ نے اپنے لہو سے وضو کر کے نماز شہادت کی تیاری کی اور قاتل فرار ہو گیا۔

علامہ سید محمد جواد ہادی جو بالائی منزل پر وضو کر رہے تھے نے کسی کے گرنے کی آواز سنی۔ وہ جلدی سے نیچے اترے تو آپ کو سیڑھیوں کے قریب تشہد کی حالت میں پایا۔ وہ سمجھے کہ شاید آپ سیڑھیوں سے گر پڑے ہیں مگر انہوں نے جونہی آپ کا بازو پکڑ کر اٹھانے کی کوشش کی تو آپ کے سینہ سے خون کا فوارہ جاری دیکھا۔ انہوں نے سر پیٹتے ہوئے ایک ندا دی کہ "ملت اسلامیہ یتیم ہو گئی"۔ مدرسہ کے طالب علم سید توصیف حیدر نے ایک نامعلوم شخص کو فائر کر کے دوڑتے ہوئے دیکھا۔ آواز سن کر مدرسہ کے دیگر احباب اپنے کمروں سے باہر نکل کر فوراً نیچے آئے تو آپ کو زخمی پایا۔ یہ منظر دیکھ کر وہاں پر موجو تمام احباب ماتم کرنے لگے۔ آپ نے احباب، اور مدرسہ کے در و دیوار کو الوداعی نظروں سے دیکھا اور انہی نظروں میں بہت سے سوالات کا جواب دے کر بچھڑنے کی تیاری کر لی۔

آپ کو لیڈی ریڈنگ ہسپتال لے جایا گیا مگر آپ ہسپتال پہنچنے سے پہلے ہی شہادت کا سرخ چہرہ لئے رب العزت کے حضور سرخرو ہوئے۔

انا للہ و انا الیہ راجعون

ملت اسلامیہ پاکستان کے اقبال کا آفتاب غروب ہوا تو یہ خبر جنگل کی آگ کی طرح پھیلی اور مسلمانوں پر بجلی بن کر گری۔ ہر دل میں یہ سانحہ نشتر بن کر چبھ گیا۔ ہر گھر سے چیخیں، بین اور ماتم کی صدائیں اٹھیں۔ پورا ملک آہ و بکا کے دردناک سماں میں ڈوب گیا۔ آپ کے محافظ ضامن حسین نے احساس جدائی کو برداشت نہ کرتے ہوئے اپنے اوپر کلاشنکوف سے فائر کر ڈالا۔

آپ کی شہادت کی خبر وطن عزیز کے ہر در و دیوار سے ٹکرائی اور ہواؤں کے دوش پر دنیا کے کونے کونے میں پھیل گئی۔ ملت مسلمہ کے ہر ذی شعور انسان نے اس سانحہ پر دلی دکھ کا اظہار کیا۔ ولی فقیہ حضرت امام خمینی کے دل سے پھر ایک آہ چھلک گئی "میں اپنے عزیز فرزند سے محروم ہو گیا"۔

ہر ذہن نے اپنی بساط تک قتل کے اسباب اور قاتلوں کا اندازہ لگایا۔ کسی نے اسے آمریت کا ایک شرمناک ستم کہا، کسی نے فرقہ واریت کی ستم ظریفی گردانا۔ حکومت نے اسے غیر ملکی سازش کے روایتی موقف سے تاویل کیا حتیٰ کہ اسی روز قوم سے خطاب کرتے ہوئے صدر ضیاء الحق نے اپنے انداز میں اس سانحہ کی مذمت کی۔ صدر مملکت نے کہا کہ "مجھے علامہ صاحب کی شہادت کی خبر سن کر دلی صدمہ ہوا ہے کیونکہ علامہ صاحب اتحاد بین المسلمین کے حقیقی علمبردار اور محب وطن تھے۔ یہ سانحہ ملک اور اسلام دشمنوں کی سازش کا نتیجہ ہے"۔

حکمرانوں کے مگرمچھ کے آنسو اور روایتی جملے عوام نے دیکھے اور سنے مگر جاننے والوں نے چہروں کے تاثرات سے بہت کچھ جان لیا۔ تحریک نفاذ فقہ جعفریہ پاکستان کے قائدین نے اسے امریکہ اور اس کی بعض آلہ کار حکومتوں کی سازش کا نتیجہ قرار دیا۔

ملت جعفریہ کے لاکھوں افراد ماتمی لباس پہنے، سروں میں خاک ڈالے اور علماء اپنے عمامے سروں سے اتارے پشاور پہنچ گئے۔ ملک بھر کے مختلف علاقوں سے آئے ہوئے ماتمی دوسرے سے لپٹ لپٹ کر روئے، آہوں، سسکیوں اور ماتم کا لامتناہی سلسلہ شروع ہوا۔ جبکہ اکابرین ملت کے درمیان شہید کے مدفن کا حساس مسئلہ زیر بحث رہا۔

ایسے میں آپ کا پرسکون لاشہ دو وجوہات' اول امام خمینی کے نمائندہ وفد کی جنازے میں شرکت کے انتظار اور دوم جائے مدفن پر اختلاف کے باعث چھ اگست کی شام تک پشاور میں رہا۔

اس وقت صورتحال بہت زیادہ حساس تھی۔ ایک عالمی شخصیت کے مدفن پر اختلاف ظاہر ہونا ملت کیلئے شرمندگی کا باعث تھا۔ اگرچہ امام خمینی کا فرمان "جائے شہادت جائے مدفن ہو" ہر کسی کیلئے باعث تقلید ہونا چاہیے تھا۔ مگر آپ کے ورثاء اور خاندان کے موثر افراد اس بات پر قطعاً راضی نہ تھے ان کی خواہش تھی کہ دیگر بزرگان کی طرح قائد شہید علامہ عارف حسین الحسینی کا مزار بھی پیواڑ میں ہو۔

جب کہ تحریک اور بزرگ علماء کرام یہ چاہتے تھے کہ مدفن جائے شہادت پر ہی ہو اس طرح ملک بھر کے عاشقان و کارکنان آسانی سے مزار کی زیارت کیلئے آسکیں گے مزید یہ کہ پشاور صوبہ سرحد کا دارلخلافہ ہونے کے ناطے مستقبل میں قومی تحریک اور فعالیت کیلئے ایک مرکز بن جائے گا۔ لہذا تمام تحریکیوں نے اس خواہش کا اظہار کیا کہ مزار پشاور میں بنایا جائے مگر اہل خاندان کسی بھی صورت میں اس پر آمادہ نہ ہوئے۔ حکومت کی کوشش بھی تھی کہ شہید کو کسی بھی صورت پشاور میں دفن نہ ہونے دیا جائے تاکہ مستقبل میں مشکلات سے بچاؤ رہے۔ چنانچہ حکومت نے اپنی بھرپور توانائیاں صرف کیں اور تحریک کو وارثان کی شدید خواہش کے سامنے بادلِ نخواستہ قبولیت کا کڑوا گھونٹ پینا پڑا۔

○○○

۶ اگست کو نماز جنازہ سے قبل اس وقت ایک معنی خیز حقیقت بھی سامنے آئی جب آیت اللہ جنتی شہید کے لاشہ کے قریب پہنچے اور اپنا عمامہ اٹھا کر سلام پیش کیا۔ عین اسی وقت زمین کو زلزلہ آگیا اور شہید کے چہرہ مبارک کا رخ باقاعدہ آیت اللہ جنتی کی طرف مڑ گیا۔ اس منظر کو کیمرہ مین نے ضبط کرنا چاہا مگر اس کے ہاتھ سے کیمرہ گر گیا اس منظر کو شہید کی میت کے پاس ڈیوٹی پر مامور کئی ایک برادران نے دیکھا۔

نماز جنازہ کا اعلان ہوا تو سوگواران حسینی ایک جلوس کی شکل میں مدرسہ سے جناح باغ کی طرف روانہ ہو گئے۔ جبکہ شہید کے جسد خاکی کو ایمبولینس میں رکھ کر وہاں لے جایا گیا۔ وہاں صدر ضیاء الحق کی شرکت کی بھی اطلاع موصول ہوئی۔ ماتمی نوجوان اشتعال میں آ گئے۔ مگر علماء نے خصوصی احکامات کے ساتھ حالات پر قابو پا لیا۔ جونہی ضیاء الحق سامنے آیا تو "قاتل قاتل کے نعرے بلند ہوئے"۔ پھر سٹیج سے زوردار نعرہ لگوایا گیا "تم کس کس کو مرواؤ گے یہ ساری قوم حسینی ہے"۔ "میرے قائد کا قاتل -امریکہ- مردہ باد- امریکہ"۔

نماز جنازہ کے بعد جب ضیاء الحق نے شہید کی میت پر پھولوں کی چادر ڈالنا چاہی تو قریب کھڑے ہوئے آئی-ایس-او کے ایک ساتھی سجاد میکن نے ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا کہ ہم آپ کو شہید قائد کی میت پر پھول ہرگز نہیں ڈالنے دیں گے۔ نوجوان کا یہ جملہ سن کر ساتھ کھڑے ہوئے جنرل فضل حق نے اس نوجوان کو جھاڑتے ہوئے کہا "تمہیں معلوم نہیں کہ تم سربراہ مملکت سے بات کر رہے ہو"؟ اس نوجوان نے فضل حق کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا "تمہیں معلوم نہیں کہ تم سربراہ ملت اسلامیہ کی میت پر کھڑے ہو"۔ اس سے قبل کہ صورتحال میں مزید تلخی پیدا ہوئی سینٹ کے چیئرمین غلام اسحاق خان نے پھولوں کی چادر تھامی اور میت پر ڈال دی۔ پھول چڑھا دیئے گئے مگر اس کے بعد آئی-ایس-او کے ایک سابق مرکزی صدر نے فضل حق کو شہید کی میت کے قریب کھڑے مسکراتے بھی دیکھا۔ شاید نوجوانوں کا غضب فضل حق کا رخ کرتا کہ ایسے میں اس کا کوئی ساتھی آگے بڑھا اور اسے دور لے گیا۔

نماز جنازہ کی ادائیگی کے بعد ضیاء الحق اپنے احباب سمیت امام خمینی کے وفد سے بھی ملے اور کہنے لگے کہ "علامہ صاحب کے قتل میں غیر ملکی ہاتھ ہے تو آقای جنتی نے کہا کہ کیا آپ اس غیر ملکی ہاتھ کی نشاندہی کر سکتے ہیں"۔ یہ سن کر ضیاء الحق بالکل خاموش ہو گیا۔

شہید کی میت کو پشاور سے الوداع کرنے کا وقت آیا تو گریباں چاک ہوئے' در و دیوار روئے' ہیلی کاپٹر میں لاش رکھی گئی تو لاکھوں افراد نے دھاڑیں مار کر الوداع کیا'

ہیلی کاپٹر اڑا اور اس کہرام میں تحریک کا ایک باب ختم ہو گیا۔

آپ کا جسد خاکی پاراچنار پہنچا جہاں کرم ایجنسی کے غیور عوام اور قبائل آپ کا آخری دیدار کرنے کی خاطر پہلے سے جمع ہو چکے تھے قیامت صغریٰ کے مناظر یہاں بھی دیکھے گئے۔ ہر گھر سے بچے بوڑھے اور خواتین ماتم کرتے ہوئے مرکزی امام بارگاہ میں جمع ہو گئے۔ عوام کی فرمائش پر ایک رات کے لئے آپ کے جسد مبارک کو پاراچنار ٹھہرنا پڑا جہاں صبح آپ نے اپنے آبائی گاؤں پیواڑ کی مٹی کی گود میں سونے کے لئے روانہ ہونا تھا۔ چنانچہ میت کو مرکزی امام بارگاہ کے صحن میں آخری دیدار کے لئے رکھ دیا گیا۔

برادر عاشق حسین طوری سابق ڈویژنل جنرل سیکرٹری آئی ایس او پشاور کے بقول ان کی ڈیوٹی شہید کے سرہانے بیٹھنے کی تھی۔ ساری رات لوگ طواف کرتے رہے۔ آخر اذان صبح کے موذن کے ابتدائی جملے اللہ اکبر کی صدا بلند ہوئی تو اس کی نظر شہید قائد کے چہرے پر پڑی دیکھا کہ شب بیدار اور عابد قائد کی دونوں آنکھوں سے اشک جاری تھے۔ وہ حیران و ششدر رہ گئے اور خود بھی تڑپ کر روتے ہوئے وہ گراں بہا آنسو روئی میں سمو لئے اور ایک عظیم تبرک کی صورت میں انہیں محفوظ کر لیا۔

اگلی صبح آپ کے جسد مبارک کو پیواڑ لے جانے کی تیاریاں شروع ہو گئیں۔ جب آپ پاراچنار کی فضاؤں کو الوداع کہنے لگے تو زن و مرد' پیر و جواں آپ کے تابوت سے لپٹ کے روئے ایک کہرام بپا تھا' لوگ فرط غم سے بے ہوش ہو کر زمین پر گر رہے تھے' ہر آنکھ کے سامنے شہید کا کردار نمایاں تھا۔ پاراچنار اور پیواڑ کا فاصلہ انتہائی رقعت انگیز لمحات میں گزرتا جا رہا تھا۔ آپ کو آخری آرام گاہ کے قریب لایا گیا۔ بیسیوں عقیدت مند بے ہوش ہوئے اور سینکڑوں نے پہاڑوں کے پتھر اٹھا کر اپنے سر پھوڑے۔ وفا کے پیکر شہید جس مٹی میں پروان چڑھے تھے آج اسی کی گود میں پتھریلی مٹی کی چادر تان کر سونا چاہتے تھے۔ مگر دفنانے میں تاخیر کا باعث نوجوان بن گئے کیونکہ انہوں نے محبوب قائد کی لحد میں دیوانہ وار چھلانگیں لگانا شروع کر دی تھیں۔ آخر یہ سلسلہ بھی روکا گیا اور .... یوں جانثاران عارف پیواڑ کے پہاڑوں کے

دامن میں اپنے محسن اور قائد عظیم الشان کو سپرد خاک کر کے اٹھ کھڑے ہوئے۔

○○○

ذہن سن اور بدن لرزہ براندام تھے اب قاتلوں کی تلاش اور قتل فرزند سید الشہداءؑ کے پیچھے سازش کو بے نقاب کرنے کا مرحلہ تھا۔ وقوعہ کے بعد تھانہ چمکنی پشاور میں عبداللہ چوکیدار نے نامعلوم ملزمان کے خلاف ابتدائی رپورٹ (FIR) درج کرا دی تھی آئی۔ جی اور ایس۔ ایس۔ پی پشاور نے بظاہر پندرہ پولیس افسران پر مشتمل ایک تفتیشی ٹیم تیار کی۔

پہلے روز سے ہی شک تھا کہ یہ قتل اجرتی قاتلوں کے ذریعے کروایا گیا ہے۔ لہذا پولیس نے پشاور اور گرد و نواح کے تھانوں سے اجرتی قاتلوں کا ریکارڈ طلب کیا۔

آغاز میں کچھ اپنے بھی زیر تفتیش آئے عام خیال یہ تھا کہ پاکستان میں پہلے تمام بڑے رہنماؤں کے قتل کی طرح یہ قتل بھی طشت از بام نہ ہو گا۔.... نہ کوئی قاتل پکڑا جائے گا' نہ کوئی مجرم ٹھہرے گا۔ مگر وہ لوگ جو شہید عارف حسین الحسینی کی روحانیت اور آپ کے مقام سے آشنا تھے روز اول سے کہہ رہے تھے کہ یہ خون مقتل میں چھپے گا نہیں بلکہ کوچہ و بازار میں آ نکلے گا اور اس کے اثرات بہت جلد زمانے پر عیاں ہوں گے۔

ابھی آپ کی شہادت کے تذکرے پورے ملک میں زیر زبان تھے اور آپ کے پرستاروں کے اشک خشک نہیں ہوئے تھے کہ ۱۷ اگست کو صدر ضیاء الحق کا خصوصی طیارہ سی ۱۳۰ بہاولپور کے قریب بستی لال کمال کے مقام پر گر کر تباہ ہو گیا۔ یہ ملکی سطح پر اپنی نوعیت کا بہت بڑا سانحہ تھا۔ جس پر ہر شعبہ زندگی کے ہر فرد نے اپنی رائے قائم کی۔ کسی نے اسے روس' کسی نے امریکہ اور کسی نے بھارت کی سازش قرار دیا' کسی نے علامہ سید عارف حسین الحسینی اور اس سانحہ کو ایک سلسلہ کی کڑی گردانا' اور کسی نے اسے الذوالفقار کے غضب کا نشانہ ٹھہرایا۔ غرضیکہ جتنے منہ اتنی باتیں ہوئیں۔ البتہ ملت جعفریہ کو جہاں آمریت سے نجات ملی وہاں ملت کے ہر فرد نے یہ باور کیا کہ یہ

قدرت کا کام ہے کہ جس نے ان کے شہید قائد کے خون ناحق کا شاید خود ہی قصاص لے لیا ہے۔

آغاز میں ایک طے شدہ پلان کے ساتھ علامہ سید عارف حسین الحسینی کے خون کو مقتل میں چھپانے، حقائق کو مسخ کرنے اور تاریخ کا رخ موڑنے کی بھیانک سازشیں کی گئیں تاکہ یہ خون مقتل تک محدود رہے مگر خدا کو کچھ اور منظور تھا۔

حکومت کی ایماء پر تفتیش کا رخ بدلنے کے لئے آپ کے قتل کو علامہ احسان الہی ظہیر کے قتل کا بدلہ قرار دیا گیا اور آپ کے خون سے فرقہ واریت کو ہوا دینے کی کوشش کی گئی۔ البتہ اس سانحہ سے قبل سازش کی راہیں ہموار کرنے کے لئے بھی ایجنسیوں کے افراد نے پشاور کی دیواروں پر اہلحدیث کی جانب سے لکھائی کرائی تھی جس میں واضح طور پر اہل تشیع کے خلاف اور اپنے قائد علامہ ظہیر الہی کے بدلہ لینے کے نعرے نمایاں تھے۔ انہی دنوں ملک کے قومی اخبار روزنامہ مشرق پشاور میں ایک نوجوان کی کلاشنکوف کے ساتھ ایک تصویر بھی شائع کی گئی جس سے واضح کیا گیا کہ یہ نوجوان اپنے قائد علامہ احسان الہی ظہیر کا بدلہ پشاور کی ایک اہم شخصیت سے لینے کا خواہاں ہے۔ ایسے میں چند احباب نے علامہ سید عارف حسین الحسینی کو محتاط رہنے کی اپیل کی۔ صاف ظاہر تھا کہ فرقہ واریت کی آڑ میں حکومت کسی نئی سازش کو تکمیل تک پہنچانے کی آرزو مند تھی وگرنہ بدلہ لینے والے کبھی دیواروں پر لکھ کر یا جلسوں میں نعرے لگا کر بدلہ نہیں لیتے۔

مقدمہ قتل کا رخ بدلنے کی خاطر سرکاری سطح پر جمعیت اہلحدیث کے تین نوجوان فلک شیر، اعجاز اور یحییٰ کو گرفتار کیا گیا اور ان سے منسوب بیانات کے ذریعے یہ تاثر دینے کی بھرپور کوشش کی گئی کہ انہوں نے پشاور شہر کے ایک اہم دکاندار کو قتل کرنے اور اس سے رقم حاصل کرنے کا منصوبہ بنایا تھا اور مذکورہ افراد حاصل شدہ رقم سے کلاشنکوف خرید کر اہل تشیع سے علامہ احسان الہی و دیگر علماء اہلحدیث جو لاہور کے بم دھماکہ میں جاں بحق ہوئے تھے کا بدلہ لینا چاہتے تھے۔

۲۔ قاتلوں کا سراغ

آپ کے قتل کے سانحہ کی تفتیش ہو رہی تھی کہ تفتیشی ٹیم کے اہم رکن بیغم شاہ انسپکٹر نے اپنے افسر محمد اسماعیل سے ۱۰ اگست کو ایک دن کے لئے گھر جانے کی چھٹی لی۔ وہ اپنے گاؤں گیا تو وہاں ایک مرگ ہو چکی تھی جس کی فاتحہ خوانی کے لئے ترلاندی گاؤں کی چند خواتین بھی آئی ہوئی تھیں۔ وہ تعلق داری کی بناء پر بیغم شاہ کے گھر بھی آئیں باتوں باتوں میں انہوں نے شبہ ظاہر کیا کہ پشاور میں قتل ہو جانے والے مولانا صاحب کے قاتل ترلاندی گاؤں کے سراج اور بدرے ہیں اور آج کل یہ بات ان کے علاقہ میں گردش کر رہی ہے کہ انہوں نے یہ قتل اجرت پر کیا ہے۔

دوسرے روز بیغم شاہ نے اپنے افسربالا تک یہ بات پہنچا دی اور یوں تفتیش کرنے والوں کو ایک صحیح راستہ مل گیا۔ افسربالا نے نوشہرہ میں تعینات ڈی۔ایس۔پی اور تفتیشی ٹیم کے اہم افسر عبدالعلی خان بنگش تک یہ بات پہنچائی تو انہوں نے نوشہرہ کے ایک بااثر فرد قاضی جہانزیب سے رابطہ کیا۔ کیونکہ عبدالعلی خان کو سراج اور جہانزیب کے تعلق کا پہلے سے علم تھا۔ قاضی جہانزیب گرفت میں آیا تو اس نے اس شرط کے ساتھ کہ اسے کچھ نہیں کہا جائے گا اس راز سے پردہ اٹھایا اور واضح کیا کہ علامہ سید عارف حسین الحسینی کے سینہ پر فائر کرنے والا شخص جمیل اللہ ترکھان ہے جو اس وقت خویشگی پایاں کا سکونتی ہے۔

عبدالعلی خان بنگش جو ایک دیانتدار اور فرض شناس پولیس افسر تھے ان کا تعلق ہنگو ضلع کوہاٹ کے شیعہ گھرانے سے تھا وہ جہاں صوبہ سرحد میں اپنے فرائض کی بجاآوری اور دیانت میں معروف تھے وہاں یہ مقدمہ ان کے لئے ذاتی حوالہ سے بھی ایک اہمیت کا حامل تھا۔ لہٰذا ان دو وجوہات کی بناء پر وہ عزم کر چکے تھے کہ قاتل خواہ کتنے ہی خونخوار اور بااثر کیوں نہ ہوں اگر زندگی نے ساتھ دیا تو وہ انہیں بے نقاب کر کے دم لیں گے۔

قائد کی شہادت سے ٹھیک ایک ماہ بعد ۵ ستمبر ۱۹۸۸ء کو عبدالعلی خان نے پولیس کی ایک بھاری نفری کے ساتھ جمیل اللہ ترکھان کو اس کے گاؤں سے گرفتار کیا اور زیر

تفتیش لایا۔ ملزم نے پہلے مرحلہ پر ہی تمام حقائق سے پردہ اٹھایا اور اپنے ضمیر کا مدعا کھل کر بیان کیا۔ جہاں اس نے اپنے مکروہ فعل کا اعتراف اور دیگر قاتلوں کی نشاندہی کی۔ وہاں اس نے اپنی جیب سے ایک ڈائری نکال کر اس پر لکھے ہوئے ایک فون نمبر ۸۵۲۵۲۵ کے بارے میں بھی انکشاف کیا کہ یہ فون نمبر راولپنڈی کے کسی آدمی کا ہے جس کے کہنے پر یہ قتل کیا گیا ہے۔ وہ ذاتی طور پر تو اس شخص سے آشنا نہیں ہے البتہ دیگر ملزمان نے اسے بتایا تھا کہ یہ کام راولپنڈی کے ایک آدمی کی ایماء پر کیا جا رہا ہے۔

تفتیش کے دوران جمیل اللہ نے اس قتل کا ذمہ دار سراج سکنہ ترلانڈی کو ٹھہرایا اور اسی سازش میں ملوث دیگر افراد شیر گل، فقیر گل اور بدرے کی بھی نشاندہی کی۔ جمیل اللہ کی تفتیش اور دیگر ملزمان کی نشاندہی کے بعد مسکنہ راولپنڈی کے فون نمبر کا سامنے آیا۔ جب اسلام آباد کی ٹیلی فون ڈائری سے یہ نمبر تلاش کیا گیا تو ڈائری کے صفحہ ۳۳ پر یہ نمبر سید غالب رضا گیلانی گلی ۲۹ مکان B-5 ایف-8 اسلام آباد کا نکلا۔

۷ ستمبر کو پولیس مذکورہ پتہ پر اسلام آباد پہنچی تو اس مکان سے ایک سوزوکی کار نمبر جھنگ ۹۷۰۰ برآمد ہوتی دیکھی۔ پولیس نے فوراً گاڑی کو اپنی تحویل میں لیا اور گاڑی کے ڈرائیور محمد رمضان کو گرفتار کر کے پشاور لے آئی۔ پولیس نے گاڑی کی تلاشی لی تو مالک کے دیگر ذاتی سامان کے علاوہ گاڑی کے ڈاکس بورڈ سے مدرسہ جامعہ المعارف پشاور (موجودہ جامعہ شہید عارف حسین الحسینی) کا داخلہ فارم بھی برآمد ہوا جو فقیر گل نے ۱۷ جولائی ۱۹۸۸ء کو مدرسہ کے آفس سیکرٹری محبت علی سے لیا تھا۔ مدرسہ کے فارم کی برآمدگی نے پولیس کے تمام شکوک و شبہات کو یقین میں بدل دیا کیونکہ یہ مدرسہ فارم ملزم فقیر گل نے مدرسہ سے حاصل کر کے ماجد گیلانی کو دیا تھا۔

ڈرائیور رمضان سے تفتیش کی گئی تو اس نے آغاز ہی میں یہ واضح کر دیا کہ یہ گاڑی جھنگ کے سید غالب رضا گیلانی اور ماجد گیلانی کی ہے اور وہ ان کا خاندانی ڈرائیور ہے۔

جمیل اللہ نے اپنے بیان میں جن چار افراد کو ملوث بتایا ان میں سے پہلا ملزم شیر

گل ڈرائیور ۷ ستمبر کو گرفتار ہوا جس نے اپنے اعترافی بیان میں جمیل اللہ کے بیان کی تصدیق کی۔ پولیس کے سامنے ملزمان کے دفعہ ۱۶۱ کے بیانات کی چونکہ قانونی اہمیت نہ تھی اس لئے عبدالعلی خان نے ذاتی دلچسپی کی بناء پر قانونی تقاضے پورے کرنے میں عجلت کی اور ان ملزمان کے ۱۲ ستمبر تک عدالت کے سامنے دفعہ ۱۶۴ کے بیانات قلمبند کرا لئے۔ اب ان عدالتی بیانات کے بعد ملزمان قانون کی حفاظت میں تھے اس لئے ان پر کسی زاویہ سے اثر انداز ہونا مشکل تھا۔

جب عبدالعلی نے اپنے ایک افسر کو ملزمان کے بیانات قلمبند ہو جانے کی اطلاع دی تو اس کے پاؤں تلے زمین نکل گئی اور انہوں نے غصے میں کہا "اگر تم ایسے کر بھی آئے ہو تو پھر اوپر جواب بھی خود دینا" اس پولیس افسر کے انداز سے معلوم ہوتا ہے کہ شاید پولیس کو حکومت سرحد (فضل حق) کی طرف سے ہدایات تھیں کہ وہ ہر پل کی اسے اطلاع دے۔

قانونی طور پر ملزمان کے اعتراف کے بعد معاملہ شناخت کا تھا کیونکہ جمیل اللہ کے بیان میں یہ بات واضح تھی کہ وہ ایک مرتبہ مولانا صاحب کی جاسوسی کے لئے مدرسہ میں گیا تھا اور وہاں کے چوکیدار عبداللہ نامی شخص سے مدرسہ میں مزدوری کے بارے میں پوچھا تھا۔ اب اتفاق ایسا ہوا کہ عبداللہ چوکیدار بھی پولیس کے قبضے میں تھا۔ جس سے پولیس تفتیش کرنے کے ساتھ ساتھ ان افراد کے حلیہ جات کا بھی استفسار کر رہی تھی۔ جسے اس نے پچھلے چند دنوں میں مدرسہ آتے جاتے دیکھا تھا۔ اسی دوران عبداللہ کو سینکڑوں تصاویر بھی دکھائی گئیں جو غالباً" سرحد کے اجرتی قاتلوں اور جرائم پیشہ لوگوں کی تھیں مگر عبداللہ کسی بھی تصویر کو نشانہ نہیں بنا رہا تھا۔ اسی اثنا میں عبداللہ کو مطلع کیا گیا کہ اسے سنٹرل جیل پشاور میں جا کر چند لوگوں سے ملایا جائے گا اگر ان میں کوئی ایسا شخص جسے اس نے کبھی مدرسہ آتے جاتے دیکھا ہو تو اس کی نشاندہی کرے۔

○○○

۱۴ ستمبر ۱۹۸۸ء کو نائب تحصیل دار گل رحمن اور متعلقہ جیل افسران کی موجودگی میں عبداللہ کو جیل لایا گیا جہاں سے پہلے ترتیب شدہ تین چار قطاروں میں قیدی کھڑے تھے عبداللہ نے باری باری ہر چہرہ کو غور سے دیکھا اچانک وہ ایک شخص (جمیل اللہ) کے سامنے رک گیا اور کہا کہ "یہ وہ شخص ہے جو اس سانحہ سے قبل داڑھی والے ایک شخص کے ہمراہ مدرسہ میں آیا تھا اور اس نے مجھ سے مزدوری کے بارے میں پوچھا تھا کہ وہ ترکھان ہے اور مزدوری کرنے کا خواہشمند ہے"۔

عبداللہ کی اس شناخت کے بعد جمیل اللہ کو دو تین مرتبہ مختلف قطاروں اور مختلف روپ میں کھڑا کیا گیا مگر ہر بار عبداللہ نے اسی پر ہاتھ رکھا۔ اگرچہ قاتل کے شک و شبہ کی گنجائش ختم ہو چکی تھی مگر قانون کے بہت سے تقاضے ابھی تشنہ تھے۔ پولیس ملزم کے بیان اور جائے حادثہ کے چشم دید گواہ طلباء کے بیانات کا موازنہ کر رہی تھی۔ چنانچہ اسی دوران ایک مشترکہ موقف سامنے آیا وہ یہ کہ جمیل اللہ کے بیان میں واضح تھا کہ جب اس نے فائر کیا تو وہ مدرسہ کے گیٹ کے راستے بھاگا جبکہ اس کا دوسرا ساتھی بدرے برآمدے کے راستہ سے فرار ہوا۔ چونکہ وہ (جمیل اللہ) ایک حادثہ کی وجہ سے ایک ٹانگ سے مفلوج تھا اس لئے اسے دوڑنے میں دقت پیش آئی وہ لنگڑاتا ہوا کار تک پہنچا جہاں اس کے دیگر ساتھی منتظر تھے۔ بالکل یہی بیان مدرسہ کے طلباء سید توصیف حیدر اور کریم خان کا بھی تھا کہ فائر کی آواز کے بعد انہوں نے ایک نامعلوم شخص کو مدرسہ کے گیٹ سے فرار ہوتے دیکھا جس کی چال میں لنگڑاہٹ محسوس ہوتی تھی۔

چنانچہ ۲۹ ستمبر ۱۹۸۸ء کو طبی معائنہ کے لئے جمیل اللہ کو لیڈی ریڈنگ ہسپتال پشاور لایا گیا جہاں ایکسرے اور معائنہ کے بعد ڈاکٹر محمد یونس نے تصدیق کی "کہ یہ شخص جمیل اللہ ولد عبدالحلیم بائیں پاؤں سے لنگڑا ہے"۔

ایک اور بات جو علامہ سید عارف حسین الحسینی کی شہادت کے چند روز بعد قاتلوں کی نشاندہی میں معاون ثابت ہوئی وہ شہید کا ایک شخص کو خواب میں مل کر اپنے قاتلوں سے آگاہ کرنا تھا۔ کچھ شبہات تو پہلے بھی جنم لے چکے تھے مگر ان کا تذکرہ ابھی تک تفتیشی ٹیم تک محدود تھا۔ مگر خواب دیکھنے والے شخص کا انکشاف تصدیق بن گیا۔

پولیس تفتیش میں مصروف تھی اور تحریک کے قائدین کو ملک کے مختلف مقامات سے خطوط موصول ہو رہے تھے۔ جن میں قاتلوں کے بارے میں قیاس آرائیاں ہوتی تھیں۔ ایک روز علامہ سید محمد جواد ہادی کو ایک رقعہ موصول ہوا جو پشاور کے مضافات سے لکھا گیا تھا جس میں درج تھا کہ قاتل ترلاندی گاؤں سے تعلق رکھتے ہیں اور آج کل وہ رقم کی تقسیم پر اختلافات کا شکار ہیں۔ رقعہ لکھنے والے نے اپنا نام پوشیدہ رکھتے ہوئے یہ بھی لکھا چونکہ یہ قتل ایک بہت بڑے عاشق اسلام کا ہے اس لئے ایک مسلمان ہونے کے ناطے اظہار کر رہا ہوں تاکہ خدا کے روبرو سرخرو ہو سکوں۔ پہلے تو علامہ محمد جواد ہادی نے رقعہ کو پھاڑنا چاہا مگر پھر نہ جانے کن وجوہات کی بنا پر اپنے بریف کیس میں رکھ دیا۔

چند دنوں بعد ایک شخص علامہ سید جواد ہادی صاحب کے پاس مدرسہ میں آیا اور کہا کہ آپ سے خفیہ بات کرنا مقصود ہے۔ مولانا صاحب نے کمرے میں بیٹھے ہوئے ایک آدھ افراد کو باہر جانے کو کہا تو اس اجنبی شخص نے سب سے پہلے کمرے میں آویزاں علامہ سید عارف حسین الحسینی کی تصویر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے سوال کیا "یہ وہی سید ہیں جو ابھی قتل ہو چکے ہیں" جواب ہاں میں ملا تو انہوں نے اپنی بات کو طول دیتے ہوئے اپنا تعارف کرایا کہ "میں وہی شخص ہوں جس نے چند روز قبل آپ کو ایک رقعہ میں قاتلوں کی نشاندہی کرائی تھی۔ لیکن آج خود اس لئے حاضر ہوا ہوں کہ آپ کو تمام حالات سے آگاہ کروں۔ اس شخص نے اپنی داستان یوں شروع کی کہ علامہ سید عارف حسین الحسینی کی شہادت کے بعد ہمارے علاقہ میں کافی افسردگی چھا گئی کیونکہ ہم سنتے تھے کہ وہ بہت بڑے عالم اور بہترین مسلمان ہیں۔ مجھے چند روز قبل

قاتلوں کی نقل و حرکت اور اختلافات کا علم ہوا۔ تو ایک مسلمان ہونے کے ناطے آپ کو آگاہ کر دیا تھا مگر جی چاہتا تھا کہ آپ کو مفصل آگاہ کروں لیکن یہ سوچتے ہی دل میں خوف آتا تھا کہ قاتلوں کا سرغنہ سراج کہیں اس کے خاندان کو تباہ نہ کر دے۔ آخر اسی تذبذب میں ایک صبح نماز پڑھنے کے بعد سویا تو خواب میں دیکھا "میرے گھر کے کمرے میں علامہ سید عارف حسین الحسینی ایک بڑی کرسی پر بیٹھے مجھے بلا رہے ہیں۔ میں نے کمرے میں داخل ہونے کی کوشش کی تو دیکھا کہ آپ کی کرسی کے دونوں طرف بڑے بڑے خوفناک اژدھا کھڑے ہیں۔ میں خوفزدہ ہوا اور علامہ صاحب سے اندر آنے کی معذرت اور خوف کا اظہار کیا۔ یہ سنتے ہی علامہ صاحب اپنی کرسی سے اٹھے پہلے دائیں اور پھر بائیں اژدھا کو ہاتھ سے پکڑ کر ٹکڑے ٹکڑے کر کے پھینک دیا اور پھر مجھے اندر آنے کو کہا ایسے میں میری آنکھ کھل گئی"۔ اسی خواب کے بعد میں اس نتیجہ پر پہنچا کہ یہ قتل ایک روحانی انسان کا ہے جس نے میرے دل میں منڈلاتے خوف کو کافور کر دیا ہے لہٰذا ایک مسلمان ہونے کے ناطے اپنے فرائض کی بجاآوری کرتے ہوئے آپ کو آگاہ کر رہا ہوں کہ اس قتل میں ملوث قاتلوں کا سرغنہ سراج ساکن ترلاندی ہے جو ایک معروف قاتل اور خونخوار شخص ہے۔ جس کے خوف سے علاقہ میں وحشت طاری ہے کیونکہ یہ شخص موجودہ حکمرانوں کا بڑا قریبی ہے۔ اپنا نام پوشیدہ رکھنے کی درخواست کے ساتھ یہ شخص روانہ ہوا۔ علامہ سید جواد ہادی صاحب نے اس کا انتہائی شکریہ ادا کر کے رخصت کیا مگر پھر بھی علامہ جواد صاحب ملزمان کی حقیقت کے لئے تذبذب کا شکار رہے۔

وعدہ کے مطابق دس دن بعد علامہ جواد ہادی صاحب ناروے محرم پڑھنے چلے گئے جہاں انہوں نے خواب میں دیکھا کہ وہ ایک کمرے میں بیٹھے ہیں کہ شہید علامہ عارف حسین الحسینی اسی کمرے کے دروازے پر آ کر انہیں باہر بلاتے ہیں اور باہر بلاتے ہی قریبی میدان میں کھڑے ہوئے ایک شخص کی طرف صرف اشارہ کرتے ہیں۔ اشارہ سمجھتے ہوئے انہوں نے استفسار کیا کہ "آقا صاحب یہ قاتل ہے؟ تو شہید نے اشارے سے مثبت جواب دیا اور دوسرا اشارہ دور کھڑی ہوئی پولیس کی طرف کیا کہ انہیں بلا کر اس شخص کو گرفتار کرائیں۔

۳۔ قاتل جمیل اللہ کی گرفتاری اور انکشافات

قتل کی سازش کو پایہ تکمیل تک پہنچانے والے جمیل اللہ نامی شقی القلب شخص جس نے سینہ نور پر دم صبح گولی چلائی اور مقتول شہادت کی سعادت سے ہمکنار ہوا۔ خود وہ ابن ملجم کا کردار ادا کر کے غضب خدا کا مستحق بنا۔ اس کے اعتراف جرم کے مفصل بیان سے اس کا مکروہ کردار مزید واضح ہوتا ہے۔

جمیل اللہ کے تفصیلی بیان اور اعتراف جرم کی رپورٹ سے قبل مناسب ہو گا کہ اس کی ذاتی زندگی کے متعلق بتلایا جائے تاکہ قاتلوں کی حیثیت اور پس پردہ عناصر کی سازش واضح ہو۔

تعارف :۔

درمیانے اور کمزور جسم کا یہ شخص جس کی عمر تقریباً ۵۷ سال ہے موضع خویشگی پایان تحصیل نوشہرہ میں پیدا ہوا۔ چوتھی جماعت تک گاؤں کے پرائمری سکول میں زیر تعلیم رہا اور پانچویں جماعت میں تعلیم چھوڑ کر اپنے والد حلیم اللہ کے ساتھ ڈیڑھ سال تک کھیتی باڑی کرتا رہا۔ ڈیڑھ سال بعد جب اس کے والد نے کاشتکاری چھوڑ کر نوشہرہ میں ترکھان (بڑھائی) کا کام شروع کیا تو جمیل اللہ بھی باپ کے ساتھ کام کرنے لگا۔ حلیم اللہ ایک سال بعد زیر تعمیر ٹیکسٹائل ملز نوشہرہ میں منتقل ہوا تو جمیل اللہ بھی اپنے باپ کے ساتھ تھا پانچ سال بعد حلیم اللہ کام چھوڑ کر واپس گاؤں کاشتکاری کرنے چلا گیا لیکن جمیل اللہ نوشہرہ میں ہی مقیم تھا۔ دو سال بعد یہ شخص رسالپور چھاؤنی آیا اور N.L.C (این ایل سی) کمپنی میں ملازمت اختیار کر لی۔ یہاں اڑھائی سال کام کرنے کے بعد چارسدہ منتقل ہو گیا جہاں پیپر ملز میں بطور فورمین بھرتی ہوا۔

چارسدہ پیپر ملز میں تین سال گزارنے کے بعد یہ شخص شیرپاؤ خیبر ہسپتال پشاور آ گیا جہاں A.C.L کمپنی کے ساتھ بطور فورمین کام کرنے لگا۔ ایک سال یہاں گزارنے کے بعد پھر رسالپور چلا گیا جہاں اصغر علی خان ٹھیکیدار آف راولپنڈی کے پاس معمولی ملازمت اختیار کی۔ کچھ عرصہ یہاں کام کرنے کے بعد شاہین فاؤنڈیشن رسالپور کے

ساتھ منسلک ہو گیا۔ اور پھر اسی کمپنی کے ساتھ میاں چنوں پنجاب تک آیا۔ تقریباً ایک سال یہاں گزارنے کے بعد پھر گاؤں چلا گیا جہاں کابل ریلوے اسٹیشن کے بالمقابل سائیکلوں کی مرمت کا کام شروع کر دیا جبکہ اس سے پہلے تمام کمپنیوں کے ساتھ بڑھئی کا کام کرتا رہا۔

کابل ریلوے اسٹیشن کے سامنے قیام کے دوران جمیل اللہ کی تین مقامی راہزن اور ڈکیت افراد سے دوستی ہو گئی۔ دوستوں کے ساتھ راہزنی کی غرض سے رسالپور گیا جہاں برف کے کارخانے کے ایک مالک سے انہوں نے پستول گھڑی اور رقم چھینی۔ کارخانہ کے مالک نے پرچہ درج کرایا اور جمیل اللہ گرفتار ہو گیا۔ آٹھ ماہ نوشہرہ حوالات میں گزارنے کے بعد اسے سنٹرل جیل پشاور بھیج دیا گیا جہاں یہ شخص ڈیڑھ ماہ تک رہا۔

سنٹرل جیل کے مختصر قیام کے دوران اس کی ملاقات سراج آف ترلاندی سے ہوئی کیونکہ یہ دونوں ایک بارک میں رہتے تھے عادی مجرم سراج نے اس کی غربت کے تمام قصے سنے اور دوستی استوار کر لی کچھ عرصہ بعد سراج بھی رہا ہوا تو وہ اسے گاؤں خو شکی بالا ملنے آیا۔

جمیل اللہ نے رہائی کے بعد سائیکلوں کی مرمت کا کام چھوڑ کر ترکھان کا کام شروع کر دیا۔ اسی دوران اسے مختلف حادثات کا سامنا کرنا پڑا سب سے پہلے اس کے باپ کا انتقال ہوا پھر موٹر سائیکل پر اس کا حادثہ ہوا جس سے اس کی ٹانگ ٹوٹ گئی کچھ عرصہ بعد اس کی بیوی کا انتقال ہوا اور بعد میں ایک لڑکا اور ایک لڑکی بھی فوت ہو گئے۔

دوسری شادی کرنے کے بعد یہ شخص علاقہ غیر چلا گیا جہاں اسلحہ ساز کمپنی میں ایک سال تک کام کیا۔ پھر اپنے گاؤں لوٹا اور بڑھائی کا کام شروع کر دیا۔ اسی دوران سراج کے گاؤں ترلاندی میں جمیل اللہ کے بیٹے کے استاد کا انتقال ہوا تو یہ شخص فاتحہ خوانی کے لئے وہاں گیا جہاں ایک بار پھر اس کی سراج سے ملاقات ہوئی۔ اس نے گذر اوقات کا پوچھا تو اس نے اپنی غربت کا رونا رویا۔ عادی مجرم سراج سمجھ گیا کہ غربت کے

ہاتھوں اس مجبور شخص سے کوئی بھی کام لیا جا سکتا ہے۔

بیان۔

جمیل اللہ اپنے اعتراف میں سازش قتل سے پردہ اٹھاتے ہوئے اپنے جرم کو یوں بیان کرتا ہے کہ۔

" عید قربان کے پانچ چھ روز بعد وہ اپنے گاؤں خویشگی پایان میں بیٹھا ہوا تھا کہ سراج گاڑی میں اپنے دوستوں بدرے مسلح با کلاشنکوف اور ڈرائیور شیر گل کے ہمراہ اس کے پاس آیا۔ اس نے انہیں شربت پلایا اور آنے کی وجہ پوچھی تو سراج نے تنہائی میں بات سننے کا اشارہ کیا۔ سراج مجھے چند قدم دور لے گیا اور پھر بیٹھ گئے۔

سراج نے سب سے پہلے میری غربت اور تنگی کا رونا رویا اور پھر غربت مٹانے کا عزم کرتے ہوئے مجھے اعتماد میں لینے کی کوشش کی اور ساتھ اشارہ کر دیا کہ صرف ایک کام کرنا ہے۔

مزید کہتا ہے کہ سراج نے پختہ گھر تعمیر کرنے اور گاڑی خرید کر دینے کے لالچ کے ساتھ ساتھ امریکہ کی سیر و تفریح کرنے کا لالچ بھی دیا اتنے بڑے انعامات کا سن کر میرے منہ میں پانی بھر آیا مگر میں بار بار پوچھتا رہا کہ آخر کام کیا کرنا ہے؟ تو سراج نے جواباً" کہا کہ "پشاور کے ایک معمولی مولوی کو قتل کرنا ہے" تو میں نے کہا کہ میں ایسا کام نہیں کر سکتا غریب آدمی ہوں میرا تو کوئی وارث بھی نہیں ہے۔ یہ سب باتیں کرکے سراج چلا گیا اور جاتے وقت کہا تمہاری مرضی ویسے بھی یہ کام تمہیں اکیلا نہیں کرنا تھا ہم چاہتے تھے کہ تمہیں بھی ساتھ ملا لیں تاکہ تمہاری غربت ختم ہو جائے یہ کہہ کر وہ چلے گئے۔

تقریباً چار دن بعد یہ گروپ واپس آیا مگر اس بات ان کے ساتھ فقیر گل نامی شخص بھی تھا سراج نے اس کا تعارف کرایا کہ یہ ان کا دوست ہے جو اس گروپ میں شامل ہو گیا ہے۔ لہذا تمہیں ایک بار پھر دعوت دی جاتی ہے کہ اپنی دنیا بنا لو اس مرتبہ میں نے سراج سے پوچھا کہ یہ کام تم کس طرح کرو گے تو سراج نے جواباً" کہا کہ یہ

سب کاروائی راولپنڈی کے ایک شخص کی نگرانی میں کی جائے گی جو اس کے بھائی کا دوست اور امریکہ کا ایجنٹ ہے۔

جمیل اللہ مزید کہتا ہے کہ سراج نے مجھے تسلیاں دیتے ہوئے کہا کہ تمہیں خوفزدہ ہونے کی ضرورت نہیں۔ عام سے مولوی کا قتل ہے اور جو لوگ قتل کے خواہشمند ہیں وہ ہمیں تحفظ فراہم کریں گے۔ لیکن میرے دل میں بار بار خیال آتا رہا اور پوچھا بھی یہ کیسا عام سا مولوی ہے جس کے قتل کی اجرت اتنی بڑی ہے؟ سراج نے کہا اسے چھوڑ دو تم خود دیکھ لو گے۔ یہ باتیں سن کر میں سراج کی باتوں سے مطمئن ہوا اور لالچ میں آگیا چنانچہ اسی وقت عصر کا وقت تھا میں ان کے ساتھ روانہ ہو پڑا۔ راستہ میں یہ سارا گروپ مجھے تسلیاں دے رہا تھا کہ گھبرانے کی ضرورت نہیں۔

باتیں کرتے کرتے ہم گاڑی پر سراج کے گاؤں پہنچے اور یہ رات سراج کے حجرہ (ڈیرہ) پر گذاری اور قسمیں کھاتے رہے۔ دوسرے دن صبح ۹ بجے سراج' شیر گل' فقیر گل' بدرے اور میں سراج کی موٹر کار میں براستہ چار سدہ پشاور پہنچے اور سیدھا مدرسہ کی طرف چلے گئے۔ ہم نے مدرسے کے بالمقابل جی ٹی روڈ پر کچھ چکر لگائے آخر کچی سڑک پر جا کر فقیر گل کو اتار دیا جبکہ ہم لوگ اس کچی سڑک پر ایک جگہ جس کی نشاندہی میں کر سکتا ہوں موٹر کار سے اتر کر سامنے شربت والے کی دکان پر بیٹھ گئے اور فقیر گل کا انتظار کرنے لگے کیونکہ فقیر گل مدرسہ کے اندر مولانا صاحب کو دیکھنے گیا تھا۔ تقریباً ایک گھنٹہ بعد فقیر گل واپس آیا اور ہمیں بتایا کہ مولوی صاحب موجود نہیں ہے۔

ہم تمام افراد موٹر کار میں بیٹھ کر سیدھا اسی روڈ پر نوشہرہ قاضی جہانزیب کے گھر پہنچ گئے قاضی جہانزیب کا گھر دریائے کابل کے کنارے پر واقع ہے ہم نے دوپہر کا کھانا اس کے ہاں کھایا اور آرام کیا۔ قاضی کے گھر جانے کا یہ میرا پہلا اتفاق تھا لیکن سراج اور بدرے کے قاضی سے دیرینہ مراسم تھے۔

قاضی جہانزیب' سراج' بدرے اور فقیر گل سے تنہائی میں نصف گھنٹہ تک باتیں کرتا رہا میں اور ڈرائیور شیر گل علیحدہ بیٹھے رہے مجھے یہ معلوم نہیں کہ انہوں

نے تنہائی میں کیا کچھ کہا۔

قاضی جہانزیب سے ملاقات کے بعد سراج اس کے ہاں ٹھہر گیا اور ہم کو پشاور جانے کی ہدایت کی اور ساتھ یہ بھی حکم دیا کہ رات پشاور میں بسر کریں اور مکمل پتہ کریں کہ وہ مولوی کب آ رہا ہے؟

سراج کی اس ہدایت پر ہم اسی گاڑی میں پشاور آئے اور کوہاٹ روڈ پر واقع ایک پٹرول پمپ پر جا کر گاڑی میں پٹرول ڈلوایا۔ یہ پٹرول پمپ والا شیر گل کا رشتہ دار تھا اس نے ہمیں چائے بھی پلائی تھی۔

ہم چائے سے فارغ ہوئے تو بدرے نے کہا اسی روڈ پر واقع فلور مل کا ایک ملازم صبح 9 بجے روزانہ چار پانچ لاکھ روپے بنک لے جاتا ہے (یہ بات بدرے کو اس کے رشتہ دار نے بتائی تھی جو اس مل میں ملازم تھا" لہٰذا ہم اس کے سکوٹر کو ٹکر مار کر گرا دیں گے اور رقم چھین کر فرار ہو جائیں گے۔ تمام افراد نے حامی بھر لی مگر میں نے معذرت کرتے ہوئے کہا "میں پہلے بھی ڈکیتی کیس میں ناکام اور سزا پا چکا ہوں اس لئے مجھے ڈکیتی کرتے ہوئے ڈر لگتا ہے چونکہ ہمارا شکار موجود نہیں ہے اس لئے مجھے آپ لوگ گھر چھوڑ آئیں"۔

چنانچہ ان لوگوں نے مجھے "سوری پل" زیارت کے پاس موٹر کار سے اتار دیا اور کہا کہ ہم کل صبح سات بجے اسی پل پر تمہیں لینے آئیں گے۔

اگلی صبح ٹھیک سات بجے میں اسی سوری پل پر پہنچ گیا مگر موٹر کار موجود نہ تھی میں انتظار کرنے بیٹھ گیا تقریباً پونے آٹھ بجے یہ سارے لوگ پہنچ گئے اور سراج بھی ساتھ تھا اس وقت بدرے مسلح بہ کلاشنکوف' فقیر گل مسلح بہ 30 بور پستول اور شیر گل مسلح بہ 32 بور پستول تھے جبکہ میرے پاس بھی 32 بور پستول تھا جس کا ایک مرتبہ قاضی جہانزیب سے تبادلہ بھی کیا تھا اور اس نے 30 بور لے لیا تھا مگر وقوعہ سے ایک روز قبل اسے چیک کیا تو وہ ٹھیک نہیں تھا ہم دھوکہ نہیں کھانا چاہتے تھے اس لئے قاضی جہانزیب کو 30 بور واپس کر کے 32 بور پھر لے لیا۔

میں نے بدرے سے پوچھا کہ وہ فلور مل والی ڈکیتی کا کیا بنا؟ تو اس نے بتایا کہ وہ

ناکام ہو گئی ہے اور ابھی تک وہ مولوی بھی نہیں آیا۔ ہم موضع "شبقدر" پہنچے جہاں رحمٰن ولد ملک شہزادہ کے ڈیرہ پر گئے۔ وہاں چائے پی جبکہ سراج پہلے کہیں اتر گیا تھا۔

تھوڑی دیر انتظار کرنے کے بعد ملک رحمٰن بھی پہنچ گیا علیک سلیک کے بعد بدرے اور فقیر گل اس کے ساتھ علیحدہ کمرے میں چلے گئے اور اس نے چائے کا آڈر دے دیا۔ فقیر گل، ملک رحمٰن کمرے سے باہر آئے یہ ملاقات تقریباً ایک گھنٹہ تک رہی۔ ہم وہاں سے "پچگی" گاؤں روانہ ہوئے۔ "پچگی" گاؤں ایک شخص کے ڈیرے پر پہنچے جس کی نشاندہی میں کر سکتا ہوں وہ شخص ہمیں اچھے طریقے سے ملا اور بدرے سے گرم جوشی سے ہاتھ ملایا۔ غالباً" بدرے کا دوست لگتا تھا۔ وہیں ہم نے رات گذاری اس شخص نے رات کو ہمارے لئے مرغ پکایا اور تواضع کی۔ اس شخص کا نام مجھے یاد نہیں البتہ یہاں بیٹھے ہوئے ایک شخص نے بدرے سے پوچھا تھا کہ یہ گاڑی جس پر تم پھر رہے ہو فلاں میجر کی ہے ناں.....؟ مگر بدرے نے جواب دیا کہ یہ گاڑی میجر کی نہیں ہے ہم نے اس کی نمبر پلیٹ تبدیل کی ہوئی ہے اصل نمبر پلیٹ قاضی جہانزیب کے گھر پڑی ہوئی ہے۔

ہم نے یہاں رات گذاری اور صبح سویرے تقریباً سات آٹھ بجے پشاور روانہ ہوئے۔ ہم کوہاٹ روڈ پر واقع اسی پٹرول پمپ پر پہنچے۔

کھانا کھانے کے بعد مدرسہ کے قریب پہنچے، گاڑی سڑک پر کھڑی کی فقیر گل اور میں مدرسہ میں چلے گئے جبکہ بدرے اور شیر گل سڑک پر گاڑی کے ساتھ کھڑے رہے۔ ہماری ملاقات مدرسہ کے چوکیدار عبداللہ سے ہوئی وہ برآمدے میں بیٹھا ہوا تھا میں نے باتوں باتوں میں اسے اپنا تعارف یوں کرایا کہ "میں بڑھئی ہوں اور مستری کا کام خوب جانتا ہوں لہٰذا مدرسہ میں اگر مستری کی ضرورت ہو تو میں مزدوری کرنے کا خواہشمند ہوں"۔ مگر عبداللہ نے جواب دیا کہ یہاں مستری پہلے سے کام کر رہے ہیں پھر ہم نے مولانا صاحب کا پوچھا کہ وہ کہاں ہیں....؟ تو عبداللہ نے ٹالتے ہوئے جواب دیا وہ پاراچنار گئے ہوئے ہیں پھر فقیر گل نے استفسار کیا کہ وہ کب آئیں گے؟ تو بتایا کہ وہ چار پانچ روز تک واپس آ جائیں گے۔

ہم مدرسہ کا جائزہ لے کر واپس اپنی موٹر کے پاس آ گئے جہاں بدرے اور شیر گل ہمارے منتظر تھے۔ انہیں صورت حال سے آگاہ کیا اور واپس چمکنی روانہ ہو گئے۔ ہم موٹر کار میں جا رہے تھے کہ پشاور ڈبگری بازار میں ایک عورت نے شیر گل کو اشارہ کیا جسے شیر گل نے تو نہیں دیکھا البتہ بدرے نے شیر گل کو اشارہ کر کے بتا دیا۔ شیر گل نے موٹر کار کھڑی کی' دونوں اس عورت کے پاس چلے گئے جہاں دس پندرہ منٹ انہوں نے باتیں کیں پھر ہم وہاں سے روانہ ہو گئے البتہ راستے میں خیال آیا کہ یہ عورت ان کی دوست ہے یا اسی سازش کا کوئی حصہ.....؟ بہرحال چارسدہ روڈ پر شیر گل نے نہر کے ساتھ گاڑی کھڑی کی۔ مجھے اور فقیر گل کو یہاں اتار دیا جبکہ وہ اور بدرے کہیں چلے گئے۔ اور یوں فقیر گل اور میں نہر کے قریب ہوٹل میں چائے پینے اور شیر گل اور بدرے کا انتظار کرنے بیٹھ گئے۔

تقریباً دو گھنٹے بعد شیر گل اور بدرے واپس آئے اور ہمیں ساتھ بٹھا کر چمکنی روانہ ہوئے۔ ہم عصر کے وقت چمکنی میں پھر اسی شخص کے پاس پہنچے جو بدرے کا دوست تھا۔ رات دوبارہ اسی کے ڈیرہ پر گزاری' کھانا بھی اس کے ہاں کھایا مگر یہاں جیٹھے بیٹھے بدرے کے اس دوست نے بدرے کو باتوں باتوں میں کہہ دیا کہ ایسا کام نہ کرو۔ میں بات سمجھ گیا تو میں نے بھی اس شخص کو اپنے ارادہ سے آگاہ کیا اس نے واضح طور پر ہمیں باز رہنے کی تلقین کی۔ اس شخص کا نام مجھے یاد نہیں آ رہا البتہ وہ جگہ اور شکل کی شناخت کر سکتا ہوں۔

جمیل اللہ بات کو جاری رکھتے ہوئے کہتا ہے کہ صبح سویرے ہم نے اسی ڈیرہ پر چائے پی اور پراٹھے سے ناشتہ کیا اور پھر پشاور روانہ ہو گئے۔ ڈبگری میں بدرے ہمیں اپنے دوست کے پاس لے گیا جہاں ہم نے چائے پی تقریباً ایک گھنٹہ گپ شپ کیبعد ہم روانہ ہوئے تو سڑک پر دو پولیس والے دکھائی دیئے۔ بدرے نے گاڑی رکوائی اور ان کے پاس گیا اور ان سے ۱۰۰ روپے لئے جس میں سے ۵۰ روپے کا ہم نے گاڑی میں پٹرول ڈلوایا۔

ہم چمکنی روڈ پر روانہ ہوئے تو راستے میں بدرے نے کہا کہ قریبی گاؤں میں اس

کی بہن بیمار ہے لہٰذا اس کی مزاج پرسی کر لی جائے۔ وہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ اس گاؤں کا نام "خوش مقام" ہے ہم وہاں ایک حجرہ میں بیٹھ گئے جہاں ایک بوڑھا شخص پہلے سے بیٹھا ہوا تھا۔ بدرے اپنی بہن کے گھر چلا گیا اور ہم نے رات کا کھانا وہیں پر کھایا۔ ارادہ تھا کہ رات یہاں بسر کریں مگر پھر مشورہ کیا تو فیصلہ ہوا کہ یہاں نہیں ٹھہرنا چاہیے۔ رات کے ۱۰ بجے ہم یہاں سے بذریعہ موٹرکار روانہ ہو کر دوسرے گاؤں منتقل ہو گئے۔ یہ گوجروں کا گاؤں تھا جس کی نشاندہی کر سکتا ہوں۔ غالباً" یہ لوگ بدرے کے رشتہ دار تھے یہاں ہم نے رات کو آرام کرنے کا فیصلہ کیا۔

صبح آٹھ بجے ہم نے چائے پی اور پشاور روانہ ہوئے اور راستہ میں طے پایا کہ کام کو جلدی مکمل کریں وگرنہ سراج ناراض ہو جائے گا۔ ہم ایک بار پھر بدرے کے دوست رحمٰن کے ہاں پہنچے جو ڈیرہ پر موجود نہیں تھا۔ البتہ وہاں پر موجود دو چار افراد نے ہمیں اچھی نظر سے نہ دیکھا۔ ہم فوراً سمجھ گئے کہ انہیں ہمارا آنا ناگوار گزرا ہے۔ لہٰذا ہم وہاں سے روانہ ہو کر ایک درزی کی دکان پر پہنچے اس کے ساتھ کافی وقت گزارا اور دوپہر کا کھانا بھی وہیں کھایا۔ اسی دوران بدرے غائب ہو گیا اور بتلایا کہ وہ رقم کا بندوبست کرنے جا رہا ہے۔

دن کے ساڑھے تین بج چکے تھے' ہم بیٹھے ہی تھے کہ سراج جس کے ساتھ صرف ایک ڈرائیور تھا جسے پشتو نہیں آتی تھی غالباً" پنجابی تھا جسے دیکھنے پر پہچان سکتا ہوں۔ سوزوکی کار نمبر ۹۷۰۰ پر وہیں آ گئے۔

یہاں سراج نے شیر گل اور فقیر گل سے کچھ باتیں کیں اور پھر اسی پنجابی ڈرائیور کے ساتھ موٹر کار میں واپس چلا گیا اس کے جانے کے بعد بدرے نے بتایا کہ یہ پنجابی اس راولپنڈی والے افسر کا ڈرائیور ہے جو یہ سارا کام کروا رہا ہے۔

شیر گل' فقیر گل اور میں سراج والی موٹر کار میں بیٹھ کر چکی کی طرف روانہ ہو گئے۔ تقریباً عصر کے وقت اڈہ چارسدہ کے آگے جب ایک ورکشاپ کے قریب پہنچے تو اسی اثناء میں سراج اور بدرے آ گئے۔ چونکہ موٹر کی بیٹری خریدنے گئے تھے۔ سراج نے ہمیں ہدایت کی کہ آج شام فلاں مستری سے موٹر گاڑی اچھی طرح ٹھیک کرا لو

تاکہ کہیں یہ دھوکا نہ دے جائے۔ لہٰذا ہم شام کے وقت گاڑی لے کر واپڈا کوارٹر سراج کے دوست کے پاس گئے۔ ہم نے رات وہاں گزاری۔ اگلے روز متعلقہ شخص حجرے پر موجود نہ تھا۔ پھر ہم سراج کے دوسرے دوست کے پاس پہنچے اور اس کی ورکشاپ میں گاڑی کھڑی کی۔

رات کو ایک ملازم کے ساتھ رکشہ میں بیٹھ کر اس شخص کے گھر گئے لیکن وہ شخص موجود نہ تھا چنانچہ اسی رکشہ کے ذریعہ ہم اپنی موٹر کار کے پاس آئے اور یہاں سے موضع "اویزئی" کے قریب لال نامی ایک شخص جو چیئرمین ہے کے حجرہ (ڈیرہ) پر چلے گئے یہاں پولیس کے کافی افراد موجود تھے سراج نے پولیس والوں سے خوب گپ شپ لگائی اور ایک تھانیدار کے ساتھ تو گپ شپ گالی گلوچ تک جا پہنچی میں سمجھا کہ واقعی سراج تعلق رکھنے والا شخص ہے۔

ہم نے رات کا کھانا بھی لال نامی شخص کے پاس کھایا۔ رات بارہ بجے گپ شپ لگاتے لگاتے سو گئے۔ صبح ناشتہ کیا اور سیدھا مستری کے پاس پشاور پہنچے۔ موٹر مستری کے حوالے کر دی۔ تین چار گھنٹے میں مستری نے ہمیں فارغ کر دیا۔ موٹر ٹھیک ہوئی تو ہم سراج کے گاؤں ترلاندی پہنچ گئے۔ جہاں چائے پی اور پھر قاضی جہانزیب کے پاس نوشہرہ جانے کا پروگرام بنایا۔ شام کے وقت قاضی کے گھر پہنچے اور رات کا کھانا بھی وہیں کھایا۔ سراج بدرے اور قاضی دیر تک علیحدہ باتیں کرتے رہے جبکہ ہم رات گئے تک ٹی وی دیکھتے رہے۔ مجھے نہیں معلوم کہ تنہائی میں سراج' بدرے اور قاضی صاحب کے درمیان کیا باتیں ہوئیں۔

صبح ہوئی... ناشتہ کیا اور قاضی جہانزیب نے دس عدد انگریزی ساخت کے 32 بور کارتوس سراج کے حوالے کئے جو سراج نے مجھے آٹومیٹک پستول کے ساتھ دیئے تھے پھر دس بجے کے قریب ہم نوشہرہ سے روانہ ہوئے اور سیدھا موضع "جھگڑا" آ گئے جہاں سراج کے ایک دوست جس کی نشاندہی کر سکتا ہوں کے پاس وقت گزارا اور دوپہر کا کھانا بھی یہیں کھایا۔

کھانے سے فارغ ہوئے تو سراج نے پشاور روانہ ہونے کا اشارہ کیا اور ہدایت

کی کہ کام جلدی کرو کیونکہ اوپر والے لوگ بے چین ہیں۔ ہم چار افراد فقیر گل، بدرے، شیر گل اور میں پشاور روانہ ہوئے جبکہ سراج وہیں رہ گیا۔ تھوڑی دیر بعد ہم مدرسہ کے قریب پہنچ گئے موٹر کار مدرسہ کے ساتھ نہر کے کنارے روڈ پر کھڑی کی۔ بدرے اور شیر گل کو موٹر کے پاس رکنے کا فیصلہ کیا جبکہ میں اور فقیر گل مدرسہ کی طرف بڑھے۔ مدرسہ سے چند قدم کے فاصلے پر فقیر گل نے مجھے ٹھہرنے کا حکم دیا جبکہ خود مدرسہ میں چلا گیا۔ جاتے ہوئے فقیر گل نے اپنی جیب سے چند کاغذات نکالے اور میرے سپرد کرتے ہوئے کہا انہیں سنبھال کر رکھنا مجھے خوف ہے کہ کہیں اس مرتبہ مدرسے کے افراد مجھے پکڑ نہ لیں۔ فقیر گل مدرسہ گیا اور میں نے کاغذات کا جائزہ لینا شروع کر دیا۔ ایک کاغذ پر موٹرکار جھنگ ۹۷۰۰ اور راولپنڈی کا فون ۸۵۴۵۲۵ لکھا دکھائی دیا چونکہ مجھے باتوں باتوں میں علم ہو چکا تھا کہ یہ موٹرکار اور فون نمبر اس شخص کا ہے جو مولوی صاحب کو قتل کروانا چاہتا ہے لہٰذا جلدی سے میں نے یہ دونوں نمبر نوٹ کر لئے اور پھر فقیر گل کا انتظار کرنے بیٹھ گیا۔

کچھ دیر بعد فقیر گل واپس لوٹا تو اس کے چہرے پر خوشی کے آثار تھے اس نے بتایا کہ مولوی صاحب آ چکا ہے اور اس سے ملاقات بھی کر لی ہے اور دو عدد خط بھی وصول کئے ہیں جو انہوں نے پاراچنار کے ایک مولوی صاحب کے نام دیئے ہیں۔ فقیر گل نے مزید بتایا کہ مولوی صاحب اس سے پوچھ رہے تھے کہ وہ پہلے والا خط کہاں گیا جو انہوں نے اس سے پہلے ملاقات میں دیا تھا تو فقیر گل نے بتایا کہ وہ کہیں جیب سے گر گیا ہے جب یہ ساری باتیں فقیر گل نے جنگڑہ میں جا کر سراج کو بتائیں تو سراج مجھ پر کافی غصہ ہوا اور برا بھلا کہنے لگا کہ تم نے مولوی کو قتل کیوں نہیں کیا لہٰذا اب ہر حال میں صبح قتل کر کے آنا ہے۔

رات کو کچھ منصوبہ بندی ہوئی کہ جمیل اللہ قتل کرے گا۔ رات مختلف خیالات میں اور سوچوں میں گزر گئی نہ جانے کب نیند آئی.... اذان کا وقت تھا کہ سراج نے ہمیں جگا دیا۔ ہم نے منہ ہاتھ دھوئے اور مدرسہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ اس وقت مسجدوں سے اذانوں اور سلام کی آوازیں آ رہی تھیں۔ ہم مدرسہ کے قریب والی نہر پر

پہنچے تو اندھیرا کچھ ہلکا ہو چکا تھا ہم نے حسب معمول اپنی گاڑی سڑک پر کھڑی کی اور اس کا منہ مغرب کی طرف کر دیا تاکہ فرار ہونے میں کوئی رکاوٹ پیش نہ آئے۔

سراج، فقیر گل اور شیر گل موٹر میں رہے جبکہ بدرے اور میں قتل کرنے کی نیت سے مدرسہ کی جانب بڑھے۔ ہم آہستہ آہستہ بغیر کسی رکاوٹ کے ائرکنڈیشنڈ کمرے کے دروازے پر پہنچ گئے جہاں مولانا صاحب کی موجودگی کا بتایا جاتا تھا۔ کمرے میں روشنی تھی میں نے جھانکا تو مولانا صاحب موجود نہ تھے۔ میں نے بدرے سے کہا کہ مولانا صاحب موجود نہیں ہے کیونکہ میں نے مولانا صاحب کو دیکھا بھی نہیں تھا البتہ فقیر گل جو بار بار مل چکا تھا نے مجھے حلیہ بتا دیا تھا۔

تقریباً صبح کے پانچ بج چکے تھے میں انہی سوچوں میں گم تھا کہ مولانا کون اور کیسے ہیں کہ قریب کی سیڑھیوں سے کسی کے اترنے کی آواز آئی میں اور بدرے نے جلدی سے مڑ کر دیکھا تو ایک مولانا نیچے اتر رہے تھے۔ بدرے نے مجھے اشارہ کیا تو میں نے چند فٹ کے فاصلے سے فائر کر دیا جو انہیں سینے میں لگ گیا میں دوسرا فائر بھی کرنا چاہتا تھا مگر میرا ہاتھ مجھے شل محسوس ہوا جس کے بعد بدرے مدرسہ کے برآمدے اور میں صحن کے راستہ سے فرار ہوا۔ چونکہ میرا ایک پاؤں پہلے حادثہ میں مفلوج تھا اس لئے مجھے دوڑنے میں دشواری پیش آئی مگر میں موٹر کے قریب پہنچا جب کہ ایک دو بار راستہ میں بھی گر گیا مگر سراج اور شیر گل نے مجھے آگے بڑھ کر تھاما اور موٹر میں ڈال دیا۔ موٹر پہلے سے سٹارٹ تھی ہم نے جلدی سے گیٹ بند کئے اور تیزی سے جی ٹی روڈ پر نکل آئے۔ شیر گل نے تیزی سے موٹر چلانا شروع کی تو گھبراہٹ کی وجہ سے اس سے بھی گاڑی بے قابو ہونے لگی جسے سراج نے حوصلہ دیتے ہوئے کہا کہ وہ جائے وقوعہ سے کافی دور نکل آئے ہیں لہٰذا گھبرانے کی ضرورت نہیں اور دوسرا اس قتل کے پیچھے حکومت کا ہاتھ ہے آپ تمام لوگ بے فکر رہیں۔

سوری پل عبور کر کے چارسدہ روڈ پر شیر گل نے گاڑی کھڑی کی اور نیچے اتر کر نمبر پلیٹ کے نمبر ۹۰۵۰ کے آخری ہندسہ صفر سے کاغذ اتار دیا۔ پھر ہم سراج کے سسرال کے گاؤں "ہری چند" روانہ ہو گئے۔ تقریباً سات بجے صبح ہم سراج کے سسرال

پہنچ گئے وہاں چائے پی لحہ بہ لحہ میری طبیعت بگڑتی گئی میں چادر تان کر تھوڑی دیر کے لئے سو گیا۔ تقریباً" دس بجے آنکھ کھلی تو ان تمام لوگوں کو خوش پایا پھر خود بھی ریڈیو کی خبروں میں مولانا کے قتل کی خبر سنی تو مجھے بے حد دکھ ہوا کہ مجھ بدبخت سے ایک عالم دین قتل ہو گیا ہے۔ پھر ان کی شخصیت کا اس وقت اندازہ ہوا جب صدر پاکستان اور دیگر تمام سرکاری عہدیداران اور ملک کی نامور شخصیات نے گہرے رنج و غم کا اظہار کیا۔ میں نے دل میں سوچا کہ سراج تو مجھے کہتا تھا کہ عام سا مولوی ہے۔ یہ تو بہت بڑی شخصیت تھا۔

وقت گزر رہا تھا مگر نہ جانے میرا دل کیوں پستا جا رہا تھا۔ مجھے انعام و اکرام سب کچھ بھول رہے تھے۔ شاید میری کیفیت دیکھ کر شام چار بجے سراج نے مجھے ایک سو روپے دیتے ہوئے رخصت کیا کہ یہ تمہارا کرایہ ہے جلدی سے گھر بھاگ جاؤ باقی رقم حسب وعدہ مل جائے گی۔

میں کڑھتے دل کے ساتھ اپنے گاؤں خویشگی پایان پہنچا۔ گھر پہنچتے ہی میں بے اختیار رونے لگا۔ بیوی نے حال پوچھا تو بے ساختہ ساری داستان سنا دی۔ میرے ساتھ میری بیوی بھی زار و قطار رونے لگی اور مجھے بے حد برا بھلا کہنے لگی۔ ہم میاں بیوی دیر تک روتے رہے پھر میرے سسر آ گئے میں نے انہیں بھی صورتحال سے آگاہ کیا تو انہوں نے بے حد برا منایا اور کہنے لگے کہ "تم نے ایک ولی کو قتل کیا ہے تمہارا انجام عبرتناک ہو گا۔ دیکھو تو سہی کہ پورا پشاور اس کے مریدوں سے بھر چکا ہے"۔

میں نے مولانا صاحب کے جنازے کے حالات بھی سنے تو پھر احساس نے مزید رلایا کہ واقعا" یہ کوئی ولی تھا۔ بلکہ آج تک بھی خواب دیکھتا ہوں یا اپنے ساتھ گزرنے والے لمحات کا جائزہ لیتا ہوں تو مجھے احساس ہوتا ہے کہ "مجھ سے وقت کا کوئی پیغمبر قتل ہو گیا ہے"۔

اس حادثہ کے تقریباً دس گیارہ دن بعد جب میں بستر بیماری پر عجیب کیفیت میں تھا تو سراج کا لڑکا المعروف میجر اور اس کا بھتیجا جس کا مجھے نام یاد نہیں میرے پاس آئے اور مبلغ پچیس ہزار کی رقم دیتے ہوئے سراج کا یہ پیغام بھی دیا۔ تم جلد از جلد گلگت

چلے جاؤ ورنہ تمہارا انجام اچھا نہیں ہو گا۔ میں نے پچیس ہزار میں سے گاؤں کے دکانداروں کے قرض اتارے۔

(قارئین۔ جمیل اللہ کے گاؤں کے دکانداروں کے روزنامچوں کے ریکارڈ کے مطابق جن میں جمیل اللہ اور اس کے بیٹے سردار اللہ کے نام کھاتے درج ہیں جو بالترتیب ۴۲۳٬ ۲۶۹ اور ۳۸۶٫۵۰ روپے بنتے تھے۔ اگست ۱۹۸۸ء کو ادا کیے گئے) سات سو اور چھ سو دو دکانداروں کو بطور قرض دیئے۔ اکاون سو (۵۱۰۰) روپے پولیس نے میرے قبضہ سے برآمد کئے جبکہ گیارہ ہزار میرے گھر میں پڑے ہیں بقایا رقم کا میں نے اپنے بیٹے سردار اللہ کی شادی کے لئے کچھ سامان خریدا ہے۔

جمیل اللہ نے مزید انکشاف کرتے ہوئے یہ بھی واضح کیا کہ آج سے چھ سات دن قبل سراج نے میرے گھر کے باہر فائرنگ بھی کرائی اور بعض افراد کے ذریعے ڈرانے دھمکانے کی کوشش بھی کی کہ میں گلگت چلا جاؤں مگر میں دلی طور پر سراج سے اس قدر متنفر ہو چکا تھا کہ ایک دن اس کے سسرال گیا صرف اسی نیت سے کہ یا سراج کو قتل کر ڈالوں یا وہ مجھے قتل کر دے۔ کیونکہ مجھے زندگی موت سے بدتر محسوس ہو رہی تھی۔ مجھے یہ اطلاع بھی مل چکی تھی کہ سراج میرے گاؤں میں میرے قتل کے لئے بھی کئی بار آ چکا ہے۔ یہ اطلاع مجھے نذیر گڈریا نے دی تھی لہٰذا میں اس کے تعاقب کے لئے ہری چند گیا جہاں اس کے سالے نے مجھے صورتحال سے آگاہ کیا کہ پولیس سراج کی تلاش میں ہے لہٰذا تم یہاں سے جتنی جلدی ممکن ہو بھاگ جاؤ۔ میں اس کی تلاش میں شبقدر بھی گیا مگر ناکام لوٹا ان دنوں سراج کے بارے میں سوچ رہا تھا کہ پولیس نے مجھے گاؤں سے گرفتار کر لیا۔

۴۴۔ قاتل گروہ کے ڈرائیور کا بیان

شیر گل ولد زیارت گل سکنہ عمرزئی اپنے ساتھی ملزمان کے کئے ہوئے جرم کا اعتراف اور دیگر احباب کے جرم کی تصدیق کرتے ہوئے کہتا ہے کہ وقوعہ سے تقریباً پندرہ دن قبل میں اپنے سسر کے تیل ڈپو پر بیٹھا کام کر رہا تھا کہ سراج اور بدرے آ گئے۔ سراج سے میرے پرانے مراسم تھے۔ سراج نے بتایا کہ ایک موٹر کار خریدنے کے سلسلہ میں پشاور چلنا ہے جس میں مجھے تمہاری مدد درکار ہے میں نے کہا کہ یہاں کام کافی زیادہ ہے میرا سسر بھی بیمار ہے لہٰذا معذرت چاہوں گا مگر سراج نہ مانا اس نے اگلے روز تیار ہونے کو کہا۔ اگلے روز سراج بدرے اور فقیر گل پھر میرے پاس آئے اور مجھے پشاور لے گئے۔ کافی بارگین سنٹرز دیکھے مگر فقیر آباد میں "المدینہ بارگین سنٹر" سے موٹر کار نمبر PRM 9050 پسند کی اور قیمت مبلغ انتیس ہزار (۲۹۰۰۰) طے پائی۔ جسے ہم نے خرید لیا۔

جب ہم اسی گاڑی پر سراج کے گاؤں پہنچے تو سراج سے پوچھا کہ آخر تمہیں موٹر کار کی ضرورت کیوں پیش آئی اور دوم یہ رقم تم کہاں سے لائے ہو؟ تو سراج نے کہا چپ رہو تمہیں سمجھاتا ہوں تھوڑی دیر بعد بدرے بھی حجرہ پر آ گیا جو قریب گھر گیا ہوا تھا باتوں باتوں میں پھر پوچھا تو سراج نے بتایا کہ گاڑی کی رقم ایک پنجابی کپتان نے دی ہے وہ یہاں پشاور میں کسی شیعہ مولوی کو قتل کروانا چاہتا ہے چونکہ ہم نے حامی بھر لی ہے لہٰذا اس نے ہمیں سردست پچاس ہزار روپے دیئے ہیں۔ سراج نے اپنی بات بڑھاتے ہوئے کہا کہ میری خواہش ہے کہ تم بھی ہمارے گروپ میں شامل ہو جاؤ کیونکہ ہمیں قابل اعتماد ڈرائیور کی ضرورت ہے۔ میں نے پھر پوچھا کہ صرف پچاس ہزار یا کچھ اور بھی ملے گا تو سراج نے کہا کہ کافی پیسہ ملے گا بے فکر رہو چنانچہ میں نے آمادگی کا اظہار کر دیا۔

اگلی صبح موٹر کار میں، سراج اور اس کی بیوی سسرال ہری چند گئے سراج کی بیوی کو وہیں چھوڑ کر پھر ترلاندی واپس آئے رات ترلاندی گذاری اور اگلے روز پھر ہری چند چلے گئے جہاں سے سراج نے اپنی بیوی کو لیا اور سیدھا چارسدہ آئے۔ کیونکہ

سراج کی بیوی کی صحت خراب تھی چارسدہ میں لیڈی ڈاکٹر سے اس کا معائنہ کرایا' میڈیکل سٹور سے دوائی خریدی اور واپس ترلانڈی چلے گئے۔ قریب کے ایک گاؤں میں کوئی مرگ ہوئی تو سراج اور میں اس کی فاتحہ خوانی کے لئے چلے گئے اس وقت بدرے بھی ہمارے ساتھ تھا۔

فاتحہ خوانی سے واپس آئے تو سراج نے مجھے کہا کہ "شیر گل گاڑی کو خوب چیک کر لو اگر مرمت درکار ہے تو کرا لو تاکہ دوران سفر کہیں دھوکہ نہ دے" میں نے گاڑی کو چیک کیا ضروری مرمت سے سراج کو آگاہ کر دیا اور اگلی صبح پشاور پہنچ گئے۔ ہم جی ٹی روڈ پر آ رہے تھے کہ سراج نے فقیر گل سے کہا کہ مولوی کا پتہ کرتے چلیں لہٰذا ہم نے مدرسہ کے سامنے گاڑی روک دی اور فقیر گل جاسوسی کے لئے اندر چلا گیا۔ تھوڑی دیر بعد واپس آیا تو بتایا کہ مدرسہ کے کلرک سے اس کی ملاقات ہوئی ہے جس نے اسے پانی اور چائے پلائی ہے مگر مولوی موجود نہیں ہے وہ دو چار روز تک واپس آئے گا اس وقت کراچی گیا ہوا ہے۔

ہم وہاں سے روانہ ہو کر سیدھا پچگی گئے......رات وہاں بسر کی اگلے روز ہم نے گندھاب جا کر کلاشنکوف خریدی اور سراج نے پندرہ ہزار تین سو روپے ادا کر کے کلاشنکوف سنبھال لی اور ہم واپس ترلانڈی گاؤں آ گئے۔ صبح ہم نوشہرہ روانہ ہوئے تو راستے میں باتوں کے دوران میں نے سراج سے پنجابی کپتان کے بارے میں پوچھا تو جواب ملا کہ بڑا آدمی ہے اور بڑے لوگوں کے ساتھ منسلک ہے۔

مجھے بدرے اور فقیر گل نے ایک روز یہ بھی بتایا تھا کہ اس کا نام ماجد ہے اور سراج سے تنہائی میں ملاقاتیں کرتا ہے۔ ہم باتیں کرتے کرتے نوشہرہ قاضی جہانزیب کے حجرے پر پہنچے مگر وہ موجود نہ تھا ہم تھوڑی دیر کے لئے بیٹھ گئے ابھی ہم روانہ ہو ہی رہے تھے کہ قاضی جہانزیب بھی آ گیا لہٰذا ہم نے رات وہیں بسر کی۔

اگلے روز نوشہرہ سے پشاور روانہ ہوئے تو سراج نے فقیر گل سے پوچھا کہ تم مدرسہ میں کیسے جاتے ہو اور وہاں کیا کہتے ہو؟ تو فقیر گل نے جواب دیا کہ میں مدرسہ شیعہ بن کے جاتا ہوں مزید بتایا کہ میں وہاں فریاد کرتا ہوں کہ سنی لوگ مجھے تنگ کر

رہے ہیں اور اپنا ٹوٹا دانت بھی دکھاتا ہوں کہ یہ سنی لوگوں نے توڑا ہے۔ فقیر گل کی یہ باتیں سن کر سراج ہنسنے لگا اتنے میں ہم پھر مدرسہ کے سامنے پہنچ گئے گاڑی کھڑی کی اور فقیر گل و بدرے کو مدرسہ بھیج دیا۔ تقریباً آدھ گھنٹہ بعد یہ دونوں واپس آئے تو فقیر گل نے مولوی صاحب کی اطلاع دی اور ساتھ رقعہ بھی دکھلایا جو مولوی صاحب نے لکھ کر دیا تھا۔

سراج نے فقیر گل سے چٹ وصول کرلی اور ہم "کانگولہ" روانہ ہوئے وہاں سراج کا دوست نہ ملا تو ہم "پچگی" چلے آئے یہاں ایک گھنٹہ گزارا اور یہاں سے ہم چاروں ترلاندی واپس آئے۔ جہاں منصوبہ بندی کے دوران سراج نے بتایا کہ "خویشگی پایان" کا ایک ترکھان بے حد غریب ہے اسے اپنے ساتھ ضرور ملانا چاہئے وہ ہمارا دوست ہے۔

دوسرے روز عصر کے وقت ہم چاروں سراج' بدرے' فقیر گل اور میں "خویشگی پایان" گاؤں گئے وہاں جمیل اللہ سے سراج نے تنہائی میں باتیں کیں اور وہ ہمارے ساتھ آمادہ ہو گیا۔ ہم اسے گاڑی میں بٹھا کر ترلاندی چلے آئے وہاں ہمیں جمیل اللہ نے شربت بھی پلایا تھا اور واقعاً" غریب آدمی معلوم ہوا۔

ترلاندی پہنچ کر سراج نے ہم سب کے سامنے قتل والی بات واشگاف الفاظ میں کی اور یہاں منصوبہ بندی بھی ہوئی دوسری صبح ہم پانچ افراد تقریباً نو بجے براستہ چار سدہ پشاور پہنچے اور سیدھا مدرسے چلے گئے۔ ہم نے موٹر کار اپنی مقررہ جگہ پر کھڑی کی اور فقیر گل کے ساتھ جمیل اللہ کو مولانا صاحب کی جاسوسی کے لئے بھیج دیا جبکہ سراج' بدرے اور میں روڈ پر شربت والی دکان پر انتظار کرنے بیٹھ گئے۔ کچھ دیر بعد یہ دونوں واپس آئے اور بتایا کہ مولوی صاحب ابھی تک نہیں آیا البتہ وہاں کے چوکیدار سے تفصیلی بات ہوئی اور جمیل اللہ نے اس سے مدرسہ میں مزدوری کے بارے میں دریافت کیا ہے۔

ہم نوشہرہ قاضی جہانزیب کے پاس چلے گئے رات بھی وہیں گزاری قاضی جہانزیب' سراج' بدرے اور فقیر گل سے تنہائی میں کچھ باتیں کیں جبکہ جمیل اللہ اور

میں علیحدہ کمرے میں ٹی وی دیکھتے رہے مجھے نہیں معلوم کہ تنہائی میں کیا باتیں ہوئیں۔ البتہ ہم دوسری صبح اکٹھے بیٹھے تھے کہ سراج نے ہمیں ہدایت کی کہ جلدی سے مولوی صاحب کا پتہ کریں رخصت ہوتے وقت سراج نے مجھے پچاس روپے بھی دیئے تاکہ گاڑی میں پٹرول ڈلوا سکوں جبکہ سراج نوشہرہ رہ گیا۔

چنانچہ میں، فقیر گل، جمیل اللہ اور بدرے پشاور پہنچے اور میں اپنے ایک رشتہ دار کے پاس کوہاٹ روڈ پر واقع ایک پٹرول پمپ پر انہیں لے گیا وہاں منشی نے ہمیں چائے پلائی ہم نے پٹرول ڈلوایا اور تھوڑا آرام کرنے لگے۔ باتوں باتوں میں بدرے نے انکشاف کیا کہ پٹرول پمپ کے قریب اسی روڈ پر واقع ایک فلور مل ہے جس کا مالک صبح نو بجے روزانہ چار پانچ لاکھ روپے بنک جمع کرنے جاتا ہے مگر جمیل اللہ نے معذرت کی کہ وہ ڈکیتی میں شامل نہیں ہو گا کیونکہ پہلے وہ ڈکیتی کی سزا بھگت چکا ہے۔

جمیل اللہ نے کہا کہ مولوی نہیں ہے لہٰذا مجھے گھر چھوڑ آؤ ہم اسے "سوری پل" پر اتار آئے اور صبح سات بجے اسی پل پر اسے انتظار کرنے کو کہا۔ اگلی صبح ہم سوری پل پر پہنچے تو وہاں جمیل اللہ ہمارا منتظر تھا اسے گاڑی میں بٹھایا اور سیدھا گاؤں "شبقدر" چلے گئے وہاں بدرے کے دوست سے ملاقات ہوئی اس نے اچھی آؤ بھگت کی بدرے اور فقیر گل اس کے ساتھ دیر تک تنہائی میں باتیں کرتے رہے جبکہ میں اور جمیل اللہ باہر بیٹھے رہے۔

چائے پینے کے بعد ہم "پبجگی" چلے گئے رات وہاں گذاری اس سے پہلے بھی ایک رات بسر کر چکے تھے۔ صبح ہوئی تو ہم پشاور گھومنے پھرنے کے لئے چلے گئے کوہاٹ روڈ پر پٹرول پمپ پر پہنچے...... منشی نے ہمیں کھانا کھلایا اور چائے پلائی پھر ہم چل پڑے۔ جب ہم ڈبگری بازار سے گذر رہے تھے کہ ایک عورت نے مجھے اشارہ کیا جسے میں نے نہیں دیکھا البتہ بدرے نے مجھے بتایا میں اس عورت کے پاس گیا تو وہ میرے سسر کی رشتہ دار تھی اور اپنی بیٹی کی شادی کے لئے کپڑے خرید رہی تھی اس نے مجھے گھر آنے کو کہا تو میں نے جلدی واپس آنے کا وعدہ کر لیا۔ ہم چارسدہ روڈ پر پہلی نہر کے پل پر پہنچے تو میں نے فقیر گل اور جمیل اللہ کو یہاں ایک ہوٹل پر اتار دیا جبکہ

بدرے سمیت خود واپس اس عورت کے گھر آگیا۔

ڈیڑھ گھنٹہ بعد واپس گیا جمیل اللہ اور فقیر گل کو گاڑی میں بٹھا کر پشاور کا چکر لگایا اور پھر مدرسہ چلے گئے۔ فقیر گل مدرسہ کے اندر چلا گیا پتہ کیا تو معلوم ہوا کہ مولوی صاحب کراچی سے کل آ رہے ہیں لہٰذا ہم دوبارہ چگی چلے گئے رات وہیں گذاری۔

اگلے روز ہم پھر پشاور آ گئے جگہ جگہ مولوی صاحب کا پتہ کیا مگر وہ نہ آئے ایک بار مدرسہ سے بھی دریافت کیا انہوں نے بتایا کہ کل تک آ جائیں گے پھر ہم بدرے کے کہنے پر "خوش مقام" گاؤں جہاں اس کی بہن بیمار تھی کی عیادت کے لئے چلے گئے۔ وہاں بدرے کے ایک بوڑھے رشتہ دار نے ہمیں روٹی کھلائی چائے پلائی اس نے ہمیں رات بسر کرنے کی دعوت بھی دی مگر چونکہ حالات مناسب نہیں تھے ہم قریبی گاؤں میں رات گذارنے کے لئے چلے گئے اور وہیں سو گئے۔

صبح چائے پئے بغیر "شبقدر" گاؤں چلے گئے وہاں ایک شخص سے ملنا مقصود تھا۔ مگر اس کی عدم موجودگی میں قریبی دوکان سے اس کے حجرے کی چابی لی اور وہیں بیٹھ گئے۔ بدرے بازار سے روٹی لایا ہم نے روٹی کھائی۔ ابھی روٹی سے فارغ ہوئے ہی تھے کہ سلیٹی رنگ کی سوزوکی کار نمبر جھنگ 9700 میں سراج ایک پنجابی ڈرائیور کے ساتھ وہیں آ گیا۔ میں نے یہی کار ماجد کپتان کے پاس دیکھی تھی جب وہ ترلاندی آیا تھا سراج نے ملتے ہی ہمیں بہت برا بھلا کہا کہ تم چکر لگا رہے ہو کام نہیں کرتے اور کپتان مجھے صبح شام تنگ کر رہا ہے لہٰذا تم آج شام ہر حال میں میرے پاس پہنچو۔

سراج واپس چلا گیا اور ہم پشاور آ گئے۔ جب ہم چارسدہ اڈہ ورکشاپ پر پہنچے تو سراج وہیں آ گیا سراج گاڑی کی بیٹری لایا مگر مستری نے اگلے روز ڈالنے کو کہا ہم "اویزئی" روانہ ہوئے تو راستے میں لائٹ نے کام کرنا چھوڑ دیا۔ کافی مشکل سے اندھیرے میں "اویزئی" ایک شخص کے پاس پہنچے وہاں کسی معاملہ میں پولیس موجود تھی سراج نے ان کے ساتھ کافی گپ شپ لگائی۔ ہم نے رات "اویزئی" میں گزاری اور اگلے روز چارسدہ روڈ پر واقع ورکشاپ پر مستری کے پاس گاڑی لے آئے۔ جسے

وائرنگ کے لئے کھڑا کر دیا۔ جبکہ یہاں سے فقیر گل اور سراج رکشہ میں سوار ہو کر ماجد کپتان سے کسی ہوٹل میں ملنے چلے گئے۔ تھوڑی دیر بعد یہ لوگ واپس آئے تو فقیر گل نے مجھے بتایا کہ وہ کمرہ نمبر ۱۰ میں مقیم ہے اور اس نے ہمیں تکے بھی کھلائے ہیں۔

میرے دل میں خیال آیا کہ اس کپتان سے ہم کیوں نہ مل لیں گویا میں اور فقیر گل نے صلاح کی اور اسے ملنے کے لئے "دوبا ہوٹل" چلے گئے مگر وہاں جا کر معلوم ہوا کہ وہ چلا گیا ہے۔ ہم واپس آئے تو مستری نے موٹر کی وائرنگ ٹھیک کر دی تھی اور شام چھ بجے ہم "اوریزئی" چلے گئے جہاں دوسری رات بھی گذاری۔ صبح ہوئی..... ناشتہ کیا اور پھر ترلاندی چلے گئے جہاں سراج نے بتایا کہ ہماری عدم موجودگی میں فوجی کپتان آیا تھا جو کام میں جلدی کی تاکید کرتا تھا لہٰذا ہم نے ترلاندی میں چائے پی اور نوشہرہ کی جانب روانہ ہو گئے نوشہرہ میں قاضی جہانزیب کے حجرے پر آ گئے..... شام کا کھانا ان کے ہاں کھایا.....رات وہیں گزاری..... سراج بدرے اور فقیر گل آپس میں دیر تک باتیں کرتے رہے جبکہ میں اور جمیل اللہ دوسرے کمرے میں ٹی وی دیکھتے رہے۔

صبح ہوئی.....چائے پی تو قاضی جہانزیب نے ہمیں انگریزی ساخت کے تیرہ عدد کارتوس دیئے تین کارتوس سراج نے اپنے پاس رکھ لئے جبکہ دس کارتوس جمیل اللہ کو دے دیئے۔ دوپہر ہونے کو تھی کہ ہم "جھگڑا" گاؤں آ گئے سراج وہیں اپنے دوست کے ساتھ بیٹھ گیا جبکہ میں، فقیر گل اور جمیل اللہ پشاور مدرسہ کے سامنے آ گئے تاکہ مولوی صاحب کا پتہ کر سکیں۔ گاڑی کھڑی کی ..... بدرے اور میں گاڑی کے پاس رہے جبکہ جمیل اللہ اور فقیر گل مدرسہ کے اندر چلے گئے۔ تقریباً ایک گھنٹہ بعد یہ دونوں واپس آئے تو فقیر گل نے بتایا کہ مولوی آ گیا ہے اور اس نے دو چٹ بھی لکھ دیئے ہیں ہم خوشی خوشی واپس "جھگڑا" گئے جہاں سراج بیٹھا تھا۔

فقیر گل نے سراج کو حالات سنائے تو سراج برہم ہوا کہ قتل کیوں نہیں کیا؟ پھر فقیر گل نے بتایا کہ موقع مناسب نہیں تھا پس ہم بیٹھ گئے اور منصوبہ بندی کرنے لگے۔

سراج نے فیصلہ کیا کہ کل صبح اذان کا وقت انتہائی مناسب ہے۔ فیصلہ کے ساتھ

سراج نے ساتھ جانے کی معذوری ظاہر کی تو جمیل اللہ اور بدرے بضد رہے کہ ہر حال میں وہ ساتھ جائے گا کیونکہ قتل کرنے کا کام بدرے اور جمیل اللہ کو سونپا گیا تھا آخر سراج بھی رضامند ہو گیا اور ہم سو گئے۔

۵ اگست کی صبح اذان کے وقت سراج نے ہمیں جگایا ہم نے منہ ہاتھ دھوئے اور جلدی سے مدرسہ کی جانب روانہ ہو گئے۔ ہم مدرسہ کی مغربی جانب نہر کے قریب پہنچ گئے۔ گاڑی کھڑی کی اور جمیل اللہ نے بدرے کو مدرسہ جانے کا اشارہ کیا۔ بدرے کے پاس 30 بور اور جمیل اللہ کے پاس 32 بور پستول تھا جبکہ سراج بہ مسلح کلاشنکوف' فقیر گل بہ مسلح 30 بور اور میں بہ مسلح 32 بور پستول گاڑی میں بیٹھ گئے۔

جمیل اللہ اور بدرے کے مدرسہ پہنچنے کے پانچ دس منٹ بعد پستول کا ایک فائر ہوا اور ہم سنبھل گئے مدرسہ کی جانب دیکھا تو بدرے اور جمیل دوڑتے آ رہے تھے بدرے آگے تھا جبکہ جمیل اللہ پیچھے لڑکھڑا رہا تھا۔ میں اور سراج نے آگے بڑھ کر جمیل اللہ کو پکڑا اور گاڑی میں دھکیل دیا۔ ہم تیزی سے روانہ ہوئے تو ہم نے مدرسہ کے باہر فائرنگ کی آواز سنی۔ راستہ میں جمیل اللہ نے بتایا کہ مولوی صاحب سیڑھیوں سے اتر رہے تھے کہ اس نے سینے پر فائر کر دیا اور وہ منہ کے بل گر پڑے اور وہ دوسرا فائر نہیں کر سکا۔ سراج نے جمیل اللہ سے یہ بھی پوچھا کہ سیڑھیوں سے اترنے والا وہی مولوی تھا کہیں غلط کو تو نہیں مار آئے؟ تو جمیل اللہ نے بتایا کہ بدرے نے اشارہ کیا تھا وہی مولوی ہو گا جو سفید لمبی قمیض پہنے ہوئے تھا۔

ہم اسی کشمکش میں سراج کے سسرال "ہری چند" پہنچے...... چائے وغیرہ پی ..... سراج نے جمیل اللہ کا پستول اپنے سالے کو صفائی کے لئے دے دیا اور ہم آرام کرنے لگے تو جمیل اللہ نے بتایا کہ اس کی طبیعت خراب ہو رہی ہے لہٰذا اس کے لئے افیون لائی جائے سراج نے سسر سے افیون لی ..... جمیل اللہ کو کھلائی تو وہ سو گیا۔

دوپہر کی روٹی کھا کر ریڈیو سنا تو خبروں سے پتا چلا کہ ایک بڑے شیعہ لیڈر کو نامعلوم شخص نے آج صبح مدرسہ میں قتل کر دیا ہے یہ خبر جمیل اللہ نے بھی سنی وہ پریشان ہوا اور سراج نے اسے سو روپیہ کرایہ دے کر روانہ کیا۔

سراج بدرے اور میں شیر گڑھ کے راستے "باٹل" ضلع دیر چلے گئے جہاں سراج کے کچھ قریبی دوست تھے تین دن یہاں قیام کیا اور چوتھے روز ہری چند آ گئے۔ سراج نے فقیر گل اور بدرے کو ہدایت کی کہ وہ نوشہرہ قاضی جہانزیب کے گھر جائیں وہ بذریعہ ویگن نوشہرہ چلے گئے۔ گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ بعد میں اور سراج بھی نوشہرہ روانہ ہوئے قاضی جہانزیب کے ڈیرے پر پہنچے تو بدرے اور فقیر گل کے ساتھ ماجد کپتان کا پنجابی ڈرائیور بیٹھا تھا سراج نے اس سے آنے کی وجہ پوچھی تو اس نے بتایا کہ کپتان یاد کر رہا ہے۔ سراج نے کپڑے تبدیل کئے پھر ہم بذریعہ تانگہ نوشہرہ جی ٹی ایس اڈہ پر پہنچ گئے جہاں سے راولپنڈی کے لئے چل پڑے۔

پنجابی ڈرائیور ہمیں راولپنڈی ایک ہوٹل میں بٹھا کر ماجد کپتان کو بلانے اسلام آباد چلا گیا تھوڑی دیر بعد ماجد کپتان وہیں آ گیا اسے سراج کے ہاں میں نے پہلے ترلاندی دیکھا تھا وہ ہمیں ملا اور گاڑی میں بٹھا کر کچھ فاصلے پر لے گیا۔ سراج نے پوچھا صاحب کام ہو گیا ہے نا؟ تو ماجد نے جواب دیا کہ ٹھیک ہوا ہے پھر ماجد کپتان نے کہا ابھی رقم ڈالرز میں ہے میں انہیں تبدیل کرا کے اگلے اتوار تک ضرور پہنچا دوں گا۔ سراج نے کہا کہ کچھ تو دے دیں تو کپتان نے سات سو روپے دے دیے اور ہمیں فلائنگ کوچ کے اڈہ پر چھوڑ دیا۔ ہم بذریعہ فلائنگ کوچ نوشہرہ گئے جبکہ میں پھر پشاور آ گیا۔

ہم اتوار کے روز "نوشہرہ پل" پر کپتان کا انتظار کرنے لگے کپتان شام کے وقت اپنے ڈرائیور کے ساتھ آ گیا ہم دو گاڑیوں سمیت کچھ فاصلے پر گئے قبرستان کے قریب گاڑیاں کھڑی کیں پنجابی ڈرائیور نے اپنی گاڑی کا بونٹ کھول دیا اور نیچے جیک لگا کر اسے سڑک کے کنارے کھڑا کر دیا

ہم سب نیچے اترے ماجد کپتان اپنی گاڑی سے نکلا اس کے ہاتھ میں خاکی لفافہ تھا جو رقم سے بھرا ہوا تھا کپتان نے یہ رقم سراج کے حوالے کرتے ہوئے کہا یہ لو ساڑھے چار لاکھ روپیہ..... یہ سارے نوٹ ایک ہزار اور پانچ سو والے تھے۔ جبکہ تھوڑے سے نوٹ سو سو والے بھی تھے۔ ہم تمام کو ایک لاکھ ساڑھے بارہ ہزار روپے

ملے پھر سراج نے ہم سے جمیل اللہ کا حصہ وصول کیا۔ میں نے اس رقم سے اپنے مکان کی تعمیر کے لئے سیمنٹ، سریا اور اینٹیں خریدی ہیں اور کچھ رقم ٹھیکیدار کو دے دی جبکہ بقایا رقم سے کاروبار کو وسعت دینے کا ارادہ تھا مگر پولیس نے گرفتار کر لیا۔

۵۔ ماجد گیلانی کے ڈرائیور رمضان کا بیان

محمد رمضان ولد پیر بخش ارائیں جس کی عمر تقریباً ۳۶ سال ہے اور تعلق جھنگ کے ایک محلہ سمھرانہ سے ہے۔ وہ ماجد گیلانی کی حرکات سے نقاب کشائی کرتے ہوئے کہتا ہے کہ میں جھنگ میں حسنین شاہ جو ماجد کا بڑا بھائی ہے' کے پاس ٹریکٹر ڈرائیور تھا کہ اسی سال عید الاضحیٰ کے موقع پر حسنین شاہ کا چھوٹا بھائی ماجد رضا جھنگ آیا۔ اس کا انداز اور طرز تکلم متکبرانہ تھا لیکن جاتے وقت اس نے مجھے بطور ڈرائیور اپنے ساتھ اسلام آباد چلنے کو کہا اور اسلام آباد میں سوزوکی کار نمبر جھنگ 9700 میرے حوالے کی اور تنخواہ ایک ہزار روپیہ طے پائی۔ ابھی چار پانچ روز ہی ہوئے تھے کہ ماجد رضا نے مجھے پشاور چلنے کو کہا جب ہم نوشہرہ پہنچے تو ماجد صاحب نے مجھے ترلاندی گاؤں چلنے کو کہا لہٰذا میں نے ان کے اشاروں کے مطابق گاڑی ترلاندی گاؤں کی جانب موڑ دی اور ہم ترلاندی ایک ڈیرہ پر پہنچ گئے۔ میں نے گاڑی ایک طرف کھڑی کر دی۔ ماجد گاڑی سے اترا اور سراج نامی شخص کے پاس چلا گیا۔ تقریباً پندرہ بیس منٹ بعد سراج کے بیٹے بیجر نے مجھے ڈیرہ پر بلایا اور چائے پلائی۔

چائے پینے کے بعد ماجد اور سراج دونوں کھیتوں کی طرف چلے گئے۔ وہ تقریباً ڈیڑھ گھنٹہ بعد واپس آئے اور مجھے ماجد نے گاڑی تیار کرنے کو کہا اور ہم اسلام آباد آ گئے۔ دوسرے روز سراج دین اسلام آباد آ گیا جب میں سراج کو ماجد کے مکان پر لایا تو غالب رضا جو ماجد کے بڑے بھائی اور سکول کے پرنسپل تھے موجود تھے۔ ان تینوں اشخاص نے مل کر کھانا کھایا اور کھانا کھانے کے بعد سراج واپس پشاور چلا گیا۔

تقریباً تین دن بعد مجھے ماجد نے بلایا اور کہا کہ آج پشاور کے اسی گاؤں ترلاندی جانا ہے لہٰذا میں تیار رہوں ہم روانہ ہو پڑے حسب معمول ترلاندی گاؤں پہنچے میں گاڑی کے پاس رہا جبکہ ماجد اتر کر سراج کے ڈیرہ پر چلا گیا انہوں نے چائے پی پھر سراج کے بیٹے نے مجھے بھی چائے کے لئے بلایا۔ میں چائے پینے بیٹھ گیا جبکہ سراج اور ماجد دنوں کھیتوں کو چلے گئے۔ تقریباً ڈیڑھ گھنٹہ بعد وہ پھر واپس آئے اور ماجد نے مجھے اسلام آباد روانگی کا حکم دیا۔

تیسرے روز پھر سراج اسلام آباد پہنچ گیا ماجد اور سراج نے اکٹھے چائے پی اور پھر وہ واپس پشاور چلا گیا جبکہ اگلے روز شام سات بجے ماجد مجھے زرور خان کے ہوٹل پر لے گیا ماجد نے دو الگ الگ کمرے لئے ایک میں مجھے بھیج دیا اور دوسرے میں خود بیٹھ گیا۔ ہوٹل کے منیجر نے اچھی آؤ بھگت کی اور ہمارا نام تک درج نہ کیا۔ کیونکہ ہوٹل کا مالک ماجد کے بڑے بھائی غالب رضا کا گہرا دوست تھا۔

صبح نو بجے ماجد نے مجھے ایک پٹرول پمپ کا پتہ دیا کہ وہاں سراج بیٹھا ہوگا اسے لے آؤ۔ میں گیا اور سراج کو ہوٹل لے آیا۔ ان دونوں نے علیحدگی میں بیٹھ کر کافی دیر تک باتیں کیں۔ پھر مجھے ماجد نے بلایا کہ جہاں سراج جانا چاہے اسے لے جاؤ۔ میں سراج کو اس کے کہنے پر چارسدہ روڈ پر تقریباً دس بارہ میل دور ایک گاؤں لے گیا وہاں سے ایک داڑھی والے شخص کو اپنے ساتھ بٹھایا اور ہم تینوں اشخاص پھر ہوٹل آ گئے۔ میں علیحدہ بیٹھ گیا جبکہ یہ تینوں آپس میں باتیں کرتے رہے۔

تھوڑی دیر بعد ماجد نے مجھے بلایا اور کہا کہ نیچے سے کڑاہی گوشت لے آؤ میں بازار سے کڑاہی گوشت لایا جسے ان تینوں نے کھایا' کھانا کھانے کے بعد مجھے ماجد نے پھر بلایا اور کہا کہ تم انہیں کوہاٹ روڈ والے پٹرول پمپ پر چھوڑ آؤ۔ میں نے ایسا ہی کیا شام ہو چکی تھی ماجد اور میں نے ہوٹل میں رات بسر کی اور صبح نو بجے اسلام آباد روانہ ہو گئے۔

میں نے راستہ میں پوچھ لیا کہ ماجد صاحب پٹھان لوگوں سے اتنا زیادہ کیوں ملتے آتے ہیں خیریت تو ہے؟ تو انہوں نے کہا کہ یہاں ایک ملاں کو قتل کرانا ہے یہ بتا کر میری طرف غور سے دیکھا اور سختی سے کہا کہ اگر کسی کو بتایا تو تمہارا خاندان تباہ کر دوں گا۔

واقعہ کے چھ دن بعد مجھے کہا کہ بذریعہ بس سراج کے پاس جاؤ اور اسے میرے پاس لے آؤ۔ میں راولپنڈی سے بذریعہ بس نوشہرہ پہنچا ماجد کے بتائے گئے ایڈریس کے مطابق میں اڈہ کی بجائے نوشہرہ پل پر آ گیا۔ مردان روڈ پر پیدل چل پڑا جب چارسدہ والے موڑ پر پہنچا تو مجھے ایک شخص ملا جو مجھے پہچان گیا مگر میں اسے نہ پہچان سکا۔

تعارف کے بعد معلوم ہوا کہ یہ وہی صوفی تھا جو سراج کے ساتھ ماجد سے ملنے آتا تھا مگر اب کی بار اس نے اپنی داڑھی صاف کرالی تھی اس کے ساتھ ایک گورا شخص بھی تھا جسے وہ بدرے کے نام سے پکارتا تھا۔

انہوں نے مجھ سے آنے کی وجہ پوچھی تو میں نے بتایا کہ سراج دین سے ملنا ہے وہ مجھے واپس نوشہرو قاضی نامی ایک شخص کے ڈیرہ پر لائے اور کہا کہ ادھر بیٹھو سراج یہاں آرہا ہے۔ تقریباً پون گھنٹہ بعد سراج اور اس کا ڈرائیور شیر گل آگئے میں نے سراج کو ماجد کا پیغام پہنچایا تو اس نے کہا کہ تھوری دیر انتظار کرو میں کپڑے بدل کر آتا ہوں۔

تقریباً ڈیڑھ گھنٹہ بعد سراج آیا اس نے کسی سے تانگہ لانے کو کہا تانگہ آیا تو اس میں سراج' بدرے' صوفی' شیر گل ڈرائیور اور میں بیٹھ کر نوشہرو پہنچے۔

اڈہ سے جی ٹی ایس بس پر سوار ہو کر راولپنڈی روانہ ہوئے۔ راولپنڈی اتر کر میں نے ان چاروں کو ماجد صاحب کے کہنے کے مطابق ہوٹل میں بٹھا دیا اور خود ماجد کو بلانے اسلام آباد چلا گیا۔ میں نے ماجد کو سراج کی اطلاع دی تو انہوں نے مجھے گاڑی نکالنے کو کہا اور ہم گاڑی پر ہوٹل پہنچے یہ سارے لوگ ملے ایک جگہ سراج نے ماجد سے پوچھا صاحب جی خوش تو ہو نا؟ ماجد نے کہا کہ "بے حد خوش Very Good"

ماجد نے انہیں کہا کہ اس وقت میرے پاس رقم نہیں ہے میں ڈالر تبدیل کراؤں گا تو تمہیں پہنچادوں گا لہٰذا تم اگلے اتوار کو چارسدہ روڈ پر آجانا پھر ہم تمام لوگ کمیٹی چوک راولپنڈی آئے اور انہیں فلائنگ کوچ پر بٹھا کر رخصت کیا جبکہ ماجد اور میں واپس اسلام آباد چلے گئے۔

اتوار کے چار بجے شام ماجد نے ایک خاکی لفافہ میں رقم اٹھائی اور مجھے اشارہ کیا کہ نوشہرو چلو ہم تقریباً ساڑھے چار بجے اسلام آباد سے نکلے اور تقریباً ساڑھے چھ بجے نوشہرو پہنچ گئے چارسدہ روڈ پر سراج اور صوفی کو منتظر پایا۔ ان کے پاس کلیجی رنگ کی کار تھی جو انہوں نے سڑک کے کنارے کھڑی کی تھی جس میں ایک ڈرائیور اور بدرے بیٹھا ہوا تھا۔ ہم دونوں گاڑیوں میں بیٹھ کر تھوڑے فاصلے پر گئے تو قبرستان آگیا ماجد

نے یہاں رکنے کا اشارہ کیا۔ ماجد نے مجھے گاڑی کا بونٹ کھولنے اور نیچے جیک لگانے کا حکم دیا تاکہ راہ گذر سمجھیں کہ گاڑی خراب ہو چکی ہے میں نے ایسا ہی کیا۔

ماجد نے ایک خاکی لفافہ اٹھایا اور سڑک سے تھوڑا دور اتر گیا اور یہ سارے لوگ بھی اس کے گرد جمع تھے ماجد نے رقم تقسیم کی جو مجھے نہیں معلوم کہ کتنی تھی البتہ راستے میں میں نے پوچھا تھا کہ صاحب جی کتنی رقم دی ہے تو ماجد نے بتایا کہ ساڑھے چار لاکھ روپے...... اتنی بڑی رقم کا سن کر میں حیران ہو گیا اور میں نے ماجد سے کہا کہ "صاحب جی میں بھی تو "کمل" ہو رہا ہوں کچھ ہمیں بھی ملے گا یا نہیں" تو ماجد نے کہا کہ ہم تھوڑے دنوں بعد جھنگ کے نہری علاقہ میں نو دس مربع اراضی خرید رہے ہیں اس میں سے کچھ تمہیں بھی دیں گے۔

دن گذرتے گئے کہ ایک دن سراج کا لڑکا میجر اسلام آباد آ گیا وہ ماجد سے ملا' ماجد نے اسے چائے پلائی اور پھر گاڑی پر خود کہیں چھوڑ کر آئے تقریباً دو گھنٹے بعد واپس آیا تو میں نے پوچھا خیریت تو ہے؟ "تو ماجد کہنے لگا کہ سراج کا بیٹا کہہ رہا ہے کہ پولیس کو علم ہو چکا ہے اور ہمیں تنگ کر رہی ہے لہٰذا کچھ کرو میں نے ماجد سے پوچھا کہ اب کیا بنے گا تو ماجد نے کہا کہ ہمارا تو کوئی کچھ نہیں بگاڑ سکتا میں اسلام آباد چھوڑ کر "لتھراؤ" چلا جاؤں گا جہاں اس کے ننھیال ہیں پھر میں نے پوچھا میرا کیا بنے گا تو ماجد نے جواب دیا تم نوکر آدمی ہو تمہارا کچھ بھی نہیں بنے گا۔

دوسرے دن ماجد بمعہ خاندان جھنگ چلے گئے اور چوتھے دن چھاپہ پڑا تو میں گاڑی سمیت گرفتار ہو گیا۔

۶۔ "دوہا ہوٹل" کے مینجر کا بیان

۹ ستمبر ۱۹۸۸ء کو قلبند ہونے والے بیان کے مطابق سید کمال شاہ ولد سید ریاض الرحمٰن شاہ عمر ۳۰ سال ساکن زیارت کاکا صاحب مینجر دوہا پیلس ہوٹل ہسپتال روڈ پشاور نے واضح کیا کہ "میں عرصہ تین چار سال سے ہوٹل میں بطور مینجر کام کر رہا ہوں۔ یہ ہوٹل حاجی زرور خان ولد حاجی یار گل سکنہ دوآبہ و برادران کا مشترکہ ہے۔ حاجی زرور خان ٹھیکیداری کرتا ہے اور اس کا ایک ہوٹل راولپنڈی میں بھی زیر تعمیر ہے۔ اسلام آباد میں کسی سکول کے پرنسپل سے ۳۰ جریب اراضی خریدی تھی اس خرید و فروخت کی وجہ سے غالب گیلانی اور حاجی صاحب کے دوستانہ تعلقات ہیں اور ایک دوسرے کے ہاں آمد و رفت کا سلسلہ رہتا ہے۔

ایک مرتبہ جب فضل حق سینٹر بنے تھے تو حاجی صاحب کے ساتھ ایک شخص پشاور آیا تھا جس کا نام مجھے ماجد گیلانی بتایا گیا تھا۔ وہ حاجی صاحب کی سفارش کا طلبگار تھا کہ اسے فوج سے محکمہ پولیس میں تبدیل کرایا جائے۔ وہ کچھ دن یہاں رہنے کے بعد واپس چلا گیا اور تقریباً ۳۵/۴۰ دن بعد میری موجودگی میں ماجد کپتان ایک سلیٹی رنگ کی موٹر کار میں اسی ہوٹل میں آیا میں نے اسے ایک کمرہ دینا چاہا تو اس نے کہا کہ اس کے ساتھ ڈرائیور بھی ہے لہٰذا میں نے انہیں دو کمرے دیئے۔ جب باتوں باتوں میں ان سے وجہ آمد دریافت کی تو اس نے بتایا کہ وہ یہاں کسی دوست کی شادی میں شرکت کی غرض سے آیا ہے۔

بشیر نامی شخص جو میرا دوست ہے جس کا میاں اقبال وغیرہ کے ساتھ پشاور صدر میں ایک دکان پر جھگڑا ہے وہ میرے پاس آیا اور کپتان ماجد گیلانی کو صدر مملکت ضیاء الحق صاحب کے نام ایک درخواست دی کہ وہ ہمارا کام کروا دیں کیونکہ ماجد گیلانی نے ہمیں بتایا تھا کہ وہ آج کل صدر پاکستان کا سیکریٹری ہے اور وہ یہ کام کروا دے گا۔ ایک دن اور ایک رات قیام کرنے کے بعد ماجد اپنے ڈرائیور کے ساتھ صبح گیارہ بجے واپس چلا گیا۔ بعد میں بشیر نامی شخص کی صدر پاکستان کے نام درخواست ماجد گیلانی کے بریف کیس سے برآمد ہوئی۔

۷۔ قاتلوں کے باہمی تعلقات

یاد رہے کہ ۱۳ اپریل ۱۹۹۳ء کو عدالت میں جرح کے دوران ماجد گیلانی نے دوہا پلیس ہوٹل میں وقوعہ سے قبل اپنے قیام کا اعتراف کیا تھا جبکہ غالب رضا گیلانی نے ہوٹل کے مالک حاجی زرور خان سے اپنے تعلقات کا بھی ذکر کیا تھا۔

ایک اور سوال جو ہر ذی شعور کے ذہن پر دستک دیتا ہے کہ اتنی بڑی شخصیت کا قتل بغیر کسی رکاوٹ کے کیسے ہوا اور قاتلوں کا گٹھ جوڑ کیسے عمل میں آیا.....؟ لہٰذا پہلے قاتلوں کے گروپ کی تشکیل کے مراحل کا جائزہ لینا ہو گا کہ آیا ان قاتلوں کا گروہ اچانک تشکیل پایا یا کہ یہ پہلے سے مربوط تھا؟ خاصی جستجو کے بعد معلوم ہوا کہ سازشی ٹولے اور قاتلوں کے گروہ کا تعلق کچھ یوں ہے۔

(۱) سراج اور فقیر گل۔

سراج اور فقیر گل پرانے ساتھی اور ایک ہی علاقہ کے رہائشی ہیں۔ سراج اپنے والد شیر دل کے قتل کا بدلہ لینے سبز علی نامی شخص کے قتل کے بعد پشاور جیل میں زیر دفعہ PPC 302 تھا کہ انہی دنوں فقیر گل زیر دفعہ 489 ج جیل میں آیا جہاں جرائم کے حوالے سے ان کی دوستی نے یہیں سے نیا رخ لیا۔

(۲) سراج اور بدرے

یہ دونوں ایک ہی گاؤں ترلاندی کے سکونتی اور پڑوسی ہیں بدرے بھی ایک جرائم پیشہ نوجوان ہے جبکہ سراج ایک بدنام اجرتی قاتل اور اثر و رسوخ رکھنے والا انسان ہے۔ ہمسائیگی کی بدولت سراج بدرے کے جرائم کی پشت پناہی کرتا رہتا ہے اسی طرح سراج نے پہلے بھی ایک دو مرتبہ ہاشم خان کے توسط سے اسے مختلف مقدمات سے بری کروایا تھا۔

(۳) سراج اور شیر گل ڈرائیور

سراج اور شیر گل کا تعلق خاصا پرانا ہے یہ دونوں انور خان سکنہ عمرزئی کے

ملازم رہے ہیں۔ سراج انور خان کا ذاتی محافظ اور شیر گل ڈرائیور رہا۔

(۴) سراج اور جمیل اللہ

سراج اپنے والد کا بدلہ سبز علی نامی شخص سے لینے کے بعد جیل میں زیر دفعہ PPC302 تھا کہ جمیل اللہ ایک ڈکیتی کے جرم میں زیر دفعہ 458/380 جیل آیا اور یوں یہ لوگ متعارف ہوئے اور پھر سلسلہ آمد و رفت جاری رہا۔

(۵) سراج اور ہاشم خان

سراج جو کہ ایک عادی مجرم ہے اور اسے فضل حق اور ہاشم کی ہمیشہ آشیرباد حاصل رہی ہے اس لئے وہ ان کی پارٹی کا سرگرم رکن ہے۔ ۱۹۸۵ء میں سراج نے ہاشم خان اور ان کے رفیق فضل غفور کی بے حد مدد کی اور اسے اپنے علاقہ سے جتوایا۔ علاوہ ازیں سراج نے ہاشم خان کو متعدد بار اپنے حجرے پر دعوت بھی دی اس بات کی تصدیق سراج کے گاؤں کے متعدد افراد نے کی۔ سراج، ہاشم خان اور فضل حق کی سفارش سے مختلف مقدمات سے بھی بری ہوتا رہا۔

(۶) ہاشم خان و فضل حق

سالہ بہنوئی۔۔۔ فضل حق وزیراعلیٰ سرحد اور ہاشم خان سینٹر تھا۔

(۷) ہاشم خان و فقیر گل

ہاشم خان و فقیر گل کی والدہ عرصہ دراز تک ہاشم خان کے گھر نوکرانی رہی اور یوں یہ ایک دوسرے سے مربوط رہے۔

(۸) ماجد گیلانی

صدارتی سیکورٹی کا اہم رکن، فضل حق کے لئے بڑے صاحب کا قاصد امریکہ کی طرف سے سازش کے لئے مامور کیا جانے والا۔

۸- وعدہ معاف گواہ کے انکشافات

ماجد گیلانی نامی فوجی افسر ترلاندی گاؤں کے سراج نامی اجرتی قاتل سے حکومت سرحد کے خصوصی توسط سے ملا اور اپنا مدعا بیان کیا۔ ماجد نے متعدد ملاقاتوں میں سراج سے یقیناً بہت کچھ کہا...... کہنے والے کو کم مگر ذہن میں نقش کرنے والے کو بہت کچھ یاد ہے۔ اس لئے کہ اسے عمل کرنا تھا۔ اب دیکھتے ہیں کہ ماجد گیلانی کے رازداں اور سرحد کے حکمرانوں کے آلہ کار سراج نے خود وعدہ معاف گواہ کی حیثیت سے عدالتوں میں کیا کہا؟ اپنی یاداشت کو تحریر میں لا کر ظلم کی اس داستان کو کیسے دہرایا؟ سراج کون ہے .... کیا کرتا ہے..... ماضی میں کیا کرتا رہا اور یہاں تک کیسے پہنچا؟

سراج کون تھا؟

سراج محمد ولد شیر ۴۰ برس پہلے ضلع چار سدہ کے گاؤں ترلاندی میں پیدا ہوا۔ پرائمری تعلیم کے لئے قریبی سکول کلیاس میں داخل کرایا گیا مگر داخلے کے چھ سات ماہ بعد اسے اپنے والد کی مدراس (بھارت) فوج میں تعیناتی کی وجہ سے کلیاس سکول چھوڑ کر مدراس جانا پڑا۔ تیسری جماعت تک تعلیم حاصل کرنے کے بعد والد کے تبادلہ کے باعث اسے مدراس چھوڑنا پڑا۔ اس کے والد کا تبادلہ رنگون ہوا تو سراج ایک بار پھر کلیاس مدرسہ میں آ گیا۔

سراج ابھی ۱۴ برس کا تھا کہ اس کے بڑے چچا عبدالخالق کو ترلاندی گاؤں کے تین افراد نے قتل کر دیا جس کے باعث اس خاندان نے بدلہ لینے کی ٹھان لی۔ سراج نے چچا کے قاتلوں کی جاسوسی شروع کر دی اور ہر لحہ اپنے رشتہ داروں کو قاتلوں کی نقل و حرکت سے آگاہ رکھا۔ عین گیارہ دن بعد انھوں نے قاتل کے ایک بھائی کو قتل کر دیا جس کی دعویداری سراج کے دو رشتہ داروں پر کی گئی جبکہ مقتول کے ورثاء نے سراج کو بھی ملزم ٹھہرایا مگر کم سنی کی وجہ سے دعویداری میں نام درج نہ ہو سکا۔

بس یہ وہی موڑ تھا جو سراج کی مجرمانہ زندگی کا نقطہ آغاز ثابت ہوا۔ سراج نے سکول کو خیر باد کہا اور اپنا ایک گروہ تشکیل دیا جس کا مقصد اس کے چچا عبدالخالق کے

قاتلوں سے بدلہ لینا تھا۔ سراج کے اس گروپ میں ایک پولیس مین اور دوسرا ۲۵ سال کا ایک جوان شامل تھا انہوں نے چچا کے حقیقی قاتل مثل خان پر کئی حملے کیے مگر وہ ہر بار بچ نکلا۔

عبدالخالق کا دوسرا قاتل جیل سے رہا ہوا تو اس نے اپنے پرانے ساتھیوں سے مل کر سراج کے ایک اور چچا خالد خان کو قتل کر دیا۔ خالد خان کے قتل کے چند روز بعد سراج اور اس کے ساتھیوں نے مثل خان کو قتل کر دیا اور یہ سراج کے ہاتھوں ہونے والا پہلا قتل تھا جس کے بعد سراج تو فرار ہونے میں کامیاب ہوا البتہ اس کا ساتھی موقع پر گرفتار ہو گیا جسے عدالت نے پھانسی کی سزا سنائی مگر وہ اپیل پر بری ہو گیا۔

۱۹۵۷-۵۸ء میں سراج افواج پاکستان FFR میں بطور سپاہی بھرتی ہوا اور ایبٹ آباد ٹریننگ کے لئے چلا گیا۔ چند سال بعد اس کی تقرری آزاد کشمیر FFR یونٹ میں ہوئی اور سراج آزاد کشمیر چلا گیا۔

ڈیڑھ سال بعد سراج تین ماہ کی چھٹی لے کر گھر ترلانڈی پہنچا تو اس نے پہلے ماہ ہی چچا کے قاتل کے والد کو قتل کر دیا اور یوں سراج دو افراد کا قاتل بن گیا۔ اس بار اس کے خلاف مقدمہ درج کر دیا گیا۔ اپنی چھٹی کے اختتام پر سراج یونٹ پہنچا تو فوج کمانڈر نے اسے پولیس کے حوالے کر دیا اور عدالت نے اسے پھانسی کی سزا سنا دی مگر سراج اس بار بھی اپیل پر بری ہو گیا۔

پھانسی سے بری ہونے کے بعد سراج نے ایک بار پھر اپنی یونٹ حاضری دی اور وہاں ایک سال تک رہا۔ ایک سال بعد چھٹی پر واپس آیا تو خون خرابے سے بچنے کے لئے پولیس نے فوراً سراج کو گرفتار کر لیا۔ تقریباً چار پانچ ماہ کے بعد سراج جیل سے رہا ہوا تو فوراً یونٹ حاضری دی اور اسی سال ہی اس کی اپنے گاؤں میں شادی ہو گئی۔

شادی کے تھوڑے عرصے بعد سراج نے دو افراد پر حملہ کیا جن میں سے ایک جاں بحق اور دوسرا شدید زخمی ہوا جس کے مقدمہ کے تحت سراج کو اس کی یونٹ نے پولیس کے حوالے کر دیا اور اس مقدمہ میں سراج کو پھر پھانسی کی سزا سنائی گئی مگر ایک

بار پھر وہ اپیل پر بری ہو گیا۔

۱۹۶۵ء کی جنگ کے چند ماہ بعد سراج نے ایک ساتھی کے ساتھ مل کر اپنے ماموں کے قاتل شاکر خان کو قتل کر دیا اور فوراً یونٹ چلا گیا۔ اس کے تھوڑے ہی عرصہ بعد آرمی بورڈ کی سفارش سے سراج کو پنشن ملی اور یوں وہ ہمیشہ کے لئے گھر آ گیا۔ تھوڑے دن ہی گزرے ہوں گے کہ پولیس نے چھاپہ مارا اور سراج کو دوست سمیت گرفتار کر لیا۔ یہ دونوں جیل میں تھے کہ مخالفین نے سراج کے والد شیر دل کو اسی سال قتل کر دیا۔

سراج نے جیل میں رہتے ہوئے والد کا بدلہ لینے کا عزم کر لیا۔ ایک سال بعد جیل سے رہا ہوا تو ایک ہفتہ بعد اپنے والد کے قاتل کو قتل کر دیا اور اس بار قبل از گرفتاری ضمانت کی درخواست دی جو مسترد ہو گئی اور یوں پولیس نے سراج کو ایک اور دوست سمیت گرفتار کر کے جیل بھیج دیا۔

یہ وہی ایام تھے جب جیل میں فقیر گل، جمیل اللہ اور سراج اکٹھے ہو گئے جمیل اللہ اور فقیر گل ڈکیتی کیس میں گرفتار ہو کر جیل میں آئے ہوئے تھے۔ فقیر گل اور سراج کا کھانا پکانا بھی اکٹھے ہو گیا جبکہ جمیل اللہ وقتاً" فوقتاً" ان سے ملنے آتا تھا۔ جیل کی دوستی اور آشنائی نے ایک دوسرے کو کافی قریب کیا تھوڑے عرصہ بعد سراج کو عدالت نے پھانسی کی سزا سنا دی جبکہ جمیل اللہ اور فقیر گل رہا ہو گئے۔

سراج ایک بار پھر اپیل پر بری ہوا تو جمیل اللہ اسے مبارک دینے ترلاندی گاؤں آیا اور ایک دو روز تک اس کے ساتھ رہا۔ سراج نے انہی ایام میں مخالفین سے بھی صلح کر لی اور قتل و غارت کے سلسلے کو روکنے کا فیصلہ کر لیا۔ اس بار سراج کی اپیل معافی ہاشم خان کے توسط سے ہوئی جس کی سفارش جنرل فضل حق نے کی تھی۔

بری ہونے کے بعد سراج ہاشم اور فضل حق کا کافی ممنون تھا اور گاہے بگاہے حسب توفیق ان کی خدمت بھی کرتا رہا اور اسی دوران ۱۹۸۵ء کے الیکشن کا اعلان ہوا اور یوں فضل غفور اور میجر بختیار سراج کے حلقہ کے امیدوار ٹھہرے۔ فضل غفور، ہاشم خان کا امیدوار تھا اس لئے سراج نے اس کی کامیابی کے لئے علاقہ میں دوڑ دھوپ کی۔

چنانچہ فضل غفور سراج کے علاقے میں ۴۰۰۷ ووٹوں سے جیت گیا۔

ایک مرتبہ سراج کا ہمسایہ بدری الزماں عرف بدرے کسی کیس میں گرفتار ہوا تو سراج نے ہاشم خان کے ذریعہ سے اسے رہا کروایا جبکہ دوسری جانب فقیر گل سرگودھا میں جعلی نوٹوں کا کاروبار کرتے ہوئے پکڑا گیا تو اس مقدمہ میں سراج نے ہاشم خان سے امداد چاہی اور وہ فضل حق کی سفارش کے ذریعہ ضمانت پر رہا ہوا۔

سراج ایک عادی مجرم اور اجرتی قاتل ہے جس کا ریکارڈ علاقائی تھانہ میں اس نوعیت کا ہے۔ جس کی ہسٹری شیٹ ایف A کے مطابق وہ پہلی بار مقدمہ ۴۴ جرم قتل ۳۰۲/۴ پی پی سی میں ۱۰ مئی ۱۹۶۹ء کو گرفتار ہوا۔ یکے بعد دیگر ۲ نومبر ۱۹۶۹ء' ۲۶ نومبر ۱۹۶۹ء' ۸ ستمبر ۱۹۷۰ء' ۳ جنوری ۱۹۷۲ء ' ۲۳ مئی ۱۹۷۹ء اور ۲۷ فروری ۱۹۸۷ء کو صرف اپنے علاقائی تھانہ میں قتل کے مختلف مقدمات میں ملوث رہا جبکہ دیگر ایسے ہی سنگین جرائم کا علاقہ سے باہر بھی مرتکب رہا وہ فضل حق کی حکومت میں سنگین جرائم کے ارتکاب کے بعد بھی مقدمات کی زد میں نہ آیا۔ اپنے پشت پناہ انہی آقاؤں کے اشارے پر اس نے ۵ اگست ۱۹۸۸ء کو ایک ایسا قدم اٹھایا جس سے ملت اسلامیہ ہل کر رہ گئی۔

سراج کی زندگی کے پیچ وخم میں اور بھی بیسیوں سنسنی خیز حقیقتیں پوشیدہ ہیں مگر ہمارا مقصد تعارف کے ساتھ سراج کی ان افراد سے وابستگی کا اظہار بھی تھا جن کے گٹھ جوڑ سے علامہ عارف حسین الحسینی شہید کیے گئے۔ قاتلوں کے سرغنے سراج کا حقائق اور سازشوں سے نقاب کشائی کرنے والا بیان ملاحظہ فرمائیں پھر قاتلان کے گٹھ جوڑ پر روشنی ڈالی جائے گی۔

سراج کے انکشافات

علامہ عارف حسین الحسینی کے قتل سے بیس پچیس روز قبل میں سودا سلف خریدنے کی غرض سے تحصیل بازار چارسدہ گیا ہوا تھا کہ وہیں میرا دوست فقیر گل مجھے ملا اور کہنے لگا کہ اسے تمہارے ساتھ ایک ضروری کام ہے اور وہ تمہارے لئے گاؤں ترلاندی آرہا تھا۔ میں نے کہا پھر چلو گاؤں ہی چلتے ہیں گپ شپ بھی ہوگی اور حالات

پر تفصیلی بحث بھی۔

سودا سلف خریدنے کے بعد فقیر گل اور میں بذریعہ بس ترلاندی پہنچے مغرب کا وقت تھا ابھی میں گھر میں داخل نہیں ہوا تھا کہ میرے بھتیجے نے مجھے ایک رقعہ تھمایا جس پر درج تھا کہ کل صبح ہر حال میں ہاشم خان سے ملو اور میں کل شام چھ بجے آپ کے ڈیرہ پر ضرور آؤں گا۔ مفہوم تو سمجھ آگیا مگر تحریر کنندہ کا نام درج نہ ہونے کے باعث پریشان ہوا۔ فقیر گل سے ذکر کیا کہ کل چھ بجے آنے والا کون ہو سکتا ہے؟ فقیر گل نے کہا جو بھی ہوگا آ جائے گا۔ پہلے ہاشم خان سے تو مل آؤ۔ بات کو طول دیتے ہوئے فقیر گل نے کہا چلو اچھا ہوا مجھے بھی ہاشم خان سے ملنا ہی تھا اور اسے اپنی بیوی کے تبادلہ کی درخواست پیش کرنا تھی" میں نے بھی حامی بھر لی۔ صبح ہوئی ہم نے ناشتہ کیا اور ہاشم خان کو ملنے اس کے گھر واقع چارسدہ روانہ ہو گئے ہم ہاشم خان کے حجرے (ڈیرے) پہنچے کچھ ملاقاتی پہلے ہی منتظر تھے ہم نے بھی اپنا پیغام بھجوا دیا۔

تھوڑی دیر بعد ہاشم خان گھر سے نکلا۔ برآمدہ میں بیٹھے ہوئے لوگوں سے علیک سلیک کی اور مجھے ایک کمرے میں آنے کے لئے اشارہ کیا۔ جب ہم کمرے میں بیٹھ گئے تو ہاشم خان نے آنے کی وجہ دریافت کی۔ میں نے اس خط کا حوالہ دیا جو کسی نے کل شام میرے گھر چھوڑا تھا۔ میری وجہ آمد جان کر ہاشم خان نے اسی کمرے میں سوئے ہوئے ایک آدمی کو جگایا اور باہر نکل جانے کو کہا۔ وہ شخص جلدی سے باہر نکل گیا تو ادھر ادھر دیکھ کر ہاشم نے مجھ سے گفتگو کا یوں آغاز کیا۔ "سراج! کل والی چٹ ایک فوجی کپتان کی تحریر کردہ تھی وہ لالہ فضل حق کا خاص آدمی ہے اس کا کوئی اہم کام ہے جو تمہیں ہر حالت میں کرنا ہو گا" پھر ہاشم خان مجھے ایک کمرے میں لے گیا جہاں سرخ رنگ کا ٹیلی فون پڑا تھا انہوں نے اس فون کو ڈائل کیا وہ چاہتا تھا کہ فضل حق صاحب سے میری بات ہو سکے اور تصدیق بھی کہ فوجی کپتان ان کا بندہ خاص ہے مگر فون پر معلوم ہوا کہ جنرل صاحب موجود نہیں ہیں۔

ہم نے چائے وغیرہ پی پھر میں نے فقیر گل کی بیوی کی درخواست بھی ہاشم خان کو تھما دی۔ چونکہ دن ڈھل چکا تھا میں نے ہاشم خان سے اجازت طلب کی تاکہ چھ بجے

شام فوجی کپتان کو مل سکوں۔ ہاشم خان نے اجازت دیتے ہوئے کہا کہ اب تم جاؤ اس سے ملو..... اس کی بات سنو اور کل میرے پاس پھر آ جاؤ۔ ہم نے خداحافظ کہا اور واپس گاؤں چل پڑے۔ راستے میں بات زیر غور رہی کہ ایک فوجی کپتان کو ہم سے کیا کام ہو سکتا ہے؟ اور پھر وہ بھی ایسا کام جو جنرل فضل حق اور ہاشم خان کا سفارش شدہ ہے خیر ہم گھر پہنچ گئے اور اس کا انتظار کرنے لگے۔

چند گھنٹے بعد ایک سوزوکی کار مجھے اپنے حجرے کی طرف بڑھتی دکھائی دی تو میں سمجھ گیا کہ وہی مہمان ہے۔ گاڑی رکی ...... ہم آگے بڑھے..... وہ مہمان گاڑی سے نکلا اور ہم سے ملا۔ اسے پشتو نہیں آتی تھی اس نے اردو میں پوچھا کہ سراج کون ہے؟ مجھے اس سے ملنا ہے۔ میں نے کہا جی سراج میرا نام ہے..... کیا کل آپ آئے تھے؟ تو اس مہمان نے مثبت میں جواب دیا اور اپنا نام یونس بتایا۔

میں نے اسے بٹھایا اور گھر چائے کا آرڈر دیا یہ مہمان اپنے ساتھ شامی کباب بھی لایا تھا۔ ہم نے کباب کھائے..... چائے پی..... باتیں ہوئیں..... تو اس نے سب سے پہلے یہی پوچھا کہ ہاشم خان اور جنرل فضل حق صاحب سے ملے ہو تو میں نے جواب دیا ہاشم خان سے تو مل آیا ہوں البتہ جنرل صاحب سے ملاقات نہیں ہو سکی کیونکہ ہاشم خان نے فون پر پتہ کیا تو وہ پشاور میں موجود نہ تھے۔ وہ میری بات سن کر کافی مطمئن ہوا اور تعریفی کلمات بھی کہے پھر اپنی جیب سے شناختی کارڈ نکال کر مجھے دکھایا جس پر وردی والی تصویر لگی ہوئی تھی اور نام ماجد رضا گیلانی تحریر تھا۔ میں نے پہلے بتائے گئے نام یونس اور لکھے گئے نام ماجد کا پوچھا تو وہ خاموش رہا البتہ مجھے اشارہ کیا کہ علیحدگی میں بات کرنا ہے۔ میں نے کہا جو کچھ بھی کہنا ہے ادھر ہی کہیں پھر اس نے فقیر گل کی طرف سوالیہ اشارہ کیا۔ میں نے بتایا کہ یہ میرا بھائی ہے۔

یہ کپتان تھوڑی دیر چپ رہنے کے بعد بولا کے وہ صدر مملکت جنرل ضیاء الحق صاحب کا آدمی ہے اور صدر موصوف کے ساتھ خاص ڈیوٹی پر مامور ہے اور وہ جنرل فضل حق اور ہاشم خان کی وساطت سے یہاں تک پہنچا ہے۔ پوچھا کیا معاملہ ہے تو اس نے کہا بات راز کی ہے پہلے قرآن مجید لاؤ تاکہ ہم دونوں حلف لیں پھر بات بتاؤں گا۔

میں نے کہا کہ اتنی جلدی قرآن مجید لانے کی ضرورت نہیں اگر ایسی کوئی خفیہ اور اہم بات ہے تو میں پہلے جنرل صاحب سے مل لیتا ہوں پھر جیسا حکم ہو گا۔ میری بات سن کر کپتان راضی ہو گیا اشارتاً" کہہ دیا کہ بس دو چار مولویوں کا صفایا کرنا تھا۔ میں نے پوچھا ان بے چاروں کا گناہ کیا ہے؟ تو کپتان کہنے لگا انہوں نے ملک میں فسادات برپا کر رکھے ہیں۔

میں نے کہا جنرل صاحب سے مل کر بتاؤں گا تو اس نے کہا ٹھیک ہے۔ تم جنرل صاحب سے ملو۔ میں پھر تیسرے روز تک تمہارے پاس آؤں گا۔ یہ کہہ کر کپتان چلا گیا۔ ابھی ہم بیٹھے ہی تھے کہ بدرے اپنے کندھے پر کلاشنکوف لٹکائے میرے حجرے پر آ گیا اور آتے ہی پوچھا ماما! گاڑی والا کون تھا...... کیا کرنے آیا تھا؟ میں نے جواب دیا دو چار مولویوں کو مروانے کے لئے آیا تھا تو بدرے نے کلاشنکوف کندھے سے اتارتے ہوئے کہا "بیس مولوی قتل کر دوں گا دو چار کیا ہیں" میں نے بدرے کو خاموش کرتے ہوئے کہا چپ رہو بات پکی ہو گئی تو تمہیں اپنے گروپ میں شامل کر لیں گے۔

میں نے فقیر گل کو رخصت کیا اور اسے اگلی صبح تحصیل چوک چارسدہ میں ملنے کا کہا۔ اگلی صبح میں اور بدرے چارسدہ پہنچے میں نے بدرے کو فقیر گل کی طرف روانہ کیا کہ وہ ہاشم خان کے حجرہ پر آ جائے۔ میں خود ہاشم خان کے حجرے پر پہنچا تو فقیر گل پہلے سے موجود تھا۔

ہماری اطلاع پا کر ہاشم خان گھر سے نکل آیا اور یہ کہہ کر ایک کمرے میں چلا گیا کہ وہ فضل حق لالہ سے بات کر لے۔ اس نے جنرل صاحب کو فون کیا باہر نکلا تو ہمیں اشارہ کیا کہ تیار ہو جاؤ پشاور چلنا ہے۔ ہاشم خان نے گاڑی نکالی میں اور ہاشم خان آگے جبکہ فقیر گل اور ہاشم خان کا گن مین پیچھے بیٹھ گئے۔ راستہ میں باتوں باتوں میں ہاشم خان نے مجھے کہا کپتان کا کام کرو اور بے خوف خطر رہو تمہیں انتظامیہ یا پولیس کچھ بھی نہیں کہے گی اور اب میں تمہیں لالہ فضل حق سے ملوانے جا رہا ہوں۔

ہم فرنٹیئر ہاؤس پشاور پہنچے ..... گاڑی باہر کھڑی کی اور ہاشم خان اکیلا جنرل صاحب سے ملنے اندر چلا گیا جبکہ ہم گاڑی میں بیٹھے رہے۔ تقریباً آدھ گھنٹہ بعد ہاشم

خان واپس آیا اور مجھے کہا کہ لالہ فضل حق کہہ رہے ہیں کہ کپتان کا کام کرو اور میں تمہیں "بریٹی چارسدہ" میں ملوں گا کیونکہ یہاں گورنر ہاؤس میں ملنا مناسب نہیں ہے۔ ہاشم خان یہیں رہ گیا جبکہ ہم چارسدہ روانہ ہو گئے جب ہم چارسدہ پہنچے تو بدرے تحصیل چوک پر بیٹھا ہوا تھا۔ یہیں سے فقیر گل اپنے گاؤں پڑانگ چلا گیا جبکہ میں اور بدرے واپس اپنے گاؤں ترلاندی آ گئے۔

حسب وعدہ تیسرے روز فوجی کپتان شام کو آگیا جبکہ فقیر گل بھی آ چکا تھا لہٰذا ہم تین افراد بدرے، فقیر گل اور میں اسے ملے۔ چائے پلائی تو اس نے پھر وہی پوچھا کہ جنرل صاحب سے مل آئے ہو۔ میں نے مثبت جواب دیا تو وہ بے حد خوش ہوا اور کہنے لگا اب تو قرآن مجید لے آؤ۔ میں اپنے گھر سے قرآن مجید لایا اور ہاتھ رکھ کر کہا کہ دھوکا نہیں کروں گا اور راز اپنے تک محدود رکھوں گا۔

ماجد مطمئن ہوا تو کہنے لگا کہ یہ تین چار شیعہ مولوی ہیں جو ملک میں شیعہ سنی فسادات پھیلا رہے ہیں اور امریکہ جو پاکستان کا دوست ہے اس کے خلاف پروپیگنڈہ کرتے ہیں جس کی وجہ سے ہمارے ملک پر برا اثر پڑ رہا ہے اگر تم لوگوں نے ان تین مولویوں کو قتل کر دیا تو تمہیں دس لاکھ بطور انعام بھی ملیں گے جو تم تین آدمیوں کے ہوں گے باقی ہماری رقم بیرون ملک سے آئے گی۔ لہٰذا پہلے پشاور کے ایک مولوی عارف حسین الحسینی کو قتل کرنا ہے جس کا معاوضہ تین لاکھ روپے ہے۔ انعام کا سن کر بدرے اور فقیر گل نے کہا کہ ہمیں اس قتل کا پانچ لاکھ چاہیے۔ آخر بات ساڑھے چار لاکھ پر طے ہوئی۔

ماجد نے ہمیں گاڑی میں بٹھایا اور مدرسہ عارف حسین الحسینی جی ٹی روڈ پشاور کے سامنے گاڑی کھڑی کر کے محل وقوع سمجھایا اور پھر ہم نوشہرہ چلے گئے۔ راستہ میں ماجد نے مجھ سے پوچھا کہ آپ کو اس کام کے لئے موٹر کار کی بھی ضرورت پڑے گی تو ہم نے جواب دیا بہت ضروری ہے۔ لہٰذا اس نے چوتھے دن پچاس ہزار روپیہ پہنچانے کا وعدہ کیا اور ہمیں نوشہرہ اتار کر خود اسلام آباد چلا گیا۔

ہم واپس اپنے گاؤں آئے اور فقیر گل و بدرے کو مولوی کی تلاش کا کام سونپ

دیا کہ وہ انہیں ملیں اور مدرسہ کے محل وقوع کا جائزہ لیں۔ اب میرے دل میں خیال آیا کہ اپنے پرانے ساتھی شیر گل ڈرائیور کی خدمات حاصل کروں ایک تو وہ گاڑی اچھی سی خرید کردے گا دوئم وہ ہمارے ساتھ گاڑی چلانے اور منصوبہ کو انجام تک پہنچانے میں مددگار ثابت ہوگا۔

اگلی صبح میں اور بدرے تحصیل چوک چارسدہ آئے جہاں فقیر گل پہلے سے ہمارا انتظار کر رہا تھا ہم تینوں "رجڑ" گئے اور وہاں تیل ڈپو پر شیر گل سکنہ عمرزئی سے ملے۔ اسے میں نے علیحدگی میں لے جاکر پروگرام سے آگاہ کیا اور گاڑی خریدنے کے لئے مدد چاہی اس نے دوکان بند کی اور ہم چاروں افراد پشاور روانہ ہو گئے۔ پشاور پہنچتے ہی بدرے اور فقیر گل سے کہا کہ تم دونوں جاؤ اور مدرسہ و مولوی کا جائزہ لو۔ وہ مولوی کی تلاش میں چلے گئے اور ہم نے موٹر سنٹرز دیکھنا شروع کر دیئے۔ چونکہ ہماری جیب میں پیسے نہیں تھے اس لئے ہمیں کوئی شخص ادھار پر گاڑی دینے کے لئے رضامند نہیں تھا۔ آخر ایک موٹر کار ہم نے پسند کر لی مگر رقم کے نہ ہونے کے باعث واپس لوٹ آئے اور حسب وعدہ جی ٹی ایس اڈہ پر سارے احباب اکٹھے ہو گئے۔

فقیر گل نے بتایا کہ وہ مولوی سے مل آئے ہیں اور ان سے پارا چنار کے ایک اور مولوی کے نام خط بھی وصول کیا ہے۔ میں نے فقیر گل سے خط لے لیا اور واپس ترلاندی گاؤں چلے گئے اور کپتان کا انتظار کرنے لگے۔ آخر ٹھیک چوتھے روز کپتان پہنچ گیا اس نے مجھے علیحدگی میں ڈالر دیتے ہوئے کہا کہ یہ پچاس ہزار ڈالر ہیں میں نے کہا صاحب ہمیں پاکستانی رقم چاہئے۔ ہم ان کو نہیں جانتے تو اس نے اپنی جیب میں ڈالتے ہوئے کہا کہ چلو پھر کل تم پاکستانی نوٹ ہی لینا۔

دوسری شام تقریباً چھ بجے ماجد پچاس ہزار پاکستانی نوٹ لایا اور میرے حوالے کرتے ہوئے کہا کام جلدی کریں میں نے اسے مولوی صاحب کا رقعہ بھی دے دیا جو فقیر گل نے مجھے دیا تھا۔ ماجد نے خوشی خوشی میرا کندھا تھپکا اور کہا تم بڑے کام کے آدمی ہو۔ اس نے یہ رقعہ اپنی جیب میں ڈال دیا۔ اور پھر ملنے کا وعدہ کرکے چلا گیا مگر جب دوسری بار ملا تو اس نے تصدیق کی کہ واقعاً" وہ تحریر اسی مولانا کی ہے جسے قتل کرنا

مقصود ہے۔

اگلی صبح ہم رقم اٹھائے پشاور پہنچے جہاں المدینہ بارگین سنٹر سے ہم نے ۲۹۰۰۰ روپے پر موٹر کار نمبر PRM 9050 خریدی اور باقی رقم میں سے پانچ پانچ ہزار روپے اپنے ساتھیوں کو دیئے اور پانچ ہزار خود بھی رکھ لئے۔ ہم گاڑی پر اپنے گاؤں پہنچے تو ماجد پھر آ گیا گاڑی کی مبارکباد دی۔ تھوڑی دیر گپ شپ لگائی اور پھر مجھے اگلے روز راولپنڈی پہنچنے کو کہا اور یہ بھی بتایا کہ وہ جی ٹی ایس اڈہ راولپنڈی صدر کی مسجد گیٹ پر انتظار کرے گا تاکہ وہ اور مولویوں کی نشاندہی ہو سکے۔

اگلے روز میں اور فقیر گل راولپنڈی پہنچے جہاں ہم نے کھانا کھایا اس ہوٹل کی نشاندہی کر سکتا ہوں پھر اکیس روپے میں کمرہ لیا اور آرام کرنے کے لئے لیٹ گئے۔ وقت کے مطابق ہم مسجد کے اس گیٹ پر پہنچے جس کی ماجد نے نشاندہی کی تھی۔ ٹھیک چھ بجے ماجد مسجد کے گیٹ پر پہنچ گیا بڑے پرتپاک انداز میں ملا اور مجھے گاڑی میں بٹھایا جبکہ فقیر گل کو وہیں رہنے کو کہا۔

ماجد مجھے گاڑی میں بٹھائے اسلام آباد لے گیا ایک سڑک سے گزرتے ہوئے اس نے ایک بنگلے کی طرف اشارہ بھی کیا کہ یہ اس کا ہے۔ آخر ہم شاہ فیصل مسجد کے قریب ایک خوبصورت اور بہت بڑے بنگلے میں داخل ہو گئے۔ ماجد نے مجھے گاڑی میں بیٹھنے کو کہا جبکہ خود اتر کر اندر چلا گیا۔

چند لمحوں بعد ماجد ایک غیر ملکی جوڑے کے ساتھ برآمدہ میں نکلا اور باتیں کرنے لگا۔ میں گاڑی میں بیٹھا دیکھ رہا تھا کہ وقفے وقفے سے یہ تینوں میری طرف دیکھتے اشارہ کرتے اور پھر سر جھکا کر باتوں میں مصروف ہو جاتے تھے۔ آخر ماجد ان سے ہاتھ ملا کر جدا ہوا اور گاڑی میں واپس آیا تو مجھے بتانے لگا کہ یہ وہی لوگ ہیں جو مولویوں کو قتل کروا رہے ہیں اور یہی لوگ ہمیں رقم دیں گے اور آپ تمام لوگوں کو امریکہ کی سیر بھی کرائیں گے۔

ہم پھر راولپنڈی لوٹے اور مسجد کے دروازے پر پہنچے تو فقیر گل کو منتظر پایا۔ ماجد نے فقیر گل کو گاڑی میں بٹھایا اور ہمیں ٹرنک بازار راولپنڈی لے آیا جہاں سے ایک

مکان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ یہاں بھی ایک مولوی رہتا ہے جس کا نام غالباً" مولوی ساجد بتایا تھا اسے پشاور والے مولوی کے فوراً بعد قتل کرنا ہے جبکہ دو اور مولوی ملتان اور کوئٹہ میں ہیں۔

پھر ماجد ہمیں فلائنگ کوچ کے اڈہ پر لایا ٹکٹ خرید کر دیئے اور ساتھ بنگلے اور دفتر کا فون نمبر بھی لکھ دیا اور تاکید کہ وہ کسی ایمرجنسی میں اسے فون کرے اور اپنا نام وحید بتائے اور یہی میرا کوڈ نام تھا۔

ہم تقریباً گیارہ بجے رات کو پشاور پہنچے رات فقیر گل کے رشتہ داروں کے ہاں گزاری اگلی صبح اپنے گاؤں پہنچے۔ ہم پشاور سے اپنے گاؤں براستہ نوشہرہ آتے جاتے تھے کیونکہ ہاشم خان نے منع کیا تھا کہ وہ چار سدہ کا راستہ استعمال نہ کریں۔ دوسری صبح پھر نوشہرہ پہنچے جہاں قاضی جہانزیب کے ہاں وقت گزارا اور پھر پشاور چلے گئے۔ فقیر گل نے مدرسہ میں مولوی صاحب کا پتہ کیا تو معلوم ہوا کہ وہ پارا چنار کسی رشتہ دار کی بیمار پرسی کے لئے گئے ہیں پھر ہم شیر گل کے رشتہ دار کے پٹرول پمپ پر چلے گئے وہاں چائے وغیرہ پی اور اپنے گاؤں کو روانہ ہو گئے۔

ہم اپنے گاؤں ترلاندی پہنچے تو ماجد کو اپنے حجرہ پر موجود پایا۔ ماجد نے کاروائی کے بارے میں پوچھا تو میں نے کہا کہ مولوی پارا چنار گیا ہوا ہے یہ سن کر ماجد کافی برہم ہوا اور کہا کہ تم لوگ ٹال مٹول کر رہے ہو تمہیں نہیں معلوم کہ مجھ پر کتنا دباؤ ہے۔ لہٰذا جتنی جلدی ہو سکے کام مکمل کرو کیونکہ اس کے بعد بھی کام کرنے ہیں۔ جب تک تم یہ کام کر نہیں لیتے اس وقت تک اوپر والے لوگوں کو منہ نہیں دکھا سکتا۔ لہٰذا میں عیدالضحیٰ اسلام آباد نہیں جھنگ مناؤں گا اور عید کے فوراً بعد تمہیں "دوہا ہوٹل" پشاور پر ملوں گا۔ میری موجودگی کا علم تمہیں میری گاڑی سوزوکی گاڑی نمبر جھنگ 9700 سے ہو گا۔ یہ کہہ کر ماجد چلا گیا۔

عید سے ایک روز قبل ہاشم خان نے مجھے کہا کہ لالہ فضل حق عید پر گھر آ رہا ہے لہٰذا تم اسے ملو اور فقیر گل کو بھی ساتھ لاؤ۔ چنانچہ عید کے روز میں اور فقیر گل وزیراعلیٰ جنرل فضل حق سے عید ملنے کے لئے اس کے گھر گئے، پہلے ہاشم خان سے ملے

پھر ہاشم خان نے مجھے فضل حق صاحب سے ملوایا۔ جس کے بعد جنرل صاحب نے خود ہی پوچھا کہ فوجی کپتان سے ملے ہو؟ میں نے ہاں میں جواب دیا تو انہوں نے پھر پوچھا کہ کیا اس نے کوئی کام بتایا ہے؟ میں نے کہا ہم کام کر رہے ہیں تو جنرل صاحب نے کہا سراج یہ کپتان خاص آدمی ہے جو بھی کہے تعمیل کرو اور پولیس وغیرہ سے بالکل بے فکر رہو بس اتنا اشارہ کافی ہے۔

میں ملاقات کے بعد باہر نکلا تو ہاشم خان نے مجھے کہا کہ جاؤ کام کرو اور آئندہ ہمارے حجرے (ڈیرے) یا دفتر میں ملنے مت آنا اور نہ پشاور آتے جاتے چارسدہ کا راستہ اختیار کرنا۔

ہم نے اجازت لی اور اپنے گاؤں روانہ ہوئے میں گھر پہنچا تو اسی روز جمیل اللہ مجھے عید مبارک دینے کے لئے آگیا چونکہ میں اس کی معاشی حالت سے آشنا تھا اس لئے میں نے اسے ایک مولوی کے قتل کے لئے رقم کی لالچ کا اشارہ کر دیا اگلی صبح جمیل اللہ اپنے گاؤں چلا گیا البتہ اس کی آمادگی کا اظہار تسلی بخش نہیں تھا۔

عید کے چوتھے دن میں' بدرے' فقیر گل اور شیر گل جمیل اللہ سے ملنے اس کے گاؤں گئے اور میں نے اسے تیس ہزار کا لالچ دیا اور وہ آمادہ ہو گیا۔ ہم نے اسے گاڑی میں بٹھایا اور جی ٹی روڈ پشاور پر واقع مدرسہ عارف حسین الحسینی کے سامنے آگئے۔ فقیر گل کو مولانا صاحب کی تلاش کے لئے بھیج دیا تھوڑی دیر بعد فقیر گل واپس آیا تو اس نے بتایا کہ مولوی صاحب ابھی تک واپس نہیں آیا البتہ دو چار روز تک اس کی آمد متوقع ہے۔

پھر ہم ماجد سے ملنے "دوہا ہوٹل" چلے گئے کیونکہ ماجد نے کہا تھا کہ وہ اس کام کی تکمیل تک وقتاً" فوقتاً" یہیں رہے گا مگر "دوہا ہوٹل" کے باہر ماجد کی گاڑی نہ پا کر ہم کوہاٹ روڈ پر واقع ایک پٹرول پمپ پر چلے گئے۔ میں وہاں اتر گیا جبکہ باقی چار افراد گاؤں شب قدر چلے گئے کیونکہ وہاں بدرے نے فاتحہ خوانی کرنی تھی۔ میں ابھی پٹرول پمپ پر موجود تھا کہ ماجد گیلانی کا ڈرائیور سوزوکی کار میں وہیں آگیا کیونکہ ہم نے ماجد کو اپنے ملنے کی جگہ یہی پٹرول پمپ بتائی تھی اور اس نے کہا کہ صاحب "دوہا ہوٹل"

میں آ چکا ہے اور آپ سے ملنا چاہتا ہے۔ میں ماجد کی گاڑی میں ہوٹل آیا تو وہ برہم ہوا اور کہا کہ تم لوگ نہ جانے کیوں ٹال مٹول کر رہے ہو کوئی مسئلہ ہے تو بتاؤ مگر دیر نہ کرو۔ میں نے کہا کہ میں ابھی فقیر گل کو آپ سے ملواتا ہوں۔ ماجد کا ڈرائیور اور میں شب قدر پہنچے تو یہ لوگ موجود تھے میں نے فقیر گل کو اپنے ساتھ بٹھایا اور دوہا ہوٹل لے آیا اس نے ماجد کو صورتحال سے آگاہ کیا تو ماجد کچھ مطمئن ہوا اور اسلام آباد چلا گیا۔

دوسرے روز ہم پھر مدرسہ کے سامنے آئے گاڑی کھڑی کی فقیر گل اور جمیل اللہ کو مدرسہ بھیجا وہ مدرسے کے لوگوں سے ملے جمیل اللہ نے انہیں بتایا کہ وہ مزدوری کرنا چاہتا ہے یہ واپس آئے تو بتایا کہ مولوی صاحب ابھی تک نہیں آیا پھر ہم اپنے گاؤں چلے گئے۔ اگلے روز پھر اسی مدرسے کے قریب آئے اور عصر تک مولوی صاحب کا انتظار کرتے رہے مگر وہ نہ آئے پھر ہم "دوہا ہوٹل" گئے کہ کہیں ماجد نہ آیا ہو مگر ماجد بھی نہ آیا اور ہم اپنے گاؤں لوٹ گئے۔

دوسری صبح پھر اکٹھے ہوئے براستہ نوشہرہ پشاور پہنچے اور سیدھا دوہا ہوٹل چلے گئے وہاں ماجد کو موجود پایا اور فقیر گل اس سے ملے اور تھوری دیر بعد وہ ہم سے رخصت ہوا اور جاتے وقت کہا کہ جس دن مولوی آئے اسے اسی دن ختم کر دو۔ اگر یہ کام آج یا کل ہو گیا تو پھر چوتھے دن تم چھ بجے شام اسلام آباد پہنچو میرا ڈرائیور رمضان پیرودھائی اڈا پر تمہارا انتظار کرے گا۔

ہم نے منصوبہ بندی کی کہ کل بروز جمعہ اذان صبح کے وقت مولوی کو قتل کریں گے چنانچہ وہاں سے "ملوگی" علاقہ جا کر رات کا کھانا ایک دوست کے پاس کھایا۔ علی الصبح اذان کے وقت اٹھے اور مدرسہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ مدرسہ کی مغربی جانب موٹر کار کھڑی کی اور جمیل اللہ بدرے کو مولوی کے قتل کے لئے بھیج دیا جبکہ میں فقیر گل اور شیر گل اپنی گاڑی میں مسلح بیٹھے رہے۔

تھوڑی دیر بعد مدرسہ میں پستول کا ایک فائر ہوا تو ہم چونک گئے ہم نے دیکھا کہ جمیل اللہ لڑکھڑاتا ہوا آ رہا تھا میں آگے بڑھا اور اسے تھاما اور جلدی سے گاڑی میں

ڈال دیا۔ ہم جلدی سے روانہ ہوئے تو پیچھے سے چند فائر کی آوازیں بھی سنیں مگر ہم تیزی سے نکل آئے اور ہم نے ہری چند کا رخ کیا کیونکہ وہاں میرے سسرال ہیں۔ ہم ہری چند پہنچے تو سورج نکل چکا تھا راستے میں جمیل اللہ نے بتایا تھا کہ مولوی صاحب سیڑھیوں سے اتر رہا تھا کہ اس نے سینہ پر ایک فائر کر دیا جس کے بعد مولوی صاحب منہ کے بل گر گیا تھا۔

میں نے ہری چند میں ان تمام افراد کو چائے پلائی' ناشتہ کرایا اور جمیل اللہ کا پستول 32 بور اپنے سالہ کو صاف کرنے کے لئے دیا پھر خبروں میں سنا کہ علامہ عارف حسین الحسینی کو نامعلوم افراد نے آج صبح قتل کر دیا۔ ہم نے جمیل اللہ کو کرایہ دے کر گھر روانہ کیا جبکہ باقی لوگ "باڑہ ضلع دیر" چلے گئے۔ تیسرے دن واپس آئے تو معلوم ہوا کہ جمیل اپنا پستول میرے سالے سے لے گیا ہے۔

چونکہ کام ہو چکا تھا پشاور میں بے پناہ ہجوم اور چرچا تھا ہم وعدہ کے مطابق ماجد سے ملنے براستہ نوشہرہ راولپنڈی چلے گئے۔ رمضان ڈرائیور پیرودھائی اڈہ پر ہمارا منتظر تھا اس نے ہمیں گاڑی میں بٹھایا اور اسلام آباد لے گیا ہم نے ایک ہوٹل میں چائے پی تو تھوڑی دیر بعد ماجد آ گیا اور کہا کہ حالات کی وجہ سے وہ ڈالر تبدیل نہیں کرا سکا لہذا تیسرے روز وہ نوشہرہ پل پر انعام دینے آئے گا۔ میں نے پوچھا "صاحب خوش تو ہوا" ماجد نے جواب دیا Very Good میں بہت خوش ہوں"

ہم چار افراد تیسرے روز نوشہرہ پل پر اکٹھے ہوئے کچھ دیر بعد ماجد اپنے ڈرائیور کے ساتھ آ گیا گاڑی کو سڑک کے ایک کنارے پر کھڑا کر دیا اور ہر ایک کو ایک لاکھ ساڑھے بارہ ہزار روپے بطور انعام دیئے۔ اجرت دینے کے بعد کہا کہ سراج وہ پچاس ہزار جو تمہیں پہلے دیئے تھے وہ تمہارا خصوصی انعام ہے۔ رقم دینے کے بعد وہ جانے لگا تو کہا کہ پانچ دس دن بعد پھر اسلام آباد آنا تاکہ جلدی سے دوسرا کام بھی کیا جا سکے۔ ماجد خوشگوار موڈ میں چلا گیا میں نے باقی تینوں دوستوں سے جمیل اللہ کا حصہ طلب کیا جو انہوں نے مجھے دے دیا۔

میں فوراً پڑانگ غار چلا گیا اور وہاں ایک دوست کے ہاں رہنے لگا تھوڑے دن

بعد میں نے اپنے بیٹے ساجد عرف میجر جو ایف اے کا امتحان دے رہا تھا کو کسی طریقہ سے بلایا اور پچیس ہزار کی رقم دے کر اسے جمیل اللہ کی طرف روانہ کیا جو اس نے پہنچا دی۔ میں "پڑانگ غار" میں تھا کہ چند دن بعد پھر دوستوں نے مجھے اطلاع دی کہ پولیس تمہارے لئے چھاپے مار رہی ہے پھر دوستوں نے بھی تصدیق کی کہ وہ میرے رشتہ داروں کو کافی تنگ کر رہی ہے۔

میں نے اپنے بھتیجا کو ہاشم خان کے پاس بھجوایا مگر وہ نہ ملے پھر اسے ایک اور معزز شخصیت کے پاس بھیجا کہ وہ ہاشم خان تک رسائی حاصل کرے اور انہیں صورتحال سے مطلع کرے تاکہ پولیس میرے رشتہ داروں کو تنگ کرنا چھوڑ دے۔ ہاشم خان نے پیغام بھیجا کہ یہ کیس انتہائی خطرناک ہے لہٰذا خود کو بچاؤ۔ مجھے پیغام ملا تو میں کابل روانہ ہوا اور پھر "خوست" چلا گیا چند دن بعد "اتمان خیل" آ گیا تقریباً ساڑھے تین ماہ بعد میں نے ایک بار پھر اپنے بھائی کو ہاشم خان کے پاس بھیجا تاکہ صورتحال کا صحیح اندازہ ہو۔ میرا بھائی ہاشم خان سے ملا...... حالات معلوم کئے تو ہاشم خان نے میرے نام رقعہ لکھا کہ الیکشن ہونے والے ہیں تمہاری اشد ضرورت ہے لہٰذا تم آ جاؤ۔ تمہاری ضمانت کروا دیں گے جبکہ میرے بھائی نے مجھے لکھا کہ خبردار مت آنا ہاشم خان وغیرہ نے تمہارے قتل کے لئے منصف باچہ نامی شخص کو مقرر کر دیا ہے۔ دوم یہ کہ تم افغان مہاجرین اور ملیشیاء والوں سے خود کو بچاؤ کیونکہ فضل حق نے انہیں تمہارے قتل کے لئے حکم دے دیا ہے۔

چند روز بعد میرا بھائی میرے پاس آیا اور مجھے ہاشم خان و فضل حق کی نیت سے آگاہ کیا اور میرے بیٹے ساجد نے مجھے اطلاع دی کہ "بابا اپنے آپ کو پولیس کے حوالے کر دو ورنہ تمہاری زندگی بے حد خطرے میں ہے" حالات کی شدت اور تقاضوں کے باعث میں نے اپنی زندگی محفوظ کرنے کی غرض سے اپنے آپ کو بخوشی پولیس کے حوالہ کر دیا اور یہ بیان بھی بخوشی دے رہا ہوں اور میں اس سانحہ کا وعدہ معاف گواہ ہوں۔

○○○

۷ جون ۱۹۸۹ء کو سراج کے قلمبند ہونے والے بیان سے وطن عزیز کا کوئی فرد بھی آشنا نہیں صرف قائدین اور تفتیشی افسران ہی واقف تھے مگر ۸ جون ۱۹۸۹ء کو سراج کے اقبالی بیان سے ملک بھر کی تمام اخبارات میں اشاعت کے بعد ایک زلزلہ سا محسوس ہوا اور ایک بار پھر شہید عارف حسین الحسینی کا مظلومانہ قتل موضوع بحث بن گیا۔ شہید کے پیرو کاروں' اور حامیوں کا الزام سچا ثابت ہوا کہ ان کے قائد کا قتل حکمرانوں کی ملی بھگت کا نتیجہ تھا۔

سراج کے بیان میں ''دوہا پیلس ہوٹل'' پشاور کا ذکر بھی موجود ہے جہاں ماجد گیلانی قیام کرتا تھا اور سراج اس سے ملاقاتیں کرکے ہدایات لیتا رہا۔ دوہا پیلس ہوٹل کے منیجر سید کمال شاہ نے پہلے زیر دفعہ ۱۶۴ مجسٹریٹ کے سامنے اور بعد میں عدالت کے روبرو اپنا بیان ریکارڈ کروایا جس نے سراج کے بیان کی تائید و تصدیق کر دی۔

۹۔ ماجد گیلانی کا پس منظر اور کردار

قارئین! مناسب ہو گا کہ برصغیر کی تاریخ میں پہلی بار کسی بین الاقوامی شخصیت کے قتل کی بے نقاب ہونے والی اس سازش کو اسی ترتیب سے آپ کی خدمت میں پیش کریں جس طرح سے اس مذموم عالمی سازش سے پردے اٹھے تاکہ سابقہ حکمرانوں اور ان کے آقاؤں کی اس ذہنیت کا عکس سامنے آئے اور آپ نتیجہ تک خود پہنچ سکیں۔

یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ علامہ سید عارف حسین الحسینی کا قتل ذاتی رنجش یا فرقہ واریت کا شاخسانہ نہیں تھا بلکہ ملکی اور غیر ملکی صاحبان اقتدار کی خواہش کا نتیجہ تھا جس میں سے بعض کے مفادات اور بعض کے نظریات کو علامہ صاحب کی زندگی اور تحریک سے خدشہ لاحق تھا۔ یہ کون سے عناصر ہو سکتے ہیں اور کن کن کے مفادات کو خطرہ لاحق تھا؟ اس کتاب کا پہلا حصہ اور شہید کی تحریک کا ہر باب پڑھنے سے ان عناصر کے چہروں سے پردہ اٹھا کر انہیں با آسانی شناخت کیا جا سکتا ہے۔ البتہ اس سازش کو تکمیل تک پہنچانے اور آقاؤں کی خواہش کا احترام کرنے والے سابق فوجی افسر کیپٹن ماجد رضا گیلانی کا بہت بڑا ہاتھ ہے جو واضح طور پر لالچ اور سابقہ حکمرانوں کے حکم کی تعمیل کا حصہ ہے۔ ورنہ ایک معمولی سے فوجی افسر کا اتنی بڑی شخصیت کے قتل میں دلچسپی کا کوئی جواز نہیں بنتا۔ لہٰذا ہمیں سازش سے قبل ماجد رضا گیلانی کی ذاتی حیثیت کا جائزہ لینا ہو گا۔

ماجد رضا گیلانی ۱۳ فروری ۱۹۵۸ء کو سید فضل حسین گیلانی کے گھر محلہ پیر والا جھنگ میں پیدا ہوا۔ یہیں سے گریجویشن کرنے کے بعد اس نے ۱۹۸۳ء میں پنجاب کے ایک معروف ادارے سے تاریخ میں ماسٹر ڈگری حاصل کی اور پھر سی۔ ایس۔ ایس کے امتحان میں شریک ہوا۔ سی۔ ایس۔ ایس کے امتحان میں ناکامی کے بعد ۷ مارچ ۱۹۸۵ء کو فوج میں سیکنڈ لیفٹیننٹ کے لئے کمشن لینے میں کامیاب ہو گیا۔ سلیکشن کے بعد اس نے ۲۲ ہفتے کی ٹریننگ مکمل کی اور پھر بحیثیت سیکنڈ لیفٹیننٹ ایجوکیشن EME سنٹر کوئٹہ تعینات ہو گیا۔ چست و چالاک اس شخص کو لیفٹیننٹ اور پھر ایک سال بعد کیپٹن کے

عہدے پر ترقی دی گئی کم عرصہ میں اتنی تیزی سے ترقی پانا اس کا حق تھا یا کسی کا خصوصی فیض...... یہ ابھی تک معلوم نہیں ہو سکا البتہ اسی دوران اس کے فوج کے اعلیٰ کمان سے خصوصی تعلقات قائم ہو گئے بلکہ یہ شخص بہت جلد خفیہ اداروں کے سربراہوں کا بھی راز داں بن گیا۔ سروس کے ان ایام کے دوران اس کے مراسم فوج کے ایک بہت بڑے افسر جو قادیانی تھا کے ساتھ استوار ہوئے جو اسے اکثر "My Boy" کے نام سے پکارا کرتا تھا۔

ماجد گیلانی محلہ پیروالا جھنگ صدر کے گیلانی خاندان سے تعلق رکھتا ہے۔ اس کے آباؤ اجداد جھنگ کے رہائشی ہیں اور اس کا دادا پیر باقی شاہ جھنگ میں پیری فقیری کرتا تھا جن کی موروثی اراضی ۲۰۰ کنال کے قریب تھی۔ ماجد گیلانی کا باپ فضل حسین شاہ بھی روایتی طور پر پیری اور تعویذ وغیرہ کا کام کرتا تھا جس نے اپنے دونوں بھائیوں خادم حسین اور غلام عباس شاہ سے موروثی زمین شفعہ کر کے حاصل کی تھی۔ فضل حسین شاہ کے چار بیٹے اور چار بیٹیاں ہیں۔ بڑا بیٹا حسنین شاہ اس کے بعد غالب رضا، حمزہ رضا اور ماجد رضا ہیں۔

سیاسی حوالے سے حسنین شاہ نے پہلی بار انتخابات ۱۹۷۹ء میں حصہ لیا اور وہاں کے نواب افتخار احمد خان انصاری سے شکست کھائی۔ جبکہ دوسری بار جھنگ کی معروف شخصیت شیخ محمد اقبال سے الیکشن ہارا۔ ۱۹۸۸ء میں بلدیہ کا رکن بنا۔

غالب رضا گیلانی نے بی اے تک تعلیم گورنمنٹ کالج جھنگ سے حاصل کی۔ ۱۹۷۲ء میں ایم اے اردو پنجاب یونیورسٹی سے کیا۔ ۱۹۷۳ء سے ۱۹۸۲ء تک اسلام آباد کالج فار بوائز میں لیکچرار رہا اور ۱۹۸۳ء میں ماڈل کالج کا وائس پرنسپل مقرر ہوا۔ ۲۰ فروری ۱۹۸۸ء کو یہاں سے استعفیٰ دیا اور پولٹری اور ٹائروں کی تجارت شروع کر دی۔

حمزہ رضا نے ایف اے گورنمنٹ کالج جھنگ سے کیا اور پھر سعودی عرب چلا گیا وہاں فراڈ کے ایک مقدمہ میں ملوث ہوا تو پاکستان واپس آ گیا۔ FIA فیصل آباد نے اس فراڈ کی تحقیقات کیں تو حمزہ رضا ملوث پایا گیا جس کے بعد وہ مسلسل کاروائی کی زد میں رہا۔ مقدمات سے بری ہونے کے بعد کچھ عرصہ بعد الطاف بھٹی ساکن شورکوٹ کے

ساتھ مل کر جھنگ کے قریب گیلانی فلنگ اسٹیشن بنایا

ماجد گیلانی جو کہ تمام بھائیوں سے چھوٹا ہے اور اکثر ایک موٹر کار IDB3717 میں اپنے بھائی حمزہ رضا کے ساتھ گھومتا پھرتا تھا جبکہ غالب رضا کے پاس سوزوکی JG9700 کے علاوہ لانسر تھی جو جھنگ پولیس نے قبضہ میں لے لی تھی۔

مذہبی حوالے سے ان تمام بھائیوں کا کوئی مسلک نہیں البتہ خاندانی طور پر بریلوی گردانے جاتے ہیں ان بھائیوں میں ماجد رضا شروع ہی سے مغرور، فرعون مزاج اور عیار ہے۔

عیاش مزاج، عہدوں اور روپوں کی سوچوں میں مدہوش اس نوجوان کے مزاج اور انداز سے تجربہ کار فوجی افسران بھی آشنا تھے۔ ۱۹۸۷ء کے آغاز میں اچانک اس شخص کا تبادلہ کوئٹہ سے راولپنڈی ۱۱۱ بریگیڈ میں بحیثیت کیپٹن ایجوکیشن ہوا۔ جانچ پڑتال اور خصوصی مراحل سے گزرے بغیر بہت جلد اسے سابق صدر ضیاء الحق کی حفاظتی ٹیم میں شامل کر لیا گیا...... آیا یہ شخص پہلے سے ہی صدر کو درکار تھا یا اوپر سے کسی کا تصدیق یافتہ...... بہرحال صدارتی سیکورٹی کا اہم رکن بن گیا۔ یہ شخص صدر یا اس معیار کے دیگر افراد کے کتنا قریب تھا یہ ثبوت اس کی آگے بیان ہونے والی کارکردگی سے ملے گا۔ البتہ بڑے بڑے فوجی افسروں سے قربت کا حصول اس کا مشن، بہت بڑا افسر بننا اس کی دلی تمنا، شہزادہ بننا اس کا مزاج، بڑے بڑے محلات اس کا عشق اور راتوں رات ارب پتی بننا اس کا جنون رہا ہے۔ دیہات کی چالیس کنال سے کم وراثتی جائیداد کا مالک کروڑوں پتی کیسے بنا...... کس نے بنایا...... اسی کا جواب اس کا کردار ہی بہتر دے سکتا ہے۔

علامہ سید عارف حسین الحسینی شہید کے مقدمہ قتل کا اہم ملزم اور اجرتی قاتلوں سے روابط استوار کرنے اور انعام و اکرام سے نوازنے والا ماجد گیلانی ۵ جنوری ۱۹۹۳ء کو اچانک گرفتار ہوا تو ملک میں کھلبلی مچ گئی۔ چار سال سے زائد عرصہ تک مفرور رہنے والے اس شخص سے اعلیٰ پیمانے پر تفتیش کی گئی اور ڈی۔ ایس۔ پی زردل خان نے اس کا پینتیس صفحات پر مشتمل بیان قلمبند کیا جو مکمل طور پر انکشافات سے معمور

تھا اور جس میں ملک کے بڑے بڑے با اثر افراد شامل تھے۔ مگر اس بیان کے بعد جو بیان منظر عام پر لایا گیا اس کی تحریر بے ربط' واقعات من گھڑت اور حوالے ضعیف تھے۔ لیکن پھر بھی پولیس کے اس خود ساختہ بیان میں ماجد کا اعتراف جرم شامل تھا۔ جب یہ بیان عدالت میں ماجد کے سامنے پڑھا گیا تو اس نے خود اس بیان کو تسلیم کرنے سے نہ صرف انکار کیا بلکہ مطالبہ کیا کہ اس کا ۳۵ صفحات پر مشتمل اصل بیان منظر عام پر لایا جائے تاکہ حقائق واضح ہوں مگر وہ بیان تو اعلیٰ کمان کی ہدایات کے مطابق سیل ہو چکا تھا اور اس سے دستبرداری کے لئے ماجد سے بدستور مطالبہ کیا جا رہا تھا جس کا ثبوت ماجد کے اپنے انداز گفتگو سے ہوتا ہے۔

ایک مرتبہ جب عدالت محو سماعت تھی تو ماجد نے جذبات میں کھڑے ہو کر سیشن جج کو اپنی گردن کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ "میری گردن پر تشدد کے نشان اس بات کی گواہی دے رہے ہیں کہ مجھے میرے دیئے گئے طویل بیان سے منحرف نہ ہونے کی سزا دی گئی ہے جبکہ میں سب کچھ اپنے ضمیر کو مطمئن کرنے کے لئے بتا چکا ہوں میری خواہش ہے کہ میرا اصل بیان سامنے لایا جائے تاکہ پاکستان کے عوام کو پتا چلے کہ ہزاروں مسلمانوں کا قاتل کون ہے؟"

چونکہ ماجد کا اصلی بیان ابھی تک سازشوں کی دبیز تہوں میں لپٹا ہوا ہے۔ اس لئے اس سے منسوب خود ساختہ بیان کو شائع کر کے ہم خلاف قانون قدم نہیں اٹھانا چاہتے اور نہ مذہبی تاریخ اور حقائق کو مسخ کرنا چاہتے ہیں۔ البتہ آخری صفحات پر ماجد گیلانی کی عدالتی سرگرمیوں کا مفصل جائزہ ضرور لیں گے۔

ماجد گیلانی کے کردار کا اندازہ وعدہ معاف گواہ سراج کے تفصیلی بیان سے لگایا جا سکتا ہے۔

۱۰۔ ماجد گیلانی کا فرار

متعلقہ بریگیڈ سے جب پولیس نے رابطہ کیا تو معلوم ہوا کہ کیپٹن ماجد گیلانی ۲۸ اگست سے مفرور ہے اور اپنا استعفیٰ تحریر کر کے چھوڑ گیا ہے جس میں تحریر ہے۔

I honestly feel that my own community requires my services much more than this army needs. It is requested that my resignation may please be accepted. So that I can participate in coming or coming after election to represent my community in the National Assembly.

۸ ستمبر ۱۹۸۸ء کو پولیس کی ایک بھاری نفری نے جھنگ میں اس کے گھر ریڈ کیا۔ اس وقت ماجد و غالب دونوں بھائی موجود تھے اور پولیس کی گرفت میں آئے مگر غالب نے پولیس سے یہ کہہ کر کہ یہ ان کا مہمان ہے۔ ماجد کو رہا کروا دیا اور دھوکہ دیا کہ ماجد تو ملک سے باہر فرار ہو چکا ہے۔ ایک اطلاع کے مطابق پولیس نے ماجد کو بھی گرفتار کر لیا تھا مگر وزیر اعلیٰ فضل حق کے کہنے پر اسے چھوڑ دیا تھا۔

۱۹۸۸ء کے انتخابات کے بعد کی سیاسی صورتحال یکسر تبدیل ہو گئی تھی فضل حق چار صوبائی نشستوں سے شکست کھا چکا تھا۔ مرکز اور صوبہ سرحد میں پیپلز پارٹی کی حکومت قائم ہو رہی تھی۔ تفتیش کا سلسلہ جاری تھا۔ سراج کی گرفتاری کے لئے کوششیں ہو رہی تھیں کہ اچانک قاتلوں کا سرغنہ سراج خود پولیس کے سامنے حاضر ہوا اور اس نے وعدہ معاف گواہ بن کر تمام رازوں کو بے نقاب کر دیا۔ یوں خونِ حسینی مقتل کے پس دیوار تک محدود رہنے کی بجائے کوچہ و بازار میں آ گیا۔ پھر بے گناہ خون کی صدا گونجتی رہی.... زمانہ اسے سنتا رہا.... اور تاریخ اسے اپنے دامن میں محفوظ کرتی رہی۔

۱۱۔ عبدالعلی بنگش کی شہادت

سید سعادت علی شاہ آئی جی پولیس صوبہ سرحد کی زیر صدارت ایک اہم میٹنگ منعقد ہوئی جہاں پندرہ پولیس افسران پر مشتمل تحقیقاتی ٹیم تشکیل دی گئی جنہیں سختی سے حکم دیا گیا کہ وہ اپنی تمام مصروفیات کو بالائے طاق رکھ کر اس اہم کیس کی تہہ تک پہنچ کر صورتحال کو واضح کریں۔ اس ٹیم میں نامزد ہونے والے افسران کے نام درج ذیل تھے۔

(۱)	مشرف شاہ	ایس پی پشاور
(۲)	سلطان محمود خان	ڈی ایس پی صدر پشاور
(۳)	احسان اللہ خان	ڈی ایس پی، سی آئی اے
(۴)	عبدالعلی خان بنگش	ڈی ایس پی نوشہرہ
(۵)	واقف خان	قائم مقام ڈی ایس پی
(۶)	نصر الملک بنگش	انسپکٹر
(۷)	محمد اسماعیل خان	انسپکٹر
(۸)	وارث خان	انسپکٹر
(۹)	اعجاز حسین	سب انسپکٹر
(۱۰)	خان رزاق	سب انسپکٹر
(۱۱)	بیغم شاہ	سب انسپکٹر
(۱۲)	مدد خان	سب انسپکٹر
(۱۳)	حسن گل	سب انسپکٹر
(۱۴)	الطاف شاہ	اے ایس آئی
(۱۵)	گلفت حسین	اے ایس آئی

سب سے پہلے اس قتل کے شبہ کا اظہار تفتیشی ٹیم کے ایک اہم افسر نے پانچویں روز ہی کر دیا۔ انہیں اس راز کا اشارہ اس وقت ملا جب ان کے گھر ترلاندی گاؤں کی کچھ عورتیں آئیں اور انہوں نے اس کیس میں سراج اور بدرے سکنہ

ترلاندی کے ملوث ہونے کا شک ظاہر کیا۔ البتہ سازش کو منظر عام پر لانے کا تمام سہرا عبدالعلی خان بنگش ڈی ایس پی نوشہرہ کے سر ہے۔ جنہوں نے ایک حقیقی جذبہ اور فرائض کی بجاآوری کے تحت ملت مسلمہ پر بہت بڑا احسان کیا اور اس قتل میں ملوث بڑے بڑے پردہ نشینوں کو بے حجاب اور پوری دنیا میں رسوا کر دیا۔

ہوا یوں کہ نوشہرہ کی ایک شخصیت جو کسی حد تک قاتلوں سے آگاہ تھی کو عبدالعلی خان نے اعتماد میں لیا جس کے باعث قاتلوں تک رسائی حاصل کی اور ٹھیک ایک ماہ بعد یعنی ۵ ستمبر ۱۹۸۸ء کو مبینہ قاتل جمیل اللہ کو گرفتار کر لیا گیا۔

۷ اگست کو جمیل اللہ کی نشاندہی پر اسلام آباد سے محمد رمضان ڈرائیور کی گرفتاری عمل میں لائی گئی پھر جمیل اللہ کے بیان کی روشنی میں ۱۰ ستمبر کو شیر گل ڈرائیور گرفتار ہوا۔ عبدالعلی خان نے ان تینوں کے عدالتی بیان قلمبند کرانے کے بعد اعلیٰ افسروں کو اطلاع دی۔ عدالتی بیانات کے بعد پانی سر سے گزر چکا تھا۔ صوبہ سرحد کا کوئی اعلیٰ افسر یا وزیر اعلیٰ اس انکشاف کا سدباب نہیں کر سکتا تھا۔ تینوں ملزموں نے اس سازش کا سرغنہ سراج سکنہ ترلاندی کو ٹھہرایا جو بعد میں وعدہ معاف گواہ بن کر منظرعام پر آیا اور جس نے فضل حق سابق وزیر اعلیٰ سرحد و ہاشم خان سے اپنے قریبی تعلق کا اظہار کیا۔ جمیل اللہ' محمد رمضان اور شیر گل کی گرفتاری کے بعد عبدالعلی خان کی کوشش تھی کہ سازش کے سرغنہ سراج کو گرفتار کرے چونکہ سابقہ حکمرانوں کے راز سراج کے سینہ میں پوشیدہ تھے۔ ادھر چند اعلیٰ شخصیات کو عبدالعلی کا جذبہ ناگوار گزرا تو انہیں ایک طے شدہ منصوبہ کے تحت "چراٹ میں" سراج کی موجودگی کا اشارہ دیا گیا۔ جونہی عبدالعلی خان سراج کی گرفتاری کے لئے علاقہ "چراٹ" کے لئے اپنے گاڑی پر روانہ ہوئے تو راستے میں ان پر قاتلانہ حملہ ہوا اور وہ موقع پر شہید ہو گئے۔

چونکہ اس وقت یہ سازش منکشف نہیں ہوئی تھی اس لئے زمانے کو عبدالعلی خان کے بہیمانہ قتل کی سازش اور پس پردہ حقائق کا علم تک نہ ہو سکا جبکہ تحریک نفاذ فقہ جعفریہ پاکستان کے قائدین نے اپنے بیانات میں واضح کر دیا تھا کہ شہید عارف حسین الحسینی کی تفتیشی ٹیم کے اہم رکن اور شیعہ افسر کا قتل ایک سازش کا نتیجہ ہے۔

بہرحال عبدالعلی خان خود سرخرو ہو کر ظالموں کو رسوا کر گئے۔

جیسا کہ گزشتہ صفحات میں ذکر کیا جا چکا ہے کہ اس مقدمہ قتل کا پہلا ملزم جمیل اللہ ۵ ستمبر کی شام گرفتار ہوا اور اس نے اس سازش میں ملوث صرف اجرتی قاتلوں کے گروہ کا انکشاف کیا بلکہ ان پس پردہ عناصر کا بھی اشارہ دیا جو اس سازش کی تکمیل کے خواہاں تھے۔ جمیل اللہ کی نشاندہی پر ۷ ستمبر کو شیر گل ڈرائیور اور اسلام آباد سے محمد رمضان ڈرائیور دونوں گرفتار کر لئے گئے جہاں شیر گل نے قاتلوں کے گروہ کے سرغنہ سراج سکنہ ترلاندی کو قرار دیا وہاں محمد رمضان نے کیپٹن ماجد گیلانی کا کردار اور اس سازش کا پس منظر بتایا۔

تفتیشی ٹیم کے لئے سراج کا نام جرائم کے حوالے سے نیا نہیں تھا بلکہ وہ ایک عادی مجرم کے حوالے سے پورے صوبہ سرحد میں بدنام تھا۔ البتہ ایک عالم دین اور بین الاقوامی شخصیت کے قتل کی پشت پناہی کرنے میں پاکستان آرمی کے ایک کیپٹن کا نام ضرور باعث حیرت تھا۔ کیونکہ جہاں ایک معروف عالم دین کا قتل قابل افسوس ٹھہرا وہاں ملک کی آرمی کے ایک افسر کا کردار پاک فوج کے تقدس پر ضرب کاری لگانے کا باعث بھی تھا۔

۱۲۔ ہاشم خان کا عدالت سے فرار

۸ جون ۱۹۸۹ء کو ملک کے تمام اخبارات میں جلی سرخیوں کے ساتھ شائع ہونے والے وعدہ معاف گواہ سراج کے بیان نے ملک میں طوفان برپا کر دیا اور ملک کا ہر شہری اس سازش سے آگاہ ہو کر سابقہ حکمرانوں کی سیاہ کاریوں پر تبصرے کرنے لگا۔ ملت جعفریہ کا ہر پیرو جوان سراپا احتجاج بن گیا اور ۹ جون ۱۹۸۹ء کے اخبارات اور ملک بھر کی دیواروں پر فضل حق، ہاشم خان اور ماجد گیلانی کی گرفتاری کے مطالبے نظر آنے لگے۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ حالات میں شدت اور تیزی آتی گئی۔ تحریک نفاذ فقہ جعفریہ پاکستان کی یونٹ سے لے کر مرکز تک حکومت سے قاتلوں کی گرفتاری کا مطالبہ شدت اختیار کرتا گیا۔ خیبر سے کراچی اور کوئٹہ سے گلگت تک ایک ہی نعرہ سنائی دینے لگا۔ "پھانسی دو پھانسی دو" ہاشم خان کو "پھانسی دو" فضل حق کو "پھانسی دو"۔

۴ جون ۱۹۸۹ء کو سراج نے پولیس کے روبرو اقرار کیا اور ۷ جون ۱۹۸۹ء کو پشاور کی عدالت میں اس نے بحیثیت وعدہ معاف گواہ بیان ریکارڈ کرایا۔ ریکارڈز کے مطابق سراج کا یہ بیان بعد از دوپہر تک جاری رہا اور ۷ جون ۱۹۸۹ء کو سراج کے عدالتی بیان سے قبل ہی ہاشم خان نے عدالت کو درخواست ضمانت قبل از گرفتاری پیش کی اور ۱۲ بجے دن تک اپنے مچلکے بھی جمع کرا دیئے حالانکہ اسی روز اڑھائی بجے تک سراج کا بیان قلمبند ہوتا رہا یہ بات چور کی داڑھی میں تنکا ثابت ہوئی اور یوں مقدمہ کی حیثیت اور حقیقت کو تقویت مل گئی۔

۷ جون ۱۹۸۹ء کو ہاشم خان کی طرف سے دی جانے والی درخواست ضمانت قبل از گرفتاری کی ۲۴ جون کو سیشن کورٹ پشاور میں پیشی طے ہوئے۔ ہر دو جانب سے سینکڑوں افراد عدالت کے باہر جمع ہوئے۔ وکلاء نے بحث کی.... بحث مکمل ہوئی تو سیشن کورٹ کے جج رضا خان نے دونوں فریقین کو باہر انتظار کرنے کے لئے کہا۔ جب لوگ باہر چلے گئے تو تھوڑی دیر بعد جج صاحب نے ہاشم خان کو اپنے چپڑاسی کے ذریعہ بلوایا۔ ہاشم خان اکیلا اندر گیا تو علامہ سید جواد ہادی نے اپنے وکیل کو بھی اندر جانے کا کہا۔

ابھی وکیل صاحب عدالت میں داخل ہو ہی رہے تھے کہ ہاشم خان تیزی سے باہر نکلا۔ جب وکیل نے جج سے فیصلہ کا استفسار کیا تو انہوں نے جواباً" کہا کہ ہاشم خان کی درخواست ضمانت مسترد ہو چکی ہے۔ جب وکیل صاحب باہر نکلے اور اپنے احباب کو فیصلہ سنایا تو وہ حیران ہو گئے کیونکہ ہاشم خان جج کا فیصلہ سن کر تیزی سے باہر نکلا اور ایک طے شدہ پروگرام کے تحت یہ شور مچانا اور مبارکباد دینا شروع کر دی کہ ضمانت ہو گئی ہے اور یہ شور کرتے ہوئے وہ اپنے بھائی اے آئی جی پولیس اعظم خان کی معاونت سے ڈرامائی انداز میں فرار ہو گیا۔

پولیس بھی اعظم خان کی گاڑی کا تعاقب نہ کر سکی۔ جب یہ اطلاع آئی۔ جی پولیس صوبہ سرحد عباس خان تک پہنچی تو انہوں نے پولیس افسران کو خو... ڈانٹ پلائی اور خود جلدی سے ہاشم خان کا تعاقب کیا۔ انہوں نے فضل حق کے گھر پر ریڈ کیا مگر ہاشم خان کو وہاں موجود نہ پایا۔ پھر دیگر مشکوک مقامات پر بھی چھاپے مارے مگر پولیس ناکام رہی اور ہاشم خان اسی روز پشاور سے فرار ہو گیا۔ ہاشم خان کے اپنے بیان میں یہ تاثر ملتا ہے کہ وہ افغانستان میں فضل حق کے قریبی احباب کے پاس روپوش رہا۔ مگر مصدقہ اطلاعات کے مطابق وہ پشاور سے اپنے سگے بھائی جو فورس کمانڈر تھا کی معاونت سے پاکستان ایئر فورس کے طیارے میں اسلام آباد آیا اور وہیں سے پنجاب حکومت کے تعاون سے چمبہ ہاؤس لاہور تک پہنچا جہاں اس کی موجودگی کی اطلاع تحریک کے چند قائدین اور چند صحافی حضرات کو مل گئی۔ چنانچہ چمبہ ہاؤس سے بھی ہاشم خان کو نکال دیا گیا اور وہ کئی روز تک پنجاب کے معروف چوہدری برادران کا مہمان رہا اور پھر ضیاء الحق کے سیاسی مرشد اور بزرگ سردار محمد عبدالقیوم خان صدر آزاد کشمیر کے پاس چلا گیا۔ یہاں اس کی موجودگی کی اطلاع ملنے پر تحریک کے قائدین نے حکومت پر زور دیا تو چند روز بعد ہاشم خان سعودی عرب پرواز کر گیا جسے پولیس نے ضابطہ ۸۸، ۸۷ کی کاروائی کے تحت اشتہاری ملزم قرار دے دیا۔

۱۳- فضل حق کا فرار اور گرفتاری کا منظر

سراج کے بیان اور ہاشم خان کے فرار کے بعد اس مقدمہ کے بڑے ملزم فضل حق کی گرفتاری مطلوب تھی۔ اسی دوران اس نے امریکی سفیر سے سیاسی پناہ کی بھیک مانگی مگر انہوں نے اسے ٹھکرا دیا۔

فضل حق سراج کے بیان کے بعد پنجاب آ چکا تھا اور اسے حکومت پنجاب کی آشیرباد حاصل تھی۔ صوبہ سرحد کی پولیس اور مرکزی حکومت کی خواہشات کے باوجود بھی پنجاب پولیس اسے گرفتار کرنے میں ٹال مٹول کر رہی تھی لہٰذا فضل حق کو پنجاب ہاؤس میں بطور سرکاری مہمان رکھا گیا تھا اور ساتھ ہی قانونی تحفظ کے لئے ملک کے نامور قانون دان ایس۔ ایم ظفر کی بطور وکیل قانونی خدمات حاصل کی گئیں۔ جس کا تذکرہ ملک کے مختلف جرائد میں یوں آیا ہے کہ ایس۔ ایم ظفر صاحب کو بڑا مرغا مل گیا ہے۔ فضل حق نے ۱۲ جولائی ۱۹۸۹ء کو پنجاب ہائیکورٹ سے قبل از گرفتاری عبوری ضمانت کرالی۔ ۲۲ جولائی ۱۹۸۹ء کو اسے پشاور ہائیکورٹ سے اپنی ضمانت کنفرم کرنا تھا۔

پشاور کی تاریخ میں ۲۲ جولائی ۱۹۸۹ء کا یہ دن ایک خصوصی اہمیت کا حامل ہے کیونکہ اسی صوبہ سرحد کا سابق گورنر' سابق وزیراعلیٰ اور کئی سالوں تک سرحد کے سیاہ و سفید کا مالک آج ایک عظیم روحانی عالم دین کے قتل کے الزام میں عدالت کے کٹہرے میں کھڑا ہونے کے لئے آ رہا تھا۔ ملکی و بین الاقوامی ذرائع ابلاغ عدالت میں موجود تھے پولیس مضطرب اور ہر دو جانب سے جمع شدہ ہزاروں افراد فیصلے کے لئے بے قرار تھے۔ فضل حق کو عدالت میں ۹ بجے صبح پکارا گیا تو وہ ابھی تک نہیں آیا تھا جبکہ اس کے وکلاء موجود تھے یہ بات عدالت کو بھی ناگوار گزری۔ آدھے پونے گھنٹے بعد فضل حق مرجھائے ہوئے چہرے اور خشک ہونٹوں کے ساتھ عدالت میں حاضر ہوا....

بحث شروع ہوئی تو ایس ایم ظفر نے ملزم کے دفاع میں چار گھنٹے تک دلائل دیئے۔

پھر وکیل استغاثہ جسٹس ریٹائرڈ شوکت علی نے وعدہ معاف گواہ کے بیان کی روشنی میں مختصر مگر جامع دلائل پیش کئے انہوں نے وعدہ معاف گواہ سراج کے بیان

کے ایک اقتباس پر زور دیا جس میں سراج نے کہا تھا کہ وہ ۲۴ مئی ۱۹۸۸ء کو جنرل فضل حق سے "بیرٹی چارسدہ" میں ملا تھا اور فضل حق نے اسے فوجی کپتان کے کام کو مکمل کرنے کا حکم دیا تھا اور ساتھ ہی اپنے تعاون کا بھی یقین دلایا تھا۔ وکیل استغاثہ نے وزیراعلیٰ ہاؤس کے شعبہ ٹرانسپورٹ کا ریکارڈ بھی عدالت میں پیش کیا جس میں واضح طور پر ۲۴ جولائی کو فضل حق کی وزیراعلیٰ ہاؤس سے بذریعے اسکاٹ وین PRK 138 اور پائلٹ جیپ PRK 137 برائے برٹی چارسدہ روانگی درج تھی۔

سرکار کے سپیشل پراسیکیوٹر آصف جان نے وعدہ معاف سراج کے بیان کو درست ثابت کرنے کے لئے ماجد گیلانی کے بریگیڈ سے چھٹیوں کا ریکارڈ پیش کیا جس سے واضح ثبوت ملتا تھا کہ ۲۴ جون سے ۲۸ جون ۱۹۸۸ء' ۲۷ جولائی سے ۳۱ جولائی ۱۹۸۸ء اور ۲ اگست سے ۴ اگست ۱۹۸۸ء کو حاصل کردہ چھٹیوں میں ماجد اسلام آباد سے وقتاً فوقتاً" سراج سے اس کے گاؤں ترلاندی اور پشاور دوہا ہوٹل میں ملتا رہا ہے۔ یہی تواریخ سراج کے بیان میں بھی درج تھیں۔ انہوں نے کہا کہ ماجد گیلانی کا فرار بھی اس بات کی تصدیق ہے کہ وہ اس مقدمہ میں ملوث ہے۔

آصف جان نے عدالت کے سامنے ماجد گیلانی کی سوزوکی کار JG 9700 اور اس کے ڈائس بورڈ سے برآمد ہونے والے مدرسہ کے داخلہ فارم جو مدرسہ کے آفس سیکرٹری سے جاسوسی کرنے والے ملزم فقیر گل نے لیا تھا کا ریکارڈ پیش کیا نیز اسی کار کے ڈرائیور اور ماجد گیلانی کے خاندانی ملازم محمد رمضان کے بیان کا بھی حوالہ دیا جس کی بنا پر واضح ہوا کہ سراج کے بیان میں مبینہ ملزم ماجد گیلانی اس جرم میں شامل ہے لہٰذا اس ضمن میں سراج کا فضل حق کو ملزم ٹھہرانا بھی بجا ہے۔

ایس۔ ایم ظفر نے اپنے موکل کا دفاع کرتے ہوئے کہا "وعدہ معاف گواہ سراج ایک عادی مجرم ہے اور کئی بار اجرت پر ایسے کام کر چکا ہے اور وہ کئی بار سزائے موت کا قیدی بھی رہا ہے لہٰذا اب پیپلزپارٹی کی حکومت کی دلچسپی اور عباس خان آئی جی پولیس، صوبہ سرحد (جو کہ آفتاب شیرپاؤ کا کزن ہے) کی فضل حق سے ذاتی رنجش کی بناء پر سراج کو وعدہ معاف گواہ بنایا گیا ہے۔ میرا موکل کوئی معمولی آدمی نہیں بلکہ وہ

سابق جرنیل، صوبہ سرحد کا سابق وزیراعلیٰ اور سابق گورنر ہے لہٰذا ایسی شخصیت کو کسی من گھڑت الزام میں ملوث کرنا مناسب نہیں"۔

وکیل استغاثہ نے واضح کیا کہ ہاشم خان کا سراج کے بیان کے ریکارڈ ہونے سے قبل درخواست ضمانت دینا اور پھر عدالت میں ڈرامائی فرار اختیار کرنا سراج کے بیان کو صحیح قرار دیتا ہے لہٰذا فضل حق سراج کے صحیح بیان کی روشنی میں بجاطور پر ملزم ہے۔

عدالت کی اس کاروائی کے دوران مکمل سناٹا چھایا ہوا تھا...... پنکھوں کی معمولی سی آواز بھی سکوت میں خلل ڈال رہی تھی..... وکلاء بحث کر رہے تھے جبکہ دیگر بیٹھے ہوئے افراد کی نظریں فضل حق پر جمی ہوئی تھیں۔ بحث ختم ہوئی جج نے دو چار منٹ توقف کیا اور فیصلہ سنایا کہ "درخواست ضمانت مسترد کی جاتی ہے"

یہ ایک ایسا فیصلہ تھا جس کے اعلان کے بعد سکتہ طاری ہو گیا کمرہ عدالت میں فوراً پولیس داخل ہوئی انہوں نے وکلاء اور دیگر افراد کو باہر جانے کا حکم دیا تا کہ وہ اپنے انداز میں فضل حق کو گرفتار کر سکے ۔ تحریک کے وکلاء اور چند افراد باہر آ گئے ۔ کمرہ عدالت کے باہر عجیب ہلچل مچ گئی۔ صحافی اپنے مراکز کو اطلاع دینے کے لئے ادھر ادھر دوڑنے لگے تحریک کے کارکنان فضل حق کو زنجیروں میں جکڑا دیکھنے کے لئے بے قرار تھے جبکہ فضل حق کے حامی شش و پنج کے عالم میں تھے۔ فضل حق ابھی تک عدالت کے کمرہ میں اپنے وکیل ایس ایم ظفر سے گلو خلاصی کی راہیں نکالنے کی درخواستیں کر رہا تھا ایسے میں ایک مرحلہ پر ایس ایم ظفر نے اسے کمرہ عدالت میں رہنے کو کہا اور خود اسلام آباد سپریم کورٹ میں عبوری ضمانت کے حصول کے لئے روانہ ہوا۔ اتفاق سے اسے پرواز مل گئی اور وہ اسلام آباد پہنچ گیا جہاں اس نے سپریم کورٹ کے جسٹس عثمان علی شاہ صاحب سے ملاقات کرنے کی درخواست دی مگر انہوں نے رد کر دی۔

پولیس وقفہ وقفہ سے فضل حق کے گرد دائرے تنگ کر رہی تھی۔ بار بار پولیس افسران اس کے پاس آ رہے تھے کہ وہ کمرہ عدالت سے باہر نکلے اور گرفتاری دے کیونکہ کمرہ عدالت میں گرفتار کرنا خلاف قانون تھا اب کمرہ عدالت ہی فضل حق کو اپنی

پناہ گاہ نظر آ رہا تھا وہ بار بار دھیمے لہجے میں پولیس افسران سے کہتا تھا کہ میرا وکیل سپریم کورٹ پہنچ چکا ہے اور میری ضمانت ہونے والی ہے مگر تھوڑی دیر بعد اسے اس امر سے بھی آگاہ کر دیا گیا کہ سپریم کوٹ کا وقت ختم ہو چکا ہے اور تمہاری ضمانت نہیں ہو سکی لہٰذا آپ گرفتاری دیں۔

اتنے میں پولیس کے ایک گروپ کی کمان میں تحریک کے علماء اور عہدیداران کو مدرسہ جامعہ المعارف پشاور پہنچا دیا گیا۔ فضل حق کمرہ عدالت میں اکیلا بیٹھا ہوا تھا۔ آخر عدالت کا چپڑاسی کمرہ میں داخل ہوا اس نے بلب اور پنکھوں کو بند کرتے ہوئے عدالت کا وقت ختم ہونے کا اعلان کیا۔ پولیس نے گرفتاری دینے کو کہا مگر اس مرتبہ اس نے لیٹرین جانے کی درخواست کی اور عذر پیش کیا کہ اسے مثانہ کی تکلیف ہے مگر پولیس بضد تھی کہ پہلے گرفتاری دے پھر اس کی درخواست پر غور کیا جائے گا۔ آخر وہ قریب والی سیڑھیاں چڑھنے لگا تو ایک سپاہی نے اس پکڑ لیا۔ اقتدار کی بڑی بڑی کرسیوں میں دھنس کر بیٹھنے والا گرد سے اٹی سیڑھیوں پر بیٹھ گیا۔ یہاں بیٹھتے ہی اس نے پولیس والوں سے پانی مانگا مگر جواب ملا پہلے گرفتاری پھر پانی.... اس اثناء میں ایک چھوٹے پولیس افسر نے اسے سیڑھیوں سے نیچے اتارنے کی کوشش کی تو فضل حق نے اسے تھپڑ دے مارا اور یوں قریب کھڑے ہوئے چند سپاہیوں نے بھی مکوں میں جواب دیا وہ گرفتاری سے اس لئے گریز کر رہا تھا کہ یہ بات اس کے ذہن پر نقش ہو چکی تھی کہ بھٹو کی طرح گرفتار ہونے کے بعد وہ پھر کبھی زندہ واپس نہیں لوٹے گا۔

آخر ایک اعلیٰ پولیس افسر اس کے قریب گیا اور غالباً" یہی کہا کہ تمام صحافی اپنے اور پرائے آپ کی تذلیل ہوتی دیکھ رہے ہیں مرد آہن رہیں اور حالات کا مقابلہ کریں۔ پھر فضل حق نے پولیس کو گرفتاری دی جس کے بعد اسے لیٹرین جانے کی اجازت ملی۔ تقریباً آدھے گھنٹے بعد وہ لیٹرین سے نکلا تو اس کے تمام کپڑے بھیگے ہوئے تھے اس نے اپنے بیٹے کے ذریعے اپنا بریف کیس منگوایا' کپڑے تبدیل کئے اور پولیس کی تحویل میں نوشہرہ ریسٹ ہاؤس چلا گیا۔

۱۴۔ بدرے کی گرفتاری اور اعترافی بیان

بدری الزمان عرف بدرے کا بیان نہایت اہمیت کا حامل ہے۔ یہ بدبخت (بدرے) شہید علامہ عارف حسین الحسینی کی جاسوسی کرنے والے فقیر گل کا نہ صرف دست راست تھا بلکہ یہی وہ شخص تھا جو جمیل اللہ قاتل کے ساتھ مدرسے کے اندر بھی آیا تھا اور اسی شخص نے گیارہ قدم دور کھڑے ہو کر جمیل اللہ کو علامہ عارف حسین الحسینی کا اشارہ دیا تھا۔ جمیل اللہ قاتل علامہ صاحب کو پہنچانتا بھی نہیں تھا۔ یہی بدرے پہلے فقیر گل کے ساتھ علامہ صاحب سے ملا تھا اور اسی نے جمیل اللہ کو شناخت کروائی تھی۔ اشارہ اس کا تھا اور فائر جمیل اللہ کا..... بدرے ایک عادی مجرم اس پاک عظیم الشان شخصیت کے مقدمہ قتل کی مکروہ سازش کی کڑیاں یوں بتلاتا ہے۔

اپنی گرفتاری کے بعد ۲۵ اکتوبر ۱۹۸۹ء کو بدرے نے مجسٹریٹ کامران زیب کی عدالت میں اپنا مفصل بیان دیتے ہوئے یہ دل خراش حقائق بتلائے۔ اس نے بتایا کہ ایک روز شام کے وقت میں اپنی کلاشنکوف کندھے پر لٹکائے گھر سے نکلا اور سراج کے حجرے کی جانب چل پڑا۔ سراج جو اپنے گھر کے دروازے پر اکیلا کھڑا تھا۔ مجھے آواز دی کہ میری بات سنو میں اس کی جانب بڑھا اس نے آگے بڑھ کر میرا ہاتھ تھاما اور کہا بدرے تم سے ایک ضروری کام ہے۔ یہ کہتے ہوئے وہ دروازے سے چند قدم دور اس جانب چل پڑا جہاں ایک چارپائی پر فقیر گل بیٹھا ہوا تھا۔ ہم چارپائی پر نہ بیٹھے تھے بلکہ دو چار قدم آگے جا کر زمین پر بیٹھ گئے اور سراج نے بات کا آغاز یوں کیا۔ "بدرے تمہارے لئے ایک کام تلاش کیا ہے کام معمولی ہے مگر معاوضہ غیر معمولی" میں نے پوچھا بھلا ایسا کون سا کام ہے تو سراج نے جواب دیا بس وعدہ کرو میں نے کہا آپ مجھے کام بتائیں میں سوچ کر وعدہ کروں گا۔ سراج نے کہا کہ پشاور میں ایک مدرسہ کا مولوی قتل کرنا ہے تو میں نے کہا کام تو معمولی ہے مگر اس کا معاوضہ کتنا ہے تو سراج نے جواب دیا تین لاکھ..... میں نے کہا کہ دو چار دن بعد جواب دوں گا یہ کہہ کر گھر چلا گیا جبکہ سراج اپنے حجرے کی طرف روانہ ہو گیا۔

تقریباً تین دن بعد سراج کا بیٹا میجر جس کا حقیقی نام ساجد ہے میرے پاس آیا اور

کہنے لگا کہ اس کا والد حجرے پر بلا رہا ہے میں کلاشنکوف اٹھائے سراج کے حجرے پر چلا گیا جہاں ایک پنجابی نوجوان بیٹھا ہوا تھا جسے میں نے پہلی بار دیکھا تھا۔ اس کے گرد فقیر گل اور سراج کا بھائی بھی موجود تھا جونہی میں کمرے میں داخل ہوا تو پنجابی لڑکا ڈر گیا مگر سراج نے تسلی دی کہ اپنا آدمی ہے تقریباً دس منٹ پنجابی میری موجودگی میں رہا اور پھر چلا گیا۔ میری موجودگی میں سراج اور پنجابی نوجوان اردو زبان میں باتیں کر رہے تھے جس کی مجھے سمجھ نہ آئی۔ پنجابی رخصت ہوا تو میں نے سراج سے پوچھا "ماما یہ نوجوان کون تھا؟" تو سراج نے جواب دیا یہ وہی شخص ہے جو مولوی کے قتل کا خواہشمند ہے اور یہی شخص ہمیں انعام دے گا۔ کوئی معمولی آدمی نہیں بلکہ ہاشم خان اور فضل حق صاحب کا خاص آدمی ہے۔ میں نے استفسار کیا کہ تمہارے پاس ایسا آدمی کیسے پہنچا تو سراج نے کہا کہ اسے ہاشم خان نے میری طرف بھیجا ہے اور جنرل فضل حق صاحب نے اس کی ذمہ داری لی ہے کہ یہ شخص ہمیں رقم ضرور دے گا۔ سراج کی وضاحت کے بعد میں نے کہا کہ تین لاکھ کم ہیں رقم پانچ لاکھ ہونی چاہئے سراج نے کہا جب وہ آیا تو ہم طے کر لیں گے پھر مولوی کے قتل کی اجرت ساڑھے چار لاکھ طے ہو گئی۔ بس یہیں سے میں قتل کے لئے آمادہ ہو گیا اور سراج کے ساتھ رہنے لگا۔

ایک روز سراج نے مجھے کہا کہ چارسدہ چلتے ہیں کچھ کام ہے ہم دونوں بس میں بیٹھ کر چارسدہ روانہ ہوئے جب ہم "پیری" پہنچے تو سراج وہیں اتر گیا اور مجھے چارسدہ چوک پہنچنے کو کہا اور ساتھ یہ بھی ہدایت کی کہ اگر وہاں فقیر گل موجود ہو تو اسے ساتھ لے کر ہاشم خان کے ڈیرے (حجرے) پر آ جائیں۔ جب میں چارسدہ چوک پہنچا تو مجھے فقیر گل نہ ملا۔ میں نے تھوڑی دیر انتظار کی..... ادھر ادھر دکانوں اور ہوٹلوں میں دیکھا مگر فقیر گل کہیں نہ ملا۔ ابھی میں اسی چوک میں کھڑا ہی تھا کہ میرے سامنے ہاشم خان' سراج اور فقیر گل ایک موٹر کار میں بیٹھے گذر گئے غالباً" یہ پشاور جا رہے تھے۔ پھر میں کافی دیر تک گھومتا رہا شام کا وقت تھا میں پھر اسی چوک میں آیا تو سراج اور فقیر گل کو اپنی طرف آتے دیکھا ہم ایک دوسرے سے ملے میرے استفسار پر سراج نے جواب دیا کہ ایک ضروری کام کے سلسلہ میں پشاور گئے تھے۔

یہاں سے فقیر گل اپنے گھر رخصت ہوا جبکہ سراج اور میں واپس اپنے گاؤں روانہ ہو گئے۔ تقریباً تین دن بعد سراج نے اپنے بھتیجے کو میرے پاس بھیجا اور حجرے پر بلایا۔ میں کلاشنکوف اٹھا کر سراج کے حجرے پر چلا گیا جہاں وہی پنجابی نوجوان آیا ہوا تھا اس دفعہ پہلی بار مجھے سراج کی زبانی معلوم ہوا کہ یہ فوجی کپتان ہے لیکن اس کا نام مجھے آج تک یاد نہیں۔ علیک سلیک کی تو مجھے سراج نے کہا کہ گھر جاؤ اور کالے کپڑے پہن کر واپس آؤ اور کلاشنکوف گھر چھوڑ دو۔ چنانچہ میں نے ایسا ہی کیا اور حجرے پر واپس آ گیا۔

سراج فقیر گل اور میں فوجی کپتان کی سوزوکی گاڑی میں بیٹھ کر براستہ چارسدہ پشاور روانہ ہو گئے۔ جب ہم ہاشم خان کے گاؤں پہنچے تو سراج نے فوجی کپتان سے کہا کہ رک جائیں...... وہ رک گیا...... سراج نے نیچے اتر کر سامنے دکان والے سے ہاشم خان کا پتہ کیا تو معلوم ہوا کہ وہ پشاور گیا ہوا ہے لہٰذا ہم پشاور کی طرف چل پڑے اور جی ٹی روڈ پشاور پہنچے جہاں حاجی کیمپ کی پشت پر ریل پٹڑی کے قریب جا کر رک گئے۔ یہ عشاء کا وقت تھا فوجی کپتان نے ہمیں اتارا اور خود اسلام آباد چلا گیا۔

سراج نے کہا کہ رات ہو چکی ہے لہٰذا ہم اس کے رشتہ دار کے ہاں قیام کریں گے۔ رات ہم نے سراج کے رشتہ دار کے ہاں گزاری...... صبح چائے وغیرہ پی کر واپس اسی جگہ پر آ گئے جہاں کپتان نے ہمیں اتارا تھا۔ یہاں پہنچتے ہی سراج نے اپنی جیب سے ایک چٹ نکالی اور فقیر گل کے حوالے کرتے ہوئے کہا کہ اسی چٹ پر اس شخص کا نام لکھا ہوا ہے جسے قتل کرنا مقصود ہے اور اس کا مدرسہ حاجی کیمپ کے بالکل ساتھ بتایا گیا ہے لہٰذا جائیں مدرسہ تلاش کریں اور اس شخص کو دیکھیں۔ ہم نے چٹ دیکھی تو اس پر علامہ عارف حسین الحسینی کا نام تحریر تھا۔

سراج ہمیں یہاں جاسوسی کے لئے چھوڑ کر "بشنگری" چوک روانہ ہو گیا جبکہ میں اور فقیر گل نشاندہی والے علاقہ میں داخل ہو گئے۔ ہم نے ارد گرد سے معلومات لیں آخر ظہر کے وقت مدرسہ کی تلاش میں کامیاب ہو گئے۔ مدرسہ چلے گئے جو زیر تعمیر تھا ہم اس کی مشرقی جانب ایک دفتر میں گئے جس کے اندر ایک داڑھی والا

شخص بیٹھا ہوا تھا ہم اس سے ملے تو بات چیت یوں شروع ہوئی۔

فقیر گل: یا علی مدد کیا تم ہمارے دین سے تعلق رکھتے ہو۔

جواب: بے رخی سے کہو کیا کہنا چاہتے ہو۔

فقیر گل: چٹ کی طرف دیکھتے ہوئے علامہ عارف حسین الحسینی صاحب کا یہی مدرسہ ہے؟

جواب: بالکل یہی ہے۔ کیا کام ہے؟

فقیر گل: میں شیعہ ہوں اور "بونیر" سے تعلق ہے یہ میرے ساتھ والا شخص (اشارہ کرتے ہوئے۔ سنی ہے اور مردان سے تعلق رکھتا ہے۔ میں علامہ صاحب سے ملنے کا خواہشمند ہوں۔ حالات سے آگاہ کرنا چاہتا ہوں۔

جواب: حالات مجھے بتا دیں۔

فقیر گل: میں "بونیر" میں واحد شیعہ ہوں میرے دادا پردادا وغیرہ پارا چنار کے شیعہ تھے وہ "بونیر" آباد ہوئے جہاں کل سنی آبادی ہے لوگ مجھے تنگ کرتے ہیں ایک دفعہ انہوں نے مجھے اتنا مارا کہ میرے دانت ٹوٹ گئے (یہاں فقیر گل نے دانت دکھائے) تنگ آ چکا ہوں دین بھی نہیں چھوڑنا چاہتا...... پارا چنار جانا چاہتا ہوں اور علامہ صاحب سے سفارش لینی ہے۔

جواب: علامہ صاحب تو موجود نہیں ہیں..... کھانا کھاؤ گے..... نماز پڑھو گے؟

فقیر گل: جی ہاں

جواب: آؤ چلیں۔

ہم اس شخص کے ساتھ مدرسہ کی دوسری منزل پر گئے فقیر گل اس کے ساتھ بیٹھ گیا اور اسی کی طرح وضو کرنے لگا۔ وضو سے فارغ ہوئے اور نماز پڑھنے لگے..... فقیر گل اس شخص کے ساتھ کھڑا ہو گیا اور شیعوں کی طرح نماز پڑھنے لگا اس نے اپنے آگے ایک ٹکیہ سجدہ گاہ بھی رکھی غالباً" یہ ٹکیہ سرخ مٹی کی تھی اور اس پر سجدے کرتے رہے۔ میں نے ہاتھ باندھ کر نماز ادا کی یہ لوگ نماز پڑھ کر بیٹھے تو ٹکیہ کو چومنے لگے فقیر گل بار بار اس ٹکیہ کو چومتا رہا اتنے میں مدرسہ کا باورچی ہمارے لئے کھانا لے

آیا ہم نے کھانا کھایا اور پھر اجازت لی۔

ہم مدرسہ سے نکلے تو تھوڑی دور جا کر ہنسنے لگے اور میں نے فقیر گل سے کہا تم تو ان سے بڑے شیعہ لگتے تھے...... باتیں کرتے کرتے ہم "بشننگری" چوک پر اسلحہ کی ایک دوکان پر پہنچے جہاں سراج ہمارا منتظر تھا۔ سراج سے ملے حالات سے آگاہ کیا تو وہ بے حد خوش ہوا اور فقیر گل کو شاباش دی۔ یہاں فقیر گل نے سراج کو بتایا کہ وہ جگہ کافی مشکل ہے گاڑی کے بغیر کام کرنا بے حد دشوار ہو گا سراج نے کہا کہ پنجابی آئے گا تو میں اسے صورتحال سے آگاہ کر دوں گا اور پھر ہم اپنے گاؤں چلے گئے۔

تقریباً تین دن بعد ہم سراج کے حجرے پر بیٹھے تھے کہ فوجی کپتان آ گیا علیک سلیک کی وہ سراج کا ہاتھ پکڑ کر اسے کھیتوں کی جانب لے گیا جبکہ اس کا ڈرائیور ہمارے ساتھ بیٹھا رہا جس نے اپنا نام محمد رمضان بتایا۔ تھوڑی دیر بعد فوجی کپتان اور سراج واپس آئے اور فوجی کپتان نے اجازت چاہی اور واپس چلا گیا۔ سراج ہمارے ساتھ بیٹھ گیا اور ہم نے سراج سے گاڑی کے بارے میں پوچھا تو اس نے کہا کہ کپتان نے آمادگی کا اظہار کر دیا ہے اور وہ دوسری دفعہ جب بھی آیا رقم ساتھ لائے گا یہاں سراج نے ہمیں یہ ہدایت بھی کی کہ کپتان سے بات کرنے کی کوشش نہ کریں اور پھر ہم سراج کی اس ہدایت پر آخر تک عمل کرتے رہے۔

دو چار روز بعد سراج نے مجھے حجرے پر بلایا میں پہنچا تو پنجابی کپتان پھر آیا ہوا تھا اور سراج کے ساتھ کھانا کھانے میں مصروف تھا۔ انہوں نے مجھے کھانے کی دعوت دی میں نے کہا میں ابھی کھا کہ آیا ہوں وہ کھانے سے فارغ ہوا تو پھر سراج کا ہاتھ تھام کر حجرے سے باہر نکل گیا۔ تھوڑی دیر بعد کپتان چلا گیا تو سراج نے ہمیں بتایا کہ کپتان کے پاس رقم تو تھی مگر وہ غیر ملکی ڈالر تھے اس لئے اس نے لینے سے انکار کر دیا۔ البتہ کپتان نے وعدہ کر لیا ہے کہ وہ انہیں تبدیل کرا کے پاکستانی کرنسی لائے گا۔

کپتان کے وعدے کے پیش نظر سراج نے کہا کہ کل ہم "رجڑ بازار" چلیں گے صبح ہوئی تو ہم رجڑ بازار چلے گئے جہاں سراج اپنے دوست شیر گل جو تیل کی دکان پر بیٹھا تھا سے ملا اور انہیں مقصد سے آگاہ کیا کہ ایک موٹر کار خریدنا ہے لہذا تم ہمارے

ساتھ چلو اس نے اپنی مصروفیات کا اظہار کیا آخر دوسرے روز وہ ہمارے ساتھ روانہ ہوا یوں سراج شیر گل اور میں بس پر سوار ہو کر پشاور پہنچے جہاں سے ویگن کے ذریعہ "تہکال پایان" (حیات آباد) روانہ ہو گئے جہاں ہم نے بارگین سنٹرز پر گاڑیاں دیکھنا شروع کر دیں۔ آخر ایک گاڑی پسند کی اور کپتان سے رقم لینے کے بعد اسے خرید لیا غالباً" اس کی قیمت انتیس ہزار طے پائی تھی اور کپتان نے سراج کو پچاس ہزار روپے دیئے تھے۔

گاڑی خریدنے کے بعد سراج نے ہمیں کہا کہ کل وہ "گندھاب" جائیں گے جہاں سے اسے کلاشنکوف خریدنا ہے۔ دوسرے روز ہم تینوں افراد گاڑی کے ذریعہ گندھاب روانہ ہو گئے ہم نے گندھاب بازار سے پندرہ ہزار تین سو روپے میں ایک کلاشنکوف خریدی اور اس کے ساتھ تین میگزین اور نوے کارتوس بھی لئے یہ سب کچھ خریدنے کے بعد واپس گاؤں آ گئے جہاں ہمیں فقیر گل بھی ملا ہم نے رات گذاری اور پھر پشاور جا کر اپنے کام کی تکمیل کا ارادہ کیا۔

اگلی صبح ہم براستہ نوشہرہ پشاور پہنچے اور مدرسہ کے سامنے گاڑی کھڑی کی جہاں فقیر گل کو اتار دیا کہ وہ مولانا کی جاسوسی کرے۔ تھوڑی دیر بعد فقیر گل واپس آیا تو اس نے سراج کو ایک چٹ دی جو غالباً" مولانا صاحب نے لکھ کر دی تھی۔ پھر ہم کوہاٹ روڈ پر واقع ایک پٹرول پمپ پر چلے گئے کچھ مشورے کئے۔ سراج چاہتا تھا کہ ہم مولانا عارف حسین کو آج ہی قتل کریں مگر صلاح ٹھہری کہ ان لوگوں کے پاس بھی اسلحہ ہے لہذا کوئی اور ترکیب سوچیں ہم سراج کے ایک دوست کے گاؤں چلے گئے جہاں رات گذاری اور یہاں پہنچ کر ہم نے دو دو رکعت نماز ادا کرنے کے بعد قرآن مجید پر ہاتھ رکھ کر تہیہ کیا کہ مولانا کو قتل بھی ضرور کریں گے اور راز بھی فاش نہیں ہونے دیں گے۔

یہاں سراج نے اسلحہ ہمارے حوالے کرتے ہوئے کہا کہ "میں گھر جا رہا ہوں تم لوگ جا کر مولانا کے قتل کی کوشش کرو"۔ سراج چلا گیا۔ ہم نے ایک موقع پر یہ صلاح بھی کی مولانا صاحب کو قتل نہیں کرتے گاڑی اور کلاشنکوف فروخت کر دیتے ہیں مگر

سراج کے خوف سے یہ ارادہ جلد ہی ترک کر دیا۔

ہم نے پشاور میں چکر لگائے مگر مولانا صاحب کے پاس نہ پہنچ سکے۔ پھر دو دن تک گاؤں نہ گئے دو روز بعد سراج سے ملاقات ہوئی تو اسے حالات سے آگاہ کیا سراج کافی غصے ہوا کہ تم لوگ کام نہیں کرتے شاید سراج کو فقیر گل نے اس بات سے بھی آگاہ کر دیا تھا کہ بدرے موٹر اور کلاشنکوف فروخت کرنے کا بھی ارادہ رکھتا ہے تو سراج نے مجھے اچھی نظروں سے نہ دیکھا۔ پھر ایک مرتبہ گاؤں کی طرف جا رہے تھے کہ "نستہ" گاؤں کے قریب میں نے گاڑی سے اترنے کو کہا اور وجہ یہ بتائی کہ ادھر میرا ماموں سخت بیمار ہے لہٰذا اس کی عیادت کرنا چاہتا ہوں۔ میں گاڑی سے اترنے لگا تو فقیر گل نے میرے ہاتھوں سے کلاشنکوف چھین لی پھر سراج نے بھی کہا ہم تمہیں کلاشنکوف نہیں دینا چاہتے نہ میں دوسروں پر کلاشنکوف کا اظہار کرنا چاہتا ہوں حالانکہ اگر وہ مجھے کلاشنکوف دے دیتے تو میرا ارادہ یہیں سراج کو قتل کرنے کا تھا جو ادھورا رہ گیا۔

میں گاڑی سے اتر کر سیدھا گاؤں گیا ماموں سے علیک سلیک کی اور پھر اپنے گاؤں آگیا جہاں حجرے پر مجھے سراج ملا جو مجھے پکڑ کر گھر لے گیا اور مجھے راضی کر لیا کیونکہ اسے میری ناراضگی کا احساس تھا۔ یہاں اس نے مجھے اپنا 30 بور پستول بھی دیا جسے میں نے لینے سے انکار کر دیا کہ میں اسے جانتا نہیں ہوں پھر سراج حجرے میں آیا تو غصے میں ہم سے کہنے لگا کہ تم لوگ بچے ثابت ہوئے ہو تم سے ایک معمولی مولوی ہی قتل نہیں ہو سکا لہٰذا کل سے میں ایک اور شخص کو تمہارے ساتھ لگاتا ہوں جو نوشہرہ کا رہنے والا ہے۔

دوسرے روز ہم موٹر کار میں سوار ہو کر نوشہرہ پہنچ گئے جہاں سراج ایک شخص سے ملا جو شکل و صورت سے غریب دکھائی دیتا تھا سراج نے علیحدگی میں اس سے کچھ باتیں کیں اس نے ہمیں شربت بھی پلایا اور ہمارے منصوبہ سے رضامند ہو گیا پھر وہ ہم سے آملا۔ یہ شخص جمیل اللہ ترکھان تھا ہمیں سراج نے جمیل اللہ سے ملاقات سے قبل ہدایت کی تھی کہ وہ اسے رقم کے بارے میں کچھ نہ بتائیں۔

سراج کے کہنے پر یہ شخص کپڑے تبدیل کر کے باہر نکلا تو اس کے ہاتھ میں پستول تھا جو اس نے اسی کام کے لئے اٹھایا تھا۔ ہم واپس سراج کے حجرے میں آئے..... چائے پی .... جمیل اللہ نے مٹی کے تیل سے اپنا پستول صاف کیا اور ہم نوشہرہ قاضی جہانزیب کے حجرے پر چلے گئے۔ جہاں رات گذاری صبح قاضی جہانزیب نے سراج کو تیرہ کارتوس دیئے جن میں سے تین شیر گل کے لئے اور دس جمیل اللہ کو ملے۔

ہم پشاور پہنچے مدرسہ کے سامنے گاڑی کھڑی کی' فقیر گل اور جمیل اللہ مدرسہ میں پھر جاسوسی کے لئے چلے گئے۔ واپس آئے تو معلوم ہوا کہ مولانا صاحب مدرسہ میں موجود نہیں ہے۔ یہ جان کر ہم کوہاٹ روڈ پر واقع پٹرول پمپ پر چلے گئے جہاں چائے پی اور پھر علیحدگی میں مشورہ کیا کہ اسی روڈ پر واقع ایک فلور ملز کا ملازم روزانہ لاکھوں روپے لے جاتا ہے اسے لوٹ لیں گے مگر تمام لوگوں نے اختلاف کیا اور جمیل اللہ سے کہا کہ چونکہ ہمارا شکار موجود نہیں ہے لہٰذا اسے گھر چھوڑ دیا جائے ہم نے اسے سوری پل پر اتار دیا اور پھر صبح ملنے کو کہا۔

دوسری صبح ہم اسی پل پر پہنچے تو جمیل اللہ منتظر تھا ہم نے اسے گاڑی میں بٹھایا اور پشاور روانہ ہو پڑے۔ راستے میں جمیل اللہ نے مجھ سے فلور ملز والی ڈکیتی کا بھی پوچھا تو میں نے کہا ناکام ہو گئے۔ ہم پشاور گئے وہاں مولانا کا پتہ کیا تو معلوم ہوا کہ وہ ابھی تک واپس نہیں آئے۔ ہم چار افراد شیر گل' جمیل اللہ' فقیر گل اور میں چارسدہ روڈ کی طرف روانہ ہو گئے۔ "ڈبگری" بازار سے گذر رہے تھے کہ ایک عورت نے ہمیں اشارہ کیا کہ میں نے شیر گل کو اشارہ سمجھایا شیر گل نے موٹر روکی اور عورت کے پاس آ گئے۔ اس عورت کا مکان دو منزلہ تھا میں نیچے والے کمرے میں بیٹھ گیا جبکہ شیر گل اوپر اس عورت کے پاس چلا گیا۔ یہاں سے ہم واپس چارسدہ روڈ پر آئے جہاں فقیر گل اور جمیل اللہ ایک ہوٹل پر ہمارا انتظار کر رہے تھے۔ ہم نے فقیر گل اور جمیل اللہ کو گاڑی میں بٹھایا اور پھر پشاور آ گئے اور سیدھا مدرسہ کا رخ کیا۔ ایک بار پھر فقیر گل مدرسہ چلا گیا جاسوسی کی مگر مولانا صاحب نہ ملے پتا چلا کہ وہ کل آ رہے ہیں پھر ہم چلے گئے رات وہاں بسر کی اور صبح پشاور آ گئے۔

پشاور مدرسہ میں پہنچے فقیر گل نے معلومات حاصل کیں مگر مولانا صاحب موجود نہ تھے تو میں نے انہیں کہا کہ قریب ایک گاؤں میں میری بہن بیمار ہے لہٰذا اس کی عیادت کو چلتے ہیں ہم بذریعہ موٹر کار "خوش مقام" گاؤں چلے گئے میں نے بہن کی عیادت کی مگر رات کو حالات مناسب نہ ہونے کی وجہ سے قریبی گاؤں چلے گئے جہاں رات بسر کی۔ صبح ہوئی ناشتہ کیا اور "شبقدر روانہ ہوئے وہاں بازار میں بیٹھے ہی تھے کہ سراج پنجابی ڈرائیور کے ساتھ آ دھمکا۔ بات چیت کی اور غصے بھی ہوا کہ تم لوگ ٹال مٹول کر رہے ہو اور کپتان غصے میں ہے لہٰذا کام جلدی کرو چکر وغیرہ ختم کرو۔

سراج چلا گیا ہم گاڑی پر چارسدہ روڈ پشاور آئے شیر گل نے موٹر کی بیٹری ٹھیک کرائی اسی اثناء میں سراج بھی پہنچ گیا جس کے ساتھ ہم گاؤں "اوریزئی" چلے گئے۔ رات وہاں بسر کی..... صبح ہوئی تو "ترلاندی" روانہ ہوئے..... وہاں چائے پی اور نوشہرہ چلے آئے۔ قاضی جہانزیب کے ہاں ٹھہرے اور صبح پشاور روانہ ہو گئے البتہ سراج وہیں رہ گیا اور گاؤں "جھگڑا" ملنے کا وعدہ کیا۔

ہم اپنی مقررہ جگہ پر ایک دفعہ پھر پہنچے، گاڑی کھڑی کی فقیر گل اور جمیل اللہ کو مدرسہ بھیجا، تقریباً آدھ گھنٹہ بعد یہ دونوں واپس آئے تو فقیر گل نے بتایا کہ مولوی صاحب آ گیا ہے اور وہ ابھی ابھی آیا ہے ایسا نہ ہو کہ کل پھر چلا جائے چلو سراج کے ساتھ منصوبہ بندی کرتے ہیں۔ ہم فیصلہ کے مطابق جھگڑہ (ملاگو) پہنچے تو سراج کو فقیر گل نے مولوی کا لکھا ہوا چٹ دکھایا تو سراج برہم ہو گیا کہ قتل کیوں نہیں کیا تو فقیر گل نے جواب دیا موقع مناسب نہیں تھا پھر ہم نے رات کو منصوبہ بندی کی کہ صبح اذان کے وقت مدرسہ میں مولوی صاحب کو قتل کریں گے سراج نے یہاں یہ عذر پیش کیا کہ وہ ساتھ نہیں جائے گا مگر ہمارے بھرپور اصرار پر وہ راضی ہو گیا۔

صبح اذان کا وقت تھا سراج نے ہمیں جگایا ہم نے ہاتھ منہ دھویا اور گاڑی میں بیٹھ کر مدرسہ کی جانب چل دیئے۔ ہم اپنے مقررہ مقام پر پہنچے شیر گل نے گاڑی کا منہ مغرب کی طرف کر دیا اور ہمیں نیچے اترنے کا اشارہ کیا۔ جمیل اللہ اور میں موٹر سے نیچے اترے جمیل اللہ کے پاس 32 بور پستول جبکہ میرے پاس 30 بور تھا۔

ہم دونوں مدرسہ کی جانب بڑھے دل میں خوف تھا کہ کوئی روک نہ لے مگر بغیر کسی رکاوٹ کے مولوی صاحب کے کمرے کے قریب پہنچ گئے۔ جمیل اللہ نے روشنی والے کمرے میں جھانکا تو مولوی صاحب موجود نہ تھے ہم ابھی کشمکش میں کھڑے تھے کہ قریبی سیڑھیوں سے مولوی صاحب اترتے دکھائی دیئے۔ میں نے جمیل اللہ کو اشارہ کیا اور جمیل اللہ نے فائر کر دیا۔ جس کے بعد ہم دوڑ پڑے۔ میں آگے تھا جبکہ جمیل اللہ لڑکھڑا رہا تھا جسے شیر گل اور سراج نے آگے آکر تھاما اور گاڑی میں ڈال دیا۔

شیر گل نے گاڑی تیزی سے چلائی اور ہم نے مدرسہ سے فائرنگ کی آواز بھی سنی مگر ہم آگے نکل گئے۔ راستہ میں شیر گل گاڑی غلط چلا رہا تھا تو سراج نے اسے حوصلہ دیا کہ بے فکر رہو ہم لاوارث نہیں ہیں اس قتل کے پیچھے بڑے بڑے ہاتھ ہیں۔ راستے میں شیر گل نے گاڑی کی نمبر پلیٹ سے کاغذ بھی اتارا اور ہم سراج کے سسرال "ہری چند" پہنچ گئے۔

ہری چند پہنچ کر سراج نے جمیل اللہ سے پستول لیا اور صاف کرنے کے لئے رکھ دیا پھر ہم نے چائے پی' کھانا کھایا مگر جمیل اللہ کی طبیعت ناساز ہونے لگی ہم نے فیصلہ کیا کہ ہم "دیر" چلتے ہیں اور جمیل اللہ کو یہاں سے گھر بھیج دیتے ہیں گویا ہم نے ایسا ہی کیا سراج نے جمیل اللہ کو ایک سو روپیہ دیا ہم نے یہاں مولوی صاحب کے قتل کی خبر بھی ریڈیو پر سن لی اور پھر "دیر" چلے گئے۔

دیر سے پہلے ایک گاؤں کے قریب پہنچے تو سراج نے بتایا کہ یہاں ان کا ایک دوست رہتا ہے لہٰذا ہم اس کے پاس چلے گئے جہاں چار پانچ راتیں بسر کیں پھر سراج نے کہا کہ واپس چلتے ہیں اب تو مولوی دفن بھی ہو چکا ہو گا کچھ رقم کا بندوبست کر لیتے ہیں ہم گاڑی پر واپس آرہے تھے کہ ایک مقام پر سراج نے فقیر گل سے کہا کہ نیچے اترو اور اپنی داڑھی صاف کراؤ چنانچہ فقیر گل نے ایسا ہی کیا۔

راستے میں ایک جگہ سراج نے فقیر گل اور مجھے گاڑی سے اتارتے ہوئے کہا کہ تم دونوں نوشہرہ پہنچو جبکہ وہ اپنے سسر کے گھر گاڑی چھوڑ کر آرہا ہے چنانچہ فقیر گل اور میں بذریعہ بس نوشہرہ روانہ ہوئے جب ہم نے کپتان کے ڈرائیور رمضان کو دیکھ لیا

ہم نے بس رکوائی اور نیچے اتر آئے۔ چند قدم چل کر رمضان کے پاس پہنچے اور اس سے یہاں آنے کی وجہ پوچھی تو اس نے کہا کہ کپتان نے سراج کو بلایا ہے۔ ہم اسے نوشہرہ قاضی جہانزیب کے مکان پر لے گئے اور سراج کی آمد سے آگاہ کیا۔

تھوڑی دیر بعد سراج بھی آگیا رمضان ڈرائیور نے کپتان کا پیغام پہنچایا جس کے بعد ہم بذریعہ تانگہ نوشہرہ کے جی ٹی ایس اڈہ پر پہنچے اور یہاں سے اسلام آباد روانہ ہو گئے۔ رمضان ہمیں ایک ہوٹل میں بٹھا کر خود کپتان کو بلانے چلا گیا۔ تقریباً گھنٹہ بعد کپتان اپنی گاڑی میں آگیا اس نے ہمیں ہوٹل کے باہر آنے کا اشارہ کیا ہم باہر نکلے کپتان نے خوشگوار موڈ میں علیک سلیک کی اور گاڑی میں بٹھا کر فلائنگ کوچ کے اڈے پر لے آیا۔ راستے میں اس نے سراج کو بڑی داد دی اور ایک جگہ غالباً" ٹرنک بازار راولپنڈی تھا وہیں ایک مکان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ دوسرا مولوی یہاں رہتا ہے جسے قتل کرنا ہے۔ سراج نے کپتان کے ساتھ وعدہ کیا کہ تعمیل ہو گی پھر کپتان نے بتایا کہ ابھی غیر ملکی رقم تبدیل نہیں ہوئی لہٰذا چند روز بعد وہ خود نوشہرہ پل پر لے آئے گا۔ کپتان نے ہمیں فلائنگ کوچ پر بٹھایا اور ہم پشاور روانہ ہو گئے۔

جب ہم نوشہرہ پہنچے تو میں اور سراج اتر گئے جبکہ شیر گل اور فقیر گل پشاور چلے گئے۔ ہم سیدھے قاضی جہانزیب کے گھر گئے رات وہاں گذاری' صبح ناشتہ کیا سراج اپنے سسرال ہری چند چلا گیا جبکہ میں اپنے گاؤں آگیا۔ میں نے گھر پہنچتے ہی اپنی بیوی سے تھکاوٹ کا اظہار کیا اور اسے کپڑے لانے کو کہا جونہی بیوی کے سامنے میں نے آرام کرنے کا اظہار کیا اور اسے کپڑے لانے کو کہا تو وہ چیخ اٹھی کہ تم کپڑے بدلتے ہو اور آرام کرنے کے چکر میں ہو جبکہ سارا گاؤں کہہ رہا ہے کہ بدرے نے پشاور کے ایک بہت بڑے مولوی کو قتل کر دیا ہے اور لاکھوں روپے انعام لیا ہے۔

میں نے اپنی بیوی کے یہ جملے سنے' اسے چپ کرایا اور جلدی سے گھر سے نکلنے کا تہیہ کر لیا کہ اب تو گھر میں بھی آرام نہیں ملے گا اور پولیس بھی آ جائے گی۔ میں اپنی جان بچانے کے لئے گھر سے کپڑے بدلے بغیر اڈہ پر آیا جونہی ویگن سٹینڈ پر پہنچا وہاں ایک واقف ڈرائیور نے آہستہ سے کہا کہ بدرے سنا ہے کہ پشاور کے مولوی سے

قتل میں تمہیں لاکھوں روپے انعام ملا ہے لہٰذا مجھے تین لاکھ دے دو تاکہ میں ویگن خرید سکوں۔

ڈرائیور کی یہ بات سن کر میرے پاؤں تلے زمین نکل گئی کہ یہ بات تو ہر کوچہ و بازار میں پھیلی ہوئی ہے میں نے منہ لپیٹا اور ویگن میں بیٹھ گیا۔اسی ویگن کے ذریعہ نوشہرہ اترا پھر پشاور چلا گیا۔ وہاں سے ویگن کے ذریعہ ڈیرہ "شبقدر" روانہ ہوا اور یہاں سے گندھاب چلا گیا۔ وہاں کچھ دن گذارے پھر نوشہرہ بذریعہ ٹیکسی پہنچا جہاں سراج قاضی جہانزیب کے گھر کے قریب ایک دکان پر بیٹھا ہوا تھا جبکہ شیر گل اور فقیر گل سڑک پر ٹہل رہے تھے۔ میں بھی ان کے ساتھ مل گیا اور کپتان کی آمد کا انتظار کرنے لگا۔

شام کا وقت تھا کہ کپتان کی سوزوکی کار آتی ہوئی دکھائی دی ہم خوش ہو گئے وہ ہمارے قریب رکا علیک سلیک کی۔ ہم اسی روڈ پر تھوڑی دور گئے کپتان اپنی گاڑی سے اترا اور اپنے ڈرائیور کو موٹر کا بونٹ کھولنے اور جیک لگانے کو کہا۔ اس نے ایسا ہی کیا پھر سڑک کے ایک کنارے کپتان نے خاکی لفافہ سے رقم نکالی ار ہر ایک کو ایک لاکھ بارہ ہزار پانچ سو روپے دیئے یہ کل رقم ساڑھے چار لاکھ تھی جبکہ کپتان نے سراج سے کہا کہ وہ پچاس ہزار جو گاڑی کے لئے دیا تھا وہ تمہارا انعام ہے۔ یہ کہہ کر کپتان چلا گیا اور سراج نے ہم سے جمیل اللہ کا حصہ ساڑھے سات ہزار فی کس وصول کئے اور ساتھ یہ بھی کہا کہ اصل کام تو اس نے کیا ہے ہم نے جمیل اللہ کا حصہ دے دیا۔

ہم گاڑی کے ذریعہ چارسدہ پہنچے فقیر گل یہیں اتر گیا جبکہ شیر گل اور سراج کو میں نے "عمرزئی بازار" اتار دیا اور میں سیدھا واپس گندھاب چلا گیا۔ گندھاب پہنچنے کے بعد میں نے چونتیس ہزار روپے میں ٹیکسی کار خریدی تاکہ ماہانہ آمد و رفت کا سلسلہ چل نکلے۔ میں نے سوچ لیا تھا کہ اب واپس علاقہ نہیں جاؤں گا۔ ایک روز فقیر گل میرے پاس آیا اور کہنے لگا کہ مولوی کے قتل کے بعد پورے ملک میں کھلبلی مچی ہوئی ہے اور پولیس ہر آئے دن چھاپے مار رہی ہے لہٰذا اپنی جان بچاؤ پھر مجھے پناہ دینے والے شخص نے بھی کہا کہ یہاں سے ڈیرہ بدلو ہم پر حکومت دباؤ ڈال رہی ہے۔ یہ

سارے حالات سن کر میں مایوس ہوا اور "سلطان خیل" چلا گیا جہاں ایک مفرور کے گھر ٹھہرا اسی دوران میں نے اپنی ٹیکسی کار بیچ دی اور شراب کی دکان کھول لی۔

ایک روز یہاں بیٹھا ہوا تھا کہ پیجارو جیپ میں ایک موٹا سا شخص آیا اور اسی حجرے میں بیٹھ گیا اس نے میری طرف گھور کر دیکھا اور پوچھا تم بدرے تو نہیں میں نے ہاں میں جواب دیا تو اس نے بتایا کہ پولیس تمہارے پیچھے ہے لہٰذا مسلم لیگ کی حکومت آنے تک اپنی جان بچاؤ۔ جب ہماری حکومت آئی تو ہم معاملات ٹھیک کر دیں گے اس کی باتیں سن کر مجھے اندازہ ہو گیا تھا کہ پولیس کس قدر کام کر رہی ہے۔

ایک دن میں حجرے میں بیٹھا ہوا تھا کہ ایک بڑی پیجارو میں چند لوگ آئے جن میں طاہر نامی شخص بھی تھا اس نے مجھے علیحدگی میں بلا کر کہا کہ اس کا بھائی طاہر زمان کچھ دن قبل لاہور میں نواز شریف کے گھر فضل حق سے مل کر آیا ہے اور فضل حق صاحب کا یہ پیغام بھی ساتھ لایا ہے کہ بدرے سے کہو وہ اپنی جان بچائے اور کسی صورت میں اپنے آپ کو پولیس کے حوالے نہ کرے۔ نیز فضل حق کی جانب سے تمہیں دس روز بعد پچاس ہزار روپیہ بھی مل جائے گا اور ماہانہ آٹھ ہزار روپے گھر کا خرچہ بھی ملتا رہے گا۔ یہ بات سن کر مجھے کچھ سکون ملا مگر ان لوگوں کے چلے جانے کے بعد ایک روز ملک زرین میرے پاس آیا اور مجھے مشورہ دیا کہ اپنے آپ کو پولیس کے حوالے کر دو مجھے اس کی باتیں اچھی لگیں اور یوں میں نے اپنے آپ کو پولیس کے حوالے کر دیا۔

۱۵۔ فضل حق کی رہائی

جب ایس۔ایم ظفر کی فضل حق کی حمایت میں سپریم کورٹ اسلام آباد میں پذیرائی نہ ہوئی تو وہ لاہور پہنچے جہاں سپریم کورٹ لاہور بنچ میں درخواست ضمانت دائر کر دی۔ تحریک کے قائدین کو ان کی اس کوشش کی اطلاع مل گئی۔ چنانچہ انہوں نے اپنے وکلاء کو ۲۳ جولائی کو سپریم کورٹ میں پیش ہونے کی ہدایات جاری کر دیں۔

ادھر ایس ایم ظفر نے ۲۳ جولائی کو ہائیکورٹ پشاور کے فیصلے کے خلاف رٹ دائر کر دی جس کی بحث ۲۴ جولائی کو قرار پائی۔ اس سلسلہ میں امجد کاظمی اور جسٹس شوکت علی آپس میں کیس پر گفتگو کر رہے تھے تو اچانک وہاں پر پڑے ہوئے ٹیلی فون پر نحیف سی گھنٹی بجی' ریسیور اٹھایا تو لاہور سے ایس۔ایم ظفر کے جونیئر وکیل اعجاز اور پشاور سے فضل حق کے وکیل کیس کی موجودہ صورتحال پر بحث کر رہے تھے۔ اس طرح انہوں نے ٹیلی فون پر مخالف وکلاء کی گفتگو سنی اور جسٹس شوکت کو بھی سنائی وہ حیران رہ گئے کہ یہ ٹیلی فون کیسے آپس میں مل گئے۔ امجد کاظمی نے اسے شہید کے خون کا ایک معجزہ قرار دیا۔

۲۴ جولائی کو سپریم کورٹ کے دو جسٹس صاحبان جسٹس شفیع الرحمان اور جسٹس سعد مسعود جان کی عدالت میں ایس ایم ظفر اور وکیل استغاثہ جسٹس (ریٹائرڈ) شوکت علی اپنے احباب کے ساتھ پیش ہوئے۔ آغاز ایس۔ایم ظفر نے کیا اور اپنے موکل کی درخواست ضمانت قبول کرنے کی اپیل کی۔ مگر عدالت نے یہ کہتے ہوئے ملزم گرفتار ہو چکا ہے لہٰذا ضمانت بعد از گرفتاری اور قانون کے ضابطے پورے کرنے کے لئے ضروری ہے کہ سپریم کورٹ کی بجائے درخواست پشاور سیشن کورٹ میں دائر کی جائے اور اسے مرحلہ وار آگے بڑھایا جائے۔ ایس۔ایم ظفر نے یہاں چوہدری ظہور الٰہی کیس کا حوالہ دیتے ہوئے کہا کہ ان کی درخواست ضمانت قبل از گرفتاری سیشن کورٹ نے مسترد کی تھی اور وہ دوڑ کر ہائیکورٹ پہنچے تھے جہاں ان کی درخواست قبول کی گئی تھی۔ عدالت نے جواب دیا کہ وہ گرفتار نہیں ہوئے تھے جبکہ آپ کا موکل گرفتار ہو چکا ہے لہٰذا قبل از گرفتاری اور بعد از گرفتاری کے ضابطے مختلف ہیں پھر ایس ایم ظفر نے عدالت

سے ذاتی اپیل کی کہ یہ ان کی عزت کا مسئلہ ہے تو عدالت نے کہا کہ ایسا کرنے سے قانون کے ضابطے بدلنے پڑیں گے تو ایس ایم ظفر نے برجستہ کہا کہ

LET US CHANGE THE HISTORY OF

CRIMINAL LAWS IN PAKISTAN

۲۴ جولائی کے اخبارات میں یہ خبر شائع ہو چکی تھی کہ فضل حق کے وکلاء نے ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کی عدالت میں درخواست ضمانت دائر کر دی ہے یہ خبر پڑھتے ہی عدالت نے ایس ایم ظفر کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ "پشاور کے وکلاء نے صحیح ضابطہ اختیار کیا لہذا آپ کی درخواست ضمانت مسترد کی جاتی ہے"۔

قانون کے ضابطوں کے مطابق سیشن کورٹ نے سماعت کی۔اس بار فضل حق کی جانب سے ایس ایم ظفر پیش نہ ہو سکے بعض اطلاعات کے مطابق ان کے درمیان کچھ اختلافات پیدا ہو گئے تھے کیونکہ وہ تمام تر کوششوں کے باوجود ملزم کو ضمانت پر رہا نہ کروا سکے تھے جبکہ انہوں نے فضل حق کو سو فیصد کامیابی کا یقین دلایا تھا مگر اب فضل حق باقاعدہ قانون کی گرفت میں تھا اس بار ملزم کی طرف سے پشاور کے ممتاز قانون دان سردار عالم خان اور ظہور الحق بیرسٹر جبکہ وکیل استغاثہ جسٹس ریٹائرڈ جہانزیب رحیم پیش ہوئے۔

یہاں سردار عالم خان نے اپنے موکل کی شخصیت کو زیر بحث لایا کہ ان کا موکل سابق جرنیل، سابق وزیراعلیٰ اور سابق گورنر ہے اس کی خدمات ناقابل فراموش ہیں لہذا اس کی عزت کا تقاضا ہے کہ اسے ضمانت پر رہا کیا جائے۔ اس کے برعکس وکیل استغاثہ نے قرآن مجید کی سورہ آل عمران کی آیت ۲۶ کہ "تو جسے چاہے عزت دے" کا حوالہ دیتے ہوئے اپنی گفتگو کا آغاز کیا اور اپنے مقتول کی شخصیت کے بارے میں کہا کہ علامہ سید عارف حسین الحسینی ملزم سے بہت بلند و بالا شخصیت کے مالک تھے وہ خدا کے برگزیدہ انسان، صالح اور شہید ہیں اور قرآن مجید کی رو سے تمام عزت صالح اور شہداء کے لئے ہے۔ حکمران جس قدر محترم و معزز ہوتے ہیں ان پر اپنی رعایا کی ذمہ داری بھی اتنی ہی زیادہ عائد ہوتی ہے مگر یہاں صورتحال مختلف ہے کہ ملزم وزیرعلیٰ کے

منصب پر فائز ہوتے ہوئے اپنے شہر کی معزز ترین شخصیت کی حفاظت کرنے کی بجائے اس کے قتل میں ہمکار ہوا ہے جو ایک ظلم ہے"۔ وکیل استغاثہ کے اس بیان کو اخبارات نے کافی پذیرائی دی۔ گویا سیشن کورٹ سے بھی ملزم کی درخواست ضمانت مسترد ہوئی تو اس کے وکلاء نے پھر ہائیکورٹ میں اپیل دائر کر دی۔

ہائیکورٹ میں سماعت کے وقت ملزم کی جانب سے ملتان کے نامور قانون دان شیخ اکرم اور دیگر چند مقامی وکلاء پیش ہوئے جبکہ استغاثہ کی طرف سے بدستور جسٹس ریٹائرڈ شوکت علی اور سرکاری طور پر ڈپٹی اٹارنی جنرل آصف جان رہے۔ ملزم کے وکیل نے بڑی دقیق انگریزی میں گفتگو کی اور درجن بھر اشعار پڑھے مگر ان کا کوئی نقطہ یا دلیل عدالت کو متوجہ نہ کر سکی بلکہ ہر بار عدالت نے اسے سوالات میں الجھایا جبکہ جسٹس ریٹائرڈ شوکت علی کے دلائل بدستور مضبوط رہے البتہ آصف جان نے اس مرتبہ فضل حق کی کارکردگی کا چارٹ پیش کیا جس میں اس کے نارکوٹکس کے دھندے میں ملوث ہونے کے حقائق نمایاں تھے۔ لہٰذا کافی سوچ بچار کے بعد ایک مرتبہ پھر فضل حق کی درخواست ضمانت مسترد کر دی گئی اور آخر کار ملزم کے وکلاء نے ضمانت کے لئے سپریم کورٹ کے دروازے پر دستک دی۔

یہاں اس امر کا اظہار بھی ضروری ہے کہ فضل حق کی گرفتاری کے روز سے ہی اس کے خاندان نے اپنی دولت کی تجوریوں کے منہ کھول دیئے اور اسی کے بل بوتے پر کبھی شیعہ مخالف تنظیموں کو ابھارا اور کبھی بکاؤ مولویوں سے حمایتی بیان دلوائے۔ کبھی نامور وکلاء کو خریدنے کی کوشش کی اور کبھی مخالف وکلاء کو دھمکایا اگر کوئی نامور قانون دان ان کا مقدمہ لینے سے معذرت کرتا تو یہ اس کے ساتھ طے کرتے کہ وہ مخالف گروپ کا مقدمہ لینے سے بھی انکاری رہے جس کا واضح ثبوت یہاں سے ملتا ہے کہ سابق حکومت پنجاب جو فضل حق کی کٹر حامی تھی نے وکیل استغاثہ جسٹس ریٹائرڈ شوکت علی کو ایک خط بھیجا کہ حکومت پنجاب مال روڈ لاہور پر واقع ان کے گھر کو قبضہ میں لینا چاہتی ہے۔ ساتھ عذر یہ پیش کیا کہ بیش بہا قیمتی زمین انہیں ایک فلاحی ادارے کے لئے درکار ہے۔ آخر کار جسٹس ریٹائرڈ شوکت علی کی یہ پریشانی سابق وزیر سردار

نصراللہ دریشک کی مداخلت اور سفارش پر رفع ہوئی۔ چند ایک ایسی وجوہات اور بھی تھیں جس کی بناء پر سپریم کورٹ کے لئے تحریک نفاذ فقہ جعفریہ پاکستان کو اپنا وکیل تبدیل کرنا پڑا۔

چنانچہ کافی سوچ بچار اور صلاح مشورہ کے بعد طے پایا کہ جسٹس ریٹائرڈ دراب پٹیل سے رابطہ کیا جائے۔ دراب پٹیل صاحب ایک صاف گو انسان ہونے کے ناطے کافی معروف تھے اور وہ سپریم کورٹ کے ریٹائرڈ جسٹس ہونے کے علاوہ ان چار ججوں میں سے ایک تھے جنھوں نے ذوالفقار علی بھٹو کو سزائے موت دینے کی مخالفت کی تھی۔ لہٰذا اس وجہ سے وہ پیپلزپارٹی کے منظور نظر تھے اور محترمہ بے نظیر بھٹو بھی اپنی وزارت عظمٰی کے دوران ان سے قانونی مشورے لیا کرتی تھیں۔ تحریک والوں کا ان سے رابطہ ہوا' انہوں نے مقدمہ کا بغور جائزہ لیا تو کہنے لگے اس مقدمہ کے لئے جسٹس (ریٹائرڈ) رستم سدھو صاحب ہی مناسب رہیں گے۔ جسٹس سدھو صاحب تین دن قبل ہائیکورٹ سے ریٹائر ہوئے تھے مگر تاحال وہ اپنے چند فیصلوں کو نمٹانے میں مصروف تھے۔ دراب پٹیل صاحب نے یہ بھی عندیہ دیا کہ انہوں نے بے نظیر بھٹو صاحبہ سے اپیل کی ہے کہ جسٹس ریٹائرڈ سدھو کو سپریم کورٹ کا جج نامزد کر دیں اگر ایسا ہو گیا تو پھر اس مقدمہ کے لئے جسٹس ریٹائرڈ ہمدانی صاحب ہی موزوں رہیں گے۔ آخر کافی کوششوں کے بعد ۴ اکتوبر ۱۹۸۹ء کو جسٹس ریٹائرڈ ہمدانی ہی کو وکیل استغاثہ مقرر کیا گیا اور وہ ۵ اکتوبر کو سپریم کورٹ میں پیش ہوئے اور ان کے ساتھ علی حضور نجفی ایڈووکیٹ اور جہانزیب رحیم معاون تھے جبکہ ملزم کی طرف سے پھر ایس۔ایم ظفر سپریم کورٹ میں دیکھے گئے۔ مصدقہ اطلاعات کے مطابق ان کی پھر ہم آہنگی ہو چکی تھی اس لئے ایس۔ایم ظفر کافی مطمئن اور پر اعتماد تھے۔

عدالت کے پہلے روز ۵ اکتوبر ۱۹۸۹ء سے ۷ اکتوبر ۱۹۸۹ء ۱۲ بجے تک ایس۔ایم ظفر نے دلائل دیئے انہوں نے طویل بحث کی جبکہ آخری روز ہمدانی صاحب نے بھی دلائل دیئے البتہ تحریک کے افراد ان کی بحث سے غیر مطمئن رہے۔ عدالت برخاست ہوئی اور اس نے اپنا فیصلہ محفوظ رکھا۔

اس مرتبہ عدالت کا ماحول سابقہ عدالتوں کے ماحول سے یکسر تبدیل تھا۔ عدالت کا ہال افراد سے کھچا کھچ بھرا ہوا تھا کہیں تل دھرنے کو جگہ نہ تھی۔ عدالت کے باہر ہر دو جانب سینکڑوں افراد ایک دوسرے کے خلاف شدید نعرہ بازی کر رہے تھے۔ اسی دوران ایک دوسرے پر پتھر بھی پھینکے گئے بعید نہیں تھا کہ کوئی حادثہ رونما ہوتا مگر لمحہ لمحہ پولیس مداخلت کر رہی تھی۔ فضل حق کے حامیوں میں انجمن سپاہ صحابہ کے لوگ نمایاں تھے اب تو فضل حق کے بیٹے بھی اس تنظیم کے رکن بن چکے تھے لہٰذا اندر باہر اس قسم کے لوگوں کی بہتات تھی۔ نیز اس مرتبہ سپریم کورٹ میں کئی اہم ترین سیاسی شخصیات بھی دکھائی دے رہی تھیں جن میں فضل حق کی جانب سے غلام مصطفیٰ جتوئی اور چوہدری شجاعت حسین نمایاں تھے۔

عدالت کا وقت ہو چکا تھا مگر جج صاحبان عدالت میں نہیں آ رہے تھے آخر انہوں نے ہر دو جانب سے دو ذمہ دار افراد کو بلا کر واضح الفاظ میں کہا کہ ان کو موصول ہونے والی اطلاعات کے مطابق کمرہ عدالت میں چند افراد کے پاس آتشیں اسلحہ اور دھماکہ خیز مواد موجود ہے۔ لہٰذا جب تک آپ اپنے افراد کی گارنٹی نہیں دیتے اس وقت تک عدالت نہیں لگے گی۔ آخر چوہدری شجاعت حسین سٹیج پر آئے اور انہوں نے واشگاف الفاظ میں کہا کہ "موصولہ اطلاعات کے مطابق ہال میں چند افراد کے پاس خطرناک قسم کا اسلحہ اور مواد ہے۔ اگر ایسا ہے تو وہ افراد جلدی سے باہر چلے جائیں انہیں کچھ نہیں کہا جائے گا ورنہ دروازے بند کر کے پولیس ابھی تلاشی لے گی"۔

یہ اعلان سن کر صرف تین مشکوک پٹھان نوجوان جنہوں نے چادریں اوڑھ رکھی تھیں چپکے سے باہر چلے گئے اور یوں عدالت کی کاروائی کا آغاز ہوا اور عدالت عالیہ کے چار محترم جج صاحبان شیخ عبدالقادر، ظفر حسن مرزا، شفیع الرحمان اور سعد سعود جان نے سماعت کی۔

عجیب اتفاق تھا کہ ۴ اکتوبر کو مقدمہ قتل کا اہم ملزم بدرے بھی گرفتار ہوا اور اس نے ۷ اکتوبر کو عدالت کے روبرو طویل بیان دے کر تمام رازوں سے پردہ اٹھایا۔
سپریم کورٹ نے ہائیکورٹ پشاور سے کچھ ریکارڈ طلب کیا تو انہوں نے دیگر

ریکارڈ کے ساتھ بدرے کا تفصیلی بیان بھی ارسال کر دیا جس کے بعد قانونی طور پر فضل حق کی ضمانت کے دروازے بند ہو چکے تھے۔ چونکہ قانونی سطح پر یہ آخری عدالت تھی لہذا فضل حق کا پورے خاندان اور دیگر صاحبان اقتدار احباب کی پوری کوشش تھی کہ ملزم کی ضمانت ہو۔

اب یہ موقع تھا جب سیاست اور اثر و رسوخ قانون پر برتری حاصل کرنے کی ضد میں تھے۔ اتفاق سے پیپلزپارٹی کی حکومت بھی ڈانواں ڈول تھی۔ اس کے مرکزی وزیر محنت و افرادی قوت ملتان میں اسلامی جمعیت طلبہ کے دو رہنماؤں کے قتل میں ملزم اور پولیس کو درکار تھے کیونکہ ان کی ضمانت قبل از گرفتاری بھی مسترد ہو چکی تھی اور پنجاب میں نوازشریف حکومت انہیں زچ کرنے پر تلی ہوئی تھی جس کی وجہ سے اپنے صوبہ پنجاب سے فرار ہو کر وہ سندھ میں وزیراعلیٰ قائم علی شاہ کے پاس تھے۔ اب وہ پنجاب پولیس کے خوف سے کراچی اور اسلام آباد تک محدود تھے بلکہ اسلام آباد آنے میں بھی انہیں مشکلات کا سامنا تھا۔ لہذا ایسی صورتحال میں پیپلزپارٹی کی مرکزی حکومت بھی کافی مجبور ہو چکی تھی اور اس نے حالات کے ہاتھوں سمجھوتہ کر لیا تھا جس کی بدولت اب وہ فضل حق کیس میں عدم دلچسپی کا مظاہرہ کر رہی تھی۔ صدر مملکت تک بھی اس مقدمہ میں دلچسپی لے رہے تھے بعض اطلاعات کے مطابق کہ فضل حق نے غلام اسحاق خان کو سینٹ کا ممبر بنایا تھا جس کی وجہ سے وہ سینٹ کے چیئرمین اور پھر صدر مملکت بنے لہذا فضل حق کا خاندان سرحد کے رشتوں' سابقہ وابستگیوں کے علاوہ اپنے احسان جتا کر صدر سے امداد کا خواہاں تھا۔

ابھی فیصلہ سپریم کورٹ میں محفوظ تھا۔ اطلاعات کے مطابق دو جج صاحبان ضمانت منظور کرنے اور دو مسترد کرنے کے حق میں تھے کہ وزیراعظم پاکستان بے نظیر بھٹو صاحبہ کے خلاف عدم اعتماد کا نعرہ بلند ہوا اور پنجاب حکومت نے اسے آخری معرکہ گردان کر سر دھڑ کی بازی لگا دی۔ قومی اسمبلی کے ممبران کی خرید کا سلسلہ عروج تک جا پہنچا حتی کہ ممبران اغواء ہونے لگے جس کے باعث نوازشریف نے اپنے ممبران مری اور آفتاب شیرپاؤ نے سوات میں محصور کر دیئے۔ یہ وہ لمحات تھے جب ایک ایک

ممبر قومی اسمبلی کی ہر دو جانب اشد ضرورت تھی لہٰذا ایسے میں نواز شریف کی نظر فضل حق پر مرکوز تھی جو تاحال پابند سلاسل تھا۔ ان حالات میں فضل حق کے بیٹے ڈاکٹر ارشد نے بھی عدالت اور صدر مملکت تک سفارش کی کہ اس کے والد کو حکومت کے خلاف عدم اعتماد کا ووٹ ڈالنے کی اجازت دی جائے اور اسے پیرول پر ایک دن کے لئے رہا کیا جائے اس ضمن میں انہوں نے غلام مصطفیٰ کھر کی پیرول پر رہائی کا بھی حوالہ دیا جب انہیں ضیاء دور میں ان کی والدہ کی وفات پر ایک دن کے لئے رہا کیا گیا تھا۔ فضل حق خاندان کی التجائیں بھی عروج پر تھیں اور عدم اعتماد کی تاریخ کے دن بھی قریب آ رہے تھے کہ ایسے میں کسی خفیہ ہاتھ نے انہیں یہ نوید سنائی کہ فضل حق کی ضمانت منظور ہو چکی ہے جس کا صرف اعلان باقی ہے جو غالباً" عدم اعتماد کے روز ہی کر دیا جائے۔ لہٰذا اس خفیہ خبر کی بدولت اور اشارے پر پشاور کی عدالتوں کی کاروائی اور جیل کے ضابطوں کو مکمل کر لیا گیا اور یوں ۲ نومبر ۱۹۸۹ء کو سپریم کورٹ نے فضل حق کی رہائی کا فیصلہ سنایا۔

نواز شریف کا خصوصی طیارہ پشاور پہنچا اسی روز ہی فضل حق جیل سے باہر آ گیا حالانکہ قانون کے مطابق عدالت کے فیصلے سے جیل کی رہائی تک کے مراحل جس تیزی سے مکمل کئے گئے اس سے اندازہ ہوتا تھا کہ تمام کاروائیاں پہلے سے مکمل تھیں۔ نواز شریف اپنے دوست کو رہا کروا کے اس کے گھر پہنچا' مبارکباد دی اور اسے بے نظیر کے خلاف عدم اعتماد کا ووٹ ڈالنے کی خاطر اسلام آباد لے آیا۔ مگر عدم اعتماد کی تحریک میں ووٹ نہ ڈالے گئے۔ شاید کوئی باہمی سمجھوتہ ہو گیا تھا۔

○○○

بلاشبہ فضل حق کی ضمانت اور عدالت عالیہ کا فیصلہ شہید عارف حسین الحسینی کے عقیدت مندوں پر گراں گزرا مگر قائدین تحریک نفاذ فقہ جعفریہ پاکستان نے قانون کا احترام کرتے ہوئے اپنا احتجاج جاری رکھا اور فضل حق کو رہائی دلوانے والے عناصر کی تہہ تک پہنچنے کی کوشش تیز کر دی۔ اسی دوران ایک اہم ادارہ کی شخصیت نے چہکتے ہوئے صدارتی محل کی طرف اشارے کرتے ہوئے کہا یہ سب اسی کا کمال ہے۔ مقتول

کے ورثاء کی حتی الامکان کوشش تھی کہ حکمران مزید اس مقدمہ پر اثر انداز نہ ہوں اس لئے ان کے احتجاج میں شدت پیدا ہوتی گئی جبکہ دوسری جانب رہائی کے بعد فضل حق اور اس کے احباب کی یہ کوشش تھی کہ وہ اپنے اثر و رسوخ کو جائز و ناجائز ذرائع سے استعمال کریں اور وعدہ معاف گواہ سراج تک رسائی حاصل کر کے اسے سلطانی گواہی سے منحرف کریں۔ علاوہ ازیں فضل حق اور اس کے حامی حکمرانوں نے یہاں تک منصوبہ بندی کی کہ وہ شیعہ قوم کے افراد خرید کر اپنی بے گناہی کی راہ ہموار کریں۔ چنانچہ ان زاویوں پر انتہائی تیزی سے کام شروع ہوا۔ جیل میں سراج کو کئی بار فضل حق کا پیغام ملا' بے پناہ لالچ دی مگر بات نہ بن سکی۔ فضل حق نے اپنی بے گناہی ثابت کرنے کے لئے مدینہ و کربلا جا کر قسم اٹھانے کا بھی اظہار کیا مگر اب اس کی کون سنتا تھا البتہ پنجاب حکومت نے چند روایتی بکاؤ شیعہ تلاش کر کے ان کی گود میں لاکھوں روپے' اے۔ ایس۔ آئی اور نائب تحصیلدار جیسی نوکریاں ڈال کر فضل حق کی حمایت میں اخباری بیان جاری کروائے۔ مفادات کے حصول اور ہوس کے ہاتھوں مجبور افراد میں سید باوا نفیس الحسن آف قصور سرفہرست تھا اور اس نے متعدد بار اخبارات میں فضل حق کی بے گناہی کی تصدیق کی اور اپنا تعارف تحریک نفاذ فقہ جعفریہ پاکستان کی سپریم کونسل کے رکن کی حیثیت سے کرایا اور شیزان ہوٹل لاہور میں پریس کانفرنس کرنے پر اتر آیا۔ تحریک نفاذ فقہ جعفریہ اور آئی۔ ایس او۔ کے کارکنان کو نفیس الحسن کی اس کاروائی کا علم ہوا تو انہوں نے پریس کانفرنس سے قبل وہاں بیٹھے ہوئے نام نہاد شیعہ رہنماؤں کو صحافیوں کی موجودگی میں پکڑا اور گھسیٹتے ہوئے لاہور کی اہم اور مصروف شاہراہ "مال روڈ" پر لے آئے جہاں انہوں نے ان راہنماؤں کو زد و کوب کرنے کے علاوہ عریاں کر دیا۔ جب نذیر حسین شاہ کے کپڑے اتارے گئے تو اس کی جیب سے وزیر اعلیٰ پنجاب کے نام ایک درخواست برائے بھرتی اے۔ ایس۔ آئی برآمد ہوئی جو اس کے بیٹے کی طرف سے تھی۔ اطلاع کے مطابق یہ طے پایا تھا کہ فضل حق کی حمایت میں پریس کانفرنس کرنے کے بعد وزیر اعلیٰ پنجاب اس درخواست پر حکم صادر کر دیں گے۔

اتفاق سے اس کاروائی کا سرغنہ نفیس الحسن جو تحریک کے کارکنان کے چہروں سے آشنا تھا یہ منظر دیکھتے ہی پولیس کی نگرانی میں سرکاری گاڑی کے ذریعے فرار ہو گیا جبکہ چند صوبائی افسران ہوٹل میں بیٹھے یہ تماشا دیکھتے رہے۔ آخر جب ہوٹل کے منیجر سے پریس کانفرنس کے انتظامات کرانے والوں کے بارے میں استفسار کیا گیا تو معلوم ہوا کہ سب کچھ وزارت اطلاعات و نشریات پنجاب کی ایماء پر ہو رہا تھا۔

۱۴۔ فقیر گل کی گرفتاری اور اس کا بیان

شہید سید عارف حسین الحسینی کے قتل کی سازش کا ایک اہم ترین ملزم اور سازش کو تکمیل تک پہنچانے والا ایک مہرہ فقیر گل ولد ضمیر گل سکنہ ماجو کی پڑانگ ہے۔ ۵۶/۵۷ سال کا یہ ادھیڑ عمر شخص انتہائی مکار اور عیار ہے۔ انہی خصوصیات کی بنا پر اس ملزم نے علامہ صاحب کی جاسوسی کے کام کو انتہائی تیزی سے پایہ تکمیل تک پہنچایا۔

یہ شخص کم و بیش پانچ مرتبہ مدرسہ میں مختلف بھیس بدل کر آیا ہر مرتبہ نیا انداز نئی چال اپنائی پہلی مرتبہ ماجد گیلانی کی نشاندہی پر بدرے اور فقیر گل نے مدرسہ کا کھوج لگایا بعد ازاں انہوں نے مدرسہ کے سیکرٹری محبت علی سے ملاقات کی اور خود کو شیعہ ظاہر کرکے بچوں کے داخلے کے لئے مدرسہ کا داخلہ فارم حاصل کیا جو سراج کے توسط سے ماجد گیلانی تک پہنچا۔ یہی فارم ماجد گیلانی کی سوزوکی کار JG 9700 کے ڈائس بورڈ سے اس وقت برآمد ہوا جب پولیس نے ماجد گیلانی کے ڈرائیور محمد رمضان کو اسلام آباد میں گاڑی سمیت گرفتار کیا اور فارم کی یہ برآمدگی عدالت کی فائلوں میں ایک ناقابل تردید ثبوت ہے۔

دوسری مرتبہ فقیر گل اور بدرے نے علامہ صاحب سے ملاقات کی فقیر گل نے خود کو ایک مظلوم شیعہ ظاہر کرنے کے ساتھ ساتھ اپنا نام طاہر حسین بتایا اور پارا چنار میں رہائش اور تعاون کے لئے علامہ صاحب سے وہاں کے پیش نماز آغا شیخ علی مدد کے نام سفارشی خط لکھوایا۔ علامہ صاحب کا یہ تحریر کردہ خط بھی سراج کے ذریعہ ماجد گیلانی اور اس کے آقاؤں تک پہنچا یہاں تک کہ سازش کے پس منظر میں بیٹھے ہوئے افراد نے اس تحریر کی تصدیق کی کہ واقعاً" یہ اسی شخص کی تحریر ہے جسے قتل کرنا مقصود ہے۔

تیسری مرتبہ فقیر گل جمیل اللہ کے ساتھ مدرسہ میں آیا اور علامہ صاحب کو موجود پا کر برآمدہ میں کچھ دیر تک مدرسہ کے چوکیدار عبداللہ سے باتیں کرتا رہا۔ اسی بناء پر ملاقات میں عبداللہ نے جمیل اللہ کو دیکھا اور پولیس نے چند قطاروں میں جمیل اللہ کو مختلف لباس میں تین مرتبہ کھڑا کیا اور ہر بار عبداللہ نے جمیل اللہ کی شناخت

کی۔

چوتھی بار فقیر گل رات کی تاریکی میں مدرسہ کی حدود پھلانگ کر اندر آیا اور عبداللہ جو کلاشنکوف اٹھائے اپنی ڈیوٹی سرانجام دے رہا تھا کے ہتھے چڑھ گیا۔ عبداللہ نے غصے میں اس سے رات کے اندھیرے میں آنے کی وجہ دریافت کی تو اس نے روایتی مکاری اور پر اعتماد لہجے میں جواب دیا کہ "علامہ صاحب کا عطا کردہ سفارشی خط جیب سے رومال نکالتے ہوئے کہیں گر گیا ہے لہٰذا دوسرا خط درکار ہے" عبداللہ نے اسے ڈانٹا بھی کہ یہ کوئی خط لینے کا وقت ہے؟ عبداللہ اس کا بازو پکڑ کر مدرسہ میں سوئے ہوئے پریس سیکرٹری کے پاس بھی لے گیا جس سے اعتماد کے ساتھ فقیر گل نے علامہ صاحب کا پتہ کیا۔ جب انہوں نے بتایا کہ علامہ صاحب کراچی سے نہیں آئے تو اس مکار شخص نے لمبی آہ لی اگرچہ ملازمین کو اس پر شک ہوا مگر اس بار بھی فقیر گل کی عیاری کام آئی اور یوں یہ شخص جلدی سے بچ نکلا۔

شب وقوعہ فقیر گل دیگر قاتلین کے ہمراہ ۴ اگست ۱۹۸۸ء کی شام کو مدرسہ میں آیا اور علامہ صاحب سے ملاقات کی۔ اسی روز ہی علامہ صاحب پارا چنار سے واپس لوٹے تھے اور آپ نے صبح لاہور میں منعقد ہونے والے ایک سیمینار میں شرکت کرنی تھی۔ ۴ اگست کی نماز مغرب سے کچھ دیر قبل یہ شخص مدرسہ کے اندر آیا علامہ صاحب سے ملا۔ آپ سے ایک بار پھر خط لیا اور اجازت چاہی مگر نہ جانے اس بار آقا صاحب نے اس شخص کو بار بار کیوں دیکھا....؟ اپنے ہاتھ سے چائے پیش کی۔ جب یہ شخص رخصت ہونے لگا تو آپ نے اسے ایک بار پھر بٹھایا' مدرسہ کے سیکرٹری محبت علی سے ایک گلاس شربت منگوایا اور اسے خود پیش کیا۔ یوں قاتل کو شربت اور دودھ پلانے والی سیرت ایک بار پھر زندہ ہو گئی۔ قاتل نے پیکر خلوص و محبت' مجسمہ زہد و تقویٰ کے ہاتھوں سے شربت پیا اور رخصت ہو گیا۔

۵ اگست ۱۹۸۸ء کی صبح سورج طلوع ہونے سے قبل ملت اسلامیہ پاکستان کے وقار کا آفتاب غروب ہو گیا۔ دیگر ملزمان کی طرح فقیر گل نے اپنی گرفتاری کے بعد شہید کے قتل کی سازش کا اپنے اقبالی بیان میں انکشاف کیا ہے۔

جاسوسی پر مامور اور سازش کو انجام تک پہنچانے والا ملزم فقیر گل اس وقت گرفتار ہوا جب وہ پولیس کی نظر سے بچ نکلنے کے لئے راہ فرار اختیار کر رہا تھا مگر پولیس کو فقیر گل کے قریبی ذرائع سے موصول ہونے والی اطلاعات نے چوکنا کر دیا تھا۔ پولیس نے اسے قصبہ اتمانزئی سے بذریعہ ٹیکسی نمبر PR 2725 چارسدہ جاتے ہوئے اس وقت گرفتار کیا جب وہ زنانہ لباس اور برقعہ پوش حالت میں فرار کی کوشش میں تھا۔ یاد رہے کہ یہ شخص اس حادثہ سے قبل مختلف ڈکیتیوں' فراڈ اور جعلی نوٹوں کے کاروبار میں بھی ملوث اور سزا یافتہ رہا ہے۔ آپ کے قتل کی بھیانک کردار کے حامل اس ملزم کا بیان جہاں دیگر ملزمان کی تائید کرتا ہے وہاں مزید انکشافات بھی کرتا ہے۔ فقیر گل اپنے تفصیلی بیان میں کچھ یوں کہتا ہے۔

"میں "ماجوکی پڑانگ" کا سکونتی ہوں اور میرا سراج ساکن ترلاندی سے اس وقت سے تعلق ہے جب میں دس گیارہ سال قبل درزی کا کام کرتا تھا۔ چونکہ میری دکان چارسدہ میں تھی اس لئے سراج مجھ سے کپڑوں کی سلائی کرایا کرتا تھا۔ عرصہ چار سال قبل جب میں بیوی بچوں کے ہمراہ "باڑہ شیخاں" میں سکونت پذیر تھا اور میری بیوی وہاں ہسپتال میں ملازمہ تھی تو سراج چند دیگر لوگوں کے ہمراہ میرے گھر آیا میں نے ان کی تواضع کی جب سراج رخصت ہونے لگا اس کی نظر میرے دنبہ پر پڑی اور سراج نے یہ کہہ کر ایک راضی نامہ کے سلسلہ میں اسے دنبہ درکار ہے مجھ سے دنبہ مانگ لیا اور اس کے عوض گائے دینے کا وعدہ کیا۔ کچھ عرصہ بعد اس دنبہ کی رقم وصول کرنے کی خاطر سراج کے گاؤں ترلاندی آیا اور سراج سے رقم کا مطالبہ کیا مگر سراج حیلے بہانے کرکے ٹالتا رہا۔ پھر میں تیسرے چوتھے دن وعدے کے مطابق جانے لگا مگر سراج کا رویہ بدستور وہی رہا اسی دوران میں ایک دن سراج کے حجرے پر گیا تو سراج نے مجھ پر اعتماد لہجے میں کہا کہ اس نے ایک شخص سے رقم لینی ہے اور وہ شخص چار دن بعد ضرور آئے گا لہٰذا تم بھی چوتھے روز آ جانا۔

چوتھے دن حسب وعدہ میں سراج کے پاس ترلاندی پہنچا تو سراج اپنے حجرے میں ایک خوبصورت پنجابی نوجوان جس نے داڑھی اور مونچھیں منڈوائی ہوئی تھیں کے

ساتھ مصروف گفتگو تھا اور حجرے کے باہر سلیٹی رنگ کی چھوٹی موٹر کار موجود تھی۔ میں نے حجرے میں داخل ہوتے ہی پنجابی شخص کے ساتھ علیک سلیک کی اور سراج سے ہاتھ ملاتے ہی اشارہ سے رقم کا مطالبہ کیا لیکن سراج نے مجھے اشارے سے کہا کہ صبر کرو مہمان بیٹھا ہوا ہے لہٰذا میں ان کے ساتھ چارپائی پر بیٹھ گیا۔ پنجابی نوجوان کھانا کھانے لگا تو میں حجرے سے باہر سراج کے لڑکے میجر اور سراج کے دوست بدرے کے ساتھ باہر بیٹھ گیا۔ میجر چائے لایا ہم نے چائے وغیرہ پی اور پنجابی نوجوان سراج کا ہاتھ پکڑ کر اسے علیحدہ ایک کمرہ میں لے گیا۔ تھوڑی دیر بعد پنجابی جانے لگا تو اس نے سراج سے اشارے سے میرے بارے پوچھا تو سراج نے جواب دیا یہ میرا قریبی دوست ہے۔ میں نے سراج سے پنجابی شخص کے بارے دریافت کیا تو اس نے جواب دیا کہ یہ راولپنڈی سے مہمان تھا پھر بدرے نے بھی سراج سے استفسار کیا "ماما یہ پنجابی کون ہے اور کیوں چکر لگا رہا ہے؟ سراج نے جواب دیا کہ راولپنڈی میں اس کا کوئی کام ہے لہٰذا ہمیں راولپنڈی جانا ہے۔

میں نے سراج سے پھر رقم کا مطالبہ کیا تو سراج نے مجھے تسلی دیتے ہوئے کہا کہ صبر کرو راولپنڈی چلنا ہے اور میں وہاں سے رقم لے کر آپ کو دوں گا۔ سراج نے بات کو طول دیتے ہوئے مجھ سے پوچھا کہ تم نے راولپنڈی کی صدر مسجد دیکھی ہے؟ چونکہ میں راحت ملز راولپنڈی میں کافی عرصہ کام کر چکا تھا اور اسی مسجد کے قریب سے گذرتا تھا اس لئے میں نے جواب مثبت دیا۔ اس پر سراج نے مجھے راولپنڈی چلنے کو کہا۔ اگلے دن میں اور سراج راولپنڈی گئے اور صدر مسجد کے سامنے پہنچ گئے گرمی بہت زیادہ تھی ہم تھوڑی دیر کے لئے مسجد میں لیٹ گئے۔ سراج نے کہا کہ باہر کوئی ٹھنڈی جگہ دیکھتے ہیں تاکہ تھوڑی دیر آرام کر سکیں میں اسے قریبی ہوٹل میں لے گیا جہاں ہم نے تھوڑی دیر آرام کیا۔

پنجابی نے سراج سے چھ بجے شام ملنے کا وعدہ کیا ہوا تھا۔ ہم عصر کے وقت باہر نکلے اور اس کا انتظار کرنے لگے اسی دوران میں نے سراج سے اس پنجابی کا تعارف چاہا تو سراج نے کبھی اسے میجر کبھی پائلٹ اور کبھی پروفیسر بتلایا۔

کچھ دیر بعد اسی سلیٹی رنگ کی موٹر کار میں پنجابی آ گیا ہم نے علیک سلیک کی۔ اس نے سراج کو گاڑی میں بٹھایا اور مجھے مسجد کے باہر رہنے کو کہا۔ پونے گھنٹے بعد سراج اور پنجابی آئے اور مجھے موٹر کار میں موتی بازار لے گئے یہاں پنجابی نے گاڑی کھڑی کی اور مجھے گاڑی میں رہنے کو کہا۔ سراج اور پنجابی اتر کر پچاس ساٹھ قدم کے فاصلے تک آگے چلے گئے پندرہ بیس منٹ بعد دونوں واپس آئے۔ پھر پنجابی ہمیں فلائنگ کوچ کے اڈہ پر لے آیا یہاں بوتل وغیرہ سے تواضع کی۔ ہمیں فلائنگ کوچ کے ٹکٹ خرید کر دیئے اور سراج کو سگریٹ کا ایک ڈبہ بھی تھما دیا۔ ہم پشاور واپس پہنچے اور رات ہشتنگری سرائے میں گذاری اور اگلے دن چارسدہ چلے گئے۔ وہاں سے سراج ترلاندی چلا گیا۔ اس سفر کے دوران میں نے سراج سے پنجابی کے کام کے بارے میں پوچھا تو اس نے مجھے پشاور میں ایک مولوی کو قتل کرنے کے بارے میں بتایا اور آتے وقت مجھے کہا کہ پنڈی میں بھی اس پنجابی نے ایک مولوی کی نشاندہی کی تھی کہ اس کو بھی قتل کرنا ہے لیکن وہ جگہ مشکل تھی لہذا پنجابی نے کہا کہ تم لوگ فی الحال پشاور والا کام کرو یہ کام پھر دیکھیں گے۔ جاتے وقت مجھے کہا کہ کل آ جاؤ تین بجے وہ پنجابی شخص آئے گا۔

اگلے دن میں تین بجے سراج کے ڈیرے پر گیا شیر گل اور بدرے بھی وہاں بیٹھے ہوئے تھے۔ ۴ بجے وہ پنجابی پہنچ گیا گرمی شدید تھی اس نے آتے ہی پیاس کا اظہار کیا اور سراج نے اسے شربت پلایا۔ وہ سراج کے پاس گیا جیب میں سے رقم نکالی سراج نے کہا یہ تو ڈالر ہیں اس نے کہا کہ چلو یہ تبدیل کر کے تم کو دے دوں گا۔ اور وہ واپس چلا گیا۔ اس پر بدرے نے سراج سے پوچھا کے معاملہ کیا ہے؟ تو سراج نے اس سے کہا کہ اس پنجابی کا کام ہے جو ہمیں کرنا ہے۔ تین چار روز کے بعد ہم سراج کے حجرہ میں اکٹھے ہوئے۔ میں' بدرے' شیر گل اور سراج موجود تھے کہ پنجابی بھی آ گیا۔ وہ سراج کو لے کر باہر چلا گیا بدرے اور شیر گل نے آپس میں کہا کہ آخر کیسا چکر ہے ہم نے دیکھا کہ پنجابی نے سراج کو کوئی چیز دی تو سراج نے جیب میں ڈال دی پھر سراج ہمیں قریبی کھنڈر میں لے گیا اور جیب سے رقم نکال کر دی کہ پنجابی نے ۵۰

ہزار روپے کی رقم دی ہے مگر گن کر بتایا کہ ۵۰۰ روپے کم ہیں۔ رات ہم نے ترلاندی میں گذاری سراج سے پوچھا کہ معاملہ کیا ہے۔ سراج نے کہا کہ پنجابی کے ساتھ اس نے قرآن پر وعدہ کیا ہے۔ جب تم بھی میرے ساتھ قرآن پر قسم اٹھاؤ گے تو تم کو بتلاؤں گا۔ اگلے دن میں سراج بدرے اور شیر گل پشاور آئے اور موٹر خریدنے کے لئے بارگین سنٹرز پھرتے رہے۔ آخر ارباب فرمان کے بارگین سنٹر سے ایک موٹر کار خریدی مگر کچھ رقم کم تھی۔ موٹر کا مالک ہمارے ساتھ ترلاندی چلا آیا اور بقایا رقم سراج نے اسے ادا کی۔ رات ہم نے ترلاندی میں گذاری سراج نے کہا کہ اب کام شروع ہے۔ ادھر ادھر جانا نہیں ہے۔ اگلے دن ہم سب "کانگولہ" ارباب فرمان کے پاس اس موٹر کار میں گئے یہاں ہم نے مسجد میں نہا کر قسمیں کھائیں کہ راز کو فاش نہیں ہونے دیں گے۔ اس کے بعد سراج نے ہمیں کہا وہ شخص پنجابی ہمیں چار لاکھ کی رقم دے گا پشاور میں ایک مدرسہ میں عارف حسین شیعہ مولوی ہے اس کو قتل کرنا ہے یہاں سراج نے کہا کہ اب قسم کھالی ہے اس لئے کام ضروری ہو گیا ہے۔

کانگولہ سے ہم گندھاب چلے گئے وہاں کلاشنکوف اور کارتوس خریدے واپس ترلاندی آیا سراج سے باتیں کیں اور ہمیں اپنے ساتھ موٹر میں بٹھا کر نوشہرہ کے راستے پشاور لایا کہ وہ ہمیں وہ مدرسہ بتلائے گا۔ اس وقت تاریکی تھی ایک جگہ پر کانٹے دار تار لگی ہوئی تھی راستہ تنگ تھا۔ پنجابی نے کہا کہ یہاں کہیں، وہ مدرسہ ہے۔ میں اور بدرے تلاش کے لئے نکلے مگر ہم راستہ تک نہ پہنچ سکے۔ رات سراج کے رشتہ دار کے ہاں گزاری جن کا قریب ہی گھر تھا اگلی صبح چائے پی کر میں اور بدرے پھر مدرسہ کا سراغ لگانے نکلے۔ سراج اور شیر گل "ہشت نگری" میں ایک اسلحہ کی دکان پر انتظار کرنے کا کہہ کر چلے گئے۔

تلاش کرنے پر میں اور بدرے اسی مدرسہ میں پہنچ اس کے اندر ایک دفتر تھا جس میں ایک بندوق اور مشین گن آویزاں تھی مدرسہ زیر تعمیر تھا مدرسہ کے باہر اینٹیں اور سیمنٹ کی بوریاں بکھری پڑی تھیں۔ ہم تھوڑی دیر ٹھہرے ہی تھے کہ اسی اثناء میں ایک جوان آیا اس نے ہمارے ساتھ علیک سلیک کی ہمیں پانی پلایا اور پھر چائے لے

آیا۔ ہم نے مولانا کا پوچھا جس نے ہمیں بتایا کہ وہ کراچی گئے ہوئے ہیں۔ کیا کام ہے؟ ہم نے کہا کہ بچوں کو داخل کرانا ہے اس نے کہا کہ فارم پر کرنے کے بعد داخلہ ہوگا ہم نے فارموں کا پوچھا اس نے ہمیں سبز رنگ کا فارم دیا فارم لے کر ہم گئے اور فارم سراج کے حوالے کیا اور کہا کہ ہم نے جگہ دیکھی ہے بدرے نے بھی تصدیق کی اس کے بعد ہم ارباب فرمان کے بارگین سنٹر پر گئے۔

سراج نے اس قریب والے بارگین سے اس پنجابی کو ٹیلی فون کیا اور آنے کا کہا ہم ترلاندی چلے گئے اگلے دن وہ پنجابی سراج کے ڈیرے پر آیا سراج کے ساتھ بغل گیر ہوا اور سراج نے فارم اس کے حوالے کیا تو پنجابی نے سراج کی پشت پر تھپکی دی اور ۵۰۰ روپے بطور انعام دیئے۔ بدرے نے سراج کو کہا کہ میں یہ کام کرلوں گا۔ سراج نے اس کو خاموش کر دیا کہ تمہاری مثال قوال کی ہے باتیں زیادہ کرتے ہو۔ پنجابی چلا گیا اور اگلے دن چار بجے آنے کا کہا۔ اس دن موٹر میں اس کے ساتھ وردی بھی تھی۔

اس کے بعد میں اور شیر گل مدرسہ میں گئے مگر مولانا موجود نہ تھے پتہ چلا کہ ان کا چچا بیمار ہے وہ پارا چنار میں ہیں۔ اس کے دو تین روز بعد بدرے اور شیر گل مدرسہ میں گئے ان کی مولانا سے ملاقات ہوئی اور مولانا نے ان کو چٹ دی۔ اس کے دو روز بعد ہم سب نسواری موٹر کار میں صبح کے وقت پشاور گئے۔ قصہ خوانی بازار سے ٹیلی فون پر سراج نے پنجابی سے بات کی اور پنجابی کو ۱۲ بجے ہشتنگری پر ملنے کا کہا۔ ہم سب ہشتنگری شہیداں پہنچے شیر گل اور سراج نے موٹر میں جا کر پشاور سے گاڑی کے لئے نمبر پلیٹ تیار کروائیں۔ ایک بجے وہ پنجابی اپنی موٹر میں آگیا۔ سراج کے ساتھ بات چیت ہوئی۔ شیر گل نے پنجابی سے کہا کہ ہمارا خیال ہے کہ سراج ہم سے دھوکہ کر رہا ہے اب قسم اور قرآن ہو چکے ہیں اب وہ ہمیں بتلائے کہ رقم کتنی ہے اور یہ معاملہ کیسے ہو رہا ہے۔ پنجابی نے کہا کہ جلدی کرو مجھ پر نہایت دباؤ ہے اور رقم اجرت چار لاکھ روپے ہے۔ یہ کام صدر ضیاء کر رہا ہے۔ تاکہ شیعہ سنی فساد ہو جائے اور وہ آرام سے اپنی حکومت کر سکے۔ پنجابی یہ کہہ کر واپس چلا گیا اور کہا کہ یہ کام جلدی کرنا ہے۔

بدرے نے کہا کہ بازاروں میں فضول پھرنے سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا کسی

ٹھکانے پر جاتے ہیں۔ سراج نے بدرے سے کہا کہ تم لوگ کام نہیں کر سکتے پھر سراج نے جمیل اللہ ساکن خویشگی کو بھی گروپ میں شامل کر لیا۔ میں' سراج' بدرے اور شیر گل اکبر پورہ چلے گئے دو راتیں بدرے کے رشتہ داروں کے پاس گذاریں پھر نوشہرہ چلے گئے۔ وہاں پل کے قریب ایک مکان کے حجرے میں گئے۔ حجرے کے مالک سے سراج نے علیک سلیک کی اور بتلایا کہ ہم ویسے یہاں سے گذر رہے تھے سوچا کہ آپ سے مل لیں۔ اس شخص نے چائے پلائی۔ سراج نے اس شخص سے کارتوس مانگے جس نے 32 بور کے کارتوس لا کر سراج کو دیئے اور ہم وہاں سے پشاور روانہ ہو گئے۔ پشاور پہنچے تو سراج کے دوست جو "بچگی" روڈ پر رہتے ہیں کے پاس چلے گئے۔ جمیل اللہ بھی ساتھ تھا ایک رات اور دو دن وہاں گذارے اگلے دن پشاور آئے بازار میں پنجابی کپتان ملا اور اس نے سراج کو ہسپتال روڈ پر روٹی کھلائی اور کہا کہ میں ریڈیو پر یہ خبر سنے بغیر نہیں جاؤں گا سراج نے اس کے ساتھ باتیں کیں اور وہ چلا گیا۔

اگلے دن ہم سب سراج کے ایک دوست کے پاس گئے جو مدرسہ کے کچھ فاصلہ پر گاؤں میں رہتا تھا۔ رات وہاں پر گذاری اور صبح اذان کے وقت موٹر میں بیٹھ کر مدرسہ کے لئے روانہ ہوئے۔ میرے' سراج اور بدرے کے پاس 30 بور کے پستول تھے۔ مدرسہ کی نہر والی طرف پر جا کر ایک جگہ گاڑی کھڑی کی' سراج نے شیر گل کو گاڑی کا رخ موڑنے کے لئے کہا۔ دروازے کھلے چھوڑ دیئے۔ بدرے اور جمیل اللہ مدرسہ میں چلے گئے۔ چند منٹ کے بعد فائر ہوا سراج نے کہا کہ یا اللہ خیر پھر بدرے آگے اور جمیل اللہ پیچھے آن پہنچے اور گاڑی میں بیٹھ گئے۔ سراج نے ان سے پوچھا تو جمیل نے کہا کہ آدمی کو مار دیا ہے۔

انا للہ وانا الیہ راجعون

سراج نے شیر گل کو چارسدہ روڈ پر جانے کا کہا راستے میں ایک سڑک پر گاڑی کھڑی کر کے نمبر پلیٹ پر لگایا ہوا کاغذ ہم نے ہٹا دیا اور پھر سیدھے ہری چند سراج کے سسر کے ڈیرے پر چلے گئے۔ گیارہ بجے خبروں میں مولانا کے قتل کی خبر سنی یہاں سے ہم سراج کے دوستوں کے پاس دیر چلے گئے۔ جمیل اللہ کو راستہ میں چھوڑ دیا۔ دیر

جہاں ہم رہے وہاں گھر کے مالک کے ساتھ سراج اکثر تنہائی میں باتیں کیا کرتا تھا۔ پانچ دن دیر میں گذار کر واپس آئے راستہ میں سراج نے زبردستی میری داڑھی کٹوائی اور کہا کے لوگوں نے تمہیں داڑھی کے ساتھ دو دفعہ دیکھا ہے۔ میں نے داڑھی صاف کرائی اور ہم نوشہرہ پل پر پہنچ گئے۔ نوشہرہ پل کے قریب پنجابی کپتان کا ڈرائیور ملا۔ اس ڈرائیور کو ساتھ لے کر ہم سب اسلام آباد چلے گئے سراج اس فوجی کپتان سے ملا اس نے اگلے دن نوشہرہ پل پر رقم دینے کا وعدہ کیا۔ ہم واپس آ گئے مقررہ وقت پر ہم سب نوشہرہ پل سے کچھ فاصلے پر انتظار کر رہے تھے کہ اسی دوران ملک رحمان ساکن گندھاب بمعہ دیگر افراد بھی آیا۔ سراج نے مجھے کہا کہ بدرے ملک رحمان کو اس لئے لایا ہے کیونکہ بدرے کو شبہ ہے کہ میں آپ لوگوں کو رقم نہیں دوں گا۔ ملک رحمان نے کہا کہ وہ کسی کی عیادت کے لئے پشاور جا رہا ہے۔ پنجابی بھی موٹر کار میں بمعہ ڈرائیور آیا اور ہر ایک کو ایک لاکھ ساڑھے بارہ ہزار کی رقم دی۔ سراج نے ہم سے ساڑھے سات ہزار جمیل اللہ کے حصہ کی رقم لی اور ہم چارسدہ روانہ ہو گئے۔ وہاں ملک رحمان بھی ساتھیوں کے ساتھ پہنچ گیا۔ سراج اور بدرے نے تین تین ہزار اس کو دیئے اور مجھے اور شیر گل کو بھی تین تین ہزار دینے کو کہا۔ ہم نے اتنی ہی رقم اس کو دے دی۔

میں اپنے سسر کے گھر چلا گیا اور اپنے لڑکے شمشاد علی کو طلب کر کے ۸۰ ہزار کی رقم اسے دے دی۔ میں "اتمانزئی" میں "باڑہ شیخاں" چلا گیا جہاں میرے سالہ نے خبر دی کہ مجھ پر قتل کا دعویٰ ہو گیا ہے۔ چند دن بعد جبکہ میں "باڑہ شیخاں" میں تھا شمشاد علی آیا میں نے اسے رقم بنک میں داخل کرنے کو کہا۔ رقم بنک میں داخل کرنے کے بعد میں گندھاب چلا گیا۔

ایک دن مجھے گندھاب بازار میں بدرے ملا اور وہ اپنے گھر لے گیا جہاں میں پانچ سات دن رہا مگر میں نے محسوس کیا کہ بدرے مجھ سے اکتا رہا ہے پھر میں یہاں سے ملک رحمان کے حجرے پر چلا گیا جہاں کچھ دن رہنے کے بعد محسوس کیا کہ ملک رحمان کا رویہ بھی بدلتا جا رہا ہے غالباً" بدرے نے میرے بارے میں اس کے کان بھرے تھے۔

آخر کار میں نے ملک رحمان کے حجرے کو چھوڑ دیا اور پیر بابا چلا گیا اس کے بعد چارسدہ میں اپنی والدہ سے ملنے آیا تو گرفتار ہو گیا۔

۱۷۔ حکومتوں کا ردو بدل اور عدالتوں کا تزلزل

تحریک نفاذ فقہ جعفریہ پاکستان نے کئی بار وزیر اعلیٰ صوبہ سرحد آفتاب شیرپاؤ اور صدر مملکت غلام اسحاق خان کو علامہ سید عارف حسین الحسینی شہید کے مقدمہ کی یادداشت پیش کیں مگر ان کے کان پر جوں تک نہ رینگی۔ آخر ملک بھر کے علماء کرام نے پشاور میں بھرپور احتجاجی مظاہرہ کیا جس کی قیادت تحریک کے صدر نے کی۔ علماء کے اس پرامن مظاہرہ پر حکومت سرحد نے آنسو گیس اور لاٹھی کا استعمال کیا اور متعدد علماء کے خلاف سنگین مقدمات بنائے۔

سرحد حکومت کی سرد مہری کی وجہ مرکزی حکومت کی عدم دلچسپی اور ذاتی سطح پر آفتاب شیرپاؤ اور فضل حق میں صلح تھی اور یہ سارا کھیل مولانا عبدالباقی کے اشارے پر کھیلا گیا تھا۔ انہوں نے آفتاب شیرپاؤ، فضل حق اور عباس خان آئی۔ جی پولیس صوبہ سرحد کے درمیان صلح کرائی تھی جس کا تذکرہ مختلف اخبارات میں بھی ہو چکا تھا۔ اہل تشیع کو مولانا عبدالباقی کی فضل حق، شیرپاؤ صلح میں دلچسپی کی وجہ سمجھ میں نہ آئی لیکن اس کا کردار اس وقت سامنے آیا جب ماجد گیلانی نے اپنے عدالتی بیان میں مولانا عبدالباقی کو گلگت کے شیعہ کش فسادات کا ذمہ دار ٹھہرایا۔ ماجد کے بیان کے بعد مولانا عبدالباقی نے اپنی صفائی میں بیسیوں بیانات دیئے مگر بے سود رہے۔

تحریک نفاذ فقہ جعفریہ نے حکومت کی عدم دلچسپی اور زیادتیوں کے خلاف بڑے بڑے احتجاج کئے مگر پیپلزپارٹی کی حکومت نے اس بے گناہ خون کو سرد خانے میں ڈالنے کا تہیہ کر لیا۔ آیا یہ اندرونی مصلحتیں تھیں یا بیرونی دباؤ......؟ حکومت نے اہل تشیع کے جذبات کو نہ صرف مجروح کیا اور خود ایک روحانی شخصیت کے خون سے غداری کی مرتکب ہوئی۔ پیپلزپارٹی کی حکومت کو اس خون ناحق کی سودا بازی کا صلہ ۶ اگست ۱۹۹۰ء کو مل گیا جس کے نتیجے میں اسمبلیاں تحلیل ہو گئیں اور پی پی کو سنگین مسائل کا سامنا کرنا پڑا۔

۶ نومبر ۱۹۹۰ء کو میاں محمد نواز شریف وزیر اعظم پاکستان بنے۔ اس مرتبہ فضل حق

بھی سرحد اسمبلی کا ممبر بن چکا تھا اور اس کی خواہش تھی کہ اسے وزارت اعلیٰ یا کم از کم وزارت کا قلمدان سونپا جائے۔

تحریک نفاذ فقہ جعفریہ پاکستان جو ۱۹۹۰ء کے انتخابات کے سلسلہ میں پیپلزپارٹی سے الحاق کر کے (پی ڈی اے) پیپلز ڈیموکریٹک الائنس کے پلیٹ فارم پر موجود تھی اسے اسلامی جمہوری اتحاد کی مخالفت سے دیگر مسائل کے علاوہ شہید عارف حسین الحسینی کے مقدمہ کے سبوتاژ ہونے کا خدشہ زیادہ لاحق تھا لہٰذا انہوں نے ہر حوالہ سے حکومت پر اپنا دباؤ جاری رکھا۔

اس مقدمہ قتل کا اہم ملزم فضل حق کا برادر نسبتی ہاشم خان جس نے ۲۳ جولائی ۱۹۸۹ء کو ہائیکورٹ پشاور سے ڈرامائی انداز میں گرفتاری سے قبل راہ فرار اختیار کی تھی اور جسے عدالت نے بعد میں اشتہاری قرار دے دیا تھا سعودی عرب میں پناہ گزیں تھا۔ جونہی نواز شریف کی حکومت تشکیل پائی تو ایک طے شدہ پلان کے ساتھ ۱۹ فروری ۱۹۹۱ء کو ہاشم خان کو سعودی عرب سے لایا گیا اور سیدھا پولیس کے حوالہ کر دیا گیا۔ اسے یقین تھا کہ اس مرحلہ پر وہ مکھن سے نکلنے والے بال کی طرح مقدمہ سے نکل جائے گا مگر اتفاق ایسا ہوا کہ تقریباً چھ ماہ تک اسے جیل میں رہنا پڑا۔ اس نے مارچ میں درخواست ضمانت پیش کی مگر ۱۰ اگست تک اس کی ضمانت نہ ہو سکی۔

۳۰ ستمبر ۱۹۹۱ء کو علامہ سید عارف حسین الحسینی شہید کی تیسری برسی مینار پاکستان لاہور کے سائے تلے منائی گئی جس میں ملک بھر سے لاکھوں افراد نے شرکت کی اور حکومت سے زبردست احتجاج کیا۔ اتفاق سے اسی روز فضل حق نے بھی اس مقدمہ کے سلسلہ میں عدالت کے روبرو سماعت کے لئے سمن پر دستخط کئے مگر وہ ۲۳ اکتوبر کو نامعلوم افراد کے ہاتھوں اپنے گھر کے قریب قتل ہو گیا جس کے باعث سماعت دسمبر تک ملتوی کر دی گئی۔

ان ایام میں فضل حق کا قتل ایک انتہائی سنگین معمہ بن گیا اس کے ورثاء نے علامہ ساجد علی نقوی' انور علی اخونزادہ سیکرٹری جنرل تحریک اور پشاور میں ایرانی قونصلیٹ جنرل علی رضا شیر خدائی کے خلاف ایف آئی آر درج کروا دی۔ مگر حکومت

نے بجا طور پر کسی کو گرفتار کرنے سے احتراز کیا۔

اس قتل کے بارے میں چہ میگوئیاں ہوئیں مگر حالات کے پیش نظر یہ قتل ایجنسیوں کا کھیل محسوس ہوا کیونکہ عین ان ایام میں امریکہ کے خلاف ایران' پاکستان اور چین اپنا الگ محاذ بنا رہے تھے۔ امریکہ نے پاکستان کی امداد بند کر دی تھی' ایران نے پاکستان کو مکمل سہارا دینے کا عہد کر لیا تھا اور چین نے پاکستان کو ایٹمی تعاون کی یقین دہانی کرا دی تھی لہٰذا ایسے میں ایرانی قونصلیٹ کو فضل حق کے قتل میں ملوث کرنا درحقیقت پاک ایران دوستی کو زک پہنچانا تھا۔

فضل حق کے قتل کے بعد مقدمہ کی سماعت ۴ جنوری ۱۹۹۲ء تک ملتوی کر دی گئی۔ ۴ جنوری کو سیشن کورٹ میں باقاعدہ سماعت کا آغاز ہونا تھا اور انصاف کی ذمہ داری سیشن جج فضل الرحمان کو سونپی گئی۔ ۴ جنوری کو عدالت کے لئے خصوصی حفاظتی اقدامات کئے گئے اور عدالتی کاروائی کو حفاظتی اقدامات کے پیش نظر سنٹرل جیل پشاور کے اندر مکمل کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔ ۳ جنوری ۱۹۹۲ء کو استغاثہ کے وکیل ملک کے ممتاز قانون دان ڈاکٹر خالد رانجھا کے ہمراہ پشاور پہنچے۔ اتفاق سے تحریک کے قائدین کا ایک وفد بین الاقوامی سیمینار میں شرکت کے لئے ایران گیا ہوا تھا۔ پہلی بار عدالتی کاروائی کا باقاعدہ آغاز ہونا تھا جس میں وعدہ معاف گواہ نے جج کے روبرو اپنے بیان کو تسلیم کرنا تھا جس کی روشنی میں مقدمہ نے اگلے مراحل طے کرنا تھے اور شہادتیں قلمبند ہونا تھیں۔ تحریک کے وکلاء کو ابتدائی شہادتوں والے گواہان بھی بعض وجوہات کی بنا پر میسر نہیں تھے اور استغاثہ کے وکلا مسئولین کی عدم موجودگی اور گواہان سے رابطہ نہ ہونے کے سبب بہت پریشان تھے مگر خون شہید کے رائیگاں نہ ہونے کا بھی پورا یقین تھا۔

رات ایک بجے مقدمہ کی فائلیں دیکھتے دیکھتے امجد کاظمی "ڈین ہوٹل" پشاور میں لیٹ گئے۔ سردی کا موسم تھا تقریباً ڈیڑھ بجے شب تحریک کے ایک کارکن نے کمرے کے دروازہ پر دستک دی کاظمی صاحب اٹھے دروازہ کھولا تو معلوم ہوا پولیس کا ایک اعلیٰ تفتیشی افسر انہیں یاد کر رہا ہے۔ ایسے میں کاظمی صاحب ان کے ہاں پہنچے' یاد کرنے کی وجہ پوچھی تو انہوں نے بتایا کہ کچھ دیر پہلے ماجد گیلانی گرفتار ہو کر ان کی تحویل میں آ

چکا ہے جسے راولپنڈی آرمی نے پشاور منتقل کر دیا ہے لہٰذا کوشش کیجئے کہ کل عدالت کی کاروائی شروع ہو تو سراج کا بیان قلمبند نہ ہونے پائے۔ کاظمی صاحب کو یقین نہیں آ رہا تھا انہوں نے وکیل استغاثہ ڈاکٹر خالد رانجھا کو مطلع کیا تو انہیں بھی یقین نہ آیا البتہ صبح کے انگریزی اخباروں میں چھوٹی سی خبر شائع ہوئی کہ ضیاء الحق کے قتل میں ملوث ایک کپتان گرفتار ہو گیا ہے۔ خبر چونکہ ماجد گیلانی کی صحیح نشاندہی نہیں کر رہی تھی اس لئے انہیں بھی اطمینان نہیں ہو رہا تھا۔

صبح عدالت کی کاروائی شروع ہوئی..... وکلاء میزوں کے گرد براجمان ہوئے وعدہ معاف گواہ سراج کو عدالت میں لایا گیا اس نے اپنا بیان شروع کیا تو ڈاکٹر خالد رانجھا نے نقطہ اعتراض پیش کیا کہ سراج کے بیان سے قبل اس مجسٹریٹ کا بیان ریکارڈ کیا جائے جس کے سامنے سراج نے اپنا اقبالی بیان لکھوایا تھا۔ سیشن جج فضل الرحمان یہ سن کر ہنس پڑا اور کہنے لگا کہ ڈاکٹر رانجھا صاحب کیا کہہ رہے ہو ایسا نہیں ہوتا۔ ڈاکٹر رانجھا نے قانون کی ایک کتاب پیش کی جس کی شق میں یہ بات واضح تھی کہ کسی دوسری عدالت میں وعدہ معاف گواہ کے بیان سے قبل وہ مجسٹریٹ اپنا بیان ریکارڈ کروائے جس نے اس کا بیان قلمبند کیا ہے۔ دوسرا ڈاکٹر خالد رانجھا نے جج فضل الرحمان کے سامنے انگریزی اخبار کا حوالہ دیتے ہوئے کیپٹن کی گرفتاری کا شبہ بھی ظاہر کیا جبکہ جج نے ٹالتے ہوئے کہا کہ ایسا ممکن نہیں یہ کوئی اور کیپٹن ہو سکتا ہے؟ جب ڈاکٹر خالد رانجھا نے اصرار کیا کہ ان کی اطلاعات کے مطابق یہ وہی کیپٹن ہے تو اسی دوران غالب گیلانی کے وکیل نے توثیق کر دی کہ رات کی تاریکی میں گرفتار ہونے والا کپتان ماجد گیلانی ہی ہے۔

ماجد کی گرفتاری کے انکشاف کے بعد عدالت کی سماعت کچھ عرصہ کے لئے ملتوی کر دی گئی پھر چند روز تک مختلف مقامات پر ماجد گیلانی کی تفتیش ہوتی رہی آخر ۱۸ جنوری ۱۹۹۳ء کو ماجد گیلانی نے ۳۵ صفحات کا ایک طویل اور انکشاف سے بھرپور بیان قلمبند کرایا۔

اس سنسنی خیز بیان کہ جس میں ملکی و غیر ملکی حکمرانوں کو بے نقاب کیا گیا تھا کو

منظر عام پر لانا حکومت کے بس میں نہ تھا۔

عدالت نے جب ملزم ماجد گیلانی کے سامنے اس کا بیان دہرایا تو اس نے نہ صرف اس بیان کو تسلیم کرنے سے انکار کیا بلکہ اس نے واضح کیا کہ عدالت میں پیش کیے جانے والے من گھڑت بیان کا اس کے اصل بیان سے تعلق نہیں ہے۔

ماجد نے جب من گھڑت بیان کو تسلیم کرنے سے انکار کیا تو ایک موقع پر جج نے کہا "ماجد گیلانی جو کچھ تم اعتراف کر چکے ہو اس کی سزا موت بھی ہو سکتی ہے کیا تمہیں معلوم ہے....."؟ تو ماجد نے برجستہ جواب دیا " جناب میں مطمئن ضمیر کے ساتھ مرنا چاہتا ہوں"۔

ماجد بار بار کہہ رہا تھا کہ اس کا اصل بیان منظر عام پر لایا جائے مگر عدالت خاموش تھی ایک موقع پر جب سردی کے موسم میں سنٹرل جیل پشاور کے صحن میں عدالت لگی ہوئی تھی جج سے تھوڑا دور دھوپ میں ماجد گہری سوچوں میں گم اپنی دونوں انگلیاں منہ میں دبائے بیٹھا تھا۔ گواہان مقدمہ باری باری اپنی گواہی دے رہے تھے کہ اتنے میں زردل خان ڈی ایس پی سامنے آیا۔ ماجد کی نظر جونہی زردل خان پر پڑی تو وہ اٹھ کھڑا ہوا اور بے ساختہ کہنے لگا۔

(۱) کیا تم زردل خان نہیں ہو؟

○ جی میں وہی ہوں جواب ملا۔

(۲) تم نے میری تفتیش نہیں کی تھی اور میرا تفصیلی بیان قلمبند نہیں کیا تھا؟ ماجد نے پھر سوال کیا۔

○ جی کی تھی پھر جواب ملا۔

() ماجد کے چہرے کے تیور اچانک بدلے اور اس نے غصے میں پوچھا جب تم میری تفتیش کر رہے تھے تو کیا تم ساتھ بیٹھے امریکی سفارتکار سے ہدایت نہیں لے رہے تھے۔

○ نہیں..... زردل خان نے منہ پھیرتے ہوئے جواب دیا۔

عدالت کا سلسلہ جاری تھا سماعت انتہائی تیزی سے اپنے مراحل طے کر رہی

تھی۔ ہر بار چند گواہ اپنی گواہی دے رہے تھے اور ہر بار ماجد گیلانی اضطرابی حالت میں بے ساختہ کچھ کہہ دیتا تھا۔ ایک بار جمیل اللہ اور دیگر ملزمان نے اپنا بیان دہرایا تو ماجد نے جج کو مخاطب کرتے ہوئے کہا "جناب گولی چلانے والا شخص ضمانت پر رہا ہو چکا ہے..... جبکہ مجھے بلا جواز جیل کی چکی میں دشوار مراحل سے گذارا جا رہا ہے۔ میں جاننا چاہتا ہوں کہ مجھے بنکاک سے کون لایا تھا اور کس مقصد کے تحت لے آیا تھا مگر یہاں میرے ساتھ کیا ہو رہا ہے۔ جنہوں نے یہ کام کروایا تھا وہ عیاشیاں کر رہے ہیں...... "مگر میں جیل کی چکی میں زیر عتاب ہوں" جج نے ان لمحات میں بے اختیار کہا کیپٹن تم بیٹھ جاؤ جذباتی ہونے کی ضرورت نہیں تم تو میرے سامنے اعتراف جرم کر چکے ہو۔

جب بات یہاں تک پہنچی تو ماجد ہر بار عدالت میں وہی کہنے لگا جس کی عدالت کا ماحول اور حکمرانوں کا مزاج اجازت نہیں دیتا تھا ایسے میں عدالت کی جانب سے ماجد گیلانی پر ذہنی توازن کے درست نہ ہونے کا الزام لگایا گیا۔

عدالت کا یہ الزام سن کر ماجد بذات خود سراپا احتجاج بن گیا اور چیخ چیخ کر کہنے لگا آخر مجھے وہ بات بتائی جائے جس سے میرے ذہنی توازن کی عدم درستگی کا گمان ہوتا ہو شاید اسے معلوم نہیں تھا کہ ایسے بیانات جو حکمرانوں کے مفادات کے خلاف ہوں انہیں پاگل پن ہی کا نام دیا جاتا ہے۔

چنانچہ ان ایام میں جہاں ماجد گیلانی کے طبی معائنہ کی فرضی کاروائیاں پوری کی گئیں وہاں اسے ملک اور اہم اداروں کی اہم ترین شخصیات سے بھی ملوایا گیا۔ حتیٰ کہ ایک اطلاع کے مطابق رات کی تنہائی میں کاکول اکیڈمی ایبٹ آباد کی ایک تقریب کے موقع پر اس کی ملاقات صدر غلام اسحاق خان سے بھی کرائی گئی جس کے بعد ماجد گیلانی کی اضطرابی کیفیت یکسر بدل گئی۔

طبی معائنہ کی رپورٹ درست ثابت ہونے کے بعد ماجد گیلانی عدالت میں ملزم کی حیثیت سے پھر حاضر ہوا تو اب کی بار اس کی ظاہری اور باطنی کیفیت تبدیل تھی اب نہ پہلے کی طرح اس کی شیو بڑھی ہوئی تھی اور نہ بکھرے ہوئے بال...... نہ اس کے چہرے پر افسردگی تھی اور نہ لباس کی حالت زار...... بلکہ اس کا چہرہ مایوسی کی تمام سلوٹوں

سے آزاد اور لباس انتہائی چمکیلا تھا...... اب جج کے پہلو میں بیٹھ کر اس کے مطمئن ہونے کا انداز جداگانہ اور پوری عدالت پر نظریں گھمانے کی ادا فاتحانہ تھی اب تمام ملزمان اور گواہان بہت کچھ کہے جا رہے تھے مگر ماجد ان تمام باتوں سے بے نیاز بہت دور کی سوچ رہا تھا۔ ہر ملزم نے اپنا وکیل نامزد کیا مگر ماجد نے اپنا وکیل رکھنے سے بھی گریز کیا اس لئے کہ اسے کسی پر اعتماد نہ تھا۔

اسی دوران جب ماجد سے جیل کے اندر اور باہر اعلیٰ روابط قائم ہوئے تو جیل کی چکی میں بند وعدہ معاف گواہ سراج بھی متاثر ہوا وہ جیل کے اندر بھی بااثر دائروں کے درمیان سمیٹا گیا مگر اب وہ اس عدالت میں اپنے ۴ جون ۱۹۹۰ء کے سلطانی بیان کا ایک بار پھر اعتراف کر چکا تھا لہٰذا ایسے میں اسے ایک اور راستہ دکھایا گیا جسے اس نے انتہائی چالاکی سے سر کیا۔

وہ یوں کہ سرکاری وکیل نے وعدہ معاف گواہ سراج پر اچانک سوال کیا کہ تم اس کپتان کی شناخت کر سکتے ہو؟ تو سراج نے ہاں میں جواب دیتے ہوئے ماجد کے بھائی غالب رضا گیلانی کی طرف اشارہ کیا کہ وہ بیٹھا ہے حالانکہ ان دونوں بھائیوں کے خدوخال میں بڑا واضح فرق ہے۔

ماجد گیلانی کی عدم شناخت کے بعد عدالت پر سناٹا چھا گیا کیونکہ چار سالوں سے اقرار کرنے والا وعدہ معاف گواہ سراج عدالت میں آج کپتان کی شناخت نہیں کر سکا تھا۔ حقیقت اس کے برعکس تھی یہ ایک طے شدہ سازش تھی جس کا ہر بار عدالت میں اظہار ہوتا رہا۔

اگلے روز سماعت شروع ہونے سے قبل سراج نے از خود اپنی غلطی کا اعتراف کیا۔ اور کہا کہ چونکہ مجھے وہ چیز بتانے سے روکا گیا تھا اس لئے یہ غلطی ہوئی۔

ماجد گیلانی اب عدالت میں انتہائی مطمئن اور پر اعتماد انداز میں آتا۔ تحریک کے رہنماؤں اور وکلاء کا یہ خیال تھا کہ وہ حقیقت حال عدالت میں اگلے گا مگر ایسا نہ ہو سکا کیونکہ لڑکھڑانے والا ماجد اب سنبھل چکا تھا یہاں تک کہ اس نے ۵ اپریل ۱۹۹۳ء کو اعتراف جرم سے بھی انکار کر دیا۔

۴ ' ۵ اپریل کو جرح کی کاروائی مکمل ہوئی تو عدالت نے ۲۴' ۲۵' ۲۶ مئی ۱۹۹۳ء کو آخری بحث کے لئے تاریخ کا اعلان کیا۔ بحث کی تیاریاں عروج پر تھیں کہ اچانک ۱۸ اپریل ۱۹۹۳ء کو ملک کی تمام اسمبلیاں پھر تحلیل کر دی گئی اور میر بلخ شیر مزاری کو نگران وزیراعظم مقرر کیا گیا۔

۲۴' ۲۵' ۲۶ مئی کی آخری بحث کے موقع پر ماجد بذات خود انتہائی مضطرب تھا۔ ان تین ایام میں ملزمان اور مدعی کے وکلاء کے درمیان طویل بحث ہوئی جبکہ وکیل استغاثہ ڈاکٹر خالد رانجھا نے ایسے دلائل پیش کئے جن سے ملزمان کا جرم روز روشن کی طرح عیاں تھا۔ مثل پر جرم مکمل طور پر ثابت ہو چکا تھا جبکہ دفاع کے وکیل ظہور الحق کوئی خاص بحث نہ کر سکے۔

فیصلہ محفوظ کر لیا گیا ۲۶ مئی کو عدالت برخاست ہوئی تو جج نے خود وکیل استغاثہ کی صلاحیتوں کی داد دی اور دو ملزمان (جن پر صرف یہی الزام تھا کہ انہوں نے سراج کو ہاشم کا یہی پیغام پہنچایا کہ وہ اسے چارسدہ بلا رہا ہے) کے بارے میں وکیل استغاثہ سے مشورہ کیا تو ڈاکٹر خالد رانجھا نے کہا ہم انہیں معاف کرتے ہیں۔

جب وکلاء عدالت سے باہر نکلے تو جج نے گاڑی میں بیٹھنے سے قبل وکیل استغاثہ کو اپنے پاس بلایا اور انتہائی تسلی دیتے ہوئے کہا "مطمئن رہیں تاریخی فیصلہ سناؤں گا"

قانون کے تقاضے مکمل ہو چکے ..... ملزمان بھی لفظ بہ لفظ اپنی کاروائی کا اعتراف کر چکے' ...... وکیل استغاثہ بھی اپنے دلائل کا لوہا منوا چکے' ...... توقع تھی کہ انصاف کے تقاضے پورے ہوں گے اور ایک بین الاقوامی شخصیت اور ملت اسلامیہ کے قائد کے قاتل کیفر کردار تک ضرور پہنچیں گے۔

پاکستان کے حکمرانوں کی گہرائیوں سے آشنا اہل فکر و نظر افراد کا خیال تھا کہ ہمارے حکمران داخلی طور پر جس قدر آمر' ڈکٹیٹر اور ظالم ہیں وہ بیرونی دنیا کے سامراجی آقاؤں کے سامنے پرلے درجے کے بزدل' کم ہمت' جی حضور اور غلام ابن غلام ہیں۔ سامراج نہیں چاہے گا کہ اس کے اجرتی لوگ تختہ دار پر لٹکیں اگر ایسا ہوا تو پھر دنیا بھر میں اس کے اشاروں پر کام کرنے والے عدم تحفظ کا شکار ہو جائیں گے۔

حالات ' واقعات اور حقائق کے تناظر میں دیکھنے سے تو یوں لگتا تھا کہ معمولی سے اجرتی قاتلوں کو تختہ دار پر لٹکا دیا جائے گا البتہ ماجد گیلانی اور ہاشم خان کے بارے میں ایجنسیوں کی رضا کو ترجیح دی جائے گی۔ اس کے برعکس جب اس قتل کے پس پردہ عناصر کے بارے میں غور کیا جاتا تو پاکستان کی حکومت اور عدلیہ کی مجبوری سامنے آ جاتی اور عدم اعتماد کی صورت میں برملا کہہ دیا جاتا کہ پاکستان کا قانون مکڑے کے جال کی حیثیت رکھتا ہے جسے ہر طاقتور چیر پھاڑ کر نکل جاتی ہے اور ہر کمزور چیز اس میں لٹک جاتی ہے۔

۲۶ مئی کو پاکستان کی سیاست میں ایک بار پھر بھونچال آیا کہ سپریم کورٹ نے معزول وزیراعظم محمد نواز شریف اور ان کی کابینہ کو بحال کر دیا۔ حکومت کی بحالی نے علامہ سید عارف حسین الحسینی کے مقدمہ کے لئے خدشات پیدا کر دیئے۔

۱۸ جولائی کو نواز شریف نے صدر غلام اسحاق خان اور چیف آف آرمی سٹاف کے دباؤ پر وزارت عظمیٰ سے استعفیٰ دے دیا جبکہ صدر نے بھی چار ماہ کی رخصت لے کر مسند صدارت کو خیرباد کہہ دیا جس کے بعد چیئرمین سینٹ وسیم سجاد بطور قائم مقام صدر اور معین قریشی کو ملک کا نگران وزیراعظم بنا دیا گیا۔

امریکہ کے مسلط کردہ نگران وزیراعظم کے مسند اقتدار سنبھالنے کے بعد ۳۱ جولائی ۱۹۹۳ء کی دوپہر سیشن جج فضل الرحمان نے سنٹرل جیل پشاور کے اندر تمام ملزمان کو بلا کر انہیں باعزت بری ہونے کی نوید سنا دی۔

عدالت کا فیصلہ ملت اسلامیہ پر قیامت بن کر ٹوٹا اور عدالتوں کی مجبوری کا اظہار کیا گیا۔ سیشن جج فیصلہ سنانے کے بعد ہری پور جیل کے ایک ہاؤس میں منتقل ہو گئے اور دبے لفظوں میں اپنی مجبوریاں ظاہر کرتے رہے۔

یاں تو قاتل بھی ہے منصف' تو عدالت میں نہ جا
چور تو پھر چور کو ہی اذن رہائی دے گا

اس کے بعد ہائی کورٹ میں اپیل دائر کی گئی اور تاحال ہائیکورٹ نے سماعت کا سلسلہ شروع نہیں کیا۔ اجرتی قاتل اپنے علاقوں میں موجود ہیں جبکہ ماجد گیلانی نے بلجیم

کے سفیر سے سیاسی پناہ طلب کی ہے جسے مسترد کر دیا گیا ہے۔ اعلیٰ عدالتوں کو چاہئے کہ وہ اس بین الاقوامی سطح کے مقدمہ کی اہمیت پر غور کریں۔ وہ غیروں کی خوشنودی کی بجائے عدل کے تقدس اور حکمرانوں کے اشاروں کی بجائے عوام کے جذبات کو مقدم سمجھیں یہی ان سے ان کا منصب تقاضا کرتا ہے اور قرآن کریم انہیں تاکید کرتے ہوئے فرماتا ہے۔

ولا ترکنوا الی الذین ظلموا فتمسکم النار ○

"ظالموں کی حمایت مت کرو ورنہ (جہنم کی) آگ تمہیں چھولے گی"

✱ ✱ ✱ ✱ ✱ ✱

ہدف قائد شہید کے آثار و افکار کو ملت کے ہر فرد تک پہنچانا۔

العارف اکیڈمی پاکستان